مذہب کا اسلامی تصور

سلمان احمد صدیقی

Marfat.com

Marfat.com

مذہب کا اسلامی تصوّر

سلطان احمد اصلاحی

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی
دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

Marfat.com

سلسلۂ منشورات ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ (۱۵)

297.01
S518
95697

نام کتاب ——— مذہب کا اسلامی تصوّر
مصنف ——— سلطان احمد اصلاحی
ناشر ——— ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ
طابع ——— نازیہ آفسٹ پرنٹرس، دہلی ۶
کتابت ——— راشد کتابت سینٹر۔ لال باغ مراد آباد
صفحات ——— ۵۹۱
تعداد ——— ۱۱۰۰ (گیارہ سو)
بار اوّل ——— ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء
قیمت مجلّد ——— ۱۰۰/: روپے
تصحیح ——— احرار الحسن جاوید۔ علی گڑھ

Marfat.com

فہرست مضامین

دیباچہ ——— ۱۰

باب اول ۱۳

محدود تصوّر مذہب کا پس منظر ——— ۱۴

یورپ کی تاریخ میں مسیحیت کا بدنما کردار ——— ۱۵

قرون وسطیٰ میں کلیسا کے بڑھے ہوئے اثرات ——— ۱۶

پادریوں کی دنیاداری ——— ۱۹

پادریوں کی عدالت میں رشوت کی گرم بازاری ——— ۲۱

بے دینی کے خلاف کلیسا کی جنگ ——— ۲۲

اس جنگ کی ابتداء ——— ۲۳

محکمۂ احتساب عقائد کا قیام ——— ۲۴

یہ عدالتیں تمام یورپ میں پھیلی ہوئی تھیں ——— ۲۵

ان کا طریقۂ کار ——— ۲۶

بے دینی کی ٹوہ اور اس کے دائرے کی وسعت ——— ۲۹

جیلوں کی ایذارسانیاں اور اس کے کارندوں کے لامحدود اختیارات ——— ۳۱

ان کارروائیوں کے پیچھے کلیسا کے بنیادی محرکات ——— ۳۵

ان مظالم کی ذمہ داری کلیسا کے سر عائد ہوتی ہے ——— ۳۷

فکری جکڑبندیاں ——— ۳۹

Marfat.com

مسیحیت کی بنیادی خامی ۴۸
چرچ اور اسٹیٹ کی علیٰحدگی ۵۳
مذاہب کی داخلی شہادت ۶۷
ہندومت ۶۷
یہودیت ۶۸
مسیحیت ۷۲
بودھ مت ۷۹

باب دوم

مذہب کا اسلامی تصوّر ۸۲
پورے قرآن اور پوری شریعت کی پیروی کا حکم ۸۵
دین کے حصّے بخرے کرنے کی ممانعت ۹۰
اسلام، دین و دُنیا دونوں کی بھلائی کا جامع ۹۴
ترکِ دُنیا سے اجتناب ۹۸
عبادات میں اعتدال ۱۰۷
دینی زندگی کا وسیع تصوّر ۱۱۲
تخلیق جن و انس کا مقصد ۱۱۹
دعوت انبیاء کی شہادت ۱۲۷
دعوتِ انبیاء کا جامع ترین عنوان ۱۲۹
طاغوت سے اجتناب ۱۵۰
عبادت اور اطاعت ۱۵۳
انبیاءؑ کی پیغمبرانہ ۱۶۴
بندگیٔ رب کے وسیع تقاضے ۱۶۷

Marfat.com

دعوت انبیاءؑ کا اجتماعی پہلو ——— ۱۷۳

آخری نبیؐ کی وسیع دعوت ——— ۱۸۳

مشرکین عرب ——— ۱۸۳

مشرکانہ شریعت کے مظاہر ——— ۱۸۴

کھیتیوں اور مویشیوں میں بتوں کی شرکت ——— ۱۸۴

قتلِ اولاد ——— ۱۸۵

طریقۂ آباء کی اندھی پیروی ——— ۱۹۰

ہوا پرستی ——— ۱۹۶

انسانوں کی حکمرانی ——— ۱۹۹

اہل کتاب یہود و نصاریٰ ——— ۲۰۳

نورانی شریعت کا وسیع دائرہ ——— ۲۰۴

قوم یہود کے جرائم ——— ۲۰۵

حق پرست اہل کتاب ——— ۲۰۸

نصاریٰ ۔ صاحب شریعت گروہ ——— ۲۰۹

قرآن کا نسخۂ شفا ——— ۲۱۱

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے دو مشترک جرم ——— ۲۱۳

احبار و رہبان کی خدائی ——— ۲۱۳

عبادتِ طاغوت ——— ۲۱۵

وحدتِ دین ۔ دعوت انبیاءؑ کا اہم ترین نکتہ ——— ۲۱۸

وحدتِ دین کا تسلسل اور اس کی حقیقت ——— ۲۱۹

وحدتِ دین کے قیام کے لوازم ——— ۲۲۸

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی ستم ظریفی اور ان کی نجات کی صورت ——— ۲۲۹

شرک و بت پرستی کا المیہ ——— ۲۳۳

Marfat.com

تفریق دین کی جملہ صورتوں کی ممانعت اور وحدت دین کے قیام کی عملی صورت ۲۳۷
گروہ انبیاءؑ کی یک زبانی ۲۴۱
اسلام - واحد راہ نجات ۲۴۰
علامہ ابن تیمیہؒ کا بصیرت افروز بیان ۲۴۳
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے ۲۵۶
خصائص انبیاء علیہم السلام ۲۶۳
قوت فیصلہ اور قوت علم ۲۶۴
معاملہ فہمی اور دوٹوک فیصلہ ۲۶۸
قوت علم و عمل ۲۷۰
نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت ۲۷۳
حکومت و سربراہی ۲۷۷
امامت و سیادت ۲۸۳
انبیاءؑ — خدائی لشکر ۲۸۵
آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات ۲۸۹
حکم خدا کی بے لاگ پیروی ۲۸۹
تبیین احکام ۲۹۲
فصل خصومات ۲۹۷
سیاسی رہبر ۳۰۰
نظام کفر و شرک کے لیے آخری چیلنج ۳۰۱
قرآن کے خصائص ۳۱۰
عالمگیر پیغام ۳۱۱
پورے قرآن کی پیروی ۳۱۳
خصوصیات قرآن کا وسیع دائرہ ۳۱۵

Marfat.com

ہمہ گیر تعلیمات ۳۱۵
مکمل ضابطۂ حیات ۳۲۲
پیمانۂ حق و باطل ۳۳۰
اختلافات کا مرجع ۳۳۵
مقدمات کا فیصلہ ۳۴۰
عدل و انصاف کا قیام ۳۴۷
شعائر اسلام کی گواہی ۳۵۴
خانہ کعبہ کی ہمہ جہتی برکات ۳۵۴
حج بیت اللہ کے دنیوی فوائد ۳۵۸
نماز ۳۶۲
روزہ اور زکوٰۃ ۳۶۹
روزہ ۳۷۳
قرآنی دعائیں ۳۷۵
فتح و نصرت کی دُعا ۳۷۶
وعدے کی تکمیل کی دُعا ۳۷۹
حکومت و اقتدار کی دُعا ۳۸۳
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند دُعائیں ۳۸۹
اہل ایمان کے اوصاف ۳۹۳
تصور مذہب — معروف دینی اصطلاحات کے آئینہ میں — ۴۱۷
ایمان و اور عمل صالح ۴۱۸
عملِ صالح ۴۲۵
عملِ خیر ۴۴۶
صالحین ۴۵۱

Marfat.com

عبادات اور عابدین ۴۵۷
خشوع اور خاشعین ۴۶۲
تقویٰ اور احسان ۴۶۹
صبر و توکّل ۴۸۵
قرآن مجید کی مکّی سورتوں کے مضامین ۴۹۹
سورۃ انعام اور سورۃ اعراف ۵۰۱
اصولی ہدایات ۵۰۶
اللہ کی حاکمیت ۵۰۶
جملہ معاملات زندگی میں قرآن کی پیروی ۵۰۸
ہر طرح کے گناہوں سے اجتناب ۵۰۹
عدل و قسط کا حکم ۵۱۲
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نصرت ۵۱۵
عدل و انصاف ۵۱۷
ظلم کا مقابلہ ۵۱۸
عہد و امانت اور شہادت کا پاس و لحاظ ۵۱۹
ناپ تول کی درستگی ۵۲۰
غلاموں کی آزادی ۵۲۲
قتلِ اولاد کی ممانعت ۵۲۳
کمزور طبقات کی رعایت ۵۲۴
دعوت الی اللہ ۵۲۹
امر بالمعروف و نہی عن المنکر ۵۳۲
تواصی بالحق ۵۳۳
ہجرت، جہاد و قتال ۵۳۴

Marfat.com

شورائیت کی تعلیم ——— ۵۴۲
اسلام کے مقاصد ——— ۵۴۵
اسلام میں اجتماعیت کے باب کی غیر معمولی اہمیت ——— ۵۴۹
نکاح وطلاق ——— ۵۴۹
حُرمتِ سُود ——— ۵۵۳
قرض کی لکھائی اور اس پر گواہی ——— ۵۵۵
وراثت کے احکام ——— ۵۵۶
جان ومال کی حرمت ——— ۵۵۷
زنا کی سخت سزا ——— ۵۶۲
بعض دوسرے اہم اجتماعی مقاصد ——— ۵۶۶
حق وانصاف کی علمبرداری ——— ۵۶۶
امانتوں کا لحاظ ——— ۵۶۸
امارت وخلافت کا قیام ——— ۵۷۴
علماء اُمت کی تصریحات درباب شریعت ومقاصد شریعت ——— ۵۷۷
جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی ——— ۵۷۹
دین کا غلبہ ونفاذ ——— ۵۸۲
جہاد وقتال ——— ۵۸۴
مآخذ ومصادر ——— ۵۸۵

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

مذہب انسانیت کی سب سے قیمتی متاع ہے۔ لیکن اس کا صحیح فائدہ اٹھانے کے لئے مذہب کی صحیح پہچان ضروری ہے۔ موجودہ دور میں ایک خاص پس منظر کے تحت مذہب کے خلاف زبردست پروپگنڈا کیا گیا اور اسے سخت ترین اعتراضات کا نشانہ بنایا گیا، اس کے نتیجے میں اس کی نسبت سے بہت سی ایسی باتیں لوگوں میں مشہور اور زباں زد ہو گئیں۔ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ باتیں کسی دلیل و برہان اور کسی تجزیہ و تحلیل کے بغیر محض پروپیگنڈے کے زور پر پھیلائی گئیں۔ انہی بے سروپا باتوں میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ "مذہب کا تعلق انسان کی پرائیوٹ زندگی سے ہے، دنیا کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں"، اس کتاب میں ہم نے اس رائج الوقت خیال کے پس منظر کو پوری تفصیل سے بیان کرنے کے ساتھ خود مذاہب کی زبان سے اس بے بنیاد دعویٰ کی تردید کی ہے۔

عجیب بات ہے کہ مذہب کے خلاف اس پروپیگنڈے میں اسلام کو بھی گھسیٹے بغیر نہیں رہا گیا۔ جبکہ وہ پوری زندگی کا دین اور دین و دنیا کی تقسیم سے یکسر ناآشنا ہے۔ یہ الگ ہے کہ غلط فہمی سے اسلام کے بہت سے نام لیوا بھی اسے "مذہب" کے مروجہ خانے میں رکھنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے۔ آئندہ صفحات میں ہم نے اس خیال کی غلطی کو پوری تفصیل سے واضح کیا ہے اور قرآن و سنت کے محکم دلائل سے پورے شرح و بسط سے اسلام کے وسیع تصور مذہب کے خط و خیال نمایاں

Marfat.com

کئے ہیں۔ ناظرین محسوس کریں گے کہ اسلام کے وسیع اور انقلابی تصور مذہب پر محض ایک چند آیات ہی شاہد نہیں ہیں بلکہ پورا قرآن اس پر ناطق ہے۔ اور بحث نظر کے بہت سے نئے گوشے ہیں جن کی طرف اس کے صفحات سے رہنمائی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں احادیث نبویؐ سے استدلال ضمناً اور تبعاً اور خال خال ہی کیا گیا ہے۔ دراصل اس موضوع پر کتاب اللہ کا مواد ہی اتنا کافی اور مفصل تھا کہ اسے بمشکل سمیٹا جا سکا ہے۔ اس سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے سلف کی تائید کے ساتھ کہا گیا ہے۔ تمام اہم مواقع پر آیت سے استدلال کرتے ہوئے علمائے تفسیر اور ماہرین شریعت کی تصریحات کا بالالتزام ذکر کیا گیا ہے۔ اور اپنے بس بھر تحقیق و تلاش کا حق ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ خامیوں سے پاکی کا دعویٰ انسانی کام میں نہیں ہو سکتا۔ حضرات اہل علم و دانش سے گذارش ہے کہ وہ کتاب پر توجہ کی نظر ڈالیں تاکہ ان کی مفید مشوروں کی روشنی میں آئندہ اسے مزید بہتر بنایا جا سکے۔ کتاب میں متن حدیث کے الفاظ اس کتاب کے ہیں جس کا حوالہ حواشی میں سب سے پہلے درج ہے۔ دیگر کتب حدیث کے حوالے مزید تقویت اور تائید کے لئے ہیں۔

کسی بڑے علمی پس منظر سے عاری ایک بے مایہ و بے بضاعت طالب علم کو اللہ نے دین کی ترجمانی کی یہ توفیق بخشی، اس کے اس احسان عظیم پر دل جذبات شکر سے لبریز اور زبان اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہے۔ آئندہ کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ راستے کی رکاوٹوں کو دور کر کے دین کی مزید علمی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اور اس کے لئے حالات کو سازگار بنائے۔

بہت سے لوگ لکھنے پڑھنے کا کام اس لئے کرتے ہیں کہ وہ کچھ بڑی علمی شخصیتوں کے جانشیں اور ان کے علوم و فنون کے وارث ہوتے ہیں، کچھ لوگ بعض خاص حالات میں اپنے کو کسی خاص منصب پر مامور پاتے ہیں۔ یہ بے مایہ اس کوچہ میں اس لئے پڑا ہے کہ اللہ کے دین کی خدمت کے لئے اس کے علاوہ اپنے اندر کوئی دوسری صلاحیت نہیں پاتا ہے۔ ستائش کی تمنا اور صلہ سے بے پروا

Marfat.com

وہ اسے ایک فرض سمجھتا ہے۔ جسے حسب توفیق بہر صورت ادا ہونا ہے۔ اللہ رب العزۃ سے التجا ہے کہ وہ اپنا جینا اور مرنا اس کام کے ساتھ کر دے اور زندگی کی آخری سانس تک اس کا سلسلہ دراز رہے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم ؕ

سلطان احمد اصلاحی

۹ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۸۵ء

Marfat.com

باب اوّل

محدود تصوّر مذہب کا پس منظر

Marfat.com

محدود تصور مذہب کا پس منظر

"مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں"، آج کی پڑھی لکھی دنیا کا یہ وہ مسئلہ ہے جس کے خلاف زبان کھولنا کچھ آسان نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مذہب کے بارے میں یہ فیصلہ کس کا ہے اور کس بنیاد پر اسے سند اعتبار حاصل ہے؟ کیا مذہب کے ماننے والوں نے خود اس بات کا اعلان کیا یا مذاہب عالم کے علمبرداروں اور ان کے بڑے بڑے رہنماؤں کی کوئی بین الاقوامی کانفرنس ہوئی جس میں مذہب کے کردار کے سلسلے میں یہ فیصلہ پڑھ کر سنایا گیا؟ یا مذاہب عالم کی نمائندہ کتابیں اور ان کا نمائندہ لٹریچر اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے اور ان کی داخلی شہادت اس مقبول عام تصور کے حق میں ہے؟ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ ان میں سے کسی چیز کا جواب بھی اثبات میں نہیں ہے۔ نہ تو مذاہب کی نمائندہ کتابیں اس کی شہادت دے رہی ہیں اور نہ ان کے علمبرداروں ہی نے کبھی اس طرح کا کوئی اعلان کیا۔ پھر سوال یہ ہے کہ اس تصور کو یہ قبول عام کس طرح حاصل ہوا اور کس طرح یہ چیز آج کی پڑھی لکھی دنیا کا مسلمہ قرار پا گئی۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ موجودہ دور میں فکر و نظر کے معمار یورپ میں پال کی ایجاد کردہ پامال مسیحیت کی کارگزاری ہے جس کے نتیجے میں مذہب کے سلسلے میں مذکورہ خیال کو سکہ رائج الوقت بننے کا موقع ملا ہے۔ اور بات مسیحیت تک محدود نہ رہ کر تمام مذاہب عالم اس کی لپیٹ میں لے لئے گئے۔ اور معاملات دنیا سے بے دخلی مذہب کے تصور کا ایک لازمی جزء قرار پا گئی۔ مسیحیت کے خلاف

Marfat.com

یورپ کا یہ ردعمل کن اسباب وعوامل کے تحت وجود میں آیا اور کیا حالات تھے۔ جن کی رعایت سے مجبور ہوکر معاملات دنیا سے اپنی بے دخلی کے یورپ کے فیصلے کو اس نے برضا ورغبت قبول کیا اور فرد کی نجی زندگی تک اپنی محدودیت کو بھی بسا غنیمت جانا۔ اور بعد میں اسی سے متاثر ہوکر دیگر مذاہب عالم بلکہ نفس مذہب کے سلسلے میں بھی یہی تصور ایک حقیقت مسلمہ قرار پاگیا، یہ ایک طویل داستان ہے۔ جس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے ہمیں یورپ میں مسیحیت کے کردار پر نظر ڈالنی پڑے گی۔

یورپ کی تاریخ میں مسیحیت کا بدنما کردار

یورپ کی تاریخ میں مسیحیت کا کردار انتہائی بدنما بلکہ گھناؤنا ہے۔ رومن امپائر کے آخری ادوار سے لے کر اٹھارویں صدی کے آخر تک اس کے نمائندے ادارے چرچ اور پاپائیت جاگیرداری اور قومی بادشاہتوں کے دونوں ہی زمانوں میں مختلف انداز اور مختلف روپ میں پینترے بدل بدل کر عوام کی گردن پر سوار رہے۔ اور ہر ممکن طریقے سے ان کا استحصال کرتے رہے۔ اس پاپائیت کے سلسلے میں ٹامس ہابس کا یہ ریمارک بالکل حق بجانب ہے کہ:

یہ وہ بدروح تھی جو بادشاہت کا تاج پہنے رومن امپائر کی قبر سے اٹھنے کا کسی طرح نام نہیں لیتی تھی[1] چوتھی صدی عیسوی میں قسطنطین اعظم کے عیسائیت قبول کرنے اور اس کے رومن امپائر کے سرکاری مذہب قرار پاجانیکے بعد[2] پورے

---

[1] D.R. Bhandari : History of European Political Philosophy p. 90

[2] Carl Stephenson : Mediaeval History Rev. Ed. P. 60.D.R.Bhandari : History of European Political Philosophy P. 68.

یورپ کی آبادی پر اسے غیر معمولی اثر ورسوخ حاصل ہوگیا۔ اور اسی وقت سے اس نے اپنے راستے کی تمام رکاوٹوں کو دور کرنے اور اپنے مخالفین کے صفایا کی مہم شروع کردی تھی [۱] اور پانچویں صدی عیسوی میں رومن ایمپائر کے زوال کے بعد تو آگے ایک ہزار سال تک وہ یورپ میں بلا شرکت غیرے تمام تر سیاہ وسفید کی مالک رہی۔ خاص طور پر قرن وسطیٰ MIDDLE AGES کا زمانہ، جس کی آخری حد اگرچہ تیرہویں صدی[۲] سے لے کر پندرہویں صدی تک بتائی جاتی ہے لیکن حق یہ ہے کہ جس کا منحوس سایہ ہمیں یورپ میں سترہویں اور اٹھارویں، بلکہ انیسویں صدی تک دراز نظر آتا ہے۔ اس میں مسیحیت کے نمائندوں چرچ اور پاپائیت کو باشندگان یورپ پر جو زبردست اقتدار حاصل رہا اور اس کا فائدہ اٹھا کر انھوں نے ان کا جس طرح استحصال کیا اور ان پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے، پوری انسانی تاریخ میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

قرون وسطیٰ میں کلیسا کے بڑھے ہوئے اثرات

قرون وسطیٰ میں کلیسا کو باشندگان یورپ پر جو زبردست اقتدار حاصل تھا اور جس طرح وہ پورے یورپ کو اپنے آہنی پنجوں میں کسے ہوئے تھا۔ آج بیسویں صدی میں واقعہ ہے کہ اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ تاہم ڈاکٹر جیمس ہاروی رابن سن کے درج ذیل بیان سے اس کا تھوڑا بہت اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

"قرون وسطیٰ کی کلیسا موجودہ زمانہ کی کلیساؤں سے بہت مختلف تھی خواہ وہ کیتھولک ہوں یا پروٹسٹنٹ۔

---

[۱] G.R. Scott. The History of Torture through out the ages P. 64.

[۲] E.S.P. Haynes : Religious Persecutions P. 35-36.

(۱) سب سے پہلے ہر شخص کو اس سے تعلق رکھنا ضروری تھا۔ جس طرح سے آج کل ہم کو کسی نہ کسی سلطنت سے ضرور تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ کوئی شخص کلیسا کے اندر نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لیکن اس کو معمولی طور پر قبل اس کے کہ وہ اس معاملے میں کوئی رائے قائم کرنے کے قابل ہو اصطباغ دیدیا جاتا تھا۔ تمام مغربی یورپ ایک واحد مذہبی جماعت تھا جس سے بغاوت کرنا جرم تھا۔ کلیسا کی اطاعت سے انکار کرنا یا اس کی تعلیمات اور اس کے حکم پر اعتراض کرنا خدا سے سرکشی کرنا سمجھا جاتا تھا اور اس کو سزائے موت دیدی جاتی تھی۔

(۲) قرون وسطیٰ کی کلیسا آج کل کی کلیساؤں کی طرح اس کے ممبروں کے بخوشی چندوں کی آمدنی پر گذر نہیں کرتی تھی۔ علاوہ اپنی وسیع قطعات آراضی کی مالگذاری اور مختلف قسم کی فیس کے اس کو باقاعدہ ٹیکس کی بھی آمدنی تھی جس کو 'عشر' کہتے تھے۔ جن لوگوں کو یہ ادا کرنا ہوتا تھا۔ ان سے بہ جبر وصول کیا جاتا تھا جس طرح کہ آج کل ہم سب کو حکومت کے ٹیکسوں کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ ظاہر ہے کہ قرون وسطیٰ کی کلیسا صرف ایک مذہبی جماعت ہی نہ تھی جیسی کہ آج کل کی کلیسائیں ہیں۔ بے شک یہ گرجاؤں کو وظائف دیتی تھی اور نمازیں پڑھانے کا انتظام کرتی تھی۔ اور روحانی زندگی پیدا کرتی تھی لیکن یہ اس سے بھی بڑھ کر کام کرتی تھی۔ ایک لحاظ سے یہ ایک سلطنت کے مانند تھی۔ کیونکہ یہ اپنا مکمل آئین جداگانہ رکھتی تھی۔ اور اس کی عدالتیں بہت سے ایسے مقامات طے کرتی تھیں جو آج کی ہماری معمولی عدالتیں طے کرتی ہیں۔ اس کے زیر نگرانی جیل خانے بھی تھے جہاں کہ یہ مجرموں کو عمر بھر رہنے کی سزا دے سکتی تھی"[1]

کلیسا کی اس طاقت کا اندازہ اسی مصنف کے ایک دوسرے اقتباس سے بھی کیا جا سکتا ہے :

---

[1] تاریخ مغربی یورپ مترجمہ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا۔ صفحات ۲۰۵، ۲۰۶

Marfat.com

"قرن وسطیٰ کی کلیسا اپنے انداز حکومت کے لحاظ سے بجا طور پر شخصی سلطنت کہی جا سکتی ہے۔ پوپ اس کا طاقتور اور مطلق العنان سردار تھا۔ اور اس کی شخصیت میں تمام روحانی اور انتظامی اختیارات مجتمع تھے۔ وہ اعلیٰ اور فائق مقنن تھا۔ کلیسا کی کوئی کونسل خواہ کیسا ہی کوئی معاملہ اہم اور عظیم ہو اس کی مرضی کے خلاف قانون وضع نہیں کر سکتی تھی۔ کیوں کہ اس کے فرامین پوپ کی منظوری کے بغیر جائز قرار نہیں دیئے جا سکتے۔

علاوہ ازیں پوپ کو اختیار تھا کہ کلیسا کے کسی قانون کو منسوخ کر دے یا اس سے بازگشت کرے خواہ وہ کتنا ہی قدیم ہو بشرطیکہ مقدس کتابوں میں اس کا صریح حکم نہ ہو یا قدرت ایسا کرنے کے لئے مجبور نہ کرتی ہو۔ وہ وجوہات مناسب کی بنا پر تمام انسانی قوانین میں مستثنیات کر سکتا تھا"[1]

اسی کتاب کا ایک دوسرا اقتباس ملاحظہ ہو جس سے ہمیں قرون وسطیٰ میں کلیسا کے بڑھے ہوئے اثرات کا اندازہ لگانے میں مزید مدد ملتی ہے۔

اس ضابطہ (ضابطہ تھیوڈوسیا جو ۴۳۸ء میں درجۂ تکمیل کو پہونچا جس میں عیسائی کلیسا اور پادریوں سے متعلق تمام شاہی فرامین درج تھے) سے ہم کو اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ پادریوں کو اس بنا پر کہ ان کے سپرد مقدس امور تھے، گراں بار عہدوں کے فرائض انجام دینے اور چند ٹیکسوں کے ادا کرنے سے جو عوام الناس کے ذمہ تھے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ ان کو وصیتیں قبول کرنے کا بھی حق حاصل تھا۔ خود شہنشاہوں نے کلیسا کے نام بڑے بڑے وقف کر دیئے۔ ان کی مثال کو پیش نظر رکھ کر بادشاہوں اور خاص خاص لوگوں نے تمام قرون وسطیٰ میں عمل کیا۔ یہاں تک کہ کلیسا اس قدر مالدار ہو گئی جس کا یقین کرنا مشکل ہے۔ یعنی اس کی آمدنی ہر سلطنت یورپ سے بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ پادریوں کو بعض مقدمات قانونی بھی طے کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اور ان کو یہ مراعات بھی حاصل تھیں کہ وہ کلیسا کی ان

---

[1] حوالہ مذکور ص ۲۰۷

عدالتوں سے ان چھوٹے چھوٹے جرائم کے مقدمات کو جن میں وہ خود ماخوذ ہوں طے کرالیں [1]

آگے یہی مصنف رقم طراز ہے۔ اس کے ذریعہ بھی قرون وسطیٰ میں کلیسا کی بڑھتی ہوئی طاقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"کلیسا کے مقدس حقوق اور اس کے بے مثال نظم ونسق اور اس کی وسیع دولت نے اس کے افسران یعنی پادریوں کو قرون وسطیٰ کا نہایت طاقتور معاشرتی طبقہ بنا دیا۔ ان کے پاس جنت کی کنجیاں تھیں اور بغیر ان کی امداد کے کوئی شخص جنت میں داخلہ کی امید نہیں کر سکتا تھا۔"

"خارجہ سے نہ صرف وہ کسی مجرم کو کلیسا سے علیٰحدہ کر دیتے تھے بلکہ بنی نوع انسان کو اس سے ملنے جلنے کو منع کر دیتے تھے۔ کیوں کہ وہ ملعون تھا اور اس کو شیطان کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ مذہبی رسوم کے ترک کرنے سے وہ کسی شہر میں یا ملک میں مذہب کی تسلیوں کو معطل کر سکتے تھے۔ اس طرح کہ گرجا کے دروازے بند کر دیتے تھے اور تمام عام نمازوں کی ممانعت کر دیتے تھے" [2]

پادریوں کی دنیاداری

باشندگان یورپ پر اپنے اس اختیار کامل کا کلیسا نے انتہائی بے جا فائدہ اٹھایا اور انہیں اپنی ہوس دنیا پرستی کے لئے کھلی چراگاہ تصور کیا۔ اور حضرت مسیحؑ کی ان تعلیمات کے بالکل برعکس کہ :

"میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں" (یوحنا، باب: ۱۸: ۳۶)

نیز یہ کہ :

"جو لوگ دولت پر بھروسہ رکھتے ہیں ان کے لئے خدا کی بادشاہی میں داخل

---

[1] حوالہ سابق ص ۲۲ [2] کتاب مذکور ص ۲۱۷

ہونا کیا ہی مشکل ہے۔ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گذر جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ (مرقس باب : ۱۰، ۲۴، ۲۵)

اس نے دنیاداری اور زر پرستی ہی کو اپنا واحد مطمح نظر قرار دے لیا اور دنیا کے سامنے اس کا ایسا بدترین نمونہ پیش کیا جس سے زیادہ بدتر کسی اور چیز کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ پادریوں کی یہ دنیا داری کس حد تک بڑھی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھوں وہ کیسے کچھ اسیر ہو چکے تھے۔ اس کی تفصیل ہاروی رابن سن کے لفظوں میں اس طرح ہے :

"جب ہم کسی متمول پادری کی حالت پر غور کرتے ہیں تو یہ امر تعجب خیز نہیں ہے کہ اس میں بداعمالی بے انتہا پائی جاتی ہے۔ کلیسا کے عہدے روپیہ پیدا کرنے کے وہی مواقع پیش کرتے تھے جو حکومت کے عہدے۔ بارہویں اور تیرہویں صدی کے بعض پادریوں کی خصوصیات سے ان کا ایک پیشہ ور سیاسی مدبر ہونا بہ نسبت ایک موجودہ پادری کے خواہ وہ کیتھولک ہو یا پروٹسٹنٹ زیادہ ثابت ہوتا ہے[1]

یہ حال بڑے اور متمول گرجاؤں کے پادریوں کا تھا۔ چھوٹے اور غریب گرجاؤں کے پادریوں کا حال بھی ان سے کچھ زیادہ بہتر نہ تھا۔ مصنف مذکور فرماتے ہیں:

"رہے غریب گرجاؤں کے پادری، وہ بھی اپنے برتروں کے برے نمونے کی تقلید کرتے تھے۔ کلیسا کی کونسلوں کے قوانین ظاہر کرتے ہیں کہ بعض اوقات پادری اپنی گرجا کو دوکان بنا لیتا تھا۔ اور شراب اور دیگر اشیاء فروخت کرتا تھا۔ وہ اپنی آمدنی میں اس طرح بھی اضافہ کر لیتا تھا کہ اصطباغ، اقرار گناہ، شادی اور مردوں کے دفن کرنے کے وقت جو اس کے فرائض میں سے تھے لوگوں سے فیس وصول کرتا تھا"[2]

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۲۲۱ [2] حوالہ سابق ص ۲۲۲

Marfat.com

پادریوں کی عدالت میں رشوت کی گرم بازاری

کسی بھی سماج میں عدالت وہ آخری دروازہ ہے جسے آدمی وقت پڑنے پر کھٹکھٹاتا ہے۔ اور وہاں اس توقع کے ساتھ جاتا ہے کہ اسے اپنا جائز حق ملے گا اور اسے دوسروں کی ظلم وزیادتی سے نجات دلائی جائے گی۔ لیکن افسوس کہ کلیسا اس پاک جگہ کو بھی آلودہ کئے بغیر نہیں رہا۔ جس کی حالت زار کا نقشہ پوپوں کی عظمت کا قائل اور کلیسا سے بھرپور ہمدردی رکھنے والا یہ مصنف ان لفظوں میں کھینچتا ہے۔:

"سمونی[1] اور بہت سے پادریوں کی شرمناک زندگی کے علاوہ دیگر قسم کی برائیاں بھی تھیں جن سے کلیسا بدنام ہوگئی۔ اگرچہ پوپ خود بارہویں اور تیرہویں صدی میں عام طور پر اچھے آدمی تھے۔ اور بعض اوقات ممتاز مدبر ثابت ہوئے جنھوں نے نیک نیتی سے اپنے شعبہ کو جس کے وہ اعلیٰ افسر تھے نیک نام بنانے کی کوشش کی لیکن ان کے ماتحت افسران جو ان کی عدالتوں کے بے شمار مقدمات فیصل کرتے تھے۔ سخت رشوت ستانی کے لئے بدنام تھے۔ یہ عام طور پر یقین کیا جاتا تھا کہ ہمیشہ فیصلہ اس کے موافق ہوگا جو سب سے زیادہ رشوت دے گا۔ اور یہ کہ غریب آدمی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اسقفوں کی عدالتیں اپنے ظلم وجبر کے لئے یگانۂ روزگار تھیں۔ کیوں کہ اسقف کی آمدنی کا بڑا حصہ ایک فیوڈل رئیس کی طرح اس جرمانے سے آتا تھا جو مجرموں کو دینا پڑتا تھا۔ ایک شخص بعض اوقات مختلف عدالتوں میں ایک ہی وقت میں طلب کیا جاتا تھا اور ایک یا دوسری عدالت کی غیر حاضری پر اس پر جرمانہ کر دیا جاتا تھا"[2]

---

[1] سمونی Simony یعنی کلیسا کے عہدوں کی خرید وفروخت کا انتہائی شرمناک کاروبار ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۶۱ ، نیز: ڈی۔ آر۔ بھنڈاری کی کتاب ہسٹری آف یورپین پولیٹیکل فلاسفی ص ۸۷

[2] حوالہ بالا ص ۲۲۲

Marfat.com

بہرحال ان صدیوں میں کلیسا کی لوٹ کھسوٹ اور دنیا پرستی ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت تھی جس پر اس وقت کی پوری عیسائی دنیا متفق اللفظ نظر آتی ہے۔ اور اس کا پورا تحریری سرمایہ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ پوپ کے خطوط، مقدس اشخاص کے مواعظ، کونسلوں کے قوانین، شاعروں کی ہجویں اور درباری شاعروں کی نظمیں بلا استثناء یہ تمام تحریریں کلیسا کے ظلم و استحصال کی شاکی ہیں۔ جس کی طرف مصنف مذکور ان لفظوں میں اشارہ کرتا ہے :

"یہ سب تحریرات پادریوں کی ناانصافی، ان کی حرص و طمع اور ان کی اپنے مقدس فرائض سے کم توجہی کو برا کہنے میں متفق اللفظ ہیں۔ سینٹ برناڈ رنج کے ساتھ سوال کرتا ہے :

تم پادریوں میں کسی شخص کو پیش کر سکتے ہو جو اپنے گلہ کی جیبیں خالی کرانے کی فکر نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی برائیوں کو دور کرنے کی فکر کرتا ہے" [1]

بے دینی کے خلاف کلیسا کی جنگ

یہ حال تو کلیسا کے معاشی استحصال کا تھا۔ اس سے آگے سیاسی اور سماجی سطح پر اس نے باشندگان یورپ جو مظالم ڈھائے ہیں۔ اور ان پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے ہیں انسانی تاریخ کا وہ انتہائی عبرت ناک باب ہے۔ اس کا سب سے زیادہ نمایاں مظاہرہ ہمیں بے دینی کے خلاف کلیسا کی جنگ میں نظر آتا ہے جس کے سلسلے میں کلیسائی نظام کا دل سے مداح اور اس کا ہوخواہ مصنف مذکور اپنے کو ان حقائق کے اعتراف کے لئے مجبور پاتا ہے :

"جو لوگ کلیسا کی تعلیمات پر اعتراض کرتے تھے اور اس کے اختیارات کو اس سے علیحدہ کرنا چاہتے تھے، اس زمانہ کے مسلمہ خیال کے مطابق وہ بے دینی کے

Marfat.com

بڑے جرم کے مرتکب سمجھے جاتے تھے۔ کسی پکے عیسائی کے نزدیک اس شخص کے جرم سے کوئی گناہ زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ جو خدا کے خلاف بغاوت کرے اور اس مذہب کو ترک کر دے جو رومن کلیسا کے ذریعہ سے اس کے بیٹے کے فوری توابعین نے ہم تک پہنچایا تھا۔ علاوہ ازیں شک اور بے دینی نہ صرف گناہ تھے بلکہ وہ اس زمانہ کے نہایت طاقتور معاشرتی صیغہ کے خلاف بغاوت بھی تھی جو اس کے بعض افسران کی بداعمالیوں کے باوجود عام طور پر تمام مغربی یورپ کے لوگوں کے نزدیک لائق احترام تھا۔ بارہویں اور تیرہویں صدیوں کی بے دینی کا طریقہ، اس کی وسعت اور اس کے اخراج کی کوششیں جو کلیسا نے وعظ، آگ، تلوار اور تحقیق مذہب کی سخت عدالتوں کے ذریعہ سے کیں قرون وسطیٰ کی تاریخ کا دہشت ناک اور عجیب و غریب باب ہے۔"[1]

اس جنگ کی ابتدا

محکمۂ احتساب عقائد INQUISITION کی صورت میں اس بے دینی کے خلاف باقاعدہ جنگ تو تیرہویں صدی عیسوی کے وسط میں شروع ہوئی جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے، لیکن اس کا آغاز بارہویں صدی کے نصف ہی سے ہو چکا تھا۔ جس کی تفصیل مصنف مذکور کے لفظوں میں اس طرح ہے :

"بارہویں صدی کے اختتام سے قبل دنیاوی فرماں رواؤں نے بے دینی کی طرف توجہ مبذول کی۔ ہنری دوئم شاہ انگلستان نے ۱۱۶۶ء میں حکم دیا کہ انگلستان میں کوئی بھی شخص بے دینوں کو پناہ نہ دے۔ اور جس گھر میں ان کا پتہ چلے وہ جلا کر خاک سیاہ کر دیا جائے۔ ایراگان کے بادشاہ (۱۱۹۴ء) نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو شخص والڈینس کی تعلیمات سنے گا یا انہیں خوراک دے گا وہ بغاوت کی سزاؤں کو برداشت

Marfat.com

کرے گا۔ اور سلطنت اس کی جائداد کو ضبط کرلے گی۔ یہ بے رحمانہ فرمانوں کے سلسلہ کی شرعات ہیں جن کو تیرہویں صدی کے نہایت روشن خیال بادشاہوں نے ان سب کے خلاف جاری کیا۔ جو ایلبی جنسز یا ولڈن سیس سے تعلق رکھتے تھے۔ کلیسا اور شاہی حکومت اس پر متفق ہوگئیں کہ دونوں کی بہتری کے لئے بے دین خطرناک تھے اور وہ ایسے مجرم تھے جو زندہ جلائے جانے کے مستحق تھے۔"[۱]

محکمۂ احتساب عقائد کا قیام

The HOLY INQUISITION,

یورپ میں اس محکمہ کے باقاعدہ قیام کے ایک ہزار سال قبل سے ہی بے دینی کے خلاف جنگ کا اصول موجود تھا۔ چنانچہ ۳۸۲ء میں ایک ایسا قانون پاس کردیا گیا تھا جس کی رو سے کوئی بھی شخص جو بے دینی کا مجرم ہو سزائے موت کا مستحق تھا۔ آگے کئی صدیوں تک یورپ میں عیسائیت کے قدم جما لینے کے بعد اکا دکا واقعات کی صورت میں بے دینوں کی اگرچہ خبر لی جاتی رہی اور کبھی کبھی یہ چیز ایک مہم کی صورت بھی اختیار کرلیتی تھی۔ پھر بھی معاملہ بہت سخت نہ تھا۔ وقت گذرنے کے ساتھ کلیسا کے خیال کے مطابق ایسے بہت سے بے دین فرقے ابھرنے شروع ہوئے جو قائم شدہ مسیحیت کے مدمقابل اور اس کے لئے ایک طرح سے خطرہ دکھائی دینے لگے خاص طور پر فرقہ ایلبی جینیز ALBIGENESES جس کی سرگرمیاں ان سب میں زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ جس کے خلاف سخت ترین اقدام کو کلیسا نے اپنی بقاء کے لئے ناگزیر تصور کیا۔ یہیں سے یورپ میں بے دینی کے خلاف باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوتا ہے انوسنٹ سوم INNOCENT III نے اپنے دیگر احباب کے مشورے سے اس اسکیم کو عملی جامہ پہنایا جس کے نتیجے میں تیرہویں صدی کے وسط میں محکمۂ احتساب عقائد THE HOLY INQUISITION کا قیام عمل میں آیا اور سینٹ ڈومینک DOMINIQUE

Marfat.com

اس کا پہلا عہدیدار INQUISITOR, GENERAL منتخب کیا گیا۔ ۱۲۵۲ء میں انوسٹ چہارم INNOCENT IV. کے ایک فرمان کے ذریعہ اس محکمے کو مزید استحکام ملا۔ اور اس کے نظام کار میں مزید باقاعدگی پیدا ہوئی۔ جس کے نتیجے میں یورپ کے ہر شہر اور ہر ریاست میں مذہبی ایذا رسانی اور مذہبی استبداد وہاں کے سماجی ڈھانچے کا ایک ناگزیر جز بن گیا۔ لوگوں کے افکار و نظریات کو کچلنے اور آزادی فکر و نظر کو پامال کرنے کا یہ وہ طاقتور ترین آلہ تھا جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔[۲]

یہ عدالتیں تمام یورپ میں پھیلی ہوئی تھیں

معاملہ کسی ایک علاقے یا کسی ایک ملک کا نہیں بلکہ احتساب عقائد کے نام پر پورے یورپ میں ظلم و استبداد کا بازار گرم تھا۔ پہلی عدالت تو ۱۲۳۳ء میں ٹولوس TOULOUSE میں قائم ہوئی۔ اس کے ایک سال بعد اراگان ARAGON. میں اس کا قیام عمل میں آیا لیکن اس کے بعد اس کی لہر کافی تیزی کے ساتھ بڑھی اور جرمنی، ہالینڈ، اسپین، پرتگال اور فرانس ہر جگہ اس کی شاخیں قائم ہوگئیں۔ اور مزعومہ بے دینی کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی خاطر سرگرم کار ہوگئیں۔[۳] تمام یورپ میں اس طرح کی عدالتوں کا جال بچھا ہوا تھا جس کے چنگل سے بچ نکلنا کسی بے دین کے لئے آسان نہ تھا۔ مختلف حکومتوں میں اس محکمے کے عہدیداروں کا باہم دیگر گہرا اشتراک تھا۔ اور اس مہم میں ایک دوسرے کی مدد کے لئے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ خبر رسانی کا

۱۔ G.R. Scott : History of Torture through the Ages P. 64

۲۔ J.B. Bury : A History of freedom of thought. P. 41, 42

Marfat.com

نظام انتہائی موثر طریقے پر کام کرتا تھا۔ اور اس سے متعلق اطلاعات ایک ملک سے دوسرے ملک تک برابر پہنچائی جاتی رہتی تھیں۔ یورپ کے دیگر ملکوں کو تو چھوڑیئے روشن خیالی کے علمبردار انگلینڈ کے اندر بھی بعض ادوار کے استثناء کے ساتھ احتساب عقائد کا یہ محکمہ ۱۶۷۶ء تک قائم تھا۔[1]

ان کا طریقۂ کار

یہ عدالتیں جو قائم تو مذہبی مقدمات کے فیصلے کے لئے کی گئی تھیں۔ لیکن ان کی کارروائیوں میں جس مکر و فریب، دھونس دھاندھلی، سنگ دلی و قساوت قلبی اور ظلم و ناانصافی کو روا رکھا جاتا تھا اس کی مثال شائد دنیا کی کسی گئی گذری عدالت میں بھی نہ مل سکے گی۔ اے۔ ایچ جانسن کیتھولک عقیدے کا گہوارہ اسپین میں جہاں پروٹسٹنٹوں کا صفایا کرنے کی غرض سے ۱۴۷۸ء میں "عدالت تحقیقات مقدمہائے مذہبی" کا قیام عمل میں آیا۔[2] اس کے طریقۂ کار پر ان لفظوں میں روشنی ڈالتا ہے:

"صدر حاکم اس مجلس کا بڑا ہوتا تھا جس کو خود بادشاہ مقرر کرتا تھا اور متعدد ماتحت عدالتیں بھی قائم کی جاتی تھیں جن کی حفاظت مسلح حاضر باشوں سے ہوتی تھی۔ رازمیں تحقیقات عمل میں لاتی تھیں۔ اشخاص کو تحریص و ترغیب دلائی جاتی تھی یا دھمکیاں دے کر مجبور کیا جاتا تھا کہ اپنے دشمن، اپنے دوست بلکہ اپنے عزیز و اقارب

---

[1] J.B. Bury : A History of freedom of thought. P. 43

[2] واضح رہے کہ اسپین میں یہ محکمہ انیسوی صدی عیسوی تک قائم تھا۔ ملاحظہ ہو حوالہ سابق ص ۴۳ اس بیچ میں دو یا تین بار اس کا خاتمہ ABOLISH ضرور عمل میں آیا۔ لیکن پھر وہ جلد ہی بحال RESTORE کر دی جاتی۔ آخری طور پر اس کا خاتمہ ۱۸۳۸ء میں عمل میں آیا اس کا مطلب ہے کہ اسپین میں یہ محکمہ HOLY OFFICE ساڑھے تین سو سال تک قائم رہا بحوالہ RELIGION AS A BAR TO PROGRESS P.32,33.

پر بھی لعنت ملامت کرتے رہیں۔ یا اس طرح ایک نظام جاسوسی قائم کیا گیا، ملزمین کو اقرار جرم پر مجبور کرنے کے لئے سخت تکالیف دی جاتی تھیں۔ اور انتہا درجہ بے ضرر الفاظ سے ڈامینکی[1] علماء لطیف باریکیاں پیدا کر کے کھینچ تان کر اکثر اتحاد کے معنی نکال لیتے تھے۔ یہ لوگ کئی طرح کی سزا دیتے تھے، مال ضبط کر لیتے تھے، نفس کشی کرتے، کفارہ دلواتے تھے۔ قید کر دیتے تھے۔ اور آخری چارہ جوئی یہ ہوتی تھی کہ:

"مذہبی عدالت سے سزائے موت کا حکم سنایا جاتا تھا اور مجرم کو دنیاوی حکام کے حوالہ کر دیا جاتا تھا کہ اس کو نذر آتش کر دیا جائے"[2]

سزا یافتہ بے دین کی قسمت کا یہی حال ہمیں ایک دوسرے مصنف کے ذریعہ بھی معلوم ہوتا ہے :

---

[1] سینٹ ڈومنی نیک ۱۱۷۰ء میں پیدا ہوا۔ وہ پادری تھا اور اس نے اسپین کی ایک یونیورسیٹی میں دس برس تک باقاعدہ دینیات کا درس لیا تھا۔ ۱۲۰۸ء میں وہ اپنے اسقف کے ہمراہ جنوبی فرانس آیا۔ اس نے اپنی زندگی کو بے دینی کے اخراج کے لئے وقف کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ ۱۲۱۴ء تک یورپ کے مختلف حصوں سے صرف چند اشخاص اس کے ہمدرد اور شریک حال ہو سکے۔ لیکن ۱۲۲۱ء تک ڈومی نیکن فرقہ کامل طور پر مرتب ہو گیا اور اس کی ساٹھ ہزار خانقاہیں مغربی یورپ میں مختلف مقامات پر موجود تھیں۔ یہ ڈومی نیکنس وعظ کہنے والے فقراء کہلاتے تھے۔ اور ان کو دینیات کی عمدہ تعلیم دی جاتی تھی، تاکہ بے دینوں کے دلائل عمدہ طور پر رد کر سکیں۔ پوپ نے انکوزیشن کا خاص کام سپرد کر رکھا تھا۔ بحوالہ تاریخ مغرب یورپ صفحات ۲۳۴، ۲۳۵۔ اس مقام پر ڈامنی کی مذہب سے اشارہ اسی فرقے کے علماء کی طرف ہے جن کو تفتیش عقائد کی عدالتوں پر غیر معمولی اثر و اقتدار حاصل تھا۔ جب کہ یہی ڈومی نیک، جیسا کہ گذرا اس کا پہلا قاعدہ انکوزیٹر جنرل تھا۔

[2] اے ایچ جانسن ایم اے : یورپ سولہویں صدی میں۔ ترجمہ مولوی رحیم الدین صاحب ایم، اے صفحات ۳۴۰، ۳۴۱۔

Marfat.com

"اگر مشتبہ شخص اپنے قصور کا اعتراف کرتا تھا اور اپنی بے دینی ترک کرنیکا حلف اٹھاتا تھا تو اس کا قصور معاف کر دیا جاتا تھا۔ اور پھر کلیسا میں داخل کر لیا جاتا لیکن عمر بھر کی قید کا کفارہ اس سے ادا کرایا جاتا تھا کیوں کہ اس کے ناگفتہ بہ گناہ کا یہی مناسب علاج تھا۔ اگر وہ بغیر توبہ کے رہتا تھا تو وہ دنیاوی حکومت کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یعنی کلیسا جس کا قانون اس کو خون بہانے کی اجازت نہیں دیتا تھا وہ مجرم کو دنیاوی حکومت کے حوالہ کر دیتی تھی جو اس کو مزید تحقیقات کے بغیر زندہ جلا دیتی تھی۔[1]"

ایک دوسرا مصنف ان عدالتوں کے ظالمانہ طریقہ کار کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:

"اسپین میں بے دینی کے ملزموں کے ساتھ مقدمے کی کارروائی میں جو طریقۂ کار اختیار کیا جاتا تھا، صداقت کی یقین دہانی کے قابل فہم ذرائع سے اسے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ایسے قیدی کے بارے میں پہلے ہی سے یہ خیال قائم کر لیا جاتا تھا کہ وہ مجرم ہے۔ اور اپنی بے گناہی کا ثبوت فراہم کرنے کی ذمہ داری اسی پر عائد ہوتی تھی اس کے خلاف جتنی بھی گواہیاں ہوتی تھیں، خواہ وہ کتنی ہی غیر معروف کیوں نہ ہوں قبول کر لی جاتی تھیں۔ اس مقدمے کو آگے بڑھانے کے لئے مطلوب گواہیوں کے لئے تو اصول بہت نرم تھے۔ البتہ دفاع کے مقصد سے گواہیوں کو مسترد کرنے کے اصول بہت سخت تھے۔ یہودی، مور، غلام (یعنی ساری بے دین اور پست اقوام) قیدی کے خلاف تو گواہی دے سکتے تھے۔ البتہ اس کے حق میں انہیں گواہی دینے کی اجازت نہ تھی۔ خلاصہ یہ کہ یہ مذہبی عدالت INQUISITION جس اصول پر عمل پیرا تھی وہ یہ کہ چاہے سو بے گناہ سزا کی لپیٹ میں آجائیں لیکن ایک قصوروار بچ کر نہ نکل پائے۔[2]"

اور معاملہ صرف اسپین کی عدالت تک محدود نہیں۔ پورے یورپ میں احتساب

---

[1] تاریخ مغربی یورپ / ۲۲۸، ۲۲۹

[2] A History of Freedom of thought P. 44

عقائد کی عدالتوں میں عام طور پر اسی طرح کی ظالمانہ کارروائی ہوتی تھی۔ یہ عدالتیں جن کا مقصد ملک سے بے دینی کا خاتمہ اور اسے بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا تھا۔ اسکے لئے انھوں نے جاسوسوں کی خدمات وسیع پیمانے پر حاصل کر رکھی تھیں۔ جو ملک کے طول و عرض میں اپنی مہم پر لگے رہتے تھے۔ کسی شخص کی طرف سے معمولی سے معمولی تبصرہ بھی جس سے کسی بھی درجے میں بے دینی کا اشتباہ ہوتا ہو اس بات کے لئے کافی تھا کہ اسے عدالت کے سامنے لاحاضر کیا جائے۔ گواہی دینے والے پورے اطمینان اور روانی کے ساتھ جھوٹ بولتے تھے جس کا سبب مزعومہ بے دینوں کے تئیں ان کی نفرت و عداوت ہی نہیں بلکہ اس کا بڑا مقصد مقدس عدالت HOLY OFFICE کے ذمہ داروں کو خوش کرنا ہوتا تھا۔[1] متہم افراد کے خلاف ثبوت فراہم کرنے کے لئے انتہائی نامناسب ذرائع استعمال کرائے جاتے تھے۔ اور اس مقصد کے حصول کی خاطر ان کے ساتھ خوفناک قسم کی زیادتیاں روا رکھی جاتی تھیں۔[2]

بے دینی کی ٹوہ اور اس کے دائرے کی وسعت

بے دینی کے خلاف کلیسا کا جوش اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بہت سے افراد کی طرف سے مسلسل اظہار برات کے باوجود انھیں اس جرم میں گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ اگرچہ وہ زبان سے اس کا انکار کر رہے ہوں لیکن ان کے کسی عمل سے یہ چیز مترشح ہوتی نظر آتی تھی۔ چنانچہ ہاروی رابن سن کہتے ہیں: "کسی مشتبہ شخص کا یہ کہنا کہ وہ بے دین نہیں ہے قابل توجہ نہ تھا کیوں کہ یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ وہ قدرتاً اپنے قصور سے انکار کرے گا۔ جیسا کہ کوئی دوسرا مجرم کرتا ہے۔ پس ایک شخص کا اعتقاد اس کے ظاہری افعال سے دیکھا جاتا تھا۔ لہذا ایک شخص محکمۂ احتساب عقائد کے

---

[1] History of Torture through out the Ages P. 65

[2] C.T. Gorham Religion, As a Bar to progress P.31

Marfat.com

ہاتھوں میں صرف اس بنا پر بھی پڑ جاتا تھا کہ وہ کسی بے دین سے بلا خیال اس امر کے گفتگو کرتا ہوا پایا جائے کہ وہ کلیسا کی رسوم کی مناسب عزت و احترام نہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو یا اس کے خلاف اس کے ہمسائے حاسدانہ شہادت دیدیں واقعی محکمۂ احتساب عقائد کی اور اس کے ضابطہ کی یہ نہایت خطرناک حالت تھی۔ اس نے قصہ کہانیوں کو یقین کیا اور نہایت بے رحمانہ طریقوں سے کام لیا اور ان لوگوں کو سزائیں دیں جو نہایت سرگرمی کے ساتھ اس بات سے انکار کرتے تھے کہ ان کے خیالات کلیسا کے خیالات سے مختلف ہیں[1]؟

بے دینوں کی تلاش اور ان کی ٹوہ کے سلسلے میں کلیسا کا یہ جوش کبھی کبھی ایک مہم کی صورت اختیار کر لیتا تھا۔ بے دینی کو ڈھونڈ نکالنے کا یہ سب سے کامیاب اور موثر ترین ذریعہ تھا جسے اڈکٹ آف فیتھ (Edictof faith) عقیدے کا فرمان کے نام سے جانا جاتا تھا۔ جس کے تحت لوگوں کو وسیع پیمانے پر انکوزیشن کے کام میں لگایا جاتا تھا اور اس کا مطالبہ ہوتا تھا کہ ہر شخص جاسوسی کے فرائض انجام دے۔ اس مقصد کی خاطر وقتاً فوقتاً کسی ضلع کا انتخاب عمل میں آتا اور وہاں پہنچ کر ایک فرمان جاری کر دیا جاتا تھا کہ جس کسی کو جہاں کہیں کسی بے دینی کا سراغ ہو وہ آئے اور اس کی تفصیلات سے آگاہ کرے۔ جس سے روگردانی کی صورت میں وہ خوفناک قسم کی دنیوی اور اخروی سزاؤں کا مستحق قرار پاتا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ہر شخص ہر وقت شبہے کی حالت میں گرفتار تھا۔ ہمسایوں اور پڑوسیوں کا تو ذکر ہی کیا خود اپنے خاندان کے افراد کی طرف سے بھی وہ محفوظ و مامون نہ تھا۔ اس پر جس قدر بھی آنسو بہایا جائے کم ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نظام کے تحت مخبری کو ایک عظیم مذہبی خدمت قرار دیا گیا تھا[2]۔ اور معاملہ صرف تاریک صدیوں اور قرون وسطیٰ ہی کا نہیں بلکہ اصلاح، روشن خیالی

---

[1] تاریخ مغربی یورپ / ۲۲۸

[2] A History of Freedom of thought P. 44

اور نشاۃ ثانیہ کی علمبردار سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی تک مذہبی جبر و تشدد کی یہ وبا مہذب یورپ کے اکثر و بیشتر ممالک کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئی تھی۔ ہر جگہ انتہائی سرگرمی کے ساتھ بے دینوں کی تلاش جاری تھی۔ جس کے نتیجے میں کوئی بھی شخص بے دین HERETIC قرار پا سکتا تھا اگرچہ خود اسے دور دور تک اس کا پتہ نہ ہو[1]

جیلوں کی ایذا رسانیاں اور اسکے کارندوں کے لامحدود اختیارات

احتساب عقائد کی ان عدالتوں کے اپنے الگ قید خانے بھی تھے جن میں بے دینی کے مجرموں کو اقبال جرم پر مجبور کرنے کے لئے سخت ترین سزائیں دی جاتیں اور طویل ترین ایذا رسانیوں کا شکار بنایا جاتا تھا۔ اس محکمے کے ذمہ داروں نے ایذا رسانی کو ایک فائن آرٹ کی شکل دے دی تھی۔ جس میں مجرم پر اثر انداز ہونے کے لئے انتہائی طور پر نفسیاتی باریکیوں سے کام لیا جاتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ اسے دیکھ کر مضبوط سے مضبوط ذہن و دماغ کے آدمی کی بھی قوت دفاع جواب دے جاتی تھی۔ ایذا رسانی کا ایک خاص کمرہ Torture chamber ہوتا تھا جس میں اس مقصد کے لئے مختلف آلات موجود ہوتے تھے۔ جس کا مشاہدہ کرنے کے بعد کوئی فولادی عزم کا انسان ہی اپنے کو خوف و دہشت اور مایوسی سے بچا سکتا تھا۔ یہ کمرہ Apartment عام طور پر زیر زمیں under Ground ہوتا تھا جس میں روشن دان نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ بس دو موم بتیاں ہوتی تھیں۔ جن پر روشنی کا تمام تر دار و مدار تھا۔ اس کا ذمہ دار EXECUTIONER خوف و دہشت کی ننگی تصویر ہوتا۔ سر سے پاؤں تک کالے لباس میں ملبوس جس میں سر کے ساتھ اس کا چہرہ بھی ڈھکا ہوتا صرف دونوں آنکھوں کے لئے سوراخ کھلے ہوئے کالی ٹوپی COWL پہنے وہ

---

[1] A History of Freedom of thought P. 44

Marfat.com

انتہائی ہیبت ناک اور بالکل شیطانی مرقع نظر آتا تھا۔[1]

صرف پرتگال کی عدالت کے پاس اس طرح کے تین سو قید خانے DUNGEONS تھے۔ انتہائی تنگ و تاریک اور سیلن سے شرابور۔ قیدیوں کی رہائش کے لئے ان میں جو سہولت میسر تھی وہ اس سے زیادہ کچھ نہ تھی کہ سونے کی چارپائی، ایک پیشاب کی جگہ، ایک ہاتھ دھونے کی جگہ، دو مٹی کی صراحیاں ایک لیمپ اور ایک پلیٹ۔ غذا انہیں انتہائی خراب دی جاتی اور وہ بھی بہت تھوڑی مقدار میں۔ انہیں بولنے اور کسی قسم کا شور کرنے کی مطلق اجازت نہ تھی اور جیل کے ضوابط کی ادنیٰ خلاف ورزی پر انہیں سخت ترین سزائیں دی جاتی تھیں[2]۔ اس سلسلے میں لسبان کی عدالت کا حال بیان کرتے ہوئے ٹورس ڈی کسٹیلا TORES DE CASTILLA لکھتا ہے:

"اگر کسی شخص سے ذرا بھی چوک ہو جاتی اور ضوابط کی ادنیٰ خلاف ورزی عمل میں آجاتی ہے تو اس پر انتہائی بے دردی کے ساتھ کوڑے برساتے ہیں۔ اسے ننگا کر کے زمین پر منہ کے بل لٹا دیتے ہیں۔ اس حال میں کئی آدمی اسے مضبوطی سے پکڑے ہوتے اور دوسرے حد درجہ بے رحمی کے ساتھ کوڑے برسا رہے ہوتے ہیں۔ کوڑے کو پگھلے ہوئے تارکول میں ڈبو کر نکال لیتے ہیں اور جب وہ خوب سخت ہو جاتا ہے تب اس سے مار لگاتے ہیں اس طور پر کہ اس کی ہر ضرب کے ساتھ گوشت کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں اور پوری پیٹھ ایک رستا ہوا ناسور بن جاتی ہے[3]۔"

ایذا رسانی کی مختلف صورتیں تھیں۔ چرخی Pulley تختے پر لٹا کر شکنجے میں کسنا RACK اور زندہ جلا دینا[4] FIRE ایک مجرم پر ایذا رسانی کے اس عمل کو

---

[1] History of Torture through out the Ages P. 66. 67.

[2] Ibid 65

[3] Ibid P. 67. 68.

[4] History of Torture through out the Ages P. 67

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں اسی کتاب کے صفحات ۱۶۸/۱۶۹

Marfat.com

بار بار دھرایا جاتا تھا۔[1] اور اس کا سلسلہ کئی کئی گھنٹے تک جاری رہتا تھا فلپ سوم نے اپنے ایک فرمان کے ذریعہ اس کی آخری حد اگرچہ ایک گھنٹہ مقرر کر دی تھی۔ لیکن بے شمار مثالیں اس کے حق میں ہیں کہ اس کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ایذا رسانی کا عمل کافی لمبے وقفے تک چلتا رہتا تھا۔ بلکہ لی LEA کے بقول تو اس کا سلسلہ دو گھنٹے سے لے کر تین گھنٹوں تک دراز رہتا تھا۔ اس کے سلسلے میں اس نے ایک مثال بھی بیان کی ہے۔ یہ واقعہ ۱۶۴۸ء کا ہے جبکہ والاڈولڈ ALLADOLID میں انٹونیا لوپز ANTONIA نامی ایک شخص کی آٹھ بجے سے لے کر گیارہ بجے تک مسلسل ایذا رسانی کی جاتی رہی جس کے نتیجے میں اس کے بازو بالکل مفلوج ہو کر رہ گئے۔ بیچارے غریب نے اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کی بھی ناکام کوشش کی، بالآخر جیل میں ایک مہینے کے اندر ہی اندر وہ موت کے منہ میں چلا گیا۔[2]

واقعہ یہ ہے کہ احتساب عقائد کی ان عدالتوں نے ایذا رسانی کی جو مختلف شکلیں ایجاد کر رکھی تھیں اور جن مختلف طریقوں سے وہ مزعومہ مجرموں کو بہیمیت و درندگی کا مزہ چکھاتی تھیں اسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ ان کی دہشت ناکی کا اندازہ بس آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ محض کسی شخص پر بے دینی کا الزام عائد کر دیا جانا اور اسے عدالت میں حاضری کا پروانہ مل جانا اس بات کے لئے کافی تھا کہ مضبوط سے مضبوط مرد یا عورت کے اندر بدترین قسم کی خوف و دہشت کی لہر پیدا کر دے۔ اس لئے کہ یہ شاذ و نادر ہی تھا کہ کوئی شخص ایذا رسانی کے اس ہال کے دروازوں میں داخل ہوا اور ذہنی اور جسمانی طور پر وہاں سے صحیح سالم نکل سکے۔ اگر وہ اپنی جان بچانے میں کامیاب بھی ہو جاتا تو، انتہائی شاذ و نادر اور استثنائی مثالوں کو چھوڑ کر، ذہنی اور جسمانی طور پر ہمیشہ کے لئے بالکل معذور اور اپاہج ہو جاتا تھا۔[3]

---

[1] Ibid P. 69,

[2] Ibid P. 69, 70

[3] History of Torture through out the Ages P. 74.

عدالت کے کارندوں INOUISITORS کو لامحدود اختیارات حاصل تھے ان کے اوپر کسی کی نگرانی نہ تھی نہ وہ کسی کے سامنے جوابدہ تھے[1] چنانچہ وہ اپنے اس اختیار کا انتہائی ناجائز طور پر فائدہ اٹھاتے تھے۔ ان کو جو وسیع اختیارات حاصل تھے اس کے اندر یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ جس قیدی کے بارے میں چاہیں اس کی ایذا رسانی کے احکام صادر کریں، اس کا فائدہ اٹھا کر وہ ہر اس شخص سے جس سے انہیں کسی قسم کا بغض اور عداوت ہوتی انتہائی آسانی کے ساتھ اپنے جرم کا اقبال کرا لیتے تھے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف وہ لوگ جو ان کے خیال کے مطابق بدعقیدہ اور بے دین HERETIC تھے بلکہ ان کے ہم مذہب افراد یعنی کیتھولک بھی ہمیشہ اپنے کو خطرے میں گھرا ہوا محسوس کرتے تھے[2] یہی نہیں بلکہ اس محکمہ کے بہت سے ذمہ داران INOUISITORS سادیت پسند SADIST تھے جن کی جنسی ہوس کی تسکین ایذا رسانیوں کے بغیر ہوتی ہی نہ تھی۔ دوسرے وہ تھے جو بدترین قسم کے شہوت پرست تھے۔ چنانچہ یہ لوگ حسب دلخواہ بے دینی کے بالکل من گھڑنت الزامات پر جس قدر عورتوں کو چاہتے پکڑ لیتے اور آئندہ زندگی بھر کے لئے انہیں اپنے پاس بطور داشتہ کے رکھتے۔ چنانچہ جب فرانسیسی فوجوں نے شہر آراگان ARAGON پر قبضہ کیا۔ اور لفٹننٹ جنرل ایم، ڈی۔ لیگل M.D. LEGAL نے انکوئزیشن کے دروازوں کو کھولنے اور اس کے قیدیوں کو رہا کرنے کے احکامات جاری کئے جن کی تعداد اس وقت چار سو تھی، "تو ان میں ساٹھ انتہائی حسین عورتیں بھی نکلیں جو غالباً تین بڑے انکوزیٹرس کے لئے بطور حرم سرا کام دیتی تھیں"، ان میں سے ایک عورت نے جو بعد میں مذکورہ فرانسیسی سپہ سالار کی بیوی بن گئی تھی، اپنی داستان کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جسے پڑھ کر نہ صرف یہ کہ آدمی کا سر شرم سے جھک جاتا ہے بلکہ اس کی منظر کشی سے جسم کے رونگٹے بھی کھڑے

---

[1] A History of Freedom of Thought, P. 42

[2] History of Torture through out the Ages P.74

ہو جاتے ہیں[1]۔ یہ لوگ اکثر و بیشتر انکوزیشن کے جیلوں میں انتہائی پاکباز اور باعصمت خواتین کو بند کر دیتے تھے۔ ان کی ایذاء رسانی میں بے حیائی کے وہ طریقے اختیار کرتے تھے جن کی تفصیلات کوئی شریف آدمی مشکل ہی سے اپنی زبان سے بیان کر سکتا ہے[2]۔

ان کارروائیوں کے پیچھے کلیسا کے بنیادی محرکات

بے دینی کے جرم میں باشندگان یورپ پر کلیسا کی طرف سے یہ جو مظالم ڈھائے گئے ان کے لئے بھی وجہ جواز شاید مشکل ہی سے فراہم کیا جا سکتا تھا۔ اگر ان کارروائیوں کا مقصد بے آمیز طریقے پر ملک اور سماج میں عقیدے کے احترام کی بحالی اور اس کی ساکھ اور وقار کو گرنے سے محفوظ رکھنا ہوتا اس لئے کہ جس تعذیب اور ایذاء رسانی کا مظاہرہ ان تمام کارروائیوں میں بلا استثناء ہمیں ہر جگہ نظر آتا ہے، رحم و ترحم کی علمبردار اور اس کی سب سے بڑی نقیب مسیحیت کا تو ذکر ہی کیا دنیا کا کوئی بھی مذہب اس کا قائل نہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ "بے دینی کے خلاف جنگ کا یہ سارا ڈھونگ، کلیسا نے صرف اس لئے رچایا تھا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنی دنیا کو سنوار سکے اور عوام کے اوپر اپنے اقتدار کو مضبوط سے مضبوط تر کر سکے۔ جے۔ بی بری انتہائی دکھ کے ساتھ کہتا ہے :

"ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ بے دینی کی تلاش میں کلیسا کے محرکات بنیادی طور پر دنیوی جاہ و اقتدار کی بحالی اور دنیوی مفادات و اعتبارات تھے۔ اور وہ سخت تر اقدام کے لئے قدم اسی وقت اٹھاتا تھا جبکہ مزعومہ باطل عقیدے کے

---

[1] Ibid P. 75-81
[2] Ibid P. 67

ان مظالم کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہمارا مضمون "یورپ میں محکمۂ احتساب کے ستم خوردوں پر ایک نظر" مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ علی گڑھ۔ جولائی ۔ ستمبر ۱۹۸۳ء۔

Marfat.com

پھیلاؤ سے اس کے اپنے محاصل میں کمی کا اندیشہ ہوتا یا کسی دوسرے انداز سے یہ چیز سماج کے لئے خطرہ دکھائی دیتی[1]"

اسی طرح خاص طور پر قرون وسطیٰ کے مظالم پر ایک جامع انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے ایک دوسرا مصنف رقمطراز ہے :

"قرون وسطیٰ کے مظالم کی تاریخ پر نظر کرتے ہوئے ایک شخص اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں بالکل حق بجانب ہے کہ کلیسا CHURCH بحیثیت مجموعی بڑی بڑی کارروائیوں کے لئے جوش و جذبہ کا جو مظاہرہ کرتا تھا، اس کی بڑی وجہ وہ خطرات تھے جو اس دنیا میں اس کے مادی مفادات کو لاحق تھے۔ دوسری دنیا میں عام انسانی روحوں کو کس انجام بد سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کلیسا کے اندر اس کے سلسلے میں کوئی سچی تڑپ موجود نہ تھی، نہ اس کے تئیں اسے کوئی پریشانی لاحق تھی[2]"

اس حقیقت کا اندازہ آپ صرف اس سے کر سکتے ہیں کہ بے دینی کے دو عقیدے جنہیں پاپائیت انتہائی تباہ کن تصور کرتی تھی ان میں سے ایک تو وہ تھا جس کا مقصد اس کے اعجازاتی اقتدار Thaumaturgic Powers پر حملہ کرنا ہوتا، دوسرا وہ تھا جس کی رو سے یہ بات کہی جاتی تھی کہ جناب یسوع مسیحؑ کی طرح ان کے شاگردوں کو بھی کسی قسم کی دولت رکھنے اور جائداد بنانے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ چودھویں صدی عیسوی میں جان وائی کلف Wycliffe اور جان ہس Huss کو بدترین قسم کی زیادتیوں اور ایذا رسانیوں کا شکار ہونا پڑا تھا[3]۔ زیادتیوں سے تو خیر کیا رستگاری تھی پھر بھی وائی کلف زندگی میں اپنی

---

[1] A History of Freedom of thought P.40

[2] E.S.P. HAYNES : Religious Persecution P. 33.

[3] حوالہ سابق

جان بچانے میں کامیاب رہا، لیکن بیچارہ ہس اپنے کو نذر آتش کئے جانے سے نہ بچا سکا۔ یہ ۶ رجولائی ۱۴۱۵ء کی بات ہے جبکہ حکومت کی طرف سے اسے شعلوں کی نذر کر دیا گیا۔[۱]

تیرہویں صدی عیسوی میں بدنصیب ایلبی جنیسز کے خلاف انوسنٹ سوم نے جو کارروائی کی تھی، اس کا بڑا محرک بھی یہی تھا کہ اس مالدار طبقے سے کلیسا Church کو بہت تھوڑی سی رقم ہاتھ آتی تھی۔[۲] اسی طرح بے دینی کے مجرموں کی عام طور تمام جائداد جو ضبط کر لی جاتی تھی تو اس کا بھی بڑا سبب یہی تھا کہ کلیسا Church کو اپنے بڑھے ہوئے اخراجات کے پیش نظر سرمائے کی قلت ہر وقت پریشان کئے رہتی تھی۔ جسے پورا کرنے کی یہ ایک بہترین صورت تھی جو اسے ہاتھ آگئی تھی۔[۳]

ان مظالم کی ذمہ داری کلیسا کے سر عائد ہوتی ہے

ان تفصیلات کے بعد یہ کہنے کی کچھ حاجت نہیں رہتی کہ باشندگان یورپ پر ان مظالم کی ذمہ داری تمام تر "کلیسا" کے سر عائد ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اٹھارویں صدی سے قبل یہی ادارہ یورپ میں تمام تر سفید و سیاہ کا مالک تھا۔ براہ راست مسند اقتدار پر متمکن نہ ہونے کی صورت میں بھی اقتدار کا اصل سرچشمہ یہی تھا۔ اور وقت کے سیکولر حکمرانوں کو فی الحقیقت وہ اپنی مٹھی میں لئے ہوتا تھا اس کی مرضی سے باہر وہ ایک انچ قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس کے واضح احکامات سے انحراف کا تو کیا سوال پیدا ہوتا ہے اس کے چشم و ابرو کے اشاروں کو نظر انداز

۱۔ Carl Stephenson : Mediaeval History Rev. Ed. P. 422.

۲۔ A History of Freedom of thought P. 40.

۳۔ History of Torture throughout the Ages P. 53.

کرنے کی بھی ان میں ہمت نہ تھی۔ چنانچہ خود اس بے دینی کے سلسلے میں ان کی بے بسی کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ "چرچ نے باقاعدہ یہ اصول نافذ کر دیا تھا کہ کوئی بھی مقتدر اعلیٰ Sovran. اپنے تخت و تاج کا اسی شرط پر استحقاق پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنے زیر انتظام علاقے سے بے دینی کو نکال باہر کرے گا۔ اگر پوپ کا فرمان ہل جانے کے بعد بے دینوں کی سرکوبی کے سلسلے میں وہ ذرا بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتا تو اسے یک لخت کچل کر رکھ دیا جاتا تھا۔ وہ اپنی تمام آراضی کا استحقاق کھو بیٹھتا تھا۔ اور اس کے زیر انتظام تمام علاقوں کے سلسلے میں اس کی کھلی چھوٹ ہو جاتی تھی کہ کوئی بھی شخص حملہ کر کے اس پر قابض ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے کلیسا سے اس کی باقاعدہ اجازت حاصل ہو۔[1] اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بے دینوں کے معاملے میں ملکی حکومت بالکل بے بس تھی۔ اور اس کے سامنے اس کے سوا کوئی دوسرا چارۂ کار نہ تھا کہ وہ مزعومہ مجرموں پر موت کی سزا نافذ کر دے۔ جس سے انحراف کی صورت میں اسے بھی بے دینی کے فروغ کا ملزم بننا پڑتا تھا۔ تمام شہزادے اور سرکاری افسران مقدس قانون Can on law) کی رو سے اس کے پابند تھے کہ انکوزیشن کی طرف سے انہیں جن بے دینوں کو بھی حوالہ کیا جاتا ہے انہیں وہ قرار واقعی سزا دیں بصورت دیگر وہ "کلیسائی حقوق سے محرومی" excommunication کی سخت سزا کے مستحق قرار پاتے تھے[2] اسی وجہ سے سی۔ ٹی۔ گورہام کے اس خیال سے اتفاق کرنے پر آدمی مجبور ہوتا ہے کہ:

"اس میں شک نہیں کہ ان خوفناک کارروائیوں کے سلسلے میں حکومت و سیاست کو بھی بہت کچھ دخل تھا، لیکن بڑھے ہوئے اثرات فی الواقع چرچ ہی کے تھے، اس لئے ان شرمناک حرکتوں کی ذمہ داری اصلاً چرچ ہی کے سر عائد ہوتی ہے"[3]

---

[1] A History of Freedom of thought P.41

[2] حوالہ مذکور ص ۴۵

[3] C.T. Gorhaum: Religion as a Bar to Progress P. 33.

Marfat.com

فکری جکڑبندیاں

انہی کارروائیوں کے بیچ دوسرا بڑا محرک، جو یورپ کو مذہب سے بیزار بلکہ اس کا مخالف بنانے کا سبب بنا اور جس سے جان چھڑانے کے لئے ہی اسکے سلسلے میں مذکورہ بالا یہ خیال معرض وجود میں آیا کہ "مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کچھ تعلق نہیں"، وہ فکری جکڑبندیاں تھیں جن کے نتیجے میں آزادی خیال اور آزادی فکر و نظر پوری مسیحی دنیا میں بالکل مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔ جس میں روحانی معاملات کو تو چھوڑیئے مادی دنیا کے سلسلے میں بھی کسی نئی اپج اور نئے خیال کو پیش کرنا اپنے تئیں موت کے منہ میں دینے کے مرادف تھا۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں ہی کلیسائی عہدوں میں یورپ میں یہ چیز ہمیں بطور قدر مشترک کے نظر آتی ہے۔ چنانچہ اول الذکر کے زمانۂ اثر و اقتدار میں، "بے دینی" کی اصطلاح حد درجہ وسیع تھی۔ جس کے نتیجے میں تمام کیتھولک ممالک میں "انکوزیشن" کے جبر و استبداد کے پانچ سو سالہ دور میں آزادی فکر و نظر اور آزادی خیال کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ زبانی طور پر کسی ایسے خیال کا اظہار تو برا تھا ہی، تحریری صورت میں اسکا اظہار بدسے بدتر نتائج کا حامل تھا۔ پریس سے جو کتاب بھی چھپ کر منظر عام پر آتی اس کے ایک ایک حرف کی جانچ کی جاتی جس کا بس ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح سے اس میں ایسی کوئی چیز نکل آئے جسے کیتھولک عقیدے کے اصولوں کے خلاف قرار دیا جا سکے[1] اس کے علاوہ انیسویں صدی کے نصف تک صورت یہ تھی کہ سائنسی ریسرچ و تحقیق میں اہمیت کے حامل ہر میدان میں بالکل بے بنیاد خیالات نے قبضہ جما رکھا تھا جنہیں کلیسا بائیبل کی ناقابل خطا سند پر شک شبہے سے بالا اور سرتاسر برحق گردانتا تھا۔ کائنات

---

[1] History of Torture through out the Ages P. 74

کی پیدائش Creation اور ہبوط آدم Fall of man. کے یہودی تصورات جس کے ساتھ کفارہ Redemtion کا عیسائی عقیدہ اٹوٹ طور پر جڑا ہوا تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ آزادانہ تحقیق و تفتیش سے "ارضیات" Geology، حیوانیات Zoology اور انسانیات Anthropology. کے مطالعہ کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا۔ اسی طرح بائیبل کی لفظی تشریح کی بنیاد پر یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج نہ تھی کہ (زمین گول ہے) اور سورج زمین کے گرد گردش کرتا ہے، اسی طرح قطبین، قطب شمالی، وقطب جنوبی، Antipodes کے نظریئے کو کلیسا قابل ملامت تصور کرتا تھا۔[1] علم الکیمیا Chemistry کو شیطانی علم diabolical art تصور کیا جاتا تھا جس کے متعلق ۱۳۱۷ء میں پوپ نے قابل ملامت ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا تھا۔ اسی طرح تیرہویں صدی میں راج بیکن کو Roger bacon. جو اگرچہ قدامت پسندی کے لئے اپنے جوش و جذبے کا برابر اقرار کرتا رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اسے طویل مدت تک جیل کی ہوا کھانی پڑی اس لئے کہ اس کے اندر سائنٹفک ریسرچ و تحقیق کا مضطربانہ جذبہ موجود تھا۔ جو اسے کسی صورت میں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔[2]

یہ حال تو رومن کیتھولک اقتدار کا تھا، لیکن جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا پروٹسٹنٹ رفارمیشن کے بعد بھی صورت حال اس سے زیادہ بہتر نہ تھی۔ اس لئے کہ اس کے زیر سایہ بھی آزادی اور فرد کے ذاتی فیصلے کے اختیار کا حق اسی طرح مفقود تھا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔ اصلاح Reformation کی یہ تحریک دراصل ہاتھوں کی تبدیلی سے عبارت تھی، جس میں بجائے "چرچ" کے "بائیبل" کی بالادستی قائم کر دی گئی تھی۔ اور بائیبل بھی وہ جسے اس تحریک کے دو بڑے علمبرداروں "لوتھر"

---

[1] A History of Freedom of thought P.47

[2] Ibid P. 48.

Marfat.com

Luther, اور کالون Calvin کی طرف سے برسرِ حق ہونے کی سند حاصل ہو۔ صداقت کے اجارہ دار کیتھولکوں کی طرح "لوتھر" بھی آزادی ضمیر اور عبادت و پرستش کی آزادی کا شدت سے مخالف تھا۔ بے دینوں کو زندہ جلانے اور ان کے تئیں کلیسا کے ظلم و ستم کے خلاف اس نے آواز ضرور بلند کی تھی لیکن یہ بات اس وقت کی ہے کہ جبکہ اسے کلیسا کی طرف سے اپنے خلاف کارروائی کا اندیشہ تھا۔ لیکن اس خطرے کے ٹل جانے اور اقتدار اپنے ہاتھ میں آجانے کے بعد اس نے اپنے اصل خیالات کا اظہار کیا یعنی یہ کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں پر صحیح عقیدے کو بجبر لاگو، اور "بے دینی" کو دیس نکالا دیدے۔ جو کہ انتہائی قابل نفرت چیز abomination ہے۔ نیز یہ کہ دوسرے معاملات کی طرح "مذہب" کے سلسلے میں بھی وقت کے حکمراں کی لامحدود اطاعت کسی ملک کے عوام کے عین فرائض میں شامل ہے۔ مزید برآں ریاست کا منتہائے مقصود عقیدے کا دفاع اور اسے لاحق ہونے والے امکانی خطرات سے محفوظ رکھنا ہے اسی طرح اس کا خیال تھا کہ جو شخص بھی بپتسمہ لینے سے انکار کرے Anabaptists اسے تہ تیغ کر دیا جانا چاہیئے[1]

اس سے بھی گیا گذرا معاملہ کالون Calvin کا تھا جو ریاست کو براہ راست چرچ کے قبضے میں رکھے جانے کا قائل تھا۔ یعنی وہ طریق حکومت جسے عام طور پر تھیاکریسی (یعنی مذہبی مستبدانہ حکومت) کے نام سے جانا جاتا ہے۔ چنانچہ جنیوا میں اس نے اسے عملاً قائم کر دکھایا جس کے تحت ہر قسم کی آزادی کو بالکل کچل کر رکھ دیا گیا تھا۔ اور مزعومہ عقائد باطلہ کو قید و بند، جلاوطنی اور سزائے موت کے ذریعہ دبا کر ختم کر دیا گیا تھا۔ بے دینی کے خلاف "کالون" کے اس اعلان جنگ کی سب سے مشہور مثال وہ بدترین سزا ہے جس سے "سرویٹس" Sarvetus

---

[1] A History of Freedom of thought P. 58, 59

کو دوچار ہونا پڑا۔ اسپین کے اس باشندے نے "تثلیث" کے عقیدے کے خلاف کچھ لکھا تھا، اس جرم کی پاداش میں اسے پہلے تو "لیانس" (LYNOS) میں جیل میں بند کیا گیا جس میں خاصا بڑا دخل "کالون" کی درپردہ سازشوں کا تھا۔ وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہو کر وہ بسرعت تمام جنیوا پہنچا۔ جہاں اس پر بے دینی کے الزام میں مقدمہ چلا اور بالآخر ۱۵۵۳ء میں اسے شعلوں کی نذر کئے جانے کی سزا ملی، حالانکہ ضابطے میں جنیوا کو اس پر کسی داروگیر کا اختیار نہ تھا۔[1]

ان مثالوں کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ کیتھولکوں کی طرح پروٹسٹنٹوں کے یہاں بھی اپنے تئیں نجات کی محصوریت کا عقیدہ اس کی مخالفت کرنے والے کو مشترکہ طور پر ایک ہی انجام کا مستحق گردانتا تھا۔[2] چرچ کی طرح اصلاح کے ان علمبرداروں کے ہاں بھی آزادی Freedom کے لئے کوئی خانہ نہ تھا۔ انہیں دلچسپی صرف ایک چیز یعنی سچائی Truth سے تھی۔ جو ظاہر ہے انہیں کے ساتھ مخصوص ہو سکتی تھی۔ اگر قرون وسطیٰ کا مطمح نظر یہ تھا کہ دنیا کو بے دینوں سے پاک وصاف کیا جائے تو پروٹسٹنٹ تحریک کا منتہائے مقصود یہ تھا کہ اپنی سرزمین سے ہر کسی زبان اعتراض دراز کرنے والے کو دور رکھا جائے۔[3] براعظم یورپ کی اصلاح کی یہ تحریک روشن خیالی Enlightment کی بھی ویسی ہی مخالف تھی جیسی کہ یہ آزادی (فکر ونظر) اور سائنس کی مخالف تھی، اگرچہ یہ چیز بائیبل سے کسی بھی درج میں ٹکراتی نظر آتی تو پوپ کی طرح "لوتھر" کے یہاں بھی اس جرم کے مرتکب کے لئے جاں بخشی کی کوئی صورت نہ تھی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جو جرمنی میں علم وتحقیق کے کام کو کافی لمبا دھکا لگا تھا۔[4]

---

[1] حوالہ سابق ص ۶۰

[2] حوالہ مذکور ص ۵۹

[3] حوالہ سابق ص ۶۰

[4] حوالہ مذکور ص ۲۱

Marfat.com

آگے بڑی بڑی علمی شخصیتوں اور سائنس کے میدان کے شہسواروں کے ساتھ یورپ میں جو عبرت ناک سلوک روا رکھا گیا اس سب کی ذمہ داری بھی ذرا بدلے ہوئے انداز میں کلیسا ہی کے سر عائد ہوتی ہے۔ سیونارولا Savonavola اسی طرح کا ایک شخص تھا جو شہر فلورنس Florence کی اصلاح کا متمنی اور اس کے تئیں صحیح طریق زندگی اپنانے کی تلقین کرتا تھا۔ ۱۴۹۸ء میں اسے سزائے موت دیدی گئی۔ پوپ الگزینڈر ششم کی زیر سرپرستی یہ کارنامہ انجام پایا جو ساتھ ہی اپنے وقت کا مشہور اوباش اور شہوت پرست Profligate تھا۔ اسی انجام سے جیارڈینو برنو Giordano Burno کو بھی دوچار ہونا پڑا۔ کوپرنیکس Copernicus کی اس دریافت کو قبول کرتے ہوئے کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے جبکہ کیتھولکوں کی طرح پروٹسٹنٹ لوگ بھی اس خیال کو یکساں طور پر مسترد قرار دے چکے تھے، برنو نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے، سورج کی مانند دیگر غیر متحرک سیاروں Fixed Stars کا خیال پیش کیا، جن میں ہر ایک کے الگ الگ سیارچے تھے۔ اگرچہ انہیں دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ اٹلی کو خیرباد کہتے ہوئے، جہاں بے دینی کے الزام میں اس پر شبہے کی نگاہیں ہر وقت لگی ہوئی تھیں، یکے بعد دیگرے اس نے سوئزرلینڈ، فرانس، انگلینڈ اور جرمنی میں رہائش اختیار کی، ۱۵۹۲ء میں ایک دوست نما دشمن کی ترغیب پر وہ "وینس" VENICE لوٹنے کے لئے آمادہ ہوگیا جہاں انکوزیشن کے فرمان کے بموجب اسے گرفتار کرلیا گیا۔ آخری طور پر اس پر روم Rome میں سزا کا نفاذ عمل میں آیا جہاں کیمپو ڈی فیری Campde Fiore میں ۱۶۰۰ء میں اسے نذر آتش کردیا گیا[1]

سب سے برا حال اس سلسلے میں جرمنی کا تھا جس کے حصے میں یہ بدقسمتی

---

[1] حوالہ سابق ص ۶۴

بڑے پیمانے پر آئی۔ بہتر معاملہ فرانس کا تھا جہاں نسبتہً آزادی کی فضا میں آدمی سانس لے سکتا تھا۔ جو دراصل نتیجہ تھا ہنری چہارم Henry IV اور کارڈینل "ریکیلیو" Richelieu اور "مازرن Mazarin جیسے متحمل مزاج اور اختلافات کو انگیز کرنے کی صلاحیت رکھنے والے حکمرانوں کے عہد سلطنت تھا جس کا سلسلہ تقریباً ۱۶۶۰ء تک جاری رہتا ہے۔ اس کے باوجود ۱۶۱۹ء میں "ٹولوس" TOULOUSE میں ایک "اطالوی عالم"، پر جو غریب "برنو" کی طرح خود بھی پورے یورپ کا چکر لگا چکا تھا، بے دین اور کافر ہونے کا الزام لگا۔ اس کی زبان گدی سے کھینچ لی گئی اور اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ ملکہ ایلزبتھ اور جیمس اول کے عہد حکومت میں پروٹسٹنٹ برطانیہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھا۔ یہ انہیں کے عہد زریں کی بات ہے جبکہ مشہور شاعر مارلو Marlowe پر بے دینی کا الزام لگا۔ البتہ خوش قسمتی سے ابھی جبکہ اس کا مقدمہ جاری ہی تھا کہ ۱۵۹۳ء میں ایک شراب خانے کے سخت جھگڑے میں یہ مارا گیا۔ ایک دوسرا ڈرامہ نگار کیڈ KYD تھا، اس پر بھی یہی الزام عائد ہوا اور معروف طریقے پر اس کی ایذا رسانی کی گئی۔ اسی وقت کی بات ہے کہ "سر والٹر ریلک" Sir, Walter Releigh پر بھی اسی الزام میں مقدمہ چلا، البتہ سزا کے نفاذ سے وہ محفوظ رہا۔ لیکن دوسرے لوگ ان جیسے خوش قسمت نہ تھے۔ چنانچہ غیر مسیحی خیالات رکھنے کے جرم میں، ملکہ الزبتھ کے زمانے میں "ناروک" Norwick میں تین یا چار افراد کو نذر آتش کیا گیا، انہیں میں کا ایک فرانسس کٹ Francis Kett بھی تھا جو کیمرج میں کارپس کرسچی Cropus Christi میں بحیثیت اس کے ایک رفیق Fellow کے کام کر چکا تھا۔ جیمس اول کے زمانے میں بھی یہی صورت رہی جو اس طرح کے معاملات میں ذاتی طور پر دلچسپی رکھتا تھا۔ "بارتھلمیو لیگیٹ" Bartholomew Legate, اسی زمانے کا ایک شخص تھا جس کے سلسلے میں الزام تھا کہ وہ بہت سے ہلاکت خیز خیالات کا قائل ہے۔ بادشاہ سے اس کی انتہائی تلخ گفتگو کے بعد کافی عرصہ تک اسے "نیو گیٹ"

Marfat.com

New gate میں جیل میں رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کے سلسلے میں یہ فیصلہ صادر کر دیا گیا کہ وہ ایسا بے دین ہے کہ اس کی اصلاح کی اب کوئی توقع نہیں۔ چنانچہ ۱۶۱۱ء میں "اسمتھ فیلڈ" Smith field میں اسے نذر آتش کر دیا گیا۔

اس کے ایک ماہ بعد ایک دوسرے شخص "وائٹ مین" wightman.. کو "لچ فیلڈ" Lich field میں جلا دیا گیا۔ یہ کارروائی "بشپ آف کوونٹری" Bishop ofCovantry کے فرمان سے عمل میں آئی۔ اس شخص پر بھی یہی الزام تھا کہ اس کے بہت سے خیالات شریعت عیسوی کے خلاف ہیں[1]

خالص مادی امور و مسائل اور سائنسی علوم کے سلسلے میں بھی اصلاح شدہ پاپائیت کا رویہ کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ جس کی مثال میں ابھی ابھی ذکر کردہ "جیار ڈینو برنو" کا بس نام لے دینا ہی کافی ہے۔ جدید علم ہیئت astronomy کے بانی "گلیلو" Galileo de Galilei کے ساتھ اس کا جو رویہ رہا وہ بھی کچھ کم عبرتناک نہیں ہے۔ اپنے مشاہدات کی روشنی میں اسے کوپرنیکس، کے مذکورہ خیال کے سلسلے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا تھا۔ اور اس کے برحق ہونیکا اس نے برملا اعلان بھی کر دیا تھا۔ اپنے ٹیلی اسکوپ Telescope کی مدد سے اس نے مشتری سیارہ Moon of jupiter کا پہلی بار انکشاف کیا۔ نیز سورج کے اندر پائے جانے والے دھبوں Spots کے اس کے مشاہدے کی روشنی میں زمین کے گردش پذیر ہونے کے ایک حقیقت مسلّمہ ہونے کے سلسلے میں اسے کوئی کلام نہ تھا۔ محکمۂ تفتیش عقائد نے اس سے مطلع ہونے پر، اس کے خلاف سرزنش کی اور ۱۶۱۶ء میں اس کی طرف سے گلیلو کے مذکورہ خیال کے متعلق "فضول" اور "ملحدانہ" ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا گیا۔ بعد میں اگرچہ اس نے اپنی مشہور کتاب Dialogue میں اس تصور کی وضاحت کے سلسلے میں کافی لیاپوتی سے کام لیا۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب مذکور صفحات ۶۵، ۶۶

Marfat.com

لیکن اس کے باوجود اس کو چھٹکارہ نصیب نہ ہوا۔ ۱۶۳۲ء میں اس کتاب کے منظرعام پر آنے کے ساتھ ہی مذکورہ محکمہ کی طرف سے اسے وہاں حاضری کا پروانہ ملا۔ خیر سے وہاں اس کے کچھ ردوں کی موجودگی سے اس کی جان تو بچ گئی لیکن بہرحال وہ اس کے ساتھ حد درجہ اہانت آمیز سلوک اپنائے جانے سے بچانے کے سلسلے میں کچھ بھی مددگار اور معاون نہ بن سکے[1] جہاں تک اس کی دیگر کتابوں کے تئیں یورپ کے استقبال کا سوال ہے تو اس کے سلسلے میں صرف اس بات کا علم میں آجانا کافی ہے کہ ۱۸۳۵ء تک وہ یورپ کی ممنوعہ کتابوں کی فہرست میں شامل تھیں[2] یہ بھی انیسویں صدی کے اوائل کی بات ہے جب رچرڈ کارلائل Richard Carlile کو پین Paine کی کتاب Age of Reason کو تقسیم کرنے کے جرم میں نو سال تک قید و بند کی صعوبت برداشت کرنی پڑی[3] پریس پر پابندی Censorship کی ایجاد کا سہرا بھی کلیسا ہی کے سر ہے۔ جو پوپ الگزنڈر ششم کے ایک فرمان کے ذریعہ ۱۵۰۱ء میں وجود میں آیا۔ اسی طرح فرانس میں شاہ ہنری دوم نے سرکاری اجازت کے بغیر کسی چیز کی طباعت و اشاعت کو قابل تعزیر جرم قرار دے رکھا تھا جس کا ارتکاب کرنے والا سزائے موت کا مستحق تھا۔ ۱۵۲۹ء تک میں جرمنی میں بھی سنسر شپ لاگو کی جا چکی تھی۔ روشن خیالی کے علمبردار انگلینڈ میں، ملکہ الزبتھ کے عہد سلطنت میں، حکومت کے لائسنس کے بغیر کوئی کتاب چھاپی نہیں جا سکتی تھی۔ پریس لگانے کی اجازت بھی صرف لندن آکسفورڈ اور کیمرج کے ساتھ مخصوص تھی۔ سرزمین یورپ میں پریس پر پابندیوں کا یہ سلسلہ انیسویں صدی تک جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد ہی اسے حقیقی معنوں میں آزادی نصیب ہوتی ہے[4] اور کون نہیں جانتا کہ

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھی جائے کتاب بالا صفحات ۶۷ تا ۷۰ [2] حوالہ سابق صفحہ ۶۹، ۷۰

[2] Religion as a Bar to progress P. 34.

[3] A History of Freedom of thought P. 39.

Marfat.com

بالواسطہ طور پر ان تمام کارروائیوں کی ذمہ داری کلیسا کے سر عائد ہوتی ہے۔

سرزمین یورپ میں مسیحیت کے علمبرداروں کی یہی کارگذاریاں تھیں جن کے نتیجے میں اس نے "عیسائیت" کو انسانیت کی ترقی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا Stumbling block سمجھا۔ اور عقیدت و احترام تو کجا اپنی مقدس کتابوں Sacred Books کو اس نے اپنی اخلاقی اور علمی و فکری ترقی کے راستے کی رکاوٹ Obstacle باور کیا۔[1] اور اس کی سرزمین سے اس طرح کی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں سے ایک کا نام آپ کے سامنے بھی کئی بار آچکا ہے۔ یعنی "مذہب ترقی کی راہ کا روڑا"

Religion as a Bar to Progress.

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اپنے اس تلخ تجربے کے نتیجے میں مسیحیت، سے آگے فی الجملہ مذہب Religion کے سلسلے میں یورپ کو یہ فتویٰ صادر کرنے کا حق پہنچتا ہے کہ وہ قابل رد ہے ورنہ کم از کم اس کا دائرہ فرد کی نجی زندگی تک محدود ہے، معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہونا چاہیئے؟۔ اور کیا اس کی تقلید میں کسی بھی سمت سے اس طرح کے کسی اعلان و اظہار کو مبنی بر حقیقت اور حق و انصاف کا تقاضا قرار دیا جا سکتا ہے۔؟

---

[1] حوالۂ سابق صفحات ۳۸، ۳۹۔ خیال رہے کہ کمیونزم بھی مذہب کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے اسے جو سائنس اور سائنٹفک نقطہ نظر کا دشمن قرار دیتا، اور اس لئے اسے معاملات دنیا سے بے دخل اور چرچ اور اسٹیٹ کو الگ قرار دینے کے ساتھ، اپنی سرزمین سے اسے مکمل دیس نکالا دینے کی وکالت کرتا ہے تو اس کے لئے بھی حوالہ وہ کلیسا کے انہی مظالم اور فکری جکڑ بندیوں کا دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو: V.G. Afanasyev " Marxist Philosophy A Popular out line P. 384. Progress Publishers Moscow 4th Rev.Ed.1980

مسیحیت کی بنیادی خامی

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسیحیت کی بنیادی خامی پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں، ہمارے خیال کے مطابق جس کے نتیجے ہی میں یورپ کی تاریخ میں اس کا یہ بدنما بلکہ گھناؤنا کردار سامنے آیا۔ جس نے نفس مذہب سے مغرب کو بیزار کیا۔ اور آگے پوری متمدن دنیا میں یہ چیز بطور ایک مقبول عام تصور کے رائج ہوئی کہ مذہب انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے۔ معاملات دنیا سے اسے کچھ سروکار نہ ہونا چاہیئے۔

عیسائیت کبھی بھی فکر و نظر کا کوئی مکمل نظام نہیں رہی جس کی بنیاد پر سماج کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل کی جاسکے۔ قوم یہود کے اندر جو زر پرستی اور دنیا طلبی پیدا ہوگئی تھی۔ اس کے علماء و رہبان جس طرح روح شریعت کو چھوڑ کر اس کے الفاظ سے کھیلنے لگے تھے اور اپنے دینی منصب کو کلیتہ جلب دنیا کا ذریعہ قرار دے رکھا تھا، حضرت مسیحؑ، ایک عارضی وقفے کے لئے انہی کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے، جس کی صراحت وہ خود ان لفظوں میں کرتے ہیں :

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" (متی باب : ۱۵ : ۲۴)

آں جناب کی ان تعلیمات و ہدایت سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ آپکی بعثت خاص قوم یہود کے لئے ہوئی تھی۔ اور آپ کی تمام تر کوششیں ان کے بگاڑ کو دور کرنے اور انہیں راہ راست پر لگانے پر مرکوز تھیں۔

Marfat.com

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے، اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے، اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تجھ سے قرض چاہے اس سے منہ نہ موڑ" (متی: باب ۵: ۳۸—۴۲)

"لیکن میں تم سننے والوں سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ جو تم سے عداوت رکھیں ان کا بھلا کرو، جو تم پر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو۔ جو تمہاری تحقیر کریں ان کے لئے دعا کرو، جو تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور جو تیرا چوغہ لے اس کو کرتا لینے سے بھی منع نہ کر، جو کوئی تجھ سے مانگے اسے دے اور جو تیرا مال لے لے اس سے طلب نہ کر" (لوقا باب: ۶: ۲۷—۳۱)

"مگر تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو اور بھلا کرو اور بغیر ناامید ہوئے قرض دو تو تمہارا اجر بڑا ہوگا اور تم خدا تعالیٰ کے بیٹے ٹھہرو گے کیونکہ وہ ناشکروں اور بدوں پر بھی مہربان ہے جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو"

(ایضا: ۳۵—۳۶)

قوم یہود جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص وقت تک کے لئے امامت عالم کے منصب پر فائز کیا تھا اور اسے اپنے بے پایاں احسانات سے نوازا تھا، اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے تورات کی صورت میں ایک جامع مجموعۂ قوانین عطا کیا تھا۔ بعد میں وقت گذرنے کے ساتھ ـــــ اس کے اندر خرابی اور بگاڑ کی جو صورتیں پیدا ہوئیں اس کا نمایاں ترین مظہر اس قوم کا فقہی جمود تھا۔ چنانچہ اس نے روح شریعت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کے ظاہر کو سب کچھ سمجھ لیا۔ بیجا لفظی موشگافیاں کر کے خدائی شریعت کو کچھ کا کچھ بنا دیا۔ اور احکام کے حقیقی منشاء کے علی الرغم ان کا ہیولیٰ ہی بالکل بدل کر رکھ دیا۔ جس کے نتیجہ

Marfat.com

میں وہ بے شمار ان جکڑ بندیوں میں پھنس گئی جن کا خدائی مرضی سے کوئی واسطہ نہ تھا اور بہت سی ان بندشوں سے وہ آزاد ہو گئی جن کا الٰہی شریعت انہیں پابند دیکھنا چاہتی تھی۔ قوم یہود کے سلسلۂ انبیاء کی آخری کڑی حضرت مسیحؑ کی بعثت توراتی شریعت میں پیدا ہو جانے والے اسی عدم توازن کو دور کرنے کے لئے ہوئی تھی۔ اور آپ کو ملنے والے مجموعۂ احکام "انجیل" کی امتیازی حیثیت ہی یہ تھی کہ وہ اس قوم اور خاص کر اس کے علماء و رہبان کی ظاہر پرستی کو ختم کر کے ان کے اندر روح شریعت کی پیروی کے جذبہ کو بیدار کرے۔ عہد نامہ جدید کا درج ذیل بیان اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے حضرت مسیحؑ اپنی قوم کے فقیہوں اور فریسیوں کی حالت زار پر ماتم کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہو۔" (متی باب : ۲۳ : ۱۴)

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے، اے اندھے راہ بتانے والو جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو۔"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں۔

اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کے مانند ہو جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی نجاست سے بھری ہیں، اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہو۔"

(ایضاً : آیات ۲۳ تا ۲۸)

"پھر اس نے اپنی تعلیم میں کہا کہ فقیہوں سے خبردار رہو جو لمبے لمبے جامے

Marfat.com

پہن کر پھرنا اور بازاروں میں سلام، اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور ضیافتوں میں صدر نشینی چاہتے ہیں، اور وہ بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہیں اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہیں۔ ان ہی کو زیادہ سزا ملے گی۔" (مرقس باب ۱۲ : ۳۸ — ۴۰)

لیکن سانحہ یہ پیش آیا کہ قوم یہود کی عظیم اکثریت نے مسیحؑ کا انکار کیا اور اپنے کو انجیل سے بالکل دور رکھا دوسری طرف جن لوگوں نے آں جنابؑ کی پیروی اختیار کی وہ آپ کے حکم اور مرضی کے علی الرغم دوسری انتہا پر جا پہونچے کہ انھوں نے انجیل ہی کو سب کچھ سمجھ لیا اور "توراۃ" سے بے تعلق ہو گئے۔ جبکہ اصل صورت یہ تھی کہ تورات اور انجیل دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والی تھیں۔ اس دوگونہ مجموعۂ شریعت کی پیروی ہی میں اہل کتاب کی نجات مضمر تھی۔ اور اسی کے ذریعہ وہ زندگی میں جادۂ اعتدال پر قائم رہ سکتے تھے۔ اہل تورات جس فقہی جمود اور لفظی جکڑ بندیوں کے گرداب میں پھنس گئے تھے انجیل کے بغیر وہ اس سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ اسی طرح انجیل میں حکمت و موعظت اور روح شریعت کی بھرپور تشریح و تفصیل تو تھی۔ لیکن توراتی مجموعہ قانون کے بغیر اس کے لئے زندگی کی گاڑی کو زیادہ دور تک اعتدال و توازن کے ساتھ چلانا بہت مشکل تھا۔ لیکن تفصیلات سے قطع نظر ہوا یہی کہ انجیل تورات سے کٹ گئی۔ اور جس طرح اہل کتاب کے لئے انجیل سے روگردانی کا یہ نتیجہ سامنے آیا کہ وہ روح شریعت سے عاری ہو کر نری ظاہر پرستی اور دنیا طلبی اور جلب منفعت میں لگ گئے۔ پیروان مسیحؑ کے لئے توراۃ کے انکار کا انجام یہ ہوا کہ ان کے پاس ایک بالکل کٹی پٹی شریعت باقی رہ گئی جو واقعہ ہے کہ سماج کی تعمیر اور انسانی آبادی کے مسائل کے حل کی عظیم ذمہ داری سے کسی بھی صورت عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے بھی بڑا سانحہ یہ ہوا کہ حضرت مسیحؑ کی وفات پر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ۳۲۵ء کی نیسیا، کی کونسل میں مسیحیت[1] پر پال کی اجارہ داری قائم ہو گئی جس

---

[1] یہاں ہم مسیحیت کو مسیحیت اسی پہلو سے کہہ رہے ہیں جیسا کہ اس کے ماننے والوں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کے نتیجے میں اس کی صورت ہی مسخ ہو گئی۔ توراۃ سے کٹ جانے کے سبب اس کے اندر پیدا ہو جانے والی مذکورہ خامی اور کمی سے قطع نظر اس کی ہم آہنگی بالکل خاک میں مل گئی اور وہ تضادات کا ایک مجموعہ بن کر رہ گئی[1]۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نامۂ جدید میں اگر حضرت مسیحؑ ایک طرف اپنے پیروؤں کو اس دعاء کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں کہ آسمان کی طرح زمین پر بھی خدا کی بادشاہت قائم ہو :

"پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو" (متی باب : ۶ : ۹ — ۱۰)

تو دوسرے مقام پر ہمیں ان کا یہ اعلان پڑھنے کو ملتا ہے :

"میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں" (یوحنا باب : ۱۸ : ۳۶)

اس سے بھی آگے دوسری جگہ وہ صاف طور پر دین و دنیا کی تقسیم کا درس دیتے

(بقیہ گزشتہ حاشیہ) نے اسے توراۃ اور اسی طرح اس کے بعد آنیوالی شریعت محمدیؐ سے کاٹ کر اسے ایک الگ اور مستقل شریعت کا درجہ دے لیا۔ اور جیسا کہ وہ آج عہد نامۂ جدید کے صفحات میں نظر آتی ہے۔ ورنہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے نہ یہودیت کوئی چیز ہے نہ مسیحیت۔ یہ سب اسی دین حنیف، اسلام کی مختلف شکلیں ہیں جسکا سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام ہوتا ہے۔ دوسری بے شمار قوموں اور جماعتوں کی طرح یہ اہل کتاب کی محض نادانی اور ناسمجھی ہے کہ انھوں نے اس دین قویم کی صورت بگاڑ کر اسے یہودیت اور مسیحیت کے خانوں میں بانٹ دیا۔ اور اس کے نتیجے میں قیامت تک کیلئے باہم کٹتے مرتے رہنے کی راہ ہموار کر لی۔

[1] واضح رہے کہ عہد نامۂ جدید اپنی موجودہ صورت میں بڑی حد تک پولوس کی اپنی تحریروں پر مشتمل ہے اور باقی صحائف میں بھی جو کچھ ہے وہ انہی خیالات کی تائید میں ہے جو پولوس نے پیش کئے۔ ستائیس صحائف پر مشتمل یہ عہد نامہ جناب یسوع علیہ السلام کے ۳۲۵ سال بعد اس اجتماع کی کثرت رائے سے منتخب کیا گیا تھا جس کی اکثریت تثلیث اور اسی طرح کے دوسرے مشرکانہ تصورات کی قائل تھی یہ فیصلہ نیسیہ Nicaea کی اسی مذکورہ کونسل کا تھا (عبدالوحید خاں دعیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں صفحہ ۱۰۱)

Marfat.com

دکھائی دیتے ہیں :

"پس جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا ہے خدا کو ادا کرو" (متی باب ۲۲ : ۲۱)[1]

اس کے علاوہ عہد نامۂ جدید حکومت وقت کی پیروی کو بلا لحاظ اس کے کہ وہ کس روش پر عمل پیرا ہے اور اس کا انداز کیا ہے، پیروان مسیح کے لئے لازم قرار دیتا ہے :

"ہر شخص اعلیٰ حکومتوں کا تابعدار رہے، کیونکہ کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہ ہو اور جو حکومتیں موجود ہیں وہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ پس جو کوئی حکومت کا سامنا کرتا ہے وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے اور جو مخالف ہیں سزا پائیں گے"

(رومیوں کے نام پولس رسول کا خط باب ۱۳ : ۱-۲)

اس تاکید کے ساتھ کہ :

"سب کا حق ادا کرو جسکو خراج چاہیئے خراج دو جس کو محصول چاہیئے محصول، جس سے ڈرنا چاہیئے اس سے ڈرو، جس کی عزت کرنا چاہیئے اس کی عزت کرو (ایضاً : آیت ۷)

رومن ایمپائر کو پال Paul کی قائم کردہ اسی مسیحیت کا تجربہ ہوا[1] اور چوتھی صدی عیسوی میں وہ اس کا سرکاری مذہب قرار پا گئی۔ پانچویں صدی عیسوی میں حالات کی گردش سے رومن ایمپائر کے زوال کے بعد فطری طور پر اس کی وراثت اس کے حصے میں آئی۔ اپنی ان محدودیتوں اور کمیوں کے پیش نظر جن کا ابھی ذکر ہوا، مسیحیت کے لئے مناسب تو یہ تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ چھوٹے اور مختصر دائروں میں انسانی زندگی کے مسائل کے حل میں اپنے کو لگاتی، حکومت و سلطنت کے جھمیلوں سے اپنے کو بالکل دور رکھتی لیکن مسیحیت کے علمبرداروں کے لئے، جن کی نگاہیں رومن ایمپائر کی زبردست شان و شوکت کے سامنے خیرہ ہو چکی تھیں، اس کا سہارنا اور کمتر دائرے پر اپنے کو قانع بنانا ممکن نہ ہو سکا۔ چنانچہ اس کے بعد ذرا تاخیر کئے بغیر کلیسا نے اپنے کو رومی شاہنشاہی کے ڈھنگ پر منظم کرنا شروع

---

[1] نیز ملاحظہ ہو : مرقس باب ۱۲ : ۱۷، لوقا باب : ۲۰ : ۲۵

Carl Stephenson : Mediaeval History Rev. Ed. P. 38.

کردیا۔[1] اور آٹھویں اور نویں صدی تک تو وہ پوری طرح کھل کر میدان میں آگیا۔ لیکن جیسا کہ اشارہ کیا گیا پال کی مسیحیت اپنی محدودیت اور اپنے داخلی تضادات کے ساتھ حکومت وسلطنت کے لئے کوئی کامل اور ہم آہنگ نظام عمل عطا کرنے سے قاصر تھی، چنانچہ قطع نظر ان بے شمار ادارہ جاتی اور شعبہ جاتی امور و مسائل کے جن میں اس کا نمائندہ کلیسائے روم بری طرح رومن ایمپائر سے متاثر رہا اور بے چون وچرا اور بلا تامل انھیں اپنے ہاں اپناتا گیا۔[2] اس صورت حال نے سرزمین یورپ میں اسی وقت سے چرچ اور اسٹیٹ بالفاظ دیگر مذہب اور ریاست کا جھگڑا کھڑا کر دیا کہ اقتدار کا اصل سرچشمہ کون ہے پاپائے روم یا وقت کے سیکولر حکمراں؟ جس کا سلسلہ آگے ہزار سال یعنی سترہویں اور اٹھارویں صدی تک جاری رہا جبکہ مختلف انقلابات کے نتیجے میں کلیسائی اور شاہی بساط الٹ کر دستوری حکومتیں وجود میں آتی ہیں جن کے اندر کھلے لفظوں میں مذہب کے معاملات دنیا سے بے دخلی کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اور یورپ اطمینان کا سانس لیتا دکھائی دیتا ہے کہ اب آئندہ اسے مذہب کے نام پر ظلم واستبداد کے شکنجے میں نہ کسا جا سکے گا۔ زمانۂ مابعد میں اسی کی تقلید میں دنیا کے مختلف خطوں سے مذہب کی معاملات دنیا سے بے دخلی کی بات ہمارے سننے میں آتی ہے۔

چرچ اور اسٹیٹ کی علیحدگی

آج یورپ نے اسے ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ مذہب کا معاملات

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ یورپ حصہ اول: مصنف الیور تھیچر۔ ترجمہ مولوی عبدالماجد بی۔اے، نواب صدر یار جنگ بہادر اور قاضی تلمذ حسین صفحات ۱۷۹، ۱۸۰ نیز DR. Bhandari: History of European Political Philosophy P. 69-70.

[2] مثال کے طور پر بے دینی کو رائج الوقت بغاوت Treason پر قیاس کر کے اسے خدا کے خلاف بغاوت Treason against God قرار دیتے ہوئے کلیسائے روم نے ایذا رسانی Torture کا اصول رومی قانون سے اخذ کیا تھا، اسی طرح بے دینوں کی تمام جائداد کو ضبط کر لینے کا قاعدہ بھی اسی رومی قانون سے اخذ کردہ تھا۔ ملاحظہ ہو: History of Torture through the Ages P.53

Marfat.com

دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اسی کے اثر سے دنیا کے بیشتر خطوں میں بھی اسے ایک مقبول عام تصور کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے، لیکن آپ کو سن کر تعجب ہو گا کہ زیادہ دور نہیں ابھی اٹھارویں صدی کے اختتام تک صورت یہ تھی کہ وہاں "بادشاہ بمرضی خدا" Kingsby the grace of God اس لقب کے بغیر بادشاہوں کا نام لینے کی بھی کسی کی ہمت نہ تھی۔

اگلے زمانوں کی بات اپنی جگہ اسی اٹھارویں صدی میں فرانس کے لوئیس چہاردہم (Louis XIV) اور انگلینڈ کے جیمس دوم James II نے "مرضی خدا" thegraceofGod کو ایک سیاسی عقیدے کے طور پر اپنایا اور اس کی بدولت اپنی کلیت پسندی Absolutism کے لئے وجہ جواز پیدا کیا۔ جس کی رو سے دیگر تمام انسانی حقوق مثلاً دولت، خاندان، پارلیمنٹ وغیرہ کی طرح "بادشاہ کا یہ حق"، بھی ابدی اور من جانب اللہ تھا۔ جسے کسی صورت چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس طرح بادشاہ کی شخصیت عام انسانی قانون کے دائرے سے بلند قرار پا گئی تھی اس کے بعد ایسا ہوا کہ فرانس کی عملداریوں Estates نے اس تصور کو قبول کرنے سے انکار کیا اور برطانوی پارلیمنٹ نے نسبتہً اور سختی سے اس کے خلاف آواز بلند کی۔ بالآخر انگلینڈ کے ۱۶۸۸ اور فرانس کے ۱۷۸۹ کے انقلابات کے نتیجے میں بادشاہوں کے اس تقدس اور ان کے من جانب اللہ ہونے کے تصور کو آخری طور پر مسترد کیا گیا۔[۲]

سرزمین یورپ میں عیسائیت کے قدم جمانے سے لے کر اٹھارویں صدی کے اختتام تک یہ مسئلہ کبھی زیر بحث آیا ہی نہیں کہ "مذہب کا معاملات دنیا سے کوئی تعلق ہے، نہ ہونا چاہیئے بلکہ سچ یہ ہے کہ کسی بھی ایسے شخص کے لئے جو اپنے ہوش و حواس بالکل کھو نہ چکا ہو

---

[۱] یہی نہیں بلکہ لوئیس بڑے فخر کے ساتھ یہ اعلان کرتا تھا کہ: ہم شہزادے خدا کی زندہ تصویریں ہیں جو تمام تر پاک اور قوت و طاقت کا سرچشمہ ہے: "We Princes are living images of Him. who is all holy and all power ful. Bluntschli : The theory of the state P. 288

[۲] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو

Bluntsechli : The theory of the States P. 290-291

اس طرح کی بات اپنی زبان پر بھی لانے کی ہمت نہ تھی۔ اس وقت تک مذہب سے تعلق نہیں مذہب سے لاتعلقی، بے دینی، سب سے بڑا جرم تھی جس کا ارتکاب کرنے والا جس انجام بد سے دوچار ہوتا تھا اس کی کسی قدر تفصیل اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں۔ وہاں اگر جھگڑا رہا ہے تو اس کا کہ دنیا پر مذہب عیسائیت کی حکومت کس ادارے کے ذریعہ انجام پائے۔ چرچ اور پاپائیت کے ذریعہ یہ کام انجام پائے یا یہ ذمہ داری سیکولر حکمرانوں کے سپرد ہونی چاہیئے۔ اور کہنا چاہیئے کہ عہد جدید کی پو پھٹنے تک یورپ بری طرح سے اس کشمکش کا شکار اور اس اختلاف و نزع کی آماجگاہ رہا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید بیجا نہ ہوگا کہ یہی آویزش و چپقلش ہمیں یورپ کی تاریخ کا سب سے نمایاں باب نظر آتی ہے۔ خاص طور پر قرون وسطیٰ کے زمانہ میں تو ایسا لگتا ہے کہ وہاں اس ایک کام کے سوا دوسرا کوئی کام ہی نہ تھا جس میں باشندگان یورپ کی قوتیں اور صلاحیتیں صرف ہوتیں۔ جس کے لئے ان میں سے ہر فریق، کتاب مقدس، سے غذا حاصل کرتا تھا جو اس کے لئے، جیسا کہ ابھی اوپر تفصیل گذری، اس مقصد کی خاطر بھرپور مواد فراہم کرتی تھی۔ یہ "ایک حقیقت ہے کہ یورپ میں بارہویں صدی سے لے کر سولہویں صدی تک "سیاسی تصور" کی کل دوڑ اس نشانے تک محدود تھی کہ پاپائیت کا یہ دعویٰ کہ شہنشاہیت پر اسے بالادستی حاصل رہے، درست ہے یا نہیں[1]"

خاص طور پر نویں صدی سے لے کر گیارہویں اور بارہویں صدی تک یہ لڑائی اپنے شباب پر تھی جس میں دونوں فریق اپنے اپنے حق میں الگ الگ دلائل فراہم کر رہے تھے، کلیسا جس بنیاد پر اپنے لئے اس حق کا مدعی تھا اس میں خاص بات یہ تھی کہ :

ا۔ چونکہ پوری بنی نوع انسانی ایک ہے، اس لئے چرچ جس کی بنیاد براہ راست خدا God نے رکھی ہے، ریاست کی ذمہ داری بھی صحیح معنوں میں اسی کی ہو سکتی ہے۔ خدائی فرمان کے ذریعہ اسے یہ چیز حاصل ہوئی ہے۔ خدا جس کی ذات میں تمام دنیوی و روحانی اختیارات

---

[1] DR. Bhandari : History of European Political Philosophy P.86

Marfat.com

مرکوز ہیں۔ چونکہ یہ چیز قادر مطلق ذات کا اٹوٹ حصہ ہے اس لئے کسی صورت اس کے حصے نجرے نہیں کئے جا سکتے۔ اس ریاست کے سربراہ اصلاً تو حضرت مسیحؑ Christ. ہیں، لیکن چونکہ وہ بنفس نفیس اس دنیا میں موجود نہیں، اس لئے ضروری ہے کہ زمین پر ان کا ایک نمائندہ ہو جو عام انسانوں پر ان کے اقتدار کو بحال رکھ سکے جناب مسیحؑ کا یہ نمائندہ پوپ Pope. ہے جو بیک وقت لوگوں کا پادری Priest. بھی ہے اور ان کا بادشاہ King. بھی۔ بادشاہ یعنی ان کا دنیوی اور روحانی شہنشاہ، ان کا قانون ساز Law-giver ان کا منصف Judge غرض یہ کہ وہ ہر پہلو سے سب سے بڑا اور زبردست ہے۔

۲۔ دونوں ہی تلواریں جن میں سے ایک روحانی اقتدار کی نمائندگی کرتی ہے، دوسری سیکولر اقتدار کی، انہیں پہلے تو خدا نے جو پیٹر Peter. کو عطا کیا، اور اس سے منتقل ہو کر یہ خیر پوپ pope تک پہنچی جو روئے زمین پر خدا کا نائب Vicegerent of God ہے۔ روحانی تلوار کو پوپ نے اپنے پاس باقی رکھا، البتہ دنیوی تلوار کو اس نے سیکولر حکمرانوں تک منتقل کر دیا۔ لیکن اس منتقلی کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ آزادانہ طور پر اس کے مالک ہو گئے ان کی زیادہ سے زیادہ حیثیت یہ ہے کہ یہ کلیسا کے وکیل اور اس کے معتمد علیہ agent. ہیں۔ پوپ مالک تو دراصل بیک وقت روحانی اور سیکولر اختیارات دونوں کا ہے، البتہ عملاً استعمال وہ اپنے روحانی اختیار ہی کا کرتا ہے۔ بادشاہ اور سیکولر حکمراں اپنے مناصب اور اپنے اختیارات بالواسطہ طور پر خدا God. سے اور بلاواسطہ پوپ سے حاصل کرتے ہیں، اور اس بنا پر وہ اس کی رعایا Vassals ہیں بس اتنا ہے کہ پاپا کی رعایا میں شہنشاہ کو سب سے اونچا مقام حاصل ہے۔ اس کی تاج پوشی کی حلف برداری دراصل پوپ کو ایک طرح کا خراج عقیدت ہے۔ دنیوی اقتدار چونکہ چرچ کا عطا کردہ ہے اس لئے اس کا استعمال بھی چرچ کی مرضی کے مطابق ہونا چاہیئے۔ پوپ کو اس کا اختیار حاصل ہے بلکہ یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ سیکولر حکمرانوں کو براہ راست اپنے کنٹرول میں رکھے۔ کسی تکلف کے بغیر وہ شہنشاہی اقتدار کو ایک شخص سے ہٹا کر دوسرے شخص تک منتقل کر سکتا ہے۔ اپنی اس حیثیت میں دراصل وہ بادشاہ گر یا بادشاہ کا انتخاب کنندہ Imperial Electon ہے۔ شہنشاہیت میں جب بھی کہیں

خلا پیدا ہوگا، ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر اس کی نگرانی پوپ تک منتقل ہو جائے گی۔ پوپ کو اس کا بھی اختیار ہے کہ وہ عام حکمرانوں کے خلاف لوگوں کی شکایات کی سماعت کر سکے، انہیں معزول کر دے اور ان کی رعایا کو ان کی وفاداری سے الگ قرار دیدے۔

۳۔ مادہ کے بالمقابل روح کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اس لئے فطری طور پر عوامی اقتدار کے مقابلے میں روحانی اقتدار زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور بجا طور پر اسے زیادہ عزت و احترام کا مقام حاصل ہونا چاہیئے چرچ روح کی نمائندگی کرتا ہے جب کہ ریاست کو صرف اس کے قالب کی نمائندگی حاصل ہے۔ چرچ سورج Sun کے مانند ہے، ریاست کی حیثیت اس کے مقابلے میں چاند Moon کی ہے۔ اس بنا پر عوامی اقتدار Lay authosity روحانی اقتدار سے مستعار ہے، اسی کے ذریعہ اسے قوت نافذہ ملتی ہے، خلاصہ یہ کہ اس کا تمام تر دار و مدار اسی پر ہے[1]

اس کے برعکس سیکولر حکمراں اپنے لئے جس دلیل کی بنیاد پر اس حق کے دعویدار تھے اس میں نمایاں بات یہ تھی کہ :

۱۔ سیکولر اقتدار چرچ کا تفویض کردہ نہیں بلکہ یہ چیز براہ راست خدا کی عطا کردہ ہے بادشاہ روئے زمین پر خدا God. کے نائب اور خلیفہ Viclgerents ہیں اور اس بنا پر وہ صرف اسی Him. کے روبرو جواب دہ ہیں۔ ریاست کو اسی طرح من جانب اللہ divine ہونے کی سند حاصل ہے جیسی کہ چرچ کو ہے۔ اور اس بنا پر وہ چرچ کی تابع فرمان نہیں ہو سکتی ہے۔

۲۔ شہنشاہیت کے علمبردار Imperialists پاپائیت کی بالادستی سے اپنے کو آزاد رکھنے کے لئے خاص طور پر کتاب مقدس کو بنیاد بناتے تھے۔ اور عہد نامۂ قدیم و جدید ہر ایک سے اس سلسلے میں دلائل فراہم کرتے تھے۔ عہد نامہ جدید سے بالخصوص پال Paul

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو DR. Bhandari : History of European Politcal Philosophy P. 87.88

Marfat.com

کے اس قول کا حوالہ دیتے تھے جس کا اس سے پہلے ذکر آچکا ہے کہ :

"کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہ ہو اور جو حکومتیں موجود ہیں، خدا کی طرف سے مقرر ہیں۔ پس جو کوئی حکومت کا سامنا کرتا ہے وہ خدا کے انتظام کا مخالف ہے"

(Powers that be are ordained of God. Whose ever, therefore, resisteth the power resisteth the Ordinance of God.

کتاب مقدس کے اسی طرح کے فرامین کی بنیاد پر سیکولر حکمرانوں کا رعایا سے مطالبہ تھا کہ وہ ان کی غیر مشروط وفادار رہے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ خدا کی طرف سے مقرر ہونے کے سبب سے وہ صرف خدا God کے حضور جواب دہ ہیں۔ اور اس بنا پر وہ پاپائیت کے اختیار سے بالکل آزاد ہیں۔ اور ان کے اوپر اسے کسی قسم کا اثر و اقتدار دکھانے کا حق نہیں ہے[1]۔

اس مرحلے پر جن لوگوں نے مختلف تشریحات کیساتھ کلیسا کی حمایت کی ان چند خاص نام یہ ہیں ہیلڈیبرانڈ یا گریگوری ہفتم[1] (Hildebrand or Gregory VII 1073-1080) سینٹ برناڈر[2] (St. Bernard (1091-1153) مین گولڈ[2] (Mane gold) جان آف سیلسبری[3] John of Salisbury 1115-1180 سینٹ ٹامس ایکونس[4] (St. Thomas, Aguinas 1227-74) اور آگسٹس ٹرمفس[5] Augustus Triumphus اس کے بالمقابل سیکولر حکمرانوں کی تائید میں جو لوگ پیش پیش تھے ان میں قابل ذکر یہ لوگ تھے مارسگلو آف پڈوا Marsiglo of Padua 127-1340 ولیم آف اوک ہام (William of Ockham 1290-1347) اطالوی فلسفی دانتے Dante اور پیرے ڈیوبیس[2] Pierre Dubais جن کے استدلال میں علاوہ اور چیزوں کے حضرت مسیح کا یہ قول بھی شامل تھا کہ "میری بادشاہی اس

---

[1] حوالہ سابق صفحہ ۹۱۔۹۰ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حوالہ سابق صفحات ۹۳ تا ۱۱۳۔

Marfat.com

دنیا کی نہیں myKingdom is not of this world پاپائیت کے علمبرداروں اور سیکولر حکمرانوں کے ہمنواؤں کی یہ لڑائی کیسی شدید تھی اس کا اندازہ آپ صرف اس سے کر سکتے ہیں کہ صرف گیارہویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں یعنی ۱۰۵۲ء سے ۱۱۱۲ء کے عرصے میں اپنے اپنے موقف کی حمایت میں فریقین کی طرف سے ایک سو پندرہ کتابچے منظر عام پر آئے تھے[1]

چرچ اور اسٹیٹ کی اس لڑائی میں فتح مندی کا سہرا کلیسا کے ہاتھ رہا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی تک پاپائیت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی[2] چودھویں صدی کے آتے آتے یورپ میں قومی بادشاہتوں نے زور پکڑنا شروع کیا اور نظام جاگیرداری، جبکہ بڑی حد تک یہی ادارہ کلیسا کے زور اور قوت کا ذریعہ تھا، دن بدن کمزور پڑتا گیا[3] اسی عرصے میں مختلف اسباب کے تحت یورپ میں روشن خیالی Enlightment اور نشاۃ ثانیہ Renaissanee, کی تحریکات نے اپنے اثرات دکھانے شروع کئے۔ عوام الناس کے ذہن و فکر میں بیداری آئی، سماج میں فرد کی اہمیت کا احساس فزوں تر ہونے لگا اور لوگ بے چون و چرا کلیسا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ نتیجے کے طور پر وہاں میکاؤلی Machia-velli (1409-1527) جیسے مفکرین منظر عام پر آئے جنہوں نے براہ راست "مذہب و اخلاق" سے "سیاست" کی علاحدگی کا علم بلند کیا۔ اس کے بعد اگرچہ لوتھر Luther کی سولہویں صدی کی اصلاح Reformation کی تحریک نے ایک بار پھر مذہب اور اسٹیٹ کو ایک ساتھ جوڑنا چاہا، جس کے لئے اس نے موجود الوقت پاپائیت کو مسترد کرتے ہوئے "بادشاہوں کے ابدی حق" Divine Right of Kings کا نعرہ لگایا اور "خدا کے مقرر کردہ شہزادوں کی خاموش اطاعت" Passive ofediene to the godlyPrinces. کی تلقین شروع کی، لیکن مسیحی اقتدار سے یورپ اس قدر عاجز آچکا تھا کہ "قومی بادشاہتوں" کے ذریعہ مسیحیت کے بالواسطہ اقتدار کے بوجھ کو بھی وہ اب

---

[1] حوالہ مذکور صفحہ ۱۱۱، [2] حوالہ سابق /۱۲۶، [3] کتاب مذکور /۸۵، [4] حوالہ سابق /۸۶۔

Marfat.com

زیادہ دن تک اٹھانے کے لئے آمادہ نہ تھا۔ اس نے صاف لفظوں میں یہ دعویٰ کیا کہ "اقتدار کا سرچشمہ بادشاہ نہیں ملک کے عوام ہیں"، حکومت وقت کو ان کی مرضیات کا آئینہ دار ہونا چاہیئے اور معاملات زندگی کی تنظیم اس ڈھنگ سے ہونی چاہیئے جیسا کہ کسی ملک کے عوام کی خواہش ہو۔ چنانچہ مذکورہ تحریک اصلاح کے خلاف خود محاذ اٹھ کھڑا ہوا اور آگے اٹھارویں صدی تک خاص طور پر ہابس، لاک اور روسو جیسے مفکرین منظر عام پر آئے جنھوں نے میکاؤلی سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر مذہب و اخلاق کو ریاست کے تابع قرار دیا۔ اور "بادشاہوں کے ابدی حق" Divine Right of Kings کے برخلاف سماجی معاہدہ Social Contract عوام کے اقتدار اعلیٰ Sorty. of People اور خواہش عام GENERAL WILL کا تصور پیش کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ حکومت کا ادارہ، بذات خود اقتدار کا مالک نہیں، اقتدار کا اصل سرچشمہ عوام ہیں۔ حکمراں اور عوام کے درمیان ایک طرح کا سماجی معاہدہ ہوتا ہے جس کے تحت کوئی حکومت وجود میں آتی ہے۔ اس لئے اسے عوام کی مرضیات کی آئینہ دار ہونا چاہیئے۔ جس سے خلاف ورزی کی صورت میں وہ اپنے حق بقاء سے محروم ہو جاتی ہے۔ نیز یہ کہ "مسیحیت" کسی صورت حکومت و سیاست کے لئے موزوں نہیں ہے۔ یہ خاص طور پر انہی لوگوں کے افکار کا نتیجہ تھا جو ۱۶۸۸ء میں انگلینڈ اور ۱۷۷۶ء میں امریکہ اور ۱۷۸۹ء میں فرانس کے انقلابات وجود میں آئے۔ جن میں آخری طور پر "بادشاہتوں" کے خاتمہ کے ذریعہ بالواسطہ طور پر سرزمین یورپ سے مسیحیت کے اقتدار کا خاتمہ عمل میں آیا[1]۔ اور "معاملات دنیا سے بے دخل کرتے ہوئے مذہب کو فرد کی نجی زندگی پر قانع ہونے کے لئے مجبور کر دیا گیا۔ اور انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ دستوری سطح پر یہ بات منظر عام پر آئی کہ مذہب کا معاملات دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے اسے اگر جینا ہے تو اس دائرے کے باہر ہی وہ زندہ رہ سکتا ہے۔ چنانچہ ان انقلابات کے نتیجے میں جو تحریری دستاویزات سامنے آئیں ان میں اگرچہ خالق کائنات خدا تعالیٰ Creater Prudence اور اعلیٰ تر ہستی SupremeBeing کے الفاظ موجود ہیں لیکن اس بات

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈی۔ آر۔ بھنڈاری کی کتاب مذکور صفحات ۱۳۱ تا ۲۵۸۔

کی صراحت بھی موجود ہے کہ معاملات دنیا کے سلسلے میں اب "مذہب" کے لئے کوئی احترام نہیں رہے گا نیز یہ کہ اقتدار کا اصل سرچشمہ دراصل قوم ہوا کرتی ہے[1]

بلنچلی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "تھیوری آف اسٹیٹ" میں "ریاست" سے تعلق رکھنے والے بعض اہم مسائل کے سلسلے میں قرون وسطیٰ اور عہد جدید میں ان کے مابین پائے جانے والے فاصلے کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے جس کے ذریعہ موجودہ دور میں "مذہب کی معاملات دنیا سے بے دخلی" کے رائج الوقت تصور کے پس منظر کو کافی بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ہم ذیل میں اس کے بعض اہم عنوانات کو اسی نقشہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں :

	قرون وسطی	عہد جدید
۱۔	ریاست کا تصور	
	قرون وسطیٰ میں ریاست اور ریاست کے اختیار کو براہ راست خدا سے حاصل کردہ تصور کیا جاتا تھا۔ ریاست کی حیثیت ایک ایسی تنظیم کی تھی جو خدا کی مرضی کی آئینہ دار اور اس کے اپنے ہاتھوں کی پیدا کردہ تھی۔	جدید دور میں ریاست کا وجود انسانی ذرائع کا رہین منت ہے اور اس کی بنیاد تمام تر انسانی فطرت پر ہے ریاست ایک مشترک زندگی کی تنظیم سے عبارت ہے جس کی تشکیل انسانی ہاتھوں کے ذریعہ انجام پاتی ہے اور اس کا انتظام بھی انہی کے ذریعہ چلتا ہے اور یہ چیز تمام تر انسانی مقاصد کے گرد گھومتی ہے۔
۲۔	دینیات اور سائنس	
	ریاست کے تصور کی بنیاد مذہبی	ریاست کے بنیادی اصولوں کی راہ

---

[1] تفصیل کیلئے دیکھی جائیں : امریکہ کا ۱۷۷۶ء کا آزادی کا اعلامیہ، ۱۷۹۱ء کا امریکی حقوق کا بل اور ۱۷۸۹ء کا حقوق شہریت وانسانی کا فرانسیسی اعلامیہ کی مختلف دفعات بحوالہ J.S. Schapiro Liberalism Its meaning and History صفحات ۱۲۴ تا ۱۳۰

اصولوں پر تھی اور اسی کی طاقت سے
اس کی پوری مشنری حرکت کرتی تھی
قرون وسطیٰ میں اگرچہ مسیحیت چرچ
اور اسٹیٹ کی ثنویت کی قائل تھی
لیکن اس کا اعتقاد تھا کہ یہ دونوں ہی
تلواریں، یعنی روحانی اور دنیوی، خدا
کی تفویض کردہ ہیں۔ ایک کو اس نے
پوپ کے حوالہ کیا ہے اور دوسرے کی
ذمہ داری شہنشاہ Emperor
کو سونپی ہے۔ پروٹسٹنٹ اسکول
دینیات نے روحانی تلوار کے تصور کو
مسترد ضرور کیا اور صرف ایک تلوار یعنی
ریاست کو قابل قبول ٹھہرایا لیکن
اس مذہبی خیال کو وہ مضبوطی کیساتھ
پکڑے ہوئے تھا کہ اقتدار اعلیٰ خدا کی
طرف سے آتا ہے۔

انسانی علوم یعنی فلسفہ اور تاریخ متعین
کرتے ہیں۔ موجودہ علم سیاسیات ریاست
کی تعبیر و تشریح میں اصلاً انسان کا اعتبار
کرتا ہے۔ وہ اپنے سفر کا آغاز ہی اسی نقطہ
سے کرتا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں کا خیال یہ
ہے کہ ریاست افراد کے اس اجتماع سے
عبارت ہے جو آپس میں اس لئے متحد
ہوتے ہیں کہ وہ اپنا تحفظ اور اپنی آزادی
کا دفاع کر سکیں۔ دوسرے لوگ وہ ہیں
جو بحیثیت مجموعی اسے پوری قوم کی امنگوں
کا مظہر خیال کرتے ہیں۔ ریاست کا جدید
نظریہ مذہبی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ
بھی نہیں کہ وہ بالکل لامذہبی ہے۔ اس
کا مطلب صرف یہ ہے کہ ریاست کا دار
و مدار مذہبی عقیدے پر نہیں ہونا چاہیئے
یہ اس کا انکار نہیں کرتا کہ خدا نے انسانی
فطرت کو بنایا ہے اور یہ جو دنیا کا نظام
چل رہا ہے اس میں اس کی قدرت کا
کوئی حصہ نہیں ہے۔ موجودہ علم سیاسیات
کا وظیفہ یہ نہیں کہ خدائی طور طریقوں کے
سمجھنے میں اپنی قوت صرف کرے، وہ ریاست
کو ایک "انسانی ادارے" کی حیثیت
سے سمجھنا چاہتا ہے۔

۳۔ تھیاکریسی (مذہبی مستبدانہ حکومت)

عہد وسطیٰ میں ریاست کا تصور بالکل پرانے دور کے انسانون کی طرح براہ راست تھیاکریسی کا تو نہ تھا۔ البتہ وہ بالواسطہ تھیاکریسی (مذہبی مستبدانہ حکومت) کا قائل تھا۔ پیچ کی کڑی یعنی حکمراں خدا کا نائب اور اس کا خلیفہ ہوتا تھا۔

جدید اقوام کے سیاسی شعور کے لئے تھیاکریسی اپنی جملہ صورتوں کے ساتھ حد درجہ ناگوار ہے۔ عہد جدید کی ریاست ایک انسانی اور دستوری انتظام سے عبارت ہے۔ ریاست کا اختیار عوامی قانون کے ہاتھوں بندھا ہوا ہے اور سیاست کا منتہائے مقصود قوم کی فلاح ہے۔ البتہ یہ تمام چیزیں انسانی فہم سے اخذ کردہ ہیں اور انہیں انسانی ذرائع ہی سے روبہ عمل لایا جائے گا۔

۴۔ مذہب

قرون وسطیٰ میں ریاست کا تمام تر انحصار ہم مذہب جماعات و افراد پر تھا۔ اور اس کا مطالبہ تھا کہ ہر جگہ عقیدے کی یکسانی رہے۔ کافروں اور بے دینوں کے لئے اس زمانے میں کوئی سیاسی حقوق حاصل نہ تھے۔ ان پر مختلف طرح کے مظالم توڑے جاتے تھے اور انہیں طرح طرح سے ستایا جاتا تھا بلکہ اکثر و بیشتر انہیں فنا کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا بہتر سے بہتر سلوک جس کی ان کے ساتھ توقع رکھی جا سکتی تھی وہ یہ کہ

موجود دور میں کسی شخص کو قانونی طور پر کوئی مرتبہ و مقام عطا کرنے کے لیے ریاست مذہب کو ایک شرط لازم تصور نہیں کرتی۔ فرد اور سماج ان دونوں سے تعلق رکھنے والے قوانین مذہب اور عقیدے کی گرفت سے بالکل آزاد ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ عہد جدید کی ریاست عقیدے کی آزادی کا تحفظ کرتی اور مختلف چرچوں اور مذہبی سوسائٹیوں کو ایک لڑی میں پرو کر رکھتی ہے۔ البتہ مذہب سے بیزاری یا کسی بھی بے عقیدہ شخص کے

Marfat.com

ان کے وجود کو انگیز کر لیا جائے۔ سلسلے میں وہ کسی قسم کی ظلم و زیادتی اور اس کی ایذا رسانی کو کسی بھی انداز سے جائز تصور نہیں کرتی۔[1]

اس موازنے کی روشنی میں عہد جدید کے انسان کی نظر میں مذہب کی حیثیت، اس کے مرتبہ و مقام نیز زندگی کی دوڑ میں اس کی واقعی جگہ کے سلسلے میں اس کے نقطۂ نظر کو باحسن وجوہ سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ کس طرح قرون وسطیٰ میں چرچ اور اسٹیٹ کی کشمکش کے نتیجے میں وہاں "مذہب" کے سلسلے میں ایک خاص نقطۂ نظر پروان چڑھا اور بعد میں آہستہ آہستہ اس نے مسیحیت سے آگے فی الجملہ "مذہب" ہی کے سلسلے میں ایک عام تصور کی حیثیت اختیار کر لی۔ جس کا انتہائی مقام یہ ہے کہ وہ زندگی میں ایک عضو معطل کی حیثیت سے تو باقی رہ سکتا ہے البتہ اس کے لئے سماج میں کسی موثر کردار کا تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یورپ کی تاریخ میں ایک طویل عرصے تک مذہب اور چرچ لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کئے رہے۔ بعد میں چرچ کا نظام کمزور ہونے کے بعد یہ مقام وہاں کے "بادشاہوں" کو حاصل ہو گیا۔ اور وہ روئے زمین پر "مذہب" کا عملی مظہر قرار پائے۔ بادشاہوں نے چرچ کو بے دخل کر کے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی تو معاملہ پھر بھی غنیمت رہا اس لئے کہ اول الذکر کی طرح یہ بھی اپنے تئیں مذہب کی نمائندگی کے مدعی تھے۔ لیکن اٹھارویں صدی میں جب مذہب سے بیزار بلکہ اس سے عاجز عوام نے ان "بادشاہتوں" کی بساط الٹی تو بادشاہوں کے خاتمہ اور ان کی بے دخلی کے ساتھ ساتھ یہ چیز اس مذہب کی بے دخلی اور اس کے خاتمہ کا بھی موجب بنی جو اپنے کو اٹوٹ طور پر ان بادشاہتوں سے جوڑے ہوئے تھا۔ یورپ کا ستم یہ ہے کہ پہلے تو اس نے ایک نامکمل مذہب سے جس کے چہرے کو انسانی تحریفات نے بری طرح داغدار کر رکھا تھا، اپنے کو جوڑے رکھا لیکن اس سے بڑی ستم ظریفی اس کی یہ ہے کہ مختلف اسباب کے تحت جب وہ اس مذہب سے عاجز آ گیا تو اسے مسترد کرنے کے ساتھ ہی اس نے نفس مذہب کے سلسلے میں

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: The Theory of the State p. 60-62

ایسا دھواں دار پروپیگنڈا شروع کیا کہ کہنا چاہیئے کہ دنیا کے بیشتر مذاہب کے ماننے والے اس کی لپیٹ میں آگئے اور اپنے اپنے مذاہب کو بھی انہوں نے اسی چوکھٹے کا پابند بنا لیا جس کی وکالت سرزمین یورپ کے فرزانوں کی طرف سے کی جارہی تھی یعنی یہ کہ "مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق ہے نہ ہونا چاہیئے" یہاں تک کہ اہل یورپ کے نزدیک مذہب Religion کی تعریف ہی اس دائرے میں محصور ہو کر رہ گئی کہ "مذہب نام ہے اس محسوس عملی تعلق کا جو کسی ایک یا متعدد مافوق الفطری وجود یا وجودوں پر اعتقاد کی صورت میں کسی فرد کا اس سے یا ان سے قائم ہوتا ہے"[1]، ہم مبارک باد دیتے ہیں یورپ کو اس کی اس ہوشیاری اور چالاکی پر کہ اس نے جب اپنی ناک کاٹی تو اس کے فضائل اس زور و قوت کے ساتھ بیان کئے کہ دنیا کی عظیم آبادی نے اپنے لئے "نکٹا" ہونے ہی کو باعث افتخار سمجھا اور ہر اس شخص کو الٹا عار دلانے لگی جو کسی بھی صورت اپنے لئے "ناک والا" رہنے کا قائل اور اس کی وکالت کرنے والا اور اس کا مؤید نظر آتا ہو۔

لیکن خاص طور پر آج کے روشن خیال اور آزادئ فکر و نظر کے مدعیوں سے ہمارا یہ سوال اب بھی قائم ہے کہ کیا یورپ کے اپنے اس محدود تلخ تجربے کے نتیجے میں نفس مذہب کے سلسلے میں اس کا مذکورہ بالا اعلان و اظہار کسی بھی درجے میں حق و صداقت کا آئینہ دار ہے اور کیا اس کی پیروی میں کسی بھی دوسری سمت سے اس طرح کے کسی اظہار و اعلان کو مبنی بر حقیقت اور حق و انصاف کا تقاضا قرار دیا جا سکتا ہے۔؟

---

[1] رابرٹ۔ ایچ۔ تھولس Robert H Thouless نے پروفیسر لیوبا Leuba کی کتاب A. Psychological Studv of Religion کے حوالہ سے مذہب کی اڑتالیس تعریفوں کا تذکرہ کرتے ہوئے خاص طور پر صرف تین تعریفوں کی طرف توجہ کی ہے اور پھر ان سب کا خلاصہ وہ بیان کیا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ ملاحظہ ہو:

Robert H. Thouless:
The Psychology of Religion p. 4.

Marfat.com

مذاہب کی داخلی شہادت

یہ تو تھا ایک جائزہ اس کا کہ موجودہ دور میں کن اسباب وعوامل اور کن خاص حالات کے نتیجے میں اس خیال کو رواج عام حاصل کرنے کا موقع ملا کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے، دنیا کے معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں، دیکھنا ہے کہ مذاہب کی نمائندہ کتابیں اس کا کس حد تک ساتھ دیتی ہیں۔ اور ان کی داخلی شہادت اسے کہاں تک حق بجانب قرار دیتی ہے۔ مذاہب عالم کی فہرست بہت طویل ہے اس لیے ہم اپنے کو صرف چار بڑے مذاہب تک محدود رکھتے ہوئے مذہب کے سلسلے میں اس رائج الوقت تصور کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔ یعنی ہندومت، یہودیت، بدھ مت اور عیسائیت۔

ہندومت

ہندومت کی بنیاد ویدوں پر ہے جن کے قانونی حصے کی تشریح سمرتیاں کرتی ہیں جس طرح کہ ان کے فلسفیانہ پہلوؤں کی وضاحت اپنشدوں سے ہوتی ہے۔ ان سمرتیوں میں سب سے اہم اور مستند سمرتی منو کی ہے جس کے ذریعہ ہی بڑی حد تک اس مذہب کا تفصیلی خاکہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ منوسمرتی کی صرف فہرست ابواب ہی پر ایک نظر ڈال کر مذہب کے سلسلے میں مذکورہ محدود تصور کی غلطی کو بآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے اندر ہمیں پیدائش عالم، عبادت کفارہ اور آواگون (نتیجۂ اعمال نیک وبد) کے پہلو بہ پہلو تعلیم، شادی بیاہ (ودواہ گرہستھ کا دھرم) معاش، اخلاق، سربراہ مملکت کی ذمہ داریاں اور اس کے فرائض (راجاؤں کا دھرم) عدالت ۔ قانون دیوانی وفوجداری نیز پیشۂ تجارت وخدمت وغیرہ کے ابواب بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔

Marfat.com

اور اس کے کل ۱۲ ابواب میں یہی موضوعات ہمیں چھائے ہوئے نظر آتے ہیں[1]۔ منوسمرتی پر اس پہلو سے تو یقیناً تنقید ہونی چاہیئے کہ اس کا دیا ہوا قانونی نظام قدم قدم پر بے اعتدالی کا شکار نظر آتا ہے[2]۔ جس کی سب سے نمایاں مثال اس کا طبقاتی امتیاز (ورن آشرم) کا فلسفہ ہے۔ جس کی رو سے بعض انسانی طبقات کو نسلی اعتبار سے افضل اور دوسروں کو پیدائشی طور پر اسفل قرار دے کر انتہائی بے رحمی کے ساتھ زندگی کے تمام دائروں میں انھیں ظلم وستم کی چکی میں پسنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے[3]۔ ان پہلوؤں سے ہندومت کی نمائندہ اس کتاب پر جتنی تنقید کی جائے کم ہے اور حق یہ ہے کہ آج اگر انسانیت کو ظلم وجبر کے آہنی پنجوں سے نجات دلانی ہے تو یہ خدمت انجام دینی پڑے گی اور لازماً انجام دی جانی چاہیئے۔ لیکن اس کے باوجود اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں کہ جو قانونی نظام اور زندگی کے تقریباً تمام اہم معاملات ومسائل کے سلسلے میں تفصیلی دفعات ہمیں اس کتاب میں ملتی ہیں عام طور پر مذاہب کی نمائندہ کتابیں اس سے خالی ہیں جو اس حقیقت کا کھلا اظہار ہے کہ مذہب کو انسان کی پرائیوٹ زندگی تک محدود کرنا اور اسے محض خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ قرار دینا ایسا دعویٰ ہے جس کے پیچھے کوئی دلیل نہیں۔ مذہب کی داخلی شہادت اس کے برعکس ہے اور وہ کھلے بندوں اس کی تردید کرتا ہے۔

یہودیت[4]

ہندومت کے بعد دوسرا قدیم مذہب یہودیت ہے، جس کی نمائندہ "کتاب مقدس" آج ہمارے سامنے موجود ہے۔ صرف اس کی کتاب خروج "کے اس "مجموعۂ احکام" پر، جو حضرت

---

[1] ہمارے پیش نظر منوسمرتی کا لالہ سوامی دیال صاحب کا ترجمہ ہے جو اصل سنسکرت متن کے ساتھ مطبع نول کشور کان پور سے دوسری بار شائع ہوا ہے۔ [2] مثال کے طور پر باپ کے مرنے کے بعد اس کی تمام دولت کا مالک منو بڑے بیٹے کو قرار دیتا ہے اور بقیہ تمام بھائیوں کو اس کا دست نگر قرار دیتا اور اسے ان کے اوپر غیر معمولی اختیار عطا کرتا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ادھیائے ۹ : ۱۰۵ تا ۱۰۸) وغیرہ بے شمار دوسرے احکام۔
[3] اس کے ایک مختصر سے جائزے کے لئے ملاحظہ ہو: ابوالاعلیٰ مودودیؒ، الجہاد فی الاسلام صفحات ۲۶۵ تا ۲۸۰۔ نیز ہماری کتاب "اسلام کا تصور مساوات" میں مضمون "انسانی مساوات اور مذاہب عالم" کے تحت ہندومت کی بحث۔ مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ بار اول ۱۹۸۵ء۔ [4] واضح رہے کہ اس مقام پر "یہودیت" سے ہماری مراد ہے جیسی کچھ کہ وہ اپنے پیروؤں کے نزدیک اور کتاب مقدس (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

موسیٰؑ کو کوہ سیناپر عطا کئے گئے اور جن سے بنی اسرائیل کو آگاہ کرنے کی انہیں تلقین کی گئی، ایک نظر ڈالنے ہی سے اس خیال کی غلطی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، دنیا کے معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ اس لئے کہ یہاں ہمیں توحید باری تعالیٰ اور شرک سے اجتناب کے ساتھ ہی انسان کی تمدنی اور اجتماعی زندگی سے متعلق یہ اہم ہدایات ملتی ہیں:

"تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔ تو خون نہ کرنا۔ تو زنا نہ کرنا۔ تو چوری نہ کرنا۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا۔ اور نہ اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا۔" (باب ۲۰ : ۱۲ — ۱۷)

آگے اس اجمال کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے وہ مذہب کے محدود تصور کی غلطی کو مزید بے نقاب کرنے والی ہے۔ اس لئے کہ اس میں دیوانی و فوجداری قانون کی انتہائی اہم دفعات، جزئیات کی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

اس پورے حصے کا نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا، اس کا صرف ایک منتخب حصہ پیش کیا جاتا ہے۔ دیوانی قانون کی یہ تفصیل کسی تفصیلی مسودۂ قانون ہی میں مل سکتی ہے کہ :

"اگر کوئی آدمی بیل یا بھیڑ چُرا لے اور اسے ذبح کر دے یا بیچ ڈالے تو وہ ایک بیل کے بدلے پانچ بیل اور ایک بھیڑ کے بدلے چار بھیڑیں بھرے۔ اگر چور سیندھ مارتے ہوئے پکڑا جائے اور اس پر ایسی مار پڑے کہ وہ مر جائے تو اس کے خون کا کوئی جرم نہیں۔ اگر سورج نکل چکے تو اس کا خون جرم ہوگا بلکہ اسے نقصان بھرنا پڑے گا اور اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ چوری کے لئے بیچا جائے۔ اگر چوری کا مال اس کے پاس جتنا ملے خواہ

(بقیہ صفحہ گزشتہ) میں موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس نام سے کوئی مذہب الگ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں ہمیشہ صرف ایک دین "اسلام" آیا ہے۔ اس کی بگڑی ہوئی بہت سی شکلوں میں ایک صورت یہ "یہودیت" بھی ہے۔ ؎ اس مقام پر ہمیں قرآن کی سورۂ اسراء کی آیات (۲۳ تا ۳۸) یاد آتی ہیں جن میں یہی باتیں اپنی تکمیلی صورت میں بیان کی گئی ہیں: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ..... كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا۔

وہ بیل ہو یا گدھا یا بھیڑ تو وہ اس کا دونا بھر دے۔ اگر کوئی آدمی کسی کھیت یا تاکستان کو کھلوا دے اور اپنے جانور کو چھوڑ دے کہ وہ دوسرے کے کھیت کو چر لے تو اپنے کھیت یا تاکستان کی اچھی سے اچھی پیداوار میں سے اس کا معاوضہ دے۔ اگر آگ بھڑکے اور کانٹوں میں لگ جائے اور اناج کے ڈھیر یا کھڑی فصل یا کھیت کو جلا کر بھسم کر دے تو جس نے آگ جلائی ہو وہ ضرور معاوضہ دے" (باب ۲۲ : ۱ — ۶)

رشتۂ نکاح سے باہر جنسی تعلق دیوانی قانون کی اہم ترین دفعہ ہے۔ عہد نامۂ قدیم اس کے سلسلے میں یہ ہدایت دیتا ہے :

"اگر کوئی آدمی کسی کنواری کو جس کی نسبت نہ ہوئی ہو پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو وہ ضروری ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کرے۔ لیکن اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق اسے نقدی دے"

(کتاب خروج باب ۲۲ : ۱۶ — ۱۷)

نیز یہ کہ :

"جو کوئی کسی جانور سے مباشرت کرے وہ قطعی جان سے مارا جائے" (ایضا : ۱۹)[1]

مذہب اگر انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے تو عدالت وہ آخری جگہ ہو سکتی ہے جس سے اسے کچھ سروکار ہو۔ جبکہ کتاب مقدس اس کے سلسلے میں انتہائی اہم ہدایات فراہم کرتی ہے :

"تو جھوٹی بات نہ پھیلانا اور ناراست گواہ ہونے کے لئے شریروں کا ساتھ نہ دینا۔

برائی کرنے کے لئے کسی بھیڑ کی پیروی نہ کرنا اور نہ کسی مقدمہ میں انصاف کا خون کرانے کیلئے بھیڑ کا منہ دیکھ کر کچھ کہنا۔ اور نہ مقدمہ میں کنگال کی طرف داری کرنا" (ایضاً باب : ۲۳ : ۱-۳)

---

[1] خیال رہے کہ اسلام میں بھی ایسے مجرم کی یہی سزا تجویز کی گئی ہے۔ اس اضافے کے ساتھ کہ اس شخص کے ساتھ اس جانور کو بھی جان سے مار دیا جائے 'من اتی بہیمۃ فاقتلوہ واقتلوھا معہ'۔ ابو داؤد جلد ۲۔ کتاب الحدود، باب فیمن اتی بہیمۃ۔ مزید تفصیل کے لیے ہماری زیر طبع کتاب 'اسلام کا نظریۂ جنس' کا باب سوم 'جنس کے منحرف رویے اور اسلام' کی بحث 'جانور کے ساتھ مباشرت کا حکم'۔

مزید براں :

"تو اپنے کنگال لوگوں کے مقدمہ میں انصاف کا خون نہ کرنا ——— جھوٹے معاملہ سے دور رہنا اور بے گناہوں اور صادقوں کو قتل نہ کرنا کیوں کہ میں شریر کو راست نہ ٹھہراؤں گا۔ تو رشوت نہ لینا کیوں کہ رشوت بیناؤں کو اندھا کر دیتی ہے اور صادقوں کی باتوں کو پلٹ دیتی ہے۔ اور پردیسی پر ظلم نہ کرنا کیوں کہ تم پردیسی کے دل کو جانتے ہو اس لئے کہ تم خود بھی ملک مصر میں پردیسی تھے" (ایضاً: ۶ — ۹)

یہ تو تھی ایک جھلک کتاب مقدس کے دیوانی قانون کی اب ذرا ایک نظر اس کے فوجداری نظام پر بھی ڈالیں جسے اسی طرح تفصیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے ہم اس کی صرف چند اہم دفعات پیش کرتے ہیں :

"اگر کوئی کسی آدمی کو ایسا مارے کہ وہ مر جائے تو وہ قطعی جان سے مارا جائے۔ پر اگر وہ شخص گھات لگا کر نہ بیٹھا ہو بلکہ خدا ہی نے اسے اس کے حوالے کر دیا ہو تو میں ایسے حال میں ایک جگہ بتا دوں گا جہاں وہ بھاگ جائے۔ اور اگر کوئی دیدہ و دانستہ اپنے ہمسایہ پر چڑھ آئے تاکہ اسے مکر سے مار ڈالے تو تو اسے میری قربان گاہ سے جدا کر دینا تاکہ وہ مارا جائے۔ اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے وہ قطعی جان سے مارا جائے" (کتاب خروج : باب ۲۱ : ۱۲ — ۱۵)

اس تفصیل کے ساتھ کہ :

"اور اگر دو شخص جھگڑیں اور ایک دوسرے کو پتھر یا مکا مارے اور وہ مرے نہیں پر بستر پر پڑا رہے۔ تو جب وہ اٹھ کر اپنی لاٹھی کے سہارے باہر چلنے پھرنے لگے تب وہ جس نے مارا تھا بری ہو جائے۔ اور فقط اس کا ہرجانہ بھر دے اور اس کا پورا علاج کرا دے"

"اور اگر کوئی اپنے غلام یا لونڈی کو لاٹھی سے ایسا مارے کہ وہ اس کے ہاتھ سے مر جائے تو اسے ضرور سزا دی جائے۔ لیکن اگر وہ ایک دو دن جیتا رہے تو آقا کو سزا نہ دی جائے، اس لئے کہ وہ غلام اس کا مال ہے"

"اگر لوگ آپس میں مار پیٹ کریں اور کسی حاملہ کو ایسی چوٹ پہنچائیں کہ اسے اسقاط ہو جائے پر اور کوئی نقصان نہ ہو تو اس سے جتنا جرمانہ اس کا شوہر تجویز کرے لیا جائے اور وہ جس طرح قاضی فیصلہ کریں جرمانہ بھر دے۔ لیکن اگر نقصان ہو جائے تو تو جان کے بدلے جان لے۔ اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ دانت کے بدلے دانت اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔ پاؤں کے بدلے پاؤں۔ جلانے کے بدلے جلانا۔ زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ[1]" (ایضاً: ۱۸—۲۵)

اس قانون کی تفصیلی نوعیت کا انداہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ انسانوں میں ایک دوسرے کی طرف سے کی جانے والی زیادتیوں سے آگے ان کے جانوروں سے ہونیوالے جانی و مالی نقصانات کی بھی وہ پوری تفصیل پیش کرتا ہے:

"اگر بیل کسی مرد یا عورت کو ایسا سینگ مارے کہ وہ مر جائے تو وہ بیل ضرور سنگسار کیا جائے اور اس کا گوشت کھایا نہ جائے لیکن بیل کا مالک بے گناہ ٹھہرے۔ پر اگر اس بیل کی پہلے سے سینگ مارنے کی عادت تھی اور اس کے مالک کو بتا بھی دیا گیا تھا تو بھی اس نے اسے باندھ کر نہیں رکھا اور اس نے کسی مرد یا عورت کو مار دیا ہو تو بیل سنگسار کیا جائے اور اس کا مالک بھی مارا جائے۔ اور اگر اس سے خون بہا مانگا جائے تو اسے اپنی جان کے فدیہ میں جتنا اس کے لئے ٹھہرایا جائے اتنا ہی دینا پڑے گا۔ خواہ اس نے کسی کے بیٹے کو مارا ہو یا بیٹی کو اسی کے موافق اس کے ساتھ عمل کیا جائے۔ کسی کے غلام یا لونڈی کو سینگ سے مارے تو مالک اس غلام یا لونڈی کے مالک کو تیس مثقال روپے دے اور بیل سنگسار کیا جائے"

(ایضاً: ۲۸—۳۲)

---

[1] قصاص و دیت کا یہی قانون ہے جسے قرآن نے توراۃ کے حوالہ سے اپنے ہاں تسلیم کر لیا ہے: وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ... الآیہ، مائدہ۔ ۴۵ اس تاکید کے ساتھ کہ جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں: وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔

Marfat.com

علاوہ ازیں :

"اور اگر کسی کا بیل دوسرے کے بیل کو ایسی چوٹ پہنچائے کہ وہ مر جائے تو وہ جیتے بیل کو بیچیں اور اس کا دام آدھا آدھا آپس میں بانٹ لیں اور اس مرے ہوئے بیل کو بھی ایسے ہی بانٹ لیں۔ اور اگر معلوم ہو جائے کہ اس بیل کے پہلے سے سینگ مارنے کی عادت تھی اور اس کے مالک نے اسے باندھ کر نہیں رکھا تو اسے قطعی بیل کے بدلے بیل دینا ہوگا اور وہ مرا ہوا جانور اس کا ہوگا۔" (ایضاً : ۳۵-۳۶)

کتاب مقدس کی ان تفصیلات کو دیکھتے ہوئے اس دعویٰ میں کوئی وزن باقی نہیں رہتا کہ مذہب صرف خدا اور بندے کے درمیان کا ایک معاملہ ہے۔ معاملات دنیا سے اسے کوئی سروکار نہیں ان قوانین کے سلسلے میں یہ تو بے شک کہا جا سکتا ہے کہ وہ ناکافی ہیں یا یہ کہ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں[1]۔ اپنی محدود اور مخصوص نوعیت کے علاوہ یہ کتاب زمانہ کی دست برد اور انسانی تحریفات کی جیسی کچھ ستم خوردہ ہے اس کے ہوتے ہوئے اس پر چنداں تعجب کی ضرورت بھی نہیں۔ لیکن بہرحال اس کے صفحات سے مذہب کا جو تصور ہمارے سامنے آتا ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے جس کا آج ہمیں ہر سمت چرچا سنائی دیتا ہے۔ کتاب مقدس کے

---

[1] مثال کے طور پر کتاب مقدس کا مذکورہ بالا یہ قانون کہ "اگر بیل کسی مرد یا عورت کو مار کر ہلاک کر دے تو وہ سنگسار کیا جائے"، الخ جبکہ ایک جانور، کو جو غیر مکلف ہے اس سخت سزا کا مستحق قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا یا مثلاً یہ بات کہ "اگر ایک مرد کسی کنواری کو پھسلا کر اس سے مباشرت کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ اسے مہر دے کر اس سے شادی کرلے اور باپ کی عدم رضامندی کی صورت میں اسے صرف کنواریوں کے مہر کے موافق نقدی دینا کافی ہو"، جس کے سلسلے میں خاص طور پر ہمارا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ "توراۃ" میں ذکر کردہ زنا کی سزا میں تحریف ہے۔ دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ زنا کے جرم پر کوڑے لگانے اور سنگسار کئے جانے کا قانون تورات میں موجود تھا اور یہودی علماء اس سے آشنا ہونے کے باوجود قوم کی بگڑی ہوئی حالت کے پیش نظر اسے چھپاتے پھرتے تھے۔ اسلام کے ذخیرۂ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

اوراق سے ابھرنے والا مذہب خدا اور بندے تک محدود نہیں بلکہ انسانی زندگی کے وسیع دائروں کا احاطہ کرتا ہے اور ان کے سلسلے میں کافی تفصیلی ہدایات فراہم کرتا ہے۔ یوں بھی یہ کتاب اپنے لئے بار بار آئین اور شریعت کے الفاظ استعمال کرتی ہے۔ (خروج : باب ۱۵: ۲۵۔ ۲۶ نیز : باب : ۱۶ : ۴)

مسیحیت[1]

تاریخی اعتبار سے اگرچہ مسیحیت بدھ مت سے مؤخر ہے لیکن ہماری اس گفتگو میں اس کا ذکر یہودیت کے ساتھ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ مسیحی شریعت اصلاً شریعتِ موسوی کا تکملہ اور اس کا تتمہ ہے۔ آج بھی "عہد نامہ" جدید پر ایک نظر ڈال کر اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ یہودیت کی طرح مسیحیت کی نمائندہ یہ کتاب مقدس بھی انسانی تحریفات اور دستبردِ زمانہ سے اپنے کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکی اور بڑی حد تک اسی کی وجہ سے اس کے اندر بہت سی کمیاں اور بے اعتدالیاں پیدا ہو گئیں جن کا اس سے پہلے کسی قدر تفصیل سے جائزہ لیا جا چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود عہد نامہ جدید میں انسان کے اجتماعی معاملات سے متعلق ہمیں ایسی بہت سی تعلیمات ملتی ہیں جو مذہب کے اس رائج الوقت تصور کو مسترد قرار دینے کے لئے کافی ہیں کہ وہ صرف خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے، معاملاتِ دنیا سے اسے کچھ سروکار نہیں۔

اس سلسلے میں اہم ترین بات حضرت مسیحؑ کا یہ اعلان ہے کہ میں موسوی شریعت کو ختم کرنے کے لئے نہیں بلکہ اسے مکمل کرنے کے لئے آیا ہوں۔ آں جناب ایک خطبے میں اپنے

---

[1] اس عنوان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس نام سے خدا تعالیٰ نے الگ سے کوئی مذہب نازل فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ صرف ایک دین "اسلام" دنیا میں آیا ہے۔ یہودیت کی طرح اسی "دین اسلام" کی ایک بگڑی ہوئی صورت "مسیحیت" بھی ہے۔ ہماری گفتگو اسی "مسیحیت" سے ہے جیسی کچھ کہ وہ "کتاب مقدس" اور اپنے کروڑوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے پیروؤں کے ہاں پائی جاتی ہے۔

Marfat.com

شاگردوں سے انتہائی پرجوش الفاظ میں کہتے ہیں :

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے" (متی باب ۵ : ۱۷—۱۸)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں :

"آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے" (لوقا باب ۱۶ : ۱۷)

معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ سلسلۂ نبوت کی دوسری کڑیوں پر ایمان و تصدیق کے علاوہ خاص طور پر شریعت موسوی کو زندہ کرنے کے لئے قوم بنی اسرائیل میں مبعوث کئے گئے تھے جس کا مطلب ہے کہ آں جناب کسی محدود شریعت کے علمبردار نہ تھے بلکہ توراۃ سے مل کر اس کا دائرہ وسیع معاملات زندگی کو محیط تھا۔

لیکن اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے انجیل کو توراۃ سے الگ کرلیں، جب بھی ہمیں اس میں وہ بے شمار احکامات و تعلیمات ملتی ہیں جو محدود تصور مذہب کی تردید کے لئے کافی ہیں اور اس حقیقت کی مؤید کہ مذہب کبھی خدا اور بندے تک محدود نہیں رہا۔ اس کا موضوع ہمیشہ وسیع تر دائرۂ زندگی رہا ہے۔ اور اس کے لئے وہ کسی انقطاع کے بغیر احکام و ضوابط فراہم کرتا رہا ہے۔ مسیح ناصری کی ان ہدایات کی وسعت و جامعیت کا انکار کون کرسکتا ہے ؟

"یہ کہ خون نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا۔ چوری نہ کرنا۔ جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے باپ کی اور ماں کی عزت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ (متی باب ۱۹ : ۱۸[1]—۱۹)

اگر مذہب صرف خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے تو انسانوں کے مسائل سے اسے کچھ سروکار نہ ہونا چاہئیے جبکہ عہد نامۂ جدید بیک وقت خدا اور بندگانِ خدا کے حقوق ادا

---

[1] نیز ملاحظہ ہو : مرقس باب ۱۰ : ۱۹، لوقا باب ۱۸ : ۲۰

Marfat.com

کرنے کی تلقین کرتا ہے :

"ایک عالم شرع نے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا۔ اے استاد! توریت میں کونسا حکم بڑا ہے؟ اس نے اس سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔ اور دوسرا اس کی مانند یہ ہے کہ اپنے پڑوسی سے برابر محبت رکھ۔ انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار ہے" (متی باب ۲۲ : ۳۵ـــ۴۰)[1]

یہی نہیں بلکہ حضرت مسیحؑ سخت ترین لفظوں میں قوم یہود کی اس روایتی دینداری پر تنقید کرتے ہیں جس کے اندر ظاہری طور پر انھیں خدا کے حقوق کا بڑا خیال تھا لیکن بندگان خدا کے حقوق کو یکسر بھلا بیٹھے تھے۔ روایتی دینداری کے چھوٹے چھوٹے مظاہر کا تو انہیں بڑا پاس تھا لیکن حقیقی دینداری کے وسیع تر تقاضوں سے وہ بالکل غافل تھے۔ قوم کی اس حالت زار پر جناب یسوعؑ کے ماتم کا ذکر اس سے قبل ہو چکا ہے کہ :

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ تم بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہو اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہو۔ تمہیں زیادہ سزا ہوگی"

(متی باب ۲۳ : ۱۴)

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پودینہ اور سونف اور زیرہ پر تو دہ یکی دیتے ہو پر تم نے شریعت کی زیادہ بھاری باتوں یعنی انصاف اور رحم اور ایمان کو چھوڑ دیا ہے۔ لازم تھا کہ یہ بھی کرتے اور وہ بھی نہ چھوڑتے۔ اے اندھے راہ بتانے والو جو مچھر کو تو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو"

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ پیالے اور رکابی کو اوپر سے صاف کرتے ہو مگر وہ اندر لوٹ اور ناپرہیزگاری سے بھرے ہیں۔ اے اندھے فریسی! پہلے پیالے اور رکابی کو اندر سے صاف کر تاکہ اوپر سے بھی صاف ہو جائیں" (ایضاً : ۲۳ـــ۲۶)

---

[1] مزید دیکھئے : مرقس باب ۱۲ : ۲۸ـــ۳۱ ، لوقا باب ۱۰ : ۲۵ـــ۲۷

Marfat.com

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں :

"فقیہوں سے خبردار رہو جو لمبے لمبے جامے پہن کر پھرنا اور بازاروں میں سلام اور عبادت خانوں میں اعلیٰ درجہ کی کرسیاں اور ضیافتوں میں صدر نشینی چاہتے ہیں۔ اور بیواؤں کے گھروں کو دبا بیٹھتے ہیں اور دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہیں ان ہی کو زیادہ سزا ملے گی" (مرقس باب ۱۲ : ۳۸ - ۴۰[1])

معاشرتی نظام کی اہم ترین دفعات کے سلسلے میں بھی تفصیلی ہدایات ہمیں عہد نامۂ جدید میں ملتی ہیں :

"اور فریسیوں نے پاس آکر اسے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کیا یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے۔ اس نے ان سے جواب میں کہا کہ موسیٰؑ نے تم کو کیا حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا موسیٰؑ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ اس نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تمہارے لئے یہ حکم لکھا تھا لیکن خلقت کے شروع سے اس نے انھیں مرد اور عورت بنایا۔ اس لئے مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا۔ اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے جدا نہ کرے۔ اور گھر میں شاگردوں نے اس سے اس کی بابت پھر پوچھا۔ اس نے ان سے کہا جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے" (مرقس باب ۱۰ : ۲ - ۱۲[2])

محصول لینے میں ظلم و زیادتی سے پرہیز اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو شدت سے ملحوظ رکھنے کو خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں مسیحؑ کی یہ تعلیم پڑھنے کو ملتی ہے :

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: لوقا باب ۱۱ : ۴۲ - ۴۴ [2] نیز دیکھئے متی باب ۵ : ۳۱ - ۳۲، لوقا باب ۱۶ : ۱۷ - ۱۸

Marfat.com

"اور محصول لینے والے بھی بپتسمہ لینے کو آتے اور اس سے پوچھا کہ اے استاد ہم کیا کریں؟ اس نے ان سے کہا جو تمہارے لئے مقرر ہے اس سے زیادہ نہ لینا۔ اور سپاہیوں نے بھی اس سے پوچھا کہ ہم کیا کریں؟ اس نے ان سے کہا نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ کسی سے ناحق کچھ لو اور اپنی تنخواہ پر کفایت کرو۔" (لوقا باب ۳ : ۱۲—۱۴)

اس سے بھی آگے ایک مقام پر وہ اپنے کو غریبوں کا نجات دہندہ اور کچلے ہوؤں کی آزادی کا نقیب بتاتے ہیں!

"خداوند کا روح مجھ پر ہے اس لئے کہ اس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کیلئے مسح کیا۔ اس نے مجھے بھیجا ہے کہ قیدیوں کو رہائی اور اندھوں کو بینائی پانے کی خبر سناؤں کچلے ہوؤں کو آزاد کروں۔" (ایضاً باب ۴ : ۱۸)

یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے موقع پر وہ صاف صاف لفظوں میں اپنے شاگردوں کو آسمان کی طرح زمین میں بھی خدا کی بادشاہی کے قیام کی دعا کی تلقین کرتے ہیں :

"پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو"

(متی باب ۶ : ۹—۱۰)

عہد نامہ جدید کی معاملات زندگی سے متعلق ان وسیع تعلیمات کو دیکھتے ہوئے کسی حق پسند کے لئے یہ کہنا روا نہیں کہ ہو سکتا ہے کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کچھ سروکار نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ عہد نامہ قدیم کی طرح ان احکام و ہدایات کے سلسلے میں بھی افراط و تفریط کی نشاندہی کی جا سکتی ہے اور یہ شکایت بھی بالکل بجا قرار پا سکتی ہے کہ ان کی بنیاد پر کسی صحت مند اور مبنی بر انصاف معاشرہ کی تشکیل نہیں ہو سکتی۔ اپنی محدود اور مخصوص نوعیت کے علاوہ زمانے کی گردشوں اور اپنے پیروؤں کی ستم رانیوں کے نتیجے میں ان کے متعلق یہ کہنا تو بے شک صحیح ہے لیکن یہ کہنے کی بہر حال گنجائش نہیں ہو سکتی ہے کہ "مذہب کا معاملات دنیا سے کچھ تعلق نہیں اس کا دائرہ صرف خدا اور بندے تک محدود ہے۔"

بودھ مت

بودھ مت پر "ترک دنیا" اور "معاملات زندگی" سے فرار کی چھاپ کتنی گہری ہے، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ بودھ کا بنیادی فلسفہ ہی یہ ہے کہ زندگی سرتاپا "مصیبت" اور "الم" ہے۔ اور اس کی تمام تر وجہ انسان کی خواہشات اور اس کے مادی علائق ہیں۔ اس سے نجات کی بس ایک ہی صورت ہے کہ آدمی "عدم محض" کی راہ اپنالے اور مادی علائق اور لذات دنیوی سے اپنے کو یکسر منقطع کرلے اسی کا نام "نروان" ہے جو بدھ مت کا نقطہ کمال اور اس کا منتہائے مقصود ہے۔ لیکن حد ہے کہ اس "نروان" کے حصول کے لئے بدھ جو راستہ تجویز کرتا اور جس طریق ہشتگانہ کی تلقین کرتا ہے اس کی روشنی میں بھی یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ مذہب صرف خدا اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے معاملات دنیا سے اسے کچھ سروکار نہیں؛ اس لئے کہ اس طریق ہشتگانہ کے اندر ہمیں :

۱۔ صحیح عقیدہ ۲۔ صحیح ارادہ ۳۔ صحیح حافظہ اور ۴۔ صحیح تخیل کے علاوہ ۵۔ صحیح گفتار یعنی بدزبانی، یاوہ گوئی، غیبت اور جھوٹ سے احتراز ۶۔ صحیح چلن، یعنی بدکاری، قتل نفس اور خیانت سے اجتناب ۷۔ صحیح معیشت یعنی جائز طریقہ سے روزی حاصل کرنا اور ۸۔ صحیح کوشش یعنی دھرم کے احکام کے مطابق عمل کرنا[1] جیسے وہ احکام بھی ملتے ہیں جن کا تعلق وسیع تر مسائل و معاملات زندگی سے ہے۔ اس طریق ہشتگانہ کو عملی شکل میں لانے کے لئے بودھ نے دس اخلاقی احکام دیئے ہیں جن میں پانچ موکد ہیں اور پانچ غیر موکد ان کے اندر بھی ہمیں یہی وسعت نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ یہاں :

۱۔ مقرر وقت کے سوا کھانا نہ کھاؤ ۲۔ کھیل تماشے اور گانے بجانے سے پرہیز کرو ۳۔ پھول عطر وغیرہ سے پرہیز کرو ۴۔ اچھے اور نرم بستر پر سونے سے پرہیز کرو اور ۵۔ سونا چاندی اپنے

---

[1] ملاحظہ ہو الجہاد فی الاسلام/۳۹۵، ۳۹۶ بحوالہ Warren, Budhism in translations p. 373

Marfat.com

پاس نہ رکھو، ان تعلیمات کے ساتھ جو ترک دنیا کا سبق سکھاتی ہیں، ہمیں وہ تعلیمات وہدایات بھی ملتی ہیں جو اجتماعی زندگی کی اہم ترین دفعات پر مشتمل ہیں یعنی کہ :

۱۔ کسی کی جان نہ لو ۲۔ چوری نہ کرو ۳۔ زنا نہ کرو ۴۔ جھوٹ نہ بولو اور ۵۔ نشہ آور چیزیں نہ پیو۔[1]

بودھ کے اس مجموعۂ تعلیمات پر اس حیثیت سے تو یقیناً تنقید ہونی چاہیئے کہ وہ زندگی سے فرار کا درس دیتی اور انفعالی ہیں اور کوئی معاشرہ ان پر عمل پیرا ہو کر امن وسکون سے ہمکنار اور عدل وانصاف کی آئینہ داری نہیں کر سکتا، لیکن اس کی متعدد دفعات کے پیش نظر یہ خیال قابل قبول نہیں رہ جاتا کہ "مذہب محض خدا اور بندے کے درمیان کا ایک معاملہ ہے، معاملاتِ دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ آخر قتل نفس، چوری اور زنا کی ممانعت جیسی دیوانی اور فوجداری قانون کی انتہائی اہم دفعات کو صرف خدا اور بندے کا معاملہ کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی مذہب کے ایک پیروکار "اشوک" نے انہی تعلیمات وہدایات کے زیر اثر ایک وسیع الاطراف حکومت کا نظم سنبھالا جسے آج بھی ہند میں ایک یادگار عہد کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس حکومت کے مذہبی سربراہ کو خراج عقیدت وہ لوگ پیش کرتے ہیں جو مذہب کو انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ قرار دیتے ہیں۔

---

[1] حوالہ مذکور صفحہ ۳۹۶ بحوالہ Vinya Texts Vol. 1 p. 211.

Marfat.com

باب دوم

مذہب کا اسلامی تصور

Marfat.com

مذہب کا اسلامی تصور

فکر و نظر کی دنیا کا عجوبہ ہے۔ اسلام اور اس کے دستور اساسی "قرآن" کی موجودگی کے باوجود دنیا میں اس غلط تصور کو قبول عام حاصل کرنے کا موقع ملا کہ "مذہب انسان کی پرائیوٹ زندگی کا معاملہ ہے، معاملات دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں"۔ جبکہ اس کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ دین و دنیا کی تقسیم اور "خدا و قیصر" کی دوئی کو یک قلم ختم کر کے پوری انسانی زندگی کو تابع امر رب بنا دینے کی تاکید کرتا ہے۔ ایک خدا کی بندگی اور زندگی کے تمام دائروں میں اس کی بے لاگ اطاعت، یہی چیز اس کی جملہ تعلیمات کا مغز اور جوہر ہے۔ اور کسی کھوٹ اور کسی تحفظ کے بغیر وہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں خدا کے بتائے ہوئے طریقے اور اس کے دیئے ہوئے احکام کی پیروی کو لازم قرار دیتا ہے۔ قرآن اپنے ماننے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوں۔ اور اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں اس کی لائی ہوئی شریعت اور اس کے عطا کردہ احکام کی دل و جان سے پیروی اختیار کریں۔ اس سے ہٹ کر کسی دوسرے راستے کی پیروی، شیطان کی پیروی ہے، جس کے نتیجے میں آدمی خدائے عزیز و حکیم کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے راستوں کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اب اگر تم پھسلتے ہو جبکہ تمہارے پاس (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) واضح تعلیمات آ چکی ہیں تو جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

(بقرہ: ۲۰۸-۲۰۹)

Marfat.com

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے :

یقول اللہ تعالیٰ آمرًا	اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو جو اس پر
عبادہ المومنین بہ	ایمان لانے والے اور اس کے رسولؐ کی
المصدقین برسولہ	تصدیق کرنے والے ہیں، حکم دیتے ہوئے فرماتا
ان یاخذوا بجمیع عری	ہے کہ وہ اسلام کی تمام کڑیوں اور اس کے
الاسلام وشرائعہ والعمل	جملہ احکام وقوانین کو مضبوط پکڑیں، اسکے
بجمیع اوامرہ وترک جمیع	تمام اوامر پر عمل پیرا ہوں اور اسکی تمام نواہی
زواجرہ ما استطاعوا من ذلک [1]	کو چھوڑ دیں، اپنی قوت اور استطاعت کی حد تک۔

بہت سے مفسرین کرامؒ نے آیت میں مذکور لفظ "کافہ" کو "ادخلو" کی ضمیر سے حال مانا ہے۔ یعنی کہ اے اہل ایمان! تم تمام کے تمام اسلام میں داخل ہو جاؤ' ادخلوا فی الاسلام کلکم، لیکن صحیح بات وہی ہے جو اوپر آیت کی تفسیر میں مذکور ہوئی :

وھو انھم امروا کلھم	اور وہ یہ کہ تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ
ان یعملوا بجمیع شعب	ایمان کے تمام شعبوں اور اسلام کی پوری
الایمان وشرائع الاسلام	شریعت اور اسکے جملہ احکام وقوانین پر عمل
وھی کثیرۃ جدا مما	پیرا ہوں۔ ان احکام وقوانین کی فہرست بہت
استطاعوا منھا۔ [2]	طویل ہے۔ البتہ ان پر حتی المقدور اور
	حسب استطاعت ہی عمل کرنا ہوگا۔

مفسر طبریؒ نے بھی آیت کی اسی توجیہ کو راجح قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

واولی التاویلات بقولہ	اللہ تعالیٰ کے قول : ادخلوا فی السلم' الخ
'ادخلوا فی السلم' قول من	کی سب سے عمدہ اور راجح تاویل ان
قال : ادخلوا فی الاسلام	لوگوں کی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ 'اسلام میں

---

[1] ابن کثیر : ۱/۲۴۷۔ [2] حوالہ سابق

Marfat.com

کافۃ ۔ لہ

پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

اس کی مزید توضیح وہ ان لفظوں میں کرتے ہیں :

وجہ دعائہ الیٰ ذلک الامر لہ بالعمل بجمیع شرائعہ واقامۃ جمیع احکامہ وحدودہ دون تضییع بعضہ والعمل ببعضہ واذا کان ذلک معناہ کان قولہ "کافۃ" من صفۃ السلم ویکون تاویلہ: ادخلوا فی العمل بجمیع معانی السلم ولا تضیعوا شیئا منہ یا اھل الایمان بمحمد وما جاء بہ [۲]

خدا تعالیٰ نے جو اس بات کی طرف بلایا ہے تو اس کا مقصد یہ حکم دینا ہے کہ لوگ اس کی پوری شریعت پر عمل پیرا ہوں، اسکے جملہ احکام وقوانین اور حدود وفرائض پر کاربند ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ باتوں پر عمل کریں اور بقیہ کو چھوڑ دیں۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا قول "کافۃ" "سلم" (اسلام) کی صفت ہوگا۔ اور اس کا مطلب ہوگا کہ اے لوگو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے ہو، سلم (اسلام) کے جملہ احکام وقوانین اور اسکی تمام تعلیمات پر عمل کے طریقے میں داخل ہو جاؤ، اس کی کوئی چیز چھوڑو، نہ اسکے کسی حکم سے دست بردار ہو۔

صاحب جلالینؒ نے بھی آیت کی یہی تفسیر اختیار کی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

(السلم) الاسلام (کافۃ) حال من السلم ای فی جمیع شرائعہ [۳]

"سلم" کے معنی اسلام اور "کافہ" "سلم" سے حال ہے یعنی کہ (اے ایمان والو) اس کی (یعنی اسلام کی) پوری شریعت

---

[۱] جامع البیان: ۲/۱۸۱ ۔ [۲] حوالہ مذکور صفحہ/۱۸۲

[۳] تفسیر الجلالین/۴۳ — دار المعرفۃ بیروت، طبع اول ۱۴۰۳ھ ۔

Marfat.com

اور اس کے تمام احکام وقوانین میں
(کسی تحفظ اور کسی قید کے بغیر) پورے
پورے داخل ہو جاؤ۔

پورے قرآن اور پوری شریعت کی پیروی کا حکم

اس کے ساتھ ہی قرآن صاف اور صریح لفظوں میں بار بار تاکید کرتا ہے کہ اس کے عطا کردہ پورے مجموعۂ قانون اور اس سے اُبھرنے والی پوری شریعت کی پیروی ہی میں انسان کی نجات مضمر ہے، دنیا و آخرت میں خدا کی پکڑ سے اپنے کو بچانے میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو دوسری تمام بندگیوں اور اطاعتوں سے منہ موڑ کر صرف اس کے ہو رہیں۔ اپنے جملہ معاملات زندگی میں خدا کے دین اور اس کی اتاری ہوئی شریعت کو لازم پکڑیں۔ غیر اللہ کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیں۔ اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت انہیں اس راستے سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ :

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ	پیروی کرو اس پورے (مجموعۂ دین) کی جو
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ	تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا	اتارا گیا ہے۔ اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے
تَذَكَّرُوْنَ ۝ (اعراف: ۲)	کارساز کا کہا مت مانو۔ تم بہت کم دھیان
	دیتے ہو۔

دوسرے موقعہ پر گنہگار بندوں کو خدا کی رحمت کی آس لگائے رہنے کے ساتھ تلافی مافات کی بھی یہی تدبیر بتائی گئی :

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا	اور رجوع ہو اپنے رب کی طرف۔ اور
لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ	(پوری طرح) اس کی حکم برداری میں لگ
الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝	جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے، پھر
وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ	تمہاری کچھ مدد نہ ہو۔ اور پیروی کرو اس

اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ الۡعَذَابُ بَغۡتَۃً وَّاَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۝

(زمر: ۵۴، ۵۵)

بہترین (شریعت) کی جو اتاری گئی ہے تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے اس پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو خبر نہ ہو۔

امت کے پیشوا اور رہبر کی حیثیت سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک سے زیادہ مقامات پر اسی کی تاکید کی گئی :

اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝

(انعام: ۱۰۶)

پیروی کرو اس پوری (شریعت) کی جو تم تک تمہارے رب کی طرف سے وحی کی جارہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کچھ سروکار نہ رکھو۔

وَاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ وَاصۡبِرۡ حَتّٰی یَحۡکُمَ اللّٰہُ ۚ وَہُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ

(یونس: ۱۰۹)

اور پیروی کرو اس پورے (مجموعہ دین) کی جو تمہاری طرف وحی کیا گیا ہے۔ اور جمے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

سورۂ احزاب کا آغاز بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی حکم کی تلقین وتاکید سے ہوا:

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ۝ وَّاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ۝

(آیات: ۱-۲)

اے نبی! اللہ سے ڈرو اور کافروں اور منافقوں کا کچھ کہا مت مانو، بے شک اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ اور پیروی کرو اس پوری (شریعت) کی جو تم تک تمہارے رب کی طرف سے وحی کی جارہی ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

دوسرے مقام پر آخری شریعت کی امتیازی حیثیت کا حوالہ دیتے ہوئے تاکید کی گئی کہ اس تکمیلی ضابطہ حیات کے بعد انسانوں کے وضع کردہ یا ان کے توہمات کے پروردہ کسی دوسرے

Marfat.com

نظام زندگی کا رخ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ آخری شریعت کے آجانے کے بعد دوسرے تمام طریقے منسوخ یا مردود ہیں۔ صداقت سے عاری، محض خواہشات نفس کے مظہر ان طریقوں کی جو لوگ بھی پیروی کریں گے، دنیا میں نہ سہی تو آخرت میں وہ کسی صورت خدا کی گرفت سے نہ بچ سکیں گے :

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ	پھر اے نبی! ہم نے تمہیں ایک مستقل ضابطہ
مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ	دین (شریعت) پر قائم کیا ہے۔ تو تم (پوری
اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	پوری) اس کی پیروی کرو۔ اور ان لوگوں کی
اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ	خواہشات کی پیروی نہ کرو جو نہیں جانتے
اللّٰهِ شَيْـًٔا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ	اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارا کچھ بھلا نہ کر سکیں
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ	گے۔ اور یہ بے انصاف ایک دوسرے کے
وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝	دوست ہیں۔ اور اللہ ان لوگوں کا دوست
(جاثیہ : ۱۸-۱۹)	ہے جو اس کا ڈر رکھتے ہیں۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جانے والی یہ وحی ـــــ قرآن ـــــ اور آپ کو ملنے والی یہ شریعت ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کے اندر انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ امور و مسائل کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات فراہم کی گئی ہیں۔ زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے سے لے کر انسان کے اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست، حکومت وغیرہ جملہ معاملات زندگی کے سلسلے میں اس کتاب عزیز کے اندر اصولی طور پر واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ اس نے اپنی خصوصیت ہی یہ بیان کی ہے کہ وہ علی الاطلاق کتاب ہدایت (ہدی للناس) روشنی (نور) اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن چیز (فرقان) ہے[1]۔ وہ زندگی کی پُر پیچ راہوں میں انسان کی ٹھیک راستے کی طرف رہنمائی کرتی، مسائل حیات کے تہ در تہ اندھیروں میں اس کے لئے روشنی فراہم کرتی اور یہ دنیا جہاں قدم قدم پر حق و باطل کا ٹکراؤ، اور ایک دوسرے

---

[1] بقرہ : ۱۸۵، آل عمران : ۴، فرقان : ۱، نساء : ۱۷۴، شوریٰ : ۵۲۔ وغیرہ دیگر آیات۔

کے ساتھ گڈمڈ ہے، یہ کتاب جملہ معاملات زندگی میں حق کو باطل سے نکھار کر پیش کرتی ہے اس کتاب کے اجمال کی تفصیل اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے کی ہے۔ اور بہمہ وجوہ اس تفصیل و تبیین کا حق ادا کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے بھی ویسا ہی اعتبار و استناد حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا ہے قرآن کہتا ہے اس کا سلسلہ وحی الٰہی سے جڑا ہوا ہے :

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم : ۳-۴)

وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا۔ اس کی ہر بات اور فرمان وحی الٰہی ہے۔

قولی تشریح کے ساتھ آپ کی عملی تشریحات کا بھی یہی درجہ ہے۔ لوگوں کے معاملات زندگی کے سلسلے میں آپ جو فیصلے بھی فرماتے ہیں وہ خدائی سند رکھتے ہیں :

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (نساء : ۱۰۵)

ہم نے اس کتاب کو تمہارے اوپر حق کے ساتھ اتارا ہے تاکہ تم اس (فہم و بصیرت کی روشنی) کے ذریعہ جو اللہ نے تمہیں دکھائی ہے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

مسلمان کے لئے آپ کے کسی فیصلے سے سرتابی کی مجال نہیں :

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر : ۷)

رسول جو فیصلہ بھی تمہیں سنائے اسے مانو اور جس سے منع کرے اس سے (صاف) باز آجاؤ۔

خارجی اطاعت ہی نہیں بلکہ دل کی پوری آمادگی کے ساتھ آپؐ کے فیصلوں کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر آدمی کا صحیح معنوں میں ایمان نہیں :

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (نساء : ۶۵)

تیرے رب کی قسم ان کا ایمان نہیں۔ تا آنکہ یہ آپ کو حکم بنائیں ان جملہ معاملات میں جو ان کے بیچ اٹھیں۔ پھر اپنے جی میں کچھ تنگی نہ پائیں اس سے جو آپ فیصلہ کردیں۔ اور (اسے) پوری طرح مان لیں۔

Marfat.com

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جس آخری آسمانی شریعت کو دنیا میں لے کر آئے، زندگی کے تمام شعبوں میں اس کا عملی انطباق تو آپ کی حیات مبارک ہی میں ہو گیا تھا۔ لیکن اس کا تکمیلی نفاذ اور اس کی پوری جلوہ نمائی حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے زمانہ میں ہوئی۔ یہ وہ مبارک عہد تھا جس میں اس امت کو زمین کی خلافت عطا کئے جانے کا وعدۂ الٰہی اپنے اتمام کو پہنچا۔ اسلامی نظام حکومت کی بنیادیں مستحکم ہوئیں۔ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی نظام زندگی کے ڈھانچے کی تکمیل ہوئی۔ اور آخری تکمیلی شریعت کا نیر تاباں اپنی بے پناہ ضیا پاشیوں کے ساتھ اقصائے عالم کو منور کرنے لگا۔ ہمارے علماء نے اس کی صراحت کی ہے[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی صراط مستقیم پر گامزن رہنے کے لئے اپنی سنت اور اپنے طریقے کے علاوہ اس عہد خلافت راشدہ کے طور طریقوں اور جملہ شعبہائے حیات میں اس کے قائم کردہ عملی نمونوں کی پیروی کو بھی اسی طرح لازم قرار دیا ہے۔ :

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ [2]	لازم پکڑو میری سنت اور میرے طریقے کو اور میرے بعد ہدایت یاب خلفائے راشدین کی سنت اور طریقے کو، اسے مضبوط تھامو اور دانتوں سے پکڑے رہو۔

قرآن وسنت کی ان تمام تصریحات کو اگر ہم ایک ساتھ ملا دیں تو اسلام کا ایسا وسیع اور ہمہ گیر نقشہ اور اس کی ایسی جامع اور مکمل تصویر ہمارے سامنے آتی ہے جس کی تعبیر کے لئے "ضابطۂ حیات" اور "نظام زندگی" کی مروج اصطلاحیں بھی تشنہ اور ناکافی معلوم ہوتی ہیں۔ "اتبعوا ما انزل الیکم" کے عموم میں یہ تمام ہی باتیں شامل ہیں۔ اس پورے مجموعۂ دین کی ان جملہ مقتضیات کے ساتھ پیروی ہی میں دنیا و آخرت کے اندر ایک مومن و مسلم کی کامیابی

---

[1] ابن کثیر: ۳/ ۳۰۰ — ۳۰۲۔

[2] ابوداؤد جلد ۲ — کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، مسند احمد: ۴/ ۱۲۶، ۱۲۷۔ نیز ترمذی وابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔

اور فوز و فلاح کا انحصار ہے۔ اور تنہا یہی وہ راستہ ہے جسے پکڑ کر وہ "رضائے الٰہی" کی اپنی منزل مقصود کو پا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا میں جتنے بھی راستے ہیں وہ اس کے غضب کو بھڑکانے والے اور ان انسان کو اس کی رحمت سے دور کرنے والے ہیں۔ استطاعت اور مقدرت کی شرط البتہ اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر کی تصریح گذری کہ کوئی فرد یا گروہ اس نظام زندگی پر عمل کا اسی قدر مکلف ہوگا جتنی کہ اس کی قوت اور ہمت ہو، اور جیسا کہ اس کے حالات و ظروف اجازت دیتے ہوں۔

دین کے حصے بخرے کرنے کی ممانعت

قرآن حکیم نے اپنے صفحات میں قوم یہود کے جرائم بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے یہ لوگ خدا کی لعنت کے مستحق ہوئے اور رحمت ایزدی نے ان سے منہ پھیر لیا۔ ان میں سے ایک اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی دنیا پرستی اور خواہشات نفس کے دام میں پھنس کر توراتی شریعت کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ نفسانیت کے غلبہ سے توراۃ کا جو حکم ان کے مفادات و اغراض کے موافق ہوتا اسے تو وہ باقی رکھتے اور اس پر عمل کرتے، لیکن جو چیز ان کی مصلحت کے خلاف ہوتی اسے بلا تامل حرف غلط کی طرح مٹا دیتے، اور اس کا انکار کر بیٹھتے۔ توراۃ نے قوم یہود کو دینی وحدت کے رشتے سے، ان میں باہم ایک دوسرے کے جو حقوق ٹھہرائے تھے کہ قوم کا ہر فرد اس کا پاس و لحاظ رکھے گا اور انہیں کسی صورت مجروح کرنے سے احتراز کرے گا، اس کی ایک اہم دفعہ یہ تھی کہ کوئی یہودی کسی دوسرے یہودی کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین کرے گا، نہ اس کے مال و اسباب کو کسی وقت اپنے لئے جائز تصور کرے گا۔ اور نہ کوئی ایسی صورت پیدا کرے گا کہ اسے گھر سے نکال دیا جائے اور وہ خانماں برباد ہو کر پریشان پھرے۔ نیز یہ کہ اگر حالات کی گردش سے کوئی یہودی کسی کے ہاں قید و بند میں پایا گیا تو قوم کے ہر فرد کی ذمہ داری ہوگی کہ اسے فدیہ سے چھڑائے اور اس کی اسیری کے خاتمہ کا سامان کرے۔

لیکن یہودی قوم نے اپنی بڑھی ہوئی سرکشی کے باعث توراۃ کے دوسرے بہت سے احکام کی طرح اس کے اس حکم شریعت کو بھی بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا۔ مدینہ میں انصار کے

دو مشرک قبائل اوس و خزرج، باہم ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے تھے۔ وہاں یہود کے تین قبائل آباد تھے، جو فریقین کے ساتھ ہو گئے تھے۔ بنو قینقاع، اور بنو نضیر، خزرج کے اور بنو قریضہ، اوس کے حلیف تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ اس قتل و خونریزی میں وہ اپنے بھائیوں کے خون سے بھی اپنے ہاتھ رنگین کریں، ان کا مال و اسباب لوٹیں اور انہیں گھر سے بے گھر کریں۔ جبکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ تورانی شریعت پر عمل کرتے ہوئے یہ لوگ اپنے کو اس طرح کی کسی دھڑے بندی سے دور رکھتے۔ جس سے نہ تو بھائیوں کے خون سے ان کے ہاتھ رنگین ہوتے، نہ کسی دوسری صورت سے ان کے حقوق مجروح ہوتے۔ لیکن اس کے برعکس بالکل اپنی نفسانیت اور سرکشی کے سبب انہوں نے اپنے کو پورے طور پر اپنے حلیفوں کے چنگل میں دے رکھا تھا۔ چنانچہ ان کے ساتھ مل کر اسی طرح اپنے بھائیوں کا خون بہاتے۔ ان کے مال و اسباب کو مال غنیمت سمجھ کر لوٹتے اور انہیں ان کے گھروں سے نکالنے اور خانہ ویران کرنے میں کچھ تامل نہ کرتے۔ ساتھ ہی توراۃ سے اپنی وفاداری کے ثبوت میں بنو قینقاع کے لوگ، اوس کے ہاتھوں قیدی ہونے والے اپنے لوگوں کا فدیہ دے کر چھڑاتے۔ اسی طرح بنو نضیر اور بنو قریظہ والے، خزرج کے ہاں قید ہونے ہوالے اپنے بھائیوں کے فدیہ کا سامان کرتے۔ مزید برآں ان آویزشوں میں، جن بھائیوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر چکے ہوتے، بعد میں ایک دوسرے سے ان کے خون کا مطالبہ کرتے۔ اور ان حیلہ سازیوں سے اپنی اشک شوئی کا سامان کرتے حالانکہ اگر اپنے کسی بھائی کو حالت قید میں نہ رہنے دینا ہر یہودی کی ذمہ داری تھی تو اس سے پہلے تورات نے ان کی ذمہ داری یہ قرار دی تھی کوئی یہودی اپنے بھائی کا خون نہ بہائے گا۔ نہ اس کے مال و اسباب کو اپنے لئے کسی صورت حلال تصور کرے گا۔[1] ذیل کی آیت میں قرآن نے یہود کے اسی دوہرے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے اس قوم کی حالت زار کا ماتم کیا ہے :

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ	اے بنی اسرائیل! یاد کرو جب اللہ نے تم سے
دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ	عہد لیا کہ تم باہم ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ
مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ	گے۔ نہ ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ابن کثیر: ۱/۱۲۰، ۱۲۱

تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ

(بقرہ: ۸۴، ۸۵)

نکالو گے، سو تم نے اقرار کیا (ان کا) اور تم (اس کی) گواہی دینے والے تھے۔ پھر یہ تمہی ہو کہ آپس میں ایک دوسرے کا خون کرتے ہو اور اپنے ہی لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو۔ ان کے خلاف یہ محاذ آرائی تم گناہ اور سرکشی کے سبب کرتے ہو۔ حال یہ ہے کہ اگر وہ تمہارے پاس قیدی بن کر آئیں تو تم انہیں فدیہ دے کر چھڑاتے ہو۔ جبکہ (اس سے پہلے) منع یہ چیز تھی کہ تم انہیں نکالو۔

ان کا یہ متضاد طرزِ عمل اسی لئے تھا کہ انہوں نے تورانی شریعت کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ اس کی جو بات انہیں پسند آتی اور ان کے مفادات سے ہم آہنگ ہوتی اسے تو وہ قبول کرتے۔ دوسری باتوں کی کھلے بندوں خلاف ورزی کرتے اور اس میں ذرا تامل نہ کرتے۔ اس روئیے پر قرآن نے انہیں قیامت کے سخت ترین عذاب کا مستحق گردانا۔ آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

(بقرہ: ۸۵)

کیا تم کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کا انکار کرتے ہو۔ تو تم میں سے جو ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔

یہود کے اپنی شریعت کے حصے بخرے کرنے کی ایک دوسری مثال بھی قرآن نے پیش کی ہے۔ زنا کی سزا اسلام کی طرح تورات میں بھی یہی تھی کہ زانی اور زانیہ اگر شادی شدہ ہوں تو

Marfat.com

انہیں سنگسار کیا جائے۔ لیکن یہودی قوم اخلاقی بگاڑ کی جس انتہا کو پہنچ چکی تھی، اس میں اس کے لئے اس حکم شریعت پر عمل کرنا کچھ آسان نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں تورات کی نص صریح پر خط نسخ پھیرتے ہوئے، باہم اتفاق اس پر کیا کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کو رجم یعنی سنگسار کرنے کے بجائے، اسے سو کوڑے لگائے جائیں، اس کے چہرے پر سیاہی مل دیجائے اور مرد عورت دونوں کو گدھے پر اس طرح سوار کرا کے کہ ان کے چہرے مخالف سمت میں ہوں آبادی میں گشت کرایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد کے بعد یہ واقعہ پیش آیا تو ان کا آپس میں مشورہ ہوا کہ اچھا موقع ہے، اس کے فیصلے کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جائے۔ اگر وہ کوڑے لگانے اور چہرے پر سیاہی ملنے کا فیصلہ کریں تو اسے قبول کر لیا جائے۔ دلیل یہ رہے گی کہ ایک پیغمبر خدا کا فیصلہ ہے، اسے رد کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟ البتہ اگر آپؐ رجم یعنی سنگسار کرنے کا فیصلہ دیں گے تو وہ قابل قبول نہ ہوگا۔ احادیث میں اس واقعہ کی مزید تفصیل اس طرح ہے کہ یہود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ قوم کے ایک مرد اور عورت نے زنا کا ارتکاب کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں تورات میں رجم کا حکم کس سلسلے میں ہے؟ انہوں نے کہا کہ (رجم نہیں) البتہ ہم ایسے شخص کو کوڑے لگاتے اور بے عزت اور رسوا کرتے ہیں۔ اس پر انہی میں کے ایک شخص عبداللہ بن سلام بول اٹھے کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ تورات میں رجم، سنگسار کئے جانے کا حکم موجود ہے۔ تورات لاؤ ابھی اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اس کے اوراق لائے گئے تو پڑھنے والے نے آیت (رجم) پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور آگے پیچھے سے پڑھنے لگا۔ عبداللہ بن سلام نے ٹوکا کہ ہاتھ اٹھاؤ تو وہاں آیت رجم موجود تھی۔ یہود کے لئے اس کے بعد اعتراف کے سوا چارہ نہ تھا۔ کہنے لگے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ بن سلام بالکل سچ کہتے ہیں تورات میں آیت رجم موجود ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں شخصوں کے رجم یعنی سنگسار کئے جانے کا حکم دیا۔ اور فی الفور ان پر اس کا نفاذ عمل میں آیا۔ یہ واقعہ بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے[1]۔ سورۂ مائدہ کی درج ذیل آیت میں یہود کی اسی بدبختانہ روش کا

---

[1] حوالہ سابق: ۲/۵۸۔ نیز ملاحظہ ہو، مسند احمد: ۴/۲۸۶

Marfat.com

نقشہ کھینچا گیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ خوف خدا سے بالکل عاری ہو کر کلام اللہ کو کچھ کا کچھ بنا دیتے تھے :

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (آیت: ۴۱)

یہ بات کو ہٹاتے ہیں اس کی جگہوں سے کہتے ہیں کہ اگر حق میں یہ فیصلہ ہو تو مان لو، اور یہ نہ ہو تو بچے رہو۔ اور اللہ جسے آزمانا چاہے تو تم کو اس پر کچھ اختیار نہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

قرآن کتاب حکمت ہے۔ اس کی ہر بات اپنے اندر حکمت و مصلحت کا کوئی پہلو رکھتی ہے۔ اس کے صفحات میں قوم یہود کے واقعات کا یہ ذکر محض زیب داستاں کے لئے نہیں بلکہ ان کا مقصد ہے کہ آخری شریعت کی حامل امت ـــــ امت مسلمہ ـــــ قوم یہود کی اس روش سے مجتنب رہے جس کے نتیجے میں اس قوم پر خدا کا غضب نازل ہوا اور وہ قیامت تک کے لئے اس کی لعنت کی مستحق قرار پائی۔ پس امت مسلمہ کے لئے جملہ احکام دین اور حسب مقدرت پورے مجموعۂ شریعت پر عمل کے بغیر چارہ نہیں۔ دین کے حصّے بخرے کر کے وہ اپنے کو خدائی پکڑ سے بچا نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے کسی کا نسبی تعلق نہیں کہ قوم یہود کی روش پر عمل پیرا ہو کر بھی کوئی 'امت' اپنے کو رحمت ایزدی کی مستحق بنائے رہے۔ اور اس پر بدستور انعام و اکرام کی بارش ہوتی رہے۔

اسلام، دین و دنیا دونوں کی بھلائی کا جامع

'مذہب خدا اور بندے کا معاملہ ہے، دنیا کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق

Marfat.com

نہیں، اسلام کے لئے یہ تصور کسی صورت قابل قبول نہیں جبکہ وہ دین و دنیا دونوں کی بھلائی کی وکالت کرتا اور آخرت کے ساتھ دنیا کی بھلائیوں کے حصول کی صاف اور صریح لفظوں میں اپنے ماننے والوں کو تلقین کرتا ہے۔ مناسک حج کی ادائیگی کے بعد اہل ایمان کی زبانی جس دعا کا ذکر کیا وہ دین و دنیا دونوں کی برکتوں اور بھلائیوں کو حاوی ہے۔ جبکہ اس موقعہ پر انسان دوسری دنیا کی فکر میں ڈوبا ہوا اور آخرت کی کامیابی کے احساس سے سرشار ہوتا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (بقرہ: ۲۰۱)

اے رب! ہمیں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیوں سے ہمکنار کر۔ اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اگلی آیت میں اس دعا کی عنداللہ مقبولیت اور اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے مانگنے والوں کو خوش خبری سنائی گئی کہ:

اُولٰٓئِکَ لَھُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (بقرہ: ۲۰۲)

یہ لوگ ہیں جنھیں اپنی (اس) کمائی کا پورا بدلہ ملے گا۔ اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔

دنیا و آخرت کی بھلائی کی یہ دعا کس وسعت اور عموم کی حامل ہے اس کا اندازہ آیت بالا کی حافظ ابن کثیرؒ کی درج ذیل تفسیر سے کیا جا سکتا ہے:

فجمعت ھذہ الآیۃ کل خیر فی الدنیا وصرفت کل شر فان کل الحسنۃ فی الدنیا تشمل کل مطلوب دنیوی من عافیۃ ودار رحبۃ وزوجۃ حسنۃ ورزق واسع وعلم نافع

اس آیت نے دنیا کی ہر طرح کی بھلائی کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور یہ ہر طرح کی برائی سے دوری کی دعا ہے۔ اس لئے کہ دنیا میں ہر طرح کی بھلائی ان تمام چیزوں کو شامل ہے۔ جو دنیاوی حیثیت سے مطلوب و مقصود ہو سکتی ہیں، جیسے کہ امن و عافیت، آرام دہ،

Marfat.com

وعمل صالح ومركب هين وثناء جميل غير ذالك مما اشتملت عليه عبارات المفسرين ولا منافاة بينها فانها كلها مندرجة في الحسنة في الدنيا واما الحسنة في الآخرة فاعلى ذالك دخول الجنة وتوابعه من الامن من الفزع الاكبر في العرصات وتيسير الحساب وغير ذالك من امور الآخرة الصالحة [1]

کشادہ مکان، اچھی اور نیک بیوی، پھیلی ہوئی روزی، نفع بخش علم، نیک عمل، عمدہ گداز سواری، بہتر تعریف وتوصیف وغیرہ سبھی چیزیں جنھیں دوسرے مفسرین نے مختلف الفاظ اور مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے۔ ان میں باہم کوئی منافات نہیں! اس لیے کہ یہ تمام چیزیں دنیا کے اندر بھلائی (حسنہ) میں شامل ہیں، یا آخرت میں بھلائی تو اس کا سب سے اونچا درجہ جنّت کا داخلہ ہے، نیز اس کے ساتھ وہ سبھی چیزیں جو اس کے نتیجے میں ملیں گی جیسے کہ محشر کی بڑی گھبراہٹ (فزع اکبر) سے امن واطمینان، حساب کا آسان ہونا وغیرہ دوسری تمام چیزیں جو آخرت کی اچھی زندگی کا لازمی حصّہ ہیں۔

مفسر طبریؒ نے بھی آیت کریمہ میں لفظ 'حسنہ' کو دنیا وآخرت کی تمام اچھائیوں اور بھلائیوں کے لئے حاوی قرار دیا ہے۔ آیت کی اسی تفسیر کو سب سے راجح قرار دیتے ہوئے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے:

لان الله عزوجل لم يخصص بقوله مخبرا عن قائل ذالك من معاني الحسنة

اللہ تعالیٰ نے دعا مانگنے والے کی زبانی بھلائی (حسنہ) کی جو بات کہی ہے تو اس کے سلسلے میں کسی قسم کی تخصیص نہیں کی ہے کہ اس سے بھلائی

---

[1] ابن کثیر: ۱/۲۴۳، ۲۴۴۔

Marfat.com

شیئاولا نصب علیٰ
خصوصہ دلالۃ علیٰ ان
المراد من ذالك بعض
دون بعض فالواجب
من القول فیہ ما قلنا
من انہ لا یجوز ان یخص
من معانی ذالك شئ و
ان یحکم لہ بعمومہ
علیٰ ما عمہ اللہ [1]

کی کچھ چیزیں مراد لی جائیں اور کچھ نہ لی
جائیں۔ نہ اس طرح کی کسی تخصیص کے
لئے کوئی دلیل قائم کی ہے جس سے
سمجھا جائے کہ اس سے کچھ بھلائیاں مراد
ہیں دوسری نہیں۔ پس ضروری ہے کہ
وہی بات مانی جائے جو ہم نے کہی یعنی کہ
اسے کچھ چیزوں کے لئے خاص نہ رکھا
جائے۔ بلکہ چاہیئے کہ اسے اسی طرح عام رکھا
جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عام رکھا ہے۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن لوگوں کے اس سوال کا کہ وہ کیا خرچ کریں، یہ جواب دیتا ہے کہ واقعی ضروریات سے جو بچ رہے اسے خدا کی خوشنودی کی غرض سے خرچ کیا جائے۔ اور مال کو سمیٹ کر رکھنے کے بجائے اس کے ذریعہ خاص طور پر کمزور بندگان خدا کی حاجت روائی کا سامان کیا جائے۔ اس کے بعد قرآن یتیموں اور بے سہاروں کے مسئلے کا حل بیان فرماتا ہے۔ اور ان دونوں کے بیچ میں اپنے بیان کردہ احکامات کی علت یہ بیان کرتا ہے کہ:

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (بقرہ: ۲۱۹، ۲۲۰)

تاکہ تم سوچو دنیا و آخرت دونوں کے معاملات میں

جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں سے جس طرز عمل کا مطالبہ کرتا ہے اور زندگی میں جس رویئے کے اختیار کرنے کی انھیں تلقین کرتا ہے وہ یہ کہ انھیں بیک وقت دنیا و آخرت دونوں کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا میں رہ کر ان کی آخرت کی سوچ اسی وقت مکمل ہوگی جبکہ وہ خدائی احکام و ہدایات کی روشنی میں زندگی کے مسائل سے بھی پوری طرح عہدہ برآ ہونے کے لئے آمادہ ہوں۔ قرآن لوگوں کے سامنے زندگی کا جو لائحہ عمل

---

[1] جامع البیان: ۲/۱۶۹۔

Marfat.com

پیش کرتا ہے اس کا تعلق صرف دوسری دنیا سے نہیں بلکہ اس دنیا کے امور و مسائل کو بھی وہ اسی طرح اپنا موضوع بناتا اور ان کے سلسلے میں تفصیلی احکام و ہدایات فراہم کرتا ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے مومن کی صحیح سوچ وہی ہے جس میں دنیا و آخرت دونوں کے مسائل سے بیک وقت عہدہ برآ ہوا جائے اور ہر ایک کے مطالبات کو اسی اہتمام سے پورا کیا جائے۔ صاحب کشاف نے آیت کی ایک تفسیر یہی بیان کی ہے:

یبین لکم الآیات فی امر الدارین وفیما یتعلق بھما لعلکم تتفکرون [1]	اللہ تعالیٰ تمہارے لئے دنیا و آخرت دونوں کے (امور و مسائل) کے سلسلے میں آیتیں کھول کر بیان کرتا اور ان دونوں ہی کے متعلق تمہیں تفصیلی ہدایات عطا کرتا ہے تاکہ تم (مطلوبہ) سوچ کا حق ادا کر سکو۔

ترکِ دُنیا سے اجتناب

مذہب اور مذہبی زندگی کے ساتھ عام طور پر دنیا کے جھمیلوں سے فرار کا تصور ذہن میں بندھا ہوا ہے۔ بہت سے مذاہب میں بھی اس ذہنیت و مزاج کو بسا اوقات تقدس و رہنا استحسان اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ اور اسے خدا سے قربت و معیت کا بہترین ذریعہ تصور کیا جاتا ہے لیکن اسلام جس مذہبی زندگی کا قائل اور اس کا علمبردار ہے، اس کا طریقہ اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے دینداری اور مذہبیت اس کا نام نہیں کہ آدمی جسم کو لباس سے محروم رکھے۔ کھانے پینے کو ترک کر دے یا اس سے برائے نام تعلق رکھے۔ قرآن کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کی پسندیدہ روش یہ ہے کہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھائے اور زندگی کی جائز ضروریات کی تکمیل سے اپنے کو محروم نہ رکھے۔

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۱۴۸۔ کلکتہ

Marfat.com

شرط یہ ہے کہ اعتدال وتوازن کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ان ضروریات میں پڑکر اس طرح گم نہ ہوجائے کہ اصل مقصد زندگی ہی نگاہوں سے اوجھل ہوجائے۔ اعتدال کا سررشتہ ہاتھ میں رہے تو لباس وغذا انسان کی بنیادی ضروریات ہیں۔ پوری بنی نوع انسانی کو خطاب کرکے ارشاد ہوا:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (اعراف: ۳۱)

آدم کے بیٹو! ہر نماز کے وقت اپنی آرائش کا سامان (کپڑے) لو۔ اور کھاؤ، پیو اور اعتدال سے نہ بڑھو۔ اللہ اعتدال سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آگے دینداری و مذہبیت کے غلط تصورات کے اسیر ان نعمتوں کو اپنے لئے حرام سمجھنے والوں کے غلط نقطۂ نظر کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (آیت: ۳۲)

کہو کس نے حرام کیا آرائش (کے سامان) کو جسے اللہ نے نکالا اپنے بندوں کے لئے، اور پاک اور ستھری روزی کی چیزوں کو۔

اس سلسلے میں قرآن کا انسانوں سے صرف ایک مطالبہ ہے کہ وہ شیطان کے کہے میں نہ آئیں۔ اللہ نے جن چیزوں کو ان کے لئے حلال ٹھہرایا ہے انھیں اپنے اوپر حرام کریں، نہ شیطان کے بہکاوے سے حلت وحرمت کے مخصوص خدائی اختیار میں کسی اور کو شریک کریں۔ اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی حدود میں انھیں کھانے پینے اور دنیوی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کی پوری آزادی ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (بقرہ: ۱۶۸)

لوگو زمین کی حلال اور ستھری چیزوں سے کھاؤ۔ اور شیطان کے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

Marfat.com

اسلام کے مطابق دنیا میں مذہبیت اور دینداری کا سب سے اعلیٰ نمونہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے قائم کیا۔ ان سے بڑھ کر خدائی مرضیات پر عمل کرنے والا اور خدائی احکام و ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے والا کوئی دوسرا گروہ آج تک پیدا ہوا، نہ آئندہ ہو سکے گا۔ بارگاہ ایزدی سے انھیں بھی تاکید اسی بات کی ہوئی کہ وہ دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ صرف ایک شرط ہے کہ عمل صالح، کے سرے کو مضبوط تھامے رہیں۔ اور زندگی میں کوئی قدم اس کی رضا سے ہٹ کر نہ اٹھنے پائے۔ پورے گروہ انبیاءؑ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ	اے پیغمبرو! کھاؤ ستھری چیزیں
الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ	اور نیک عمل کرو۔ میں جانتا ہوں
بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (مومنون: ۵۱)	جو تم کرتے ہو۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے سلسلے میں مخالفین کا ہمیشہ سے ایک بڑا اعتراض یہ تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ ہم ہی جیسی دنیاوی مصروفیات رکھنے والا ایک انسان اپنے تئیں من جانب اللہ فرستادہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور اس کا اصرار ہے کہ جو کوئی اس کی پیروی سے منہ موڑے گا، دنیا و آخرت کی رسوائی اس کے حصّے میں آئے گی۔ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں بھی مشرکین مکہ کا یہی اعتراض تھا:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ	وہ کہتے یہ کیا ہے جو یہ رسول کھانا کھاتا
يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي	اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے (اور اس
الْاَسْوَاقِ (فرقان: ۷)	کے باوجود اپنی پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے)

اس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ انبیاء نے کبھی عام معمولات زندگی سے کٹ کر زندگی نہیں گزاری۔ انھوں نے دنیوی زندگی کے مسائل اور اس کی مصروفیات میں پوری دلچسپی لیتے ہوئے اپنے فریضۂ منصبی کو ادا کیا۔ اور حکمت و مصلحت کا یہی تقاضا بھی تھا ورنہ غیر بشری خصوصیات کا حامل اور دنیوی زندگی سے ماورا وجود، اس دنیا کے انسانوں کے لئے اسوہ اور نمونہ کیوں کر بنتا۔ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں پر

Marfat.com

اتمام حجت کی سنّت پر عمل کیوں کر ہو پاتا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ۔ (فرقان: ۲۰)

اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے وہ کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ (اور ان کا ایسا ہونا ہی مصلحت کا تقاضا تھا)

بیوی بچوں سے بڑھ کر انسان کو دنیا کے جھمیلوں میں پھنسانے والی کوئی دوسری چیز نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ جھمیلے ہمیشہ لگے رہے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ (رعد: ۳۸)

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے رسول بھیجے۔ اور یہ سب لوگ بیوی بچوں والے تھے۔

زندگی سے گھبرا کر اور اس کے مسائل سے خوف کھا کر اپنے کو سماجی زندگی سے کاٹ لینا، دنیا کی آسائشوں اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کر لینا اور خدا کی قربت و معیت کو حاصل کرنے کے لئے خانقاہوں، معبدوں اور بسا اوقات غاروں، گپھاؤں میں اپنے کو محصور کر لینا، اصطلاح میں اس کا نام رہبانیت، ہے۔ مختلف اسباب کے تحت پیروان مسیحؑ کے اندر دینداری کے اس طریقے کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا اور ان کی بڑی تعداد نے اسے اپنا محبوب طریق زندگی قرار دے لیا۔ قرآن نے اسے ایجاد بندہ قرار دیتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو اس سے دور رہنے کی تلقین کی:

وَرُهْبَانِيَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ (حدید: ۲۷)

اور رہبانیت، جسے انھوں نے (اپنے طور پر) گڑھا۔ ہم نے اسے ان کے اوپر فرض نہیں کیا۔ سوائے اللہ کی رضا جوئی کے (جو ان پر فرض تھی۔ اسی کی خاطر انھوں نے رہبانیت کا راستہ اپنایا) پھر وہ اس کی پوری رعایت نہ کر سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریق زندگی کا سختی سے انکار فرمایا۔ صحابہ کرامؓ میں حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک ایسے شخص تھے جنھیں بیوی سے تعلق 'دینداری' کے منافی نظر آیا۔ چنانچہ انھوں نے بیوی سے زن وشوہر کے تعلقات یکسر منقطع کر رکھے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اسے سخت ناپسند کیا اور فرمایا:

انی لم اومر بالرھبانیۃ [1] — مجھے رہبانیت اور ترک دنیا کا حکم نہیں دیا گیا۔

اس کے علاوہ اسلام نے عام طور پر تجرد کی زندگی کی ممانعت کی۔ تاکہ دنیا سے فرار کا یہ سب سے بڑا چور دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاصرورۃ فی الاسلام [2] — اسلام میں تجرد (اور ترک دنیا) نہیں۔

---

[1] سنن دارمی، کتاب النکاح، باب النہی عن التبتل، مسند احمد: ۶/۲۲۶۔ نیز ملاحظہ ہو: بخاری جلد ۲۔ کتاب النکاح، باب مایکرہ من التبتل والخصاء، مسلم جلد اول، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح الخ

[2] ابوداؤد جلد ۱۔ کتاب المناسک، باب "لاصرورۃ فی الاسلام"۔ مسند احمد: ۱/۳۱۲۔ ورواہ ایضا الحاکم وصححہ، فتح الباری: ۹/۸۸۔ والطبرانی مرفوعا باللفظ المذکور، قال الحافظ فی التلخیص: وھو من روایۃ عطاء عن عکرمۃ عنہ ولم یقع منسوبا فقال ابن طاھر ھو ابن وزار وھو ضعیف لکن فی روایۃ الطبرانی ابن ابی الخوار وھو موثق، بحوالہ: تحفۃ الاحوذی مع جامع الترمذی: ۲/۱۶۸۔

اس مقام پر ہم نے حدیث "لا رہبانیۃ فی الاسلام" کو نقل کرنے سے احتراز کیا ہے اس لئے کہ اگرچہ ہمارے مراجع میں اس کا ذکر ملتا ہے، النہایۃ فی غریب الحدیث: ۲/۱۱۳۔ لیکن اس کے ماخذ اور راوی کا کچھ پتہ نہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اسے حوالہ کے بغیر ہی نقل کیا ہے، فتاویٰ شیخ الاسلام: ۱۰/۳۴۶، ترتیب عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہ محمد (سعودی عرب) دوسرے موقعہ پر بھی علامہ موصوف کے یہاں یہ روایت بغیر کسی حوالہ ہی کے آئی ہے۔ اقتضاء الصراط المستقیم: ۱/۱۵۶، ۲۲۸۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اسلام ترک دنیا کا قائل نہیں۔ البتہ دوسری بات کی ضرور ہدایت کرتا ہے کہ آدمی

(بقیہ حاشیہ) تحقیق وتعلیق الدکتور ناصر بن عبدالکریم العقل۔ طبعہ اولیٰ ۱۴۰۴ھ وقف للہ من الامیر سلطان بن عبدالعزیز۔ کتاب کے محقق نے بھی روایت کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا ہے۔ ان کے مطابق امام بغویؒ نے شرح السنۃ جلد ۲ ص ۳۷۱ میں بھی اسے کسی حوالہ کے بغیر ہی پیش کیا ہے۔ اقتضاء: ۱/۱۵۶ محولہ بالا۔ عجلونیؒ نے کشف الخفاء جلد ۲ ص ۵۲۸ نمبر ۳۱۵۴ میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن روایت کے متعلق اس سے آگے کچھ نہیں کہا جو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں یہ حدیث میری نظر سے نہیں گذری۔ لم ارہ بہذا اللفظ، فتح الباری: ۹/۸۸۔ روایت کے سلسلے میں محدث شوکانیؒ نے بھی حافظ کا یہی حوالہ نقل کیا ہے۔ اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا ہے؛ نیل الاوطار: ۶/۲۳۱۔ ماثور تفاسیر کا ذخیرہ بھی بشمول "در منثور" اس سے خاموش ہے۔ جبکہ "دائرۃ المعارف الاسلامیہ" کے مصنفین اسے موضوع قرار دیتے ہیں؛ جلد ۱۔ شمارہ: ۸/۲۸۱۔ (مرتبہ احمد شنتاوی اور ابراہیم زکی خورشید) اردو کتابوں میں یہ حدیث عام طور پر بلا حوالہ یا ثانوی حوالوں سے نقل کی جاتی رہی ہے؛ رحمۃ للعالمینؐ: ۳/۱۰۲۔ علم الفقہ: ۶/۱۲، اسلام۔ ایک نظر میں، ۱۳۴/۔ تفہیم القرآن: ۵/۳۲۴، میں ان الفاظ حدیث پر مسند احمد کا اجمالی حوالہ ہے جو مصنفؒ کا سہو ہے۔ جس کا منشا غالباً حدیث کا انڈکس "مفتاح کنوز السنۃ" ہے۔ جس میں اس روایت پر مسند احمد کا حوالہ ہے جو صحیح نہیں ہے۔ (مفتاح کنوز السنۃ/مادہ "رہب"، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) مسند احمد میں اس مضمون کی روایت تو ہے: "ان الرھبانیۃ لم تکتب علینا": ۶/۲۲۶۔ دوسری روایتیں بھی ہیں جن میں یہ لفظ آیا ہے، وعلیک بالجھاد فانہ رھبانیۃ الاسلام، ۳/۸۲۔ اور لکل نبی رھبانیۃ ورھبانیۃ ھذہ الامۃ الجھاد فی سبیل اللہ، ۳/۱۶۶۔ لیکن ان لفظوں میں یہ حدیث موجود نہیں۔ ابوزہرہ مصری نے ایک موقعہ پر ان الفاظ پر "بیہقی" کا اجمالی حوالہ دیا ہے: انسانی معاشرہ — اسلام کے سائے میں/۱۷۳۔ جو تحقیق طلب ہے۔ بہرحال جہاں تک ہم تلاش کر سکے نہ صحیح احادیث کے ذخیرے میں اس کا پتہ لگ سکا، نہ موضوعات کے سلسلوں میں۔ علامہ ناصر الدین البانی کے صحیح اور ضعیف احادیث کے سلسلے بھی اس سے خاموش ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک موقع پر اس کے حدیث نہ ہونے کی صراحت کی ہے۔ (مکتوبات سلیمانی: ۱/۲۱۵ لکھنؤ ۱۹۶۳ء)

Marfat.com

کی نگاہ اصلاً دوسری دنیا اور اس کی فلاح و کامیابی پر مرکوز رہے۔ جس کا راستہ یہ ہے کہ انسان دنیا کو برتتے ہوئے بھی اس سے بے نیاز رہے۔ دنیا سے وہ فائدہ ضرور اٹھائے لیکن جہاں اللہ و رسول کا حکم ہو اس سے ہاتھ کھینچ لے۔ اور اللہ کے راستے میں اسے اپنی محبوب سے محبوب چیز کو بھی قربان کرنے میں کچھ تامل نہ ہو۔ دین کی اصلاح میں اسی کا نام جہاد ہے جس کا مقصد ہے کہ دنیا کے اندر شیطانی طاقتوں اور باطل قوتوں نے خدا کے دین کے راستے میں جو بے شمار رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں، اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کر کے ان رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے ہٹایا جائے۔ دنیا سے بے رغبتی اور رہبانیت اگر کوئی پسندیدہ شئ ہے تو اسلام اسی رہبانیت کا قائل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لکل نبی رھبانیۃ و	ہر نبی کے ہاں رہبانیت کی کوئی
رھبانیۃ ھذہ الامۃ	صورت رہی ہے۔ اس امت کی رہبانیت
الجھاد فی سبیل اللہ [1]	اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔

ایک دوسرے موقع پر ابو سعید خدری صحابیؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وعلیک بالجھاد فانہ	جہاد کو لازم پکڑو کہ یہ اسلام کی
رھبانیۃ الاسلام [2]	رہبانیت ہے۔

لیکن اس سے آگے دنیا کی جائز لذتوں سے اپنے کو محروم کر لینے اور اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی اسلام تائید نہیں کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ رہبانیت کے اس غلط تصور سے متاثر تھے آپؐ نے ان کے نقطۂ نظر

---

[1] مسند احمد: ۳/۲۶۶۔ قال الالبانی عن زید العمی عن ابی ایاس عنہ، قلت وھذا اسند ضعیف من اھل زید وھو ابن ابی الحواری کما فی التقریب۔ وقد قال فیہ الدارقطنی وغیرہ "صالح" فمثلہ یستشھد بہ، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲/۸۸۔ ورواہ ایضا الحافظ ابو یعلی ولفظہ: لکل امۃ رھبانیۃ ..... الخ بحوالہ تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۱۶۔

[2] مسند احمد: ۳/۸۲۔ قال الالبانی ورجالہ ثقات، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲/۸۷۔

Marfat.com

کی اصلاح فرمائی۔ مشہور واقعہ ہے کہ تین صحابیوں رضؓ نے ازواج مطہرات میں سے ایک کی خدمت میں حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت وعبادت کے معمولات دریافت کئے تفصیل بتائے جانے پر انھیں یہ چیز اپنے اندازہ سے کم نظر آئی۔ اس کی توجیہ انھوں نے یہ کی کہ آپؐ کا مقام ہی اور ہے۔ اللہ نے آپؐ کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ہمارے لئے یہ چیز کافی نہیں ہو سکتی۔ ہمیں عبادت وطاعت میں اس سے بہت زیادہ جان کھپانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک صاحب نے عہد کیا کہ میں رات دن نماز میں بسر کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں سال کے بارہ مہینے روزے رکھوں گا۔ تیسرے صاحب نے طے کیا کہ میں زندگی بھر بیوی بچوں سے کچھ سروکار نہ رکھوں گا۔ تجرد کی حالت ہی میں اس دنیا سے رخصت ہوں گا۔ واپسی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ان لوگوں کو طلب کیا اور فرمایا کہ یہ آپ ہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اپنے طور پر یہ چیزیں طے کی ہیں۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ میں آپ سب لوگوں میں اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کا خوف رکھنے والا ہوں۔ لیکن میرا طریقہ ہے کہ میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں۔ اور نہیں بھی رکھتا۔ رات میں نفل نمازیں پڑھتا بھی ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں۔ اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں۔ یہ میرا طریقہ ہے۔ اور جو میرے طریقے پر نہ چلے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اما واللہ انی لاخشاکم للہ واتقاکم لہ، لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء، فمن رغب عن سنتی فلیس منی [1]

حضرت ابو درداءؓ صحابی رسولؐ بھی ایک ایسے ہی شخص تھے جنھیں کھانے پینے اور بیوی بچوں سے تعلق کی مصروفیات مطلوبہ دینداری کے منافی نظر آتی تھیں۔ ان کے مواخاتی بھائی حضرت سلمان فارسیؓ کا ان کے ہاں جانا ہوا تو ان کی بیوی ام درداءؓ کو پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس، بگڑی ہیئت میں زندگی کی امنگ ونشاط سے عاری پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر

---

[1] بخاری جلد ۲۔ کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، مسلم جلد ۱۔ کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن؛ نیز مسند احمد: ۲/۲۸۵۔

بولیں کہ تمہارے بھائی ابو درداؓ کو دنیا سے کچھ مطلب نہیں۔ پھر میرے لئے بن سنور کر رہنے کا کیا موقع ہے۔ اتفاق ایسا کہ اتنے میں ابو درداؓ آ گئے اور مہمان کے لئے کھانا تیار کیا گیا۔ ابو درداؓ نے حضرت سلمانؓ سے کہا کہ آپ بسم اللہ کریں میں تو روزے سے ہوں۔ انھوں نے کہا میں تمہارے بغیر لقمہ نہیں اٹھا سکتا۔ آخر وہ روزہ توڑ کر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے۔ تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ابو درداؓ نے نوافل کے لئے کمر کسنی چاہی۔ حضرت سلمانؓ نے انھیں روکا کہ ابھی سونے کا وقت ہے۔ ذرا دیر ہوئی انھوں نے پھر اسی ارادے سے اٹھنا چاہا۔ اس بار بھی حضرت سلمانؓ نے انھیں منع کیا کہ ابھی آرام کا وقت ہے۔ لیٹئے۔ رات کے آخری پہر میں حضرت سلمانؓ نے انھیں اٹھنے کو کہا اور دونوں نے مل کر تہجد کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے جو بات کہی وہ اسلام کے مطلوبہ تصور دینداری کی بہترین ترجمان ہے۔ آپ نے فرمایا:

ان لربك عليك، وان	تمہارے رب کا تمہارے اوپر حق ہے
لنفسك عليك حقا، و	تمہاری ذات کا تمہارے اوپر حق ہے، تمہارے
لاهلك عليك حقا، فاعط	اہل وعیال کا تمہارے اوپر حق ہے۔ تو ہر
كل ذى حق حقه۔	حق دار کو اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابو درداؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپؐ نے حضرت سلمان کی توثیق کی اور فرمایا کہ انھوں نے بالکل سچ کہا۔[1]

ایک دوسرے صحابی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ جو دن کو مسلسل روزے رکھتے اور راتیں نوافل میں گزارتے۔ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آئی تو آپؐ نے انھیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ البتہ ناغہ کر کے روزہ رکھنے کی اجازت دی۔ اور رات کے ایک حصہ میں آرام کے بعد تہجد و نوافل میں مشغول ہونے کی تاکید کی۔ اور اس کی وجہ یہی بیان فرمائی کہ:

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب الصوم۔ باب من اقسم علی اخیہ لیفطر علیہ فی التطوع۔ الخ۔

Marfat.com

فان لجسدك عليك	تمہارے جسم کا تمہارے اوپر حق ہے
حقا وان لعينيك عليك	تمہاری آنکھوں کا تمہارے اوپر حق ہے
حقا وان لزوجك عليك	تمہاری بیوی کا تمہارے اوپر حق ہے۔
حقا وان لزورك عليك	تمہارے ملنے والوں کا تمہارے اوپر حق
حقا[1] له	ہے۔ (تو پھر ہر حق دار کو اس کا حق ملنا چاہئے)۔

عبادات میں اعتدال

اسی کا نتیجہ تھا کہ اسلام نے میانہ روی و اعتدال کو عبادت کا ایک اہم اصول قرار دیا۔ مسلمان کی زندگی کے سب سے قیمتی لمحات وہ ہیں جو خدا تعالیٰ سے راز و نیاز اور اس کی رضا کی طلب میں بسر ہوں۔ جس کا بہترین ذریعہ اس نے روزے اور نماز کو قرار دیا ہے۔ لیکن اسلام اس سلسلے میں بھی بندۂ مومن کو ایک خاص حد سے آگے جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ تاکہ دین و دنیا دونوں کی بھلائی کا اس مطلوبہ تصور مجروح نہ ہو سکے۔ عبادت کے سلسلے میں وہ اسے ایک خاص دائرے کا پابند بناتا ہے تاکہ دنیا کے معاملات و مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس کے اندر قوت کار باقی رہے۔ عبادت چہار گانہ میں روزے کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے جو ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ اس کے سلسلے میں فرماتا ہے کہ "روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں اس کا بدلہ بھی خاص طور پر ہی عطا کروں گا"[2]۔ لیکن مسلسل اور لگاتار روزے رکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے جس سے آدمی کی قوت کار گھٹے اور دوسری دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں کوتاہی ہو۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا صام من صام الدهر،	اس شخص کا کچھ روزہ نہیں جو ہمیشہ

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم۔ مسلم جلد ۱۔ کتاب الصیام، باب النہی عن صوم الدہر لمن تضرر بہ او فوت بہ حقا الخ [2] متفق علیہ بحوالہ ریاض الصالحین ۴۸۸، ۴۸۹، مصر ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء

Marfat.com

صوم ثلاثة ایام صوم الدھر کلہ۔ — کے روزے رکھے۔ (مہینے میں) تین دن کا روزہ ہمیشہ کے روزے کے برابر ہے۔

آگے ان کی اس درخواست پر کہ میں اپنے اندر اس سے زیادہ کی ہمت پاتا ہوں، آپؐ نے انھیں حضرت داؤدؑ کے طریقے کا حکم دیا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ ناغہ کی وجہ سے ان کے اندر دشمن سے مقابلہ میں کمزوری نہیں رہتی تھی:

قلت فانی اطیق اکثر من ذلک قال فصم صوم داؤد وکان یصوم یوما ویفطر یوما ولا یفر اذا لاقی [1] — میں نے عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تو تم حضرت داؤدؑ کا روزہ رکھو۔ جو ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے۔ اور (یہی وجہ تھی جو) دشمن سے مقابلہ پر وہ پیٹھ نہیں دکھاتے تھے۔

یہی بات دوسرے موقع پر تاکید کے لیے آپؐ نے دو بار فرمائی:

لا صام من صام الابد [2] — اس شخص کا کچھ روزہ نہیں جو لگاتار اور مسلسل روزے رکھے۔

نماز کی اہمیت دین میں معلوم ہے۔ قرآن و حدیث کی صراحت ہے کہ یہ وہ اعلیٰ ترین صورت ہے جس میں آدمی کو حق تعالیٰ کی قربت و معیت نصیب ہوتی ہے[3]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی نگاہوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے[4]۔ لیکن طاعت و بندگی کے اس نقطۂ کمال کے سلسلے میں بھی اسلام اسی اعتدال و توازن کی تاکید کرتا ہے۔ جس سے دین کے دیگر مطالبات بھی پورے کئے جا سکیں۔ اور شریعت اپنے ماننے والوں پر دین و دنیا کی جو

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب الصوم، باب صوم داؤد علیہ السلام۔ [2] حوالہ سابق، باب حق الاہل فی الصوم، نیز ملاحظہ ہو، مسند احمد: ۴/۲۵، ۲۶۔ [3] قلم: ۱۹، نیز مسلم جلد ۱۔ کتاب الصلوٰۃ، باب مایقال فی الرکوع و السجود۔ [4] نسائی جلد ۲۔ کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء، نیز مسند احمد: ۳/۱۲۸، ۱۹۹، ۲۸۵۔

Marfat.com

دوہری ذمہ داریاں ڈالتی ہے ان کا حق ادا کرنے میں کوئی کمی نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں کہیں معاملہ اس جادۂ اعتدال سے ہٹتا نظر آیا، آپؐ نے اس پر فوراً روک لگائی۔ حضرت زینبؓ صحابیہ اپنا لمبا وقت نوافل میں گزارتی تھیں۔ انھوں نے مسجد نبوی کے دو ستونوں کے بیچ ایک رسی باندھ رکھی تھی۔ کھڑے کھڑے جب تھک جاتیں تو رسّی کا سہارا لے لیتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تفصیل معلوم ہوئی تو آپؐ نے رسّی کو کھولنے کا حکم دیا اور تاکید فرمائی کہ:

لیصل احدکم نشاطہ	تم میں کا کوئی شخص نماز اسی وقت تک پڑھے جب
فاذا فتر فلیقعد [1]	تک کہ اس کے اندر نشاط باقی رہے جب
	تھک جائے تو چاہیے کہ بیٹھ جائے۔

ایک دوسری صحابیہ حضرت حمنہ بنت جحشؓ کا بھی یہی معاملہ تھا۔ جو اسی صورت سے لمبی لمبی نفلیں ادا کرتی تھیں۔ آپؐ نے انھیں بھی ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا:

لتصل ماطاقت فاذا	انہیں چاہیے کہ نماز پڑھیں جب تک کہ ان کے
عجزت فلتقعد [2]	اندر قوت رہے جب ہمت نہ رہ جائے تو چاہیے کہ بیٹھ جائیں

ایسی ہی ایک صحابیہ قبیلۂ بنی اسد کی حضرت خولاءؓ تھیں۔ جو رات میں تھوڑی دیر کے لئے بھی بستر پر بیٹھ نہ دیتی تھیں۔ اس کی وجہ سے ان کی نمازوں کا بڑا شہرہ تھا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے تو یہ ان کے پاس تھیں۔ ان

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادہ، ابو داؤد جلد ۱ کتاب الصلوٰۃ، باب النعاس فی الصلوٰۃ۔ [2] مسند احمد: ۳/۱۸۴۔ نیز: ابو داؤد حوالہ مذکور۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ حضرت زینبؓ کا کسی نسبت کے بغیر مطلق لکھا ہے۔ جبکہ ابو داؤد میں اسے دو واقعہ ایک زینبؓ، دوسرے حمنہؓ بنت جحش کا لکھا گیا ہے۔ جس پر اس کے محشی صاحب 'التعلیق المحمود' نے یہ نوٹ لکھا ہے کہ: "اس مقام پر راوی کا حمنہ بنت جحش کہنا اس کا وہم ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ زینبؓ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (اور یہ واقعہ انھیں کا ہے)" التعلیق المحمود علیٰ ہامش سنن ابی داؤد: ۱/۱۸۶۔ لیکن موصوف کا یہ جزم صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ بخاری کی (باقی اگلے صفحہ پر)

کے سلسلے میں اس تفصیل کے علم میں آنے کے بعد آپؐ نے انھیں اس سے روکا اور ارشاد فرمایا کہ:

علیکم بما تطیقون	(عبادت کے) معمولات اسی قدر اپناؤ
من الاعمال فان اللہ لا	جتنا کہ آسانی سے کرسکو۔ اس لئے کہ اللہ (بدلہ
یمل حتی تملوا [1]	دینے سے) نہیں اکتائے گا تم ہی (عمل سے) اکتا جاؤ گے۔

اس سے ہٹ کر آپؐ نے عام اصول کی حیثیت سے بار بار تاکید فرمائی کہ لوگ دین کے معاملہ میں بے جا سختی اور تشدد سے احتراز کریں۔ اس لئے کہ اس راستے پر آدمی زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مذکورہ روایت پر گفتگو کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اگرچہ بخاری کے بہت سے شارحین نے خطیب کی پیروی میں قطعیت سے لکھا ہے کہ یہ زینب بنت جحش ام المومنینؓ ہیں۔ لیکن روایت کے کسی طریقہ میں یہ چیز مجھے صراحۃً نہیں ملی۔ شیخ سراج الدین ابن الملقن کی شرح میں بھی اگرچہ ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے، لیکن مجھے ان کی مصنف اور مسند میں مطلق 'زینب' سے زیادہ کوئی چیز نہیں ملی۔ جسے انھوں نے اسماعیل بن علیہ اور انھوں نے عبدالعزیز سے روایت کیا ہے۔ امام مسلم نے صحیح، ابونعیم نے اپنی مستخرج، نیز امام احمد نے اپنی مسند میں بھی اسے اسی طریقہ سے (اسی طرح) روایت کیا ہے۔ البتہ ابوداؤد نے اسماعیل سے اپنے دو شیوخ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں مطلق 'زینب' کسی نسبت کے بغیر ہے۔ اور دوسری میں حمنہ بنت جحش ہے۔ جو اس بات کا قرینہ ہوسکتا ہے کہ یہاں زینب سے مراد زینب بنت جحش (ام المومنینؓ) ہوں۔ امام احمد نے بھی حضرت انس کی روایت سے (جیسا کہ ہمارا حوالہ ہے) انھیں حمنہ بنت جحش بتایا ہے۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس رسی کو ان دونوں ہی حضرات کی طرف منسوب کرنے کی وجہ غالباً یہ ہو کہ وہ ملکیت تو ہو کسی ایک ہی کی، البتہ دوسرے کو بھی اسی کے ساتھ شامل کرلیا گیا ہو۔ اس رائے کو تقویت اس سے بھی پہنچتی ہے کہ جیسا کہ کہا گیا ہے جحش کی تمام صاحبزادیوں کو 'زینب' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس طرح یہ رسی حمنہ کی ہوئی اور ان کے دوسرے نام کی مناسبت سے انھیں زینب کہا گیا۔ (اس صورت میں یہ واقعہ دو نہیں بلکہ ایک ہی صحابیہ کا ہوگا)۔ البتہ آخر میں حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ انھیں الگ الگ واقعات مانا جائے۔ وقیل یحتمل تعدد القصۃ، ملاحظہ ہو: فتح الباری: ۳/۲۴۔ ہم نے اسی آخری صورت کو پیش نظر رکھا ہے۔

Marfat.com

دور تک نہیں چل سکتا۔ بہت جلد وہ تھک جائے گا اور اکتاہٹ کا شکار ہو کر اپنا نقصان کریگا۔
حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الدین یسر، ولن یشاد الدین احد الا غلبہ، فسددوا وقاربوا وابشروا واستعینوا بالغدوۃ والروحۃ و شیٔ من الدلجۃ [1]

دین میں آسانی (کا راستہ اچھا) ہے۔ جو کوئی اس کے سلسلے میں بے جا سختی کی راہ اپنائے گا ہار جائے گا۔ پس تم اعتدال اور میانہ روی کے طریقے پر چلو۔ ورنہ اپنے کو اس سے قریب تر رکھو۔ (خدا کی رحمت کی امید پر) خوشی اور شادمانی میں رہو۔ اور بے جا سختیاں کرنے کے بجائے سمجھ دار مسافر کی طرح، صبح تڑکے شام سویرے اور رات کے پچھلے پہر چل کر فراغت و اطمینان سے منزل تک رسائی کا سامان کرو۔

اس راہ کی آخری منزل رہبانیت اور ترک دنیا ہے۔ جس میں پھنس کر حضرت مسیحؑ کے پیروں کو اپنے کو گرجوں اور خانقاہوں میں محصور کر لینا پڑا تھا۔ اسلام کی یہ منزل نہیں اس لئے وہ اس راستے کو بھی اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہؓ کو بار بار تاکید کرتے تھے:

لاتشددوا علیٰ انفسکم فیشدد علیکم فان قوما شددوا علیٰ انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلک

اپنے اوپر بے جا سختیاں نہ کرو کہ تم پر مزید سختیوں کا بوجھ لاد دیا جائے۔ اس لئے کہ کچھ لوگوں نے اپنے اوپر بے جا سختیاں کیں تو اللہ نے ان پر مزید سختیوں کا دروازہ کھول دیا۔

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ، نیز ملاحظہ ہو، کتاب الایمان، باب احب الدین الی اللہ ادومہ۔ مسند احمد، ۶/۲۴۹، ۲۵۰۔ [2] بخاری جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الدین یسر، نیز نسائی جلد ۲۔ کتاب الایمان وشرائعہ، باب الدین یسر۔

Marfat.com

بقایاھم فی الصوامع والدیار، رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم[1]

اب یہ انھیں کی یادگاریں ہیں جنھیں تم گرجوں اور عبادت خانوں میں محبوس پاتے ہو۔ رہبانیت کا نتیجہ جسے انھوں نے اپنے جی سے گڑھا۔ ہم نے اسے ان کے اوپر فرض نہیں کیا۔

دینی زندگی کا وسیع تصور

عام طور پر مذہب اور دینداری کے نام پر خاص طرح کی وضع قطع اور طاعت و بندگی کے محدود اعمال کا تصور ذہن میں بندھتا ہے۔ لیکن اسلام جس مذہبیت اور دینداری کا علم بردار ہے اور مذہبی زندگی کا جو تصور پیش کرتا ہے، اس کا رنگ اس سے بالکل مختلف ہے۔ جس کا تقاضا ہے کہ انسان زندگی کے پھیلے ہوئے دائرے میں خدا اور بندگان خدا کے حقوق ادا کرے۔ زندگی کے ہر موڑ پر خدا تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی بے لاگ پیروی کرے اور اللہ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو۔ یہاں تک کہ اس راستے میں اسے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہ ہو۔ مدینہ پہنچنے کے کچھ دنوں بعد جب مسلمانوں کو بیت المقدس کے بجائے خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تو اہل کتاب کے ساتھ ان کے اثر سے کچھ مسلمانوں کو بھی یہ حکم ناگوار گزرا[2]۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر قرآن نے مطلوبہ نیکی اور دینداری کی جو تفصیل پیش کی ہے اس سے اسلامی تصور مذہب کی وسعت و جامعیت کا اندازہ اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ ارشاد ہوا:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

نیکی اور دینداری یہ نہیں کہ تم (نماز میں) اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرو۔ نیکی ان کی ہے جو ایمان لائیں اللہ پر، آخرت

---

[1] ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب الجسد، ورواہ ایضا الحافظ ابویعلی بحوالہ تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۱۶۔

[2] تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۰۷۔

الْاٰخِرِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَ
اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ
اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ
فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ
الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُوْنَ ○ (بقرہ: ۱۷۷)

کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں
پر اور مال کو خرچ کریں اس کی محبت کے
باوجود، رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں
پر، مسافر اور مانگنے والوں پر اور گردنیں
چھڑانے میں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ
دیں، اور عہد و پیمان کو پورا کرنے والے
جب وہ ایسا کریں۔ اور جینے والے
پریشانی میں اور تکلیف میں اور جنگ
کے وقت۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ
(اللہ سے) ڈر کر رہنے والے ہیں۔

دوسرے موقعہ پر بھی قرآن نے اپنی مطلوبہ دینداری کی یہی خصوصیت بیان کی ہے۔ زمانہ نزول قرآن میں کچھ نام نہاد مسلمان[1] صرف ایمان کا دعویٰ کر کے زبانی جمع خرچ سے کام چلانا چاہتے تھے۔ قرآن نے کہا کہ ایمان کا حق زبانی دعووں سے ادا نہیں ہوتا۔ اس کے تقاضوں میں انفرادی اعمال کی بجا آوری کے ساتھ جان و مال کی قربانی بھی شامل ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا
وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ

مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر
اور اس کے رسول پر اور انھیں کچھ شک
نہ ہو۔ اللہ کے راستے میں جہاد کریں اپنی
جان اور مال سے۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

---

[1] امام بخاری کے نزدیک اس سلسلۂ بیان کا مصداق منافقین ہیں جو دل سے کافر ہوتے ہوئے صرف زبان سے اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے مراد نام نہاد مسلمانوں کو لیا ہے جو صرف زبانی جمع خرچ سے کام چلانا چاہتے تھے۔ اور اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ ابراہیم نخعی اور قتادہ کا بھی یہی خیال ہے۔ اور ابن جریر کا پسندیدہ مسلک بھی یہی ہے۔ ملاحظہ ہو، ابن کثیر: ۴/۲۱۹۔

Marfat.com

الصّٰدِقُوْنَ ۝ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ (حجرات: ۱۵-۱۶)

کہو کیا تم (زبانی دعووں سے) اللہ کو اپنے ایمان کا پتہ دیتے ہو جبکہ اللہ جانتا ہے وہ سب جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اسی طرح قرآن اپنے ماننے والوں کو فوز و فلاح سے ہمکنار ہونے کے لئے رکوع و سجود اور بندگی رب کے ساتھ بھلائی کے کام کا بھی حکم دیتا ہے۔ جس کے اندر کسی تخصیص کے بغیر نیکی اور بھلائی کے تمام کام شامل ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (حج: ۷۷)

اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو، اپنے رب کی بندگی کرو۔ اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کے اندر دینی زندگی کے نقطۂ آغاز ایمان و اسلام کی جو تشریحیں کی ہیں اور ان کے جو تقاضے بیان کئے ہیں، اس سے بھی اسلام کی مطلوبہ دینداری کی یہی تصویر ابھرتی ہے کہ اس کا تعلق محدود معنوں میں صرف خدا اور بندے کے معاملہ سے نہیں، دنیاوی زندگی کے وسیع تر معاملات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل ہیں۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ: اسلام کی ستر سے اوپر شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے اونچی چیز کلمۂ لا الٰہ، کا اقرار ہے۔ اور اس کا سب سے کم تر درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے۔ اور شرم و حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے[1]۔ مومن و مسلم کی تعریف یہ بیان فرمائی کہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان اور مال کے سلسلے میں بالکل بے خوف رہیں[2]۔ ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ: اس شخص کا کچھ ایمان نہیں جسے امانت کا پاس نہیں اور اس شخص کا

---

[1] متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الایمان۔ [2] ترمذی جلد ۲۔ کتاب الایمان، باب ماجاء المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، نسائی جلد ۲۔ کتاب الایمان و شرائعہ، باب صفۃ المومن، مسند احمد: ۳/۱۵۴۔

Marfat.com

کچھ دین نہیں جو عہد و پیمان کا پابند نہیں[1]۔ اسی طرح پڑوسی کے حق کی ادائیگی کو آپؐ نے ایمان کا صریحی تقاضا قرار دیا۔ "آپؐ نے تین مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ اس شخص کا کچھ ایمان نہیں جس کی لائی ہوئی آفتوں سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ رہیں[2]"۔ دوسری حدیث میں فرمایا کہ: اُس شخص کے اندر ایمان کی کچھ رمق نہیں جو خود پیٹ بھر کر سوئے جبکہ اس کا پڑوسی وہیں اس کے پہلو میں بھوک سے کروٹیں بدل رہا ہو[3]"۔ ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد ہوا کہ: "جسے یہ پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا (راوی کو شک ہے) یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہیئے کہ جب بولے تو سچ بولے، اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اسے (اسی طرح) ادا کرے اور جو اس کے پڑوسی ہوں، ان کے پڑوس کا حق اچھی طرح ادا کرے[4]"۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ: بیوہ اور مسکین کے لئے تگ و دو کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے یا (راوی کا شک ہے) اس شب زندہ دار کی طرح جو تھکنے کا نام نہ لے یا اس روزہ دار کی طرح جو انتہائی کثرت سے نفلی روزے رکھے[5]"۔ مزید ارشاد ہوا: "کہ میں اور کسی یتیم کی کفالت کرنے والا جنّت میں اس طرح ہوں گے۔ مثال میں آپؐ نے اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلیوں کو ملا کر بتایا[6]"۔

صدقہ و خیرات کے سلسلے میں ذہن عام طور پر اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ آدمی اپنے مال کا ایک حصہ نکالے اور اسے کمزوروں اور محتاجوں پر خرچ کر دے۔ لیکن حدیث کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بہت وسیع دائروں کی نشاندہی کی ہے اور ان کاموں کی ایک لمبی فہرست بتائی ہے جس پر اس عمل خیر کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا

---

[1] مسند احمد: ۳/۱۳۵۔ بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الایمان۔ [2] بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب، باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ، مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب تحریم ایذاء الجار۔ [3]، [4] بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الادب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق۔ [5] بخاری جلد ۲۔ کتاب الادب۔ باب الساعی علی المسکین، مسلم جلد ۲۔ کتاب الزہد۔ باب فضل الاحسان الی الارملۃ الخ۔ [6] بخاری جلد ۱۔ کتاب الادب، باب فضل من یعول یتیما۔ نیز، مسند احمد: ۵/۲۵۰۔

Marfat.com

ہے کہ اسلام کا دینداری کا تصور اپنے اندر کس قدر وسعت اور عموم رکھتا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ: "ہر بھلائی کا کام ایک طرح کا صدقہ ہے۔ اور یہ بھی بھلائی کا کام ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملو۔ اور ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں انڈیل دو۔"[1] دوسرے موقعہ پر اس کی مزید تفصیل ارشاد فرمائی کہ: "تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی صدقہ ہے۔ تمہارا بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے منع کرنا صدقہ ہے۔ بھٹکنے کی جگہ کسی شخص کو راستہ دکھانا صدقہ ہے۔ کمزور بینائی والے شخص کی مدد کر دینا صدقہ ہے۔ پتھر، کانٹا اور ہڈی وغیرہ کا راستے سے ہٹا دینا صدقہ ہے۔ اسی طرح تمہارا اپنے ڈول کا پانی اپنے بھائی کے ڈول میں انڈیل دینا صدقہ ہے۔"[2] دوسری حدیث میں فرمایا: "آدمی کا ایک بار سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار الحمد للہ، کہنا صدقہ ہے۔ ایک بار کا لا الہ الا اللہ، کہنا صدقہ ہے۔ بھلائی (معروف) کا حکم دینا صدقہ ہے۔ برائی (منکر) سے منع کرنا صدقہ ہے۔ اسی طرح حلال طریقے سے آدمی کا جنسی خواہش پورا کرنا بھی صدقہ ہے۔"[3] ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ: "جو مسلمان کوئی پودا لگاتا یا کوئی چیز بوتا ہے، پھر اس سے کوئی پرندہ، جانور یا انسان کھاتا ہے تو یہ چیز اس کے لئے صدقہ شمار ہوتی ہے۔"[4]

خدا اور بندگان خدا کے حقوق کے علاوہ تیسری چیز جس کے بغیر اسلام کے مطلوبہ تصور دینداری کی تکمیل نہیں ہوتی، جیسا کہ اشارہ کیا گیا، جہاد ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آدمی دین اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ دنیا کے اندر اس کے غلبہ و نفاذ کے لئے کوشاں ہو۔ یہاں تک کہ پوری دنیا پر اسلام کا پھریرا لہرا جائے، اسلامی نظام زندگی کی راہ کی رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے اور دنیا کے اندر باطل افکار و نظریات اور

---

[1] ترمذی جلد ۲۔ ابواب البر و الصلۃ، باب ماجاء فی طلاقۃ الوجہ و حسن البشر۔ [2] حوالہ سابق، باب ماجاء فی صنائع المعروف، قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب۔ [3] مسلم جلد ۱۔ کتاب الزکوٰۃ، باب بیان ان اسم الصدقہ یقع علی کل نوع من المعروف۔ [4] بخاری جلد ۱۔ ابواب الحرث و المزارعۃ، باب فضل الزرع والغرس مسلم جلد ۲۔ کتاب المساقاۃ و الزرع، باب فضل الغرس و الزرع۔

Marfat.com

ان کے علم برداروں کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ اس مقصد کے لئے بسا اوقات زبان اور قلم کا جہاد کافی ہوگا۔ لیکن ایک مرحلہ آئے گا جب تلوار کو نیام سے نکالنا پڑے گا۔ اور اسلام کا کلمہ بلند کرنے کی خاطر جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جنگ میں نکل آنا ہوگا۔ یعنی قتال اور جنگ، جس کے لئے عملاً نہیں تو ذہناً ہر مسلمان کو تیار رہنا چاہیئے۔ جس شخص کے احساسات و جذبات اس کیفیت سے عاری ہوں اس کی زندگی ایمان و اسلام کی نہیں بلکہ نفاق اور بے دینی کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے:

من مات ولم یغز ولم	جس کسی کو موت آئے اس حال میں
یحدث بہ نفسہ	کہ وہ (اللہ کے راستے میں) لڑے، نہ اس کے
مات علی شعبۃ	دل میں اس کا خیال آئے تو وہ نفاق کے
من نفاق ۔[1]	کسی نہ کسی درجہ پر مرتا ہے۔

مسلمان کی زندگی میں اس کے بغیر ایسا خلا رہتا ہے جسے کسی دوسری صورت سے پر نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے موقعہ پر فرمایا:

من لقی اللہ بغیر اثر	جو کوئی اللہ سے ملے گا اس حال میں کہ
من جہاد لقی اللہ و	اس کے اوپر (اللہ کے راستے میں) جہاد کا
فیہ ثلمۃ [2]	نشان نہ ہوگا۔ تو وہ اللہ سے اس میں ملے گا
	کہ اس کے اندر ایک (بہت بڑا) خلا ہوگا۔

دینداری کا یہ راستہ کٹھن ہے اور اپنے ساتھ بڑے مسائل و مشکلات رکھتا ہے۔ لیکن اسلام اسی دینی زندگی کا قائل ہے۔ ان مسائل سے کٹ کر مذہبی زندگی اس کے لئے کسی صورت قابل قبول نہیں۔ حضرت ابو امامہؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سریہ میں نکلے۔ سفر کے دوران قافلہ کے ایک

---

[1] مسلم جلد ۲۔ کتاب الامارہ، باب ذم من مات ولم یغز، الخ نسائی جلد ۲۔ کتاب الجہاد، باب التشدید فی ترک الجہاد۔

[2] ترمذی جلد ۱۔ ابواب فضائل الجہاد، باب بلا ترجمہ۔ ابن ماجہ، ابواب الجہاد، باب التغلیظ فی ترک الجہاد۔ قال الترمذی حدیث غریب۔

Marfat.com

شخص کا گزر کسی غار کے پاس سے ہوا۔ جہاں اسے پانی کی سہولت نظر آئی۔ خیال ہوا کہ کیوں نہ یہیں رہ پڑے۔ پانی موجود ہے۔ آس پاس میں ساگ سبزی بھی مل ہی جائے گی۔ جس سے جسم وجاں کا رشتہ قائم رکھنا مشکل نہ ہوگا۔ اور اس طرح دنیا کے جھمیلوں سے کٹ کر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طاعت وعبادت میں لگا رہے گا۔ اجازت لینے کے لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے ارادے کی تفصیل بیان کی۔ اس کے جواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ اسلامی تصور مذہب، کا بہترین ترجمان ہے۔ اسلام کے اس آئینے کو ان لوگوں کو اپنے سامنے ضرور رکھنا چاہیے جو مذہب کو انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ قرار دیتے ہوئے اسلام کو بھی اسی صف میں گھسیٹنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

انی لم ابعث بالیھودیۃ	مجھے یہودیت اور نصرانیت دے کر
ولا بالنصرانیۃ ولکنی	نہیں بھیجا گیا ہے۔ بلکہ میں نرم حنفیت دے
بعثت بالحنفیۃ السمحۃ	کر بھیجا گیا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے
والذی نفس محمد بیدہ	قبضے میں میری جان ہے، خدا کے راستے
لغدوۃ او روحۃ فی	میں (جہاد کے لئے) ایک صبح یا شام کا نکلنا
سبیل اللہ خیر من الدنیا	دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ اور تم میں کسی
ومافیھا ولمقام احدکم	شخص کا (تھوڑی دیر کے لئے بھی) جنگ
فی الصف خیر من صلاتہ	کی صفوں میں کھڑا ہونا نماز کے لئے ساٹھ
ستین سنۃ [1]	سال کھڑے رہنے سے بہتر ہے۔

---

[1] مسند احمد: ۵/۲۶۶۔ نیز ملاحظہ ہو، ترمذی جلد ۱۔ ابواب فضائل الجہاد، باب بلا ترجمہ۔ الفاظ میں اختلاف ہے۔

Marfat.com

تخلیق جنّ وانس کا مقصد

اسلام کے اس پورے مطلوبہ تصور دینداری کو قرآن ایک لفظ 'عبادت' میں سمیٹ کر بیان کرتا ہے۔ صاف اور سیدھے لفظوں میں جس کا مطلب ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی خدا کے حکم کے مطابق گزارے۔ اور اپنے جملہ معاملات و مسائل میں خدائی مرضیات سے سرمو تجاوز نہ کرے۔ انسانی زندگی کے بے شمار گوشے ہیں اور ان سب سے متعلق ہر دور اور ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفصیلی ہدایات فراہم کی جاتی رہی ہیں۔ جنہیں آخری طور پر قرآن کے صفحات میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ پس زندگی میں خدا کی مرضی کو روبکار لانے کے لئے جو بات جس اہمیت اور جس ترتیب سے کہی گئی ہے، اسے اسی ترتیب اور اہمیت کے ساتھ ادا کیا جائے اور زندگی کے کسی دائرے میں خدا کی مرضی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے یہی اللہ کی بندگی اور عبادت ہے۔ جس کے لئے انسانوں اور جنوں کو پیدا کیا گیا ہے اور یہی چیز ہے جسے ان کا وظیفہ حیات اور مقصد زندگی قرار دیا گیا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ (ذاریات: ۵۶-۵۸)

میں نے جنوں اور انسانوں کو جو پیدا کیا تو اسی لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (میرا کہا مان کر رہیں) میں ان سے روزی (کموانا) نہیں چاہتا نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے (کما کر) کھلائیں ضرور اللہ ہی بڑا روزی رساں، قوت والا، زور آور ہے۔

جنوں کی پیدائش انسانوں سے پہلے ہوئی ہے۔ اس لئے آیت کریمہ میں ان کا ذکر

Marfat.com

پہلے ہے۔ ان دونوں کا مقصد تخلیق اللہ کی 'عبادت' قرار دیا گیا ہے۔ اس عبادت کا مطلب محض پوجا پاٹ اور پرستش نہیں ہے۔ جس کا تقاضا مخصوص عبادات اور تقرب خداوندی کے محدود اعمال کی انجام دہی سے ادا ہو جائے۔ یہ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جبکہ اس کا تقرب و نیازمندی کا حق ادا کرنے کے ساتھ، جملہ معاملات زندگی میں اس کے عطا کردہ احکامات و ہدایات کی بے لاگ پیروی اختیار کی جائے اور زندگی کا کوئی قدم اس کی اطاعت و پیروی سے ہٹ کر نہ اٹھے۔

حقیقت یہ ہے کہ 'سچی پرستش' اطاعت کو مستلزم ہے۔ سوچا نہیں جا سکتا کہ ایک شخص ذہن کی پوری یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ ایک آستانے پر سر جھکائے اور اسے اپنا آخری ملجا و ماویٰ سمجھے اور زندگی کے معاملات میں دوسروں کا کہا مانے اور انھیں اپنا ہادی و رہبر تسلیم کرے۔ یہی وجہ ہے جو ہمارے مفسرین کرام عام طور پر اس آیت کی تفسیر "سچی پرستش" سے کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ عبادت و اطاعت کو وہ لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ ایک بالا و برتر ذات کے سامنے اپنا سر نیاز جھکا دینے کے بعد اوروں کی کہی ماننے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کے اس اجمال کو کھول بھی دیا ہے۔ چنانچہ وہ عبادت کی تشریح 'اطاعت' سے کرتے ہیں جس کا مطلب ہے کہ عبودیت و پرستش کے ساتھ جملہ معاملات زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بے لاگ پیروی بھی ضروری ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں:۔

ومعنى الآية انه تبارك	آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تبارک و
وتعالى خلق العباد	تعالیٰ نے بندوں کو اس لیے پیدا کیا
ليعبدوه وحده لاشريك	ہے تاکہ وہ تنہا اسی کی بندگی کریں
له فمن اطاعه جازاه	اور اس کے ساتھ کسی کو شریک
اتم الجزاء ومن عصاه	نہ ٹھہرائیں۔ پس جو اس کا کہا مانے گا اسے
عذبه اشد العذاب [1]	وہ اس کا بھرپور بدلہ دے گا اور جو اس کی
	نافرمانی کرے گا اسے سخت ترین عذاب سے
	دوچار کرے گا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲۳۸/۴

امام رازیؒ آیت زیر بحث میں عبادت، کے تقاضوں کی تفصیل میں خدا اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ پوری شریعت کی پیروی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ پانچویں مسئلہ کے تحت عبادت، کی حقیقت کے سوال کو اٹھانے کے بعد وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں: ۔

اما المسئلة الخامسة	پانچواں مسئلہ۔ وہ عبادت کیا ہے جس
ما العبادة التی خلق	کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں
الجن والانس لها قلنا	کو پیدا کیا؟ جواب یہ ہے کہ یہ (بہمہ وجوہ)
التعظیم لامر الله و	اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور تعظیم اور اس کی مخلوقات
الشفقة علی خلق الله	کے ساتھ شفقت اور مہربانی ہے۔ اس لیے
فان هذین النوعین	کہ کوئی آسمانی شریعت ان دو قسموں سے خالی
لم یخل شرع منها	نہیں۔ جہاں تک خاص عبادات کا سوال
واما خصوص العبادات	ہے تو شریعتیں مختلف رہی ہیں کہ ان کی شکل
فالشرائع مختلفة	کیا ہو؟ انہیں کس طرح ادا کیا جائے؟ اسی
فیها بالوضع والهیئة و	طرح ان کی تعداد کی کمی بیشی، وقت اور جگہ
القلة والکثرة والزمان	اور ان کے شرائط وارکان کے معاملہ میں بھی
والمکان والشرائط و	ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ
الارکان ولما کان	کی واقعی بڑائی اور تعظیم کا ادراک عقل سے
التعظیم اللائق بذی الجلال	نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ
والاکرام لا یعلم عقلا لزم	ان کے سلسلے میں شریعتوں کی پیروی کی جائے
اتباع الشرائع فیها والاخذ	اور رسولوں کے بتائے ہوئے طریقے پر
بقول الرسل علیهم	عمل کیا جائے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ
السلام فقد انعم الله	(ہر دور اور ہر زمانہ میں) اپنے رسولوں
علی عباده بارسال الرسل	کو بھیج کر عبادت کی ان دو گونہ صورتوں
وایضاح السبل فی	کے سلسلے میں اپنے بندوں پر انعام و

Marfat.com

نوعی العبادۃ [1] اکرام کی بارش کرتا رہتا ہے۔

سب سے زیادہ تفصیلی بحث اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہؒ کے یہاں ملتی ہے جو اسلام کے متعدد ارکان و فرائض کی تصریح کے ساتھ 'عبادت' کے اندر پورے مجموعہ دین کو شامل قرار دیتے ہیں۔ عبادت کیا ہے اس کی شاخیں کیا ہیں۔ اس کے اندر پورا مجموعہ دین داخل ہے یا اس کا اطلاق کچھ خاص چیزوں پر ہوتا ہے اور عبودیت و بندگی کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں:۔

العبادۃ اسم جامع لکل مایحبہ اللہ ویرضاہ: من الاقوال والاعمال الباطنۃ والظاھرۃ فالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام والحج وصدق الحدیث واداء الامانۃ وبر الوالدین وصلۃ الارحام والوفاء بالعھود والامر بالمعروف والنھی عن المنکر والجھاد للکفار والمنافقین والاحسان الی الجار والیتیم والمسکین وابن السبیل والمملوک من الآدمیین والبھائم والدعاء والذکر والقراۃ وامثال ذالک من العبادۃ وکذالک حب اللہ ورسولہ وخشیۃ اللہ

عبادت ایک جامع عنوان ہے جس میں سب چیزیں شامل ہیں جو اللہ کو محبوب ہیں اور جنھیں وہ پسند کرتا ہے ان کا تعلق اقوال سے ہو یا اعمال سے خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی۔ پس نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، سچ بولنا، امانت کا ادا کرنا، والدین کے ساتھ وفاداری، صلہ رحمی ایفائے عہد، بھلائی (معروف) کا حکم دینا، برائی (منکر) سے منع کرنا، کفار اور منافقین سے جہاد، پڑوسی، یتیم، مسکین، مسافر اور اپنی زیر ملکیت انسانوں (یعنی غلاموں) اور جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک۔ اسی طرح اللہ سے دعائیں کرنا، اس کی یاد (کی شکلیں) (قرآن کی تلاوت وغیرہ دوسری بہت سی چیزیں یہ سب کی سب عبادت میں شامل ہیں۔ اسی طرح اللہ اور اس کے رسول سے محبت،

---

[1] مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر: ۷/۶۶۰

والانابة اليه واخلاص الدين له والصبر لحكمه والشكر لنعمه والرضا بقضائه والتوكل عليه والرجاء لرحمته والخوف لعذابه وامثال ذالك هي من العبادة لله [1]

اللہ کا ڈر اور اس کی طرف جھکنا، اطاعت کو اس کے لیے خالص کرنا۔ اس کے حکم پر جمنا اس کی نعمتوں کا شکر گزار ہونا، اس کے فیصلے پر راضی ہونا اس کے اوپر بھروسہ کرنا اس کی رحمت سے پُر امید ہونا۔ اس کے عذاب سے ڈرنا، یہ اور اس طرح کی سبھی چیزیں اللہ کی عبادت میں شامل ہیں

آگے موصوف اس کے لئے آیت زیر بحث کے علاوہ دوسری متعدد قرآنی آیات سے ثبوت فراہم کرتے اور اپنی گفتگو کو مدلل کرتے ہیں۔

وذالك ان العبادة لله هي الغاية المحبوبة والمرضية له التي خلق الخلق لها كما قال: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ٥ وَبها ارسل جميع الرسل كما قال نوح لقومه: اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ وكذالك قال هود وصالح وشعيب وغيرهم لقومهم وقال

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہی وہ آخری مقصود اور گوہر مطلوب ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور جسے وہ پسند کرتا ہے۔ جس کے لئے اس نے مخلوق عالم کو پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو جو پیدا کیا تو اسی لئے کہ وہ میری عبادت کریں، (کہا مان کریں) یہی ایک پیغام تھا جسے دے کر اس نے تمام رسولوں کو بھیجا جیسا کہ حضرت نوح ؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ "اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں"، یہی

---

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہؒ: ۱/۱۴۹، ۱۵۰، جمع وترتیب: عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم وابنہ محمد، الریاستہ العامتہ لشئون الحرمین الشریفین (السعودیہ) بدون سنتہ۔

Marfat.com

تعالیٰ: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ وقال تعالیٰ: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ وقال تعالیٰ: وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كما قال فی الاٰیة الاخریٰ: يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ وجعل ذالك لازما لرسوله الی الموت كما قال: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ [1]

بات حضرت ہودؑ، صالحؑ اور شعیبؑ وغیرہ دوسرے تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی قوم سے کہی۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ "لوگو! صرف اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (غیر اللہ) سے دور رہو۔ تو ان میں کچھ ہوئے جنھیں اللہ نے (ان کی سلامت روی کے سبب) ٹھیک راہ دکھائی۔ دوسرے وہ تھے جن کا مقدر گمراہی ٹھہری"۔ نیز فرمایا: "اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے ان تک ایک ہی بات کی وحی کی کہ: میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم میری ہی بندگی کرو"۔ مزید ارشاد ہوا۔ (اے پیغمبرو!) یہ میری ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں تو تم میری ہی بندگی کرو"۔ دوسرے موقع پر فرمایا: "اے رسولو! کھاؤ پاک اور ستھری چیزوں سے اور نیک عمل کرو۔ میں جانتا ہوں جو تم کرتے ہو"۔ اور یہی بات اپنے (آخری) رسول کے لیے موت کے وقت تک کے لیے لازم قرار دی کہ: اور اپنے رب کی بندگی پر کاربند ہو یہاں تک کہ تم تک یقینی چیز (موت) آجائے۔

---

[1] حوالہ مذکور

Marfat.com

خدا تعالیٰ بندوں سے جو کچھ چاہتا ہے اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ آدمی ہر طرف سے کٹ کر اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دے اور ذات باری تعالیٰ کے سوا اس کی کوئی دوسری غایت مقصود و مطلوب نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے رگ و ریشے میں سرایت کر جائے اور اس کی والہانہ اطاعت اس کا وظیفہ حیات بن جائے۔ دین کے اسی مقصود غائی کو قرآن اکثر و بیشتر لفظ (عبادت) سے تعبیر کرتا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر علامہ موصوف اس کی وضاحت ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

فاذا کان اصل العمل	پس جب دینی عمل کی اصل واساس
الدینی هو اخلاص الدین	اطاعت کو اللہ کے لیے خالص کرنا قرار پایا۔
لله وهو ارادة الله وحده	یعنی کہ اللہ کی ذات ہی انسان کی غایت
فالشیئ المراد لنفسه هو	مقصود بن جائے اور معلوم ہے کہ جو چیز
المحبوب لذاته وهذا	بذات خود مقصود و مطلوب ہو اسی کو دوسرے
کمال المحبة لکن اکثر	لفظوں میں 'محبوب' سے تعبیر کیا جاتا ہے
ماجاء المطلوب مسمی	اور یہی محبت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے لیکن
باسم العبادة کقوله	اکثر و بیشتر اس مطلوب و مقصود کو لفظ
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ	'عبادت' سے ادا کیا گیا ہے جیسا کہ
إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ٥ وقوله:	فرمایا: "اور میں نے جنوں اور انسانوں
" يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا	کو جو پیدا کیا تو اسی لیے کہ میری عبادت
رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ	کریں"، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد "اے لوگو
وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ ط و	اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا
امثال هذا [1]	اور ان کو بھی جو تم سے پہلے تھے۔ وغیرہ دیگر آیات

اس کے بعد وہ اس 'عبادت' کے متضمنات اور اس کے عناصر ترکیبی کی وضاحت ان لفظوں میں کرتے ہیں:۔

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۵۶/۱۰ طبع مذکور۔

Marfat.com

والعبادة تتضمن كمال
الحب ونهايته وكمال
الذل ونهايته، فالمحبوب
الذى لايعظم ولايذل
له لايكون معبودا و
والمعظم الذى لايحب
لايكون معبودا له

عبادت دو چیزوں کو مستلزم ہے۔
آخری اور انتہائی درجہ کی محبت اور آخری
اور انتہائی درجہ کی سرفگندگی و اطاعت
پس وہ محبوب جس کی (کمال درجہ پر) تعظیم اور
سرفگندگی اختیار نہ کی جائے معبود نہیں
ہوسکتا۔ اسی طرح وہ ذات جس کی تعظیم تو
کی جائے لیکن اس سے (کمال درجہ) کی
محبت نہ ہو وہ بھی معبود نہیں ہوسکتا۔

دین کے اس اصل الاصول کی توضیح کے لیے قرآن نے کچھ دوسرے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ مثال کے طور پر اطاعت، استقامت صراط مستقیم کا التزام وغیرہ۔ ان سب کا تقاضا بھی وہی ہے جو اوپر عبادت کی تشریح میں مذکور ہوا۔ علامہ موصوف دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

والعبادة والطاعة والاستقامة
ولزوم الصراط المستقيم
ونحو ذالك من الاسماء
مقصودها واحد ولها اصلان
احدهما" الايعبد الا
الله والثانى ان يعبد بما
امر وشرع لابغير ذالك
من البدع [2]

عبادت، اطاعت، استقامت، صراط
مستقیم سے چمٹنا وغیرہ دوسرے بہت سے
نام، ان سب کا مقصود ایک ہے اور اس کا
مرکزی نکتہ دو چیزیں ہیں:۔ اول یہ کہ صرف اللہ
کی عبادت (بندگی) کیجائے۔ دوم یہ کہ بندگی اس
طریقہ سے ہو جس کا اس نے حکم دیا ہے اور جسے
مشروع قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی
دوسرے من گھڑت طریقے سے نہیں۔

اس کی تائید میں وہ آیات ذیل سے استدلال کرتے ہیں۔

قال تعالىٰ: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس جو کوئی اپنے
رب سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو چاہیے کہ

---

[1] حوالہ سابق [2] فتاویٰ مذکور ۲/۱۷۲، ۱۷۳۔

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝ وقال تعالیٰ: بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ وَقَالَ تعالیٰ "وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا [1]

نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو ساجھی نہ کرے۔ نیز فرمایا۔ "ہاں جس نے اپنے کو اللہ کے لیے جھکا دیا اور وہ خوب کار ہوا تو اسے اس کا بدلہ ملے گا اور نہ ان پر کوئی ڈر ہوگا نہ یہ غمگین ہوں گے"۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اس سے اچھا دین کس کا ہے جو اپنے کو جھکائے اللہ کے لیے اور وہ خوب کار ہو اور ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرے جو (اللہ کے لیے) یکسو تھا۔ اور اللہ نے ابراہیم کو (اپنا دوست) ٹھیرایا"۔

پہلی آیت کریمہ کی یہ تفسیر پیش کرتے ہیں جس سے اسلام میں 'عبادت' کے وسیع تصور کی حقیقت سامنے آتی ہے:

فالعمل الصالح هو الاحسان وهو فعل الحسنات والحسنات هي ما احبه الله ورسوله وهو ما امر به امر ايجاب او استحباب فما كان من البدع في الدين التي ليست مشروعة فان الله لا يحبها ولا رسوله فلا تكون

عمل صالح (نیک کام) کا مطلب ہے احسان (خوب کاری) یعنی بھلائیوں (حسنات) کی انجام دہی حسنات ان تمام چیزوں کو شامل ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہیں اور یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اس نے بطریق وجوب یا استحباب حکم دیا ہے۔ پس وہ چیزیں جو دین میں گھڑ کر شامل کر لی گئی ہوں اور جن کی مشروعیت کی کوئی سند نہ ہو تو یہ نہ اللہ کو پسند ہیں نہ اس کے رسول کو۔ چنانچہ

---

[1] حوالہ سابق

Marfat.com

من الحسنات ولا من العمل الصالح كما أن من يعمل ما لا يجوز كا لفواحش والظلم ليس من الحسنات ولا من العمل الصالح

یہ بھلائی (حسنات) اور عمل صالح نہیں ہو سکتیں جیسے کہ وہ شخص جو بدی بے حیائی اور ظلم و ناانصافی کے ناجائز کام کرتا ہے اس کا تعلق بھلائی (حسنات) اور نیک کام (عمل صالح) سے نہیں۔

واما قوله "وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا" وقوله "وَاَسْلَمْ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ" فهو اخلاص الدين لله وحده وكان عمر بن الخطابؓ يقول : اللهم اجعل عملي كله صالحا واجعله لوجهك خالصا ولا تجعل لاحد فيه شيئا [1]

رہا اللہ تعالیٰ کا قول: اور چاہیئے کہ وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو، بھی نہ کرے۔ نیز اس کا ارشاد کہ "جو اپنے کو اللہ کے لئے جھکا دے"، تو اس کی حقیقت اطاعت کو تنہا اللہ کے لیے خالص کر دینا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ فرمایا کرتے تھے کہ: خدایا میرا ہر عمل تیری مرضی کے مطابق (صالح) ہو اور اسے تو تنہا اپنی ذات کے لیے خالص کر دے۔ اس طور پر کہ اس کے اندر کسی غیر کے لیے کوئی حصہ نہ رہے۔

وانما دين الحق هو تحقيق العبودية لله بكل

دین حق کی صحیح پیروی یہ ہے کہ عبودیت (بندگی) کو بہمہ وجوہ اللہ کے لیے خالص کیا

---

[1] حوالہ مذکور۔

Marfat.com

وجه وهو تحقيق محبة بكل
درجة وبقدر تكميل العبودية
تكمل محبة العبد لربه و
تكمل محبة الرب لعبده و
بقدر نقص هذا يكون نقص
هذا وكلما كان فى القلب حب
لغير الله كانت فيه عبودية
لغير الله بحسب ذالك
وكل محبة لا تكون لله
فهى باطلة وكل عمل
لا يراد به وجه الله فهو
باطل فالدنيا ملعونة
ملعون ما فيها الا ما كان
لله ولا يكون لله الا ما
احبه الله ورسوله و
هو المشروع فكل عمل
اريد به غير الله لم يكن
لله وكل عمل لا يوافق
شرع الله لم يكن لله بل
لا يكون لله الا ما جمع
الوصفين ان يكون لله
و ان يكون
موافقا لمحبة الله و

جائے دوسرے لفظوں میں جس کا مطلب ہے
کہ اللہ سے کمال درجہ کی محبت کی جائے عبودیت
میں جس درجہ کمال ہوگا اللہ سے بندے کی
محبت بھی اسی درجہ کامل ہوگی اور اسی کے
بقدر اللہ تعالیٰ بھی بندے سے کمال درجہ محبت
کرے گا۔ اس عبودیت میں جس قدر کمی ہوگی
بندے کی اللہ تعالیٰ سے اور اللہ کی بندے
سے محبت میں بھی اسی قدر کمی ہوگی۔ دل میں
جب کبھی غیر اللہ سے محبت ہوگی اس میں اسی کے
بقدر اس کی بندگی اور عبودیت بھی ہوگی۔ حاصل
یہ کہ جو محبت اللہ کے لیے نہو باطل ہے اور
ہر وہ عمل جس سے (خالص) اللہ کی رضا
مقصود نہو باطل ہے پس یہ دنیا لعنت کے
قابل ہے اور اس کے اندر جو کچھ ہے لعنت
کے قابل ہے۔ سوائے اس چیز یا کام کے جو
اللہ کے لیے ہو اور اللہ کے لیے وہی چیز ہو سکتی
ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند ہو۔
دوسرے لفظوں میں یہ کہ جسے شریعت کی سند
حاصل ہو۔ پس ہر وہ عمل جس سے (صرف) اللہ
مقصود نہ ہو وہ اللہ کے لئے نہ ہوگا۔ اسی طرح
کوئی بھی عمل جو شریعت کے مطابق نہ ہو وہ
اللہ کے لیے نہ ہوگا۔ اللہ کے لیے تو بس وہی
چیز ہوگی جس کے اندر دو باتیں پائی جائیں۔

Marfat.com

رسولہ وھو الواجب والمستحب کما قال: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا [1]

یہ کہ وہ (صرف) اللہ کے لیے ہو۔ دوسرے[2] یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی پسند کے مطابق ہو اور یہ چیز کبھی واجب ہوگی اور کبھی مستحب جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "پس جو کوئی اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہو تو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کو ساجھی نہ کرے۔"

فکر اسلامی کے دوسرے بے لاگ ترجمان امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیمؒ بھی سورۂ ذاریات کی زیر بحث آیت کریمہ کی یہی وسیع تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی آیت کریمہ میں 'عبادت الٰہی' کی جو بات کہی گئی ہے اس دائرہ عقیدہ کی پختگی کے ساتھ پوری انسانی زندگی اور اس کے جملہ امور و مسائل کو محیط ہے۔ اسی حقیقت کو علامہ موصوف تمام انبیاء علیہم السلام اور جملہ آسمانی کتابوں کا مرکز و محور قرار دیتے ہیں:

ان اللہ عز وجل ارسل رسلہ وانزل کتبہ وخلق السمٰوٰت والارض لیعرف ویعبد ویوحد ویکون الدین کلہ لہ والطاعۃ کلہا لہ والدعوۃ لہ کما قال تعالیٰ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" [1]

اللہ تعالیٰ نے جو اپنے تمام رسولوں کو بھیجا اور اپنی تمام کتابوں کو اتارا اور آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تو اسی لیے تاکہ اسے پہچانا جائے اس کی بندگی اختیار کی جائے اور اسے پانے کی کوشش کی جائے۔ اور (زندگی کے تمام معاملات میں) تمام تر اسی کی پیروی کی جائے اور تمام تر اسی کی بات مانی جائے اور اسی کی طرف (دنیا کے تمام لوگوں کو) بلایا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "اور یہ جو میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا تو اسی لیے کہ یہ میری بندگی کریں۔"

---

[1] فتاویٰ مذکورہ: ۱۰/۲۱۳ [2] الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی / ۸۸، ۸۹۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ بعض حضرات صوفیاء کی طرف سے زیر بحث آیت کریمہ میں 'عبادت' سے مراد جو 'معرفت' اور تخلیق انسانی کا مقصد 'معرفت الٰہی' قرار دیا گیا ہے (ہجویریؒ: کشف المحجوب / ۱۶۲، مطبع پنجابی، لاہور) بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

Marfat.com

اصول شریعت اور مقاصد شریعت کے نامور عالم علامہ شاطبی غرناطی بھی آیت زیر بحث میں لفظ عبادت، کو اسی وسعت و عموم کا حامل قرار دیتے ہیں۔ موصوف کے نزدیک دنیا میں اللہ کا بندہ بن کر رہنے کا مطلب ہے کہ آدمی اپنی پوری اختیاری زندگی میں حق تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت اختیار کرے جس طرح کہ وہ زندگی کے اضطراری دائرے میں اس کا بہمہ وجوہ بندہ اور غلام ہے۔ جس کا مطلب ہوا کہ جب تک انسان کی تکوینی زندگی کے ساتھ وہ اپنی تشریعی زندگی کے تمام دائروں خدا کے احکام و مرضیات کا پابند نہ ہو جائے، دنیا کے اندر وہ اس کی عبادت و اطاعت کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ احکام شریعت کی پابندی اختیار کرنے سے شارع کا مطلوب و مقصود کیا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے وہ اپنی شاہکار کتاب الموافقات، میں فرماتے ہیں:

المقصد الشرعی من وضع الشریعۃ اخراج المکلف عن داعیۃ ھواہ حتی یکون عبد اللہ اختیارا، کما ھو عبد اللہ اضطرارا لہ

(شریعت کے وضع کرنے سے شارع کا مقصد ہے کہ انسان کو خواہش نفس (ہوی) کے داعیہ سے آزادی حاصل ہو جائے۔ یہاں تک کہ وہ (اپنی پوری زندگی میں) اختیاری طور پر اللہ کا بندہ بن جائے، جس طرح کہ وہ (ایک خاص دائرے میں) اضطراری طور پر اللہ کا بندہ بننے کے لئے مجبور ہے)۔

اس کے بعد وہ اس کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ جس میں سر فہرست وہ آیت کریمہ ہے جو اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) حقیقی تصوف کے لذت آشنا علامہ ابن قیمؒ کے اس بیان سے اس کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ 'عبادت' سے مراد 'معرفت' اگر اس کے جوہر اور مغز کے اعتبار سے ہے تو کوئی حرج نہیں کہ زندگی میں جملہ اعمال خیر کی اصل و اساس حق تعالیٰ کی صحیح معرفت ہے ورنہ اس تفسیر کی صحت کے لیے تمام معاملات زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بے لاگ اطاعت اور پیروی کو شامل ماننا ضروری ہے۔ جیسا کہ علامہ موصوف کی عبارت بالا میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ اس سے ہٹ کر مجرد اور منفعل معرفت، جس کا تمام تر مقصود معاملات زندگی سے کٹ کر بہر صورت اور علی الاطلاق صرف اور صرف تکمیل ذات اور محدود تزکیہ نفس ہو، آیت کریمہ میں 'عبادت' کی اس معرفت سے تفسیر درست نہیں۔ اور حق تعالیٰ کی طرف سے جنوں اور انسانوں کی تخلیق اس 'معرفت' کے لیے عمل میں نہیں آئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ شیخ ہجویریؒ کی اس تفسیر پر مزید تبصرے کے لیے: تصوف کی تین اہم کتابیں / ۲۸، ۲۹۔ از مولانا سید احمد عروج قادریؒ، ہندوستان پبلیکیشنز، نئی دہلی اشاعت اول مارچ ۱۹۸۳ء۔

لہ الموافقات فی اصول الشریعۃ: ۲/۱۶۸

Marfat.com

والدليل على ذٰلك امور:
(احدها) النص الصريح الدال على ان العباد خلقوا للتعبد لله، والدخول تحت امره ونهيه، كقوله تعالىٰ: (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ).....الخ [1]

اس پر دلیل چند چیزیں ہیں:
(اول) نص صریح جس سے پتہ چلتا ہے کہ بندوں کو پیدا اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ خدا کے حضور سرفگندہ، اور (اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں) اس کے اوامر و نواہی کے پابند ہو کر رہیں، جیسا کہ فرمایا: (اور میں نے جنوں اور انسانوں کو جو پیدا کیا تو اسی لئے وہ (بہمہ وجوہ) میرے بندے بن کر رہیں، میں ان سے روزی کموانا نہیں چاہتا نہ یہ چاہتا کہ وہ مجھے (کما کر) کھلائیں)

اس کا مطلب ہوا کہ جس طرح انسان اپنی پوری اضطراری زندگی میں خدا کی مرضی پر عمل کرنے کا پابند ہے، چلنے کے لئے پاؤں، پکڑنے کے لئے ہاتھ، بولنے کے لئے زبان، سننے کے لئے کان، دیکھنے کے لئے آنکھ، سونگھنے کے لئے ناک کے استعمال میں آدمی خدائی سنت کی پیروی کے لئے مجبورِ محض ہے، اسی طرح اپنی پوری زندگی اور اس کے جملہ معاملات میں جہاں اسے اپنے آزاد ارادے اور مرضی کے استعمال کی گنجائش ہے، جب تک وہ اپنے کو پورے طور پر خدائی احکام و مرضیات کے آگے ڈال نہیں دیتا، اس وقت تک وہ خدا کی عبادت اور بندگی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

دورِ حاضر کے عظیم مفسرِ قرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ "عبادت" کو عمل صالح، کا نقطۂ عروج قرار دیتے ہیں۔ علامہ کے نزدیک عملِ صالح کے اندر انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام اعمال شامل ہیں جن سے انسان کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل ہو اور اس کی فطرت میں ودیعت خفیہ صلاحیتیں بیدار ہو سکیں۔ دنیا میں انسان کے پیدا کیے جانے کا یہی مقصد ہے جسے مختلف الفاظ قرآن کی دوسری بے شمار آیتوں کی طرح سورۂ ذاریات کی آیت زیرِ بحث میں بھی لفظ عبادت، سے واضح کیا گیا ہے۔ العصہ کی شاہکار تفسیر میں علامہ موصوف کے الفاظ ہیں:

---

[1] حوالہ سابق: ۱۶۸، ۱۶۹۔

Marfat.com

"عملوا الصلحت" قول
جامع لاشتات الاعمال
الحسنة وهذا ظاهر
ولكن للفظ دلالة على
حكمة عظيمة وهي
ان الحسنات لما سماها
الله صالحات علم
الانسان بذالك ان
فيها صلاح حاله و
قوام امره فى معاشه
ومعاده وافراده و
وجماعته وجسمه و
عقله وقلبه فالعمل
الصالح ما به حياة
الانسان ونماءه حسبما
اودع الله فى فطرته و
استعداد خلقته فبه
يتم غاية وجوده
حتى ينتهى الى كماله
وهو المراد بفطرة
الانسان كما قال تعالى
" لقد خلقنا الانسان

آیت کریمہ اِلا الذین آمنوا وعملوا
الصالحات الخ میں 'عملوا الصالحات' ایک
جامع بات ہے جو نوع بہ نوع بھلائی کے
کاموں کو جاوی ہے۔ یہ چیز بالکل ظاہر
ہے۔ لیکن اس لفظ کے اندر ایک بڑی
حکمت پر دلالت پائی جاتی ہے۔ اور وہ
یہ کہ بھلائیوں 'حسنات' کو جب اللہ تعالیٰ
نے 'صالحات' کا نام دیا ہے تو اس سے
انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اسی کے اندر
اس کی بہتری احوال اور اس کی معاش و معاد
افراد کی سطح پر بھی اور جماعتی طور پر بھی، جسمانی
لحاظ سے بھی اور عقل و قلب کے لحاظ سے بھی
بہر نوع اس کے معاملہ کی درستگی کا انحصار اسی پر
ہے۔ پس 'عمل صالح' وہ ہوا جس سے انسان کی
زندگی اور اس کی نشو و نما اس کے اندر سے
ہو سکے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت
میں ودیعت کیا اور اس کی ساخت میں
صلاحیت رکھی ہے۔ پس اسی کے ذریعہ اس
کے مقصد وجود کی تکمیل ہوتی ہے یہاں تک
کہ وہ اپنے آخری نکتہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔
'انسان کی فطرت' سے یہی مراد ہے جیسا کہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

Marfat.com

فی احسن تقویم" وھو المراد من العبادۃ کما قال "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۵ انی بطاعتی وبھا صلاح نفسہ و سائر الخلق [1]

فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم، اور ہاں ہم نے انسان کو پیدا کیا بہترین ساحت پر۔ اور اس آیت کریمہ میں عبادت، سے بھی یہی مراد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ، اور میں نے جنوں اور انسانوں کو جو پیدا کیا تو اسی لئے کہ میری عبادت (بندگی) کریں یعنی (جملہ معاملات زندگی میں) میری پیروی واطاعت کے ذریعہ۔ اور یہی وہ چیز ہے جس سے خود اس کی ذات اور بقیہ پوری انسانیت کی بھلائی اور بہتری وابستہ ہے۔

سورۂ ذاریات کی تفسیر میں آیت زیر بحث کے تحت علامہ نے اس نکتہ کی مزید وضاحت کی ہے جہاں وہ جنوں اور انسانوں کے مقصد تخلیق کے بیان میں ان کے دین ودنیا کی تمام حسنات سے متمتع ہونے کو شامل قرار دیتے ہیں جس کے لازمی تقاضے کے طور پر انسان کے لیئے سعادت وکامرانی کے حصول کے لئے رب کی بندگی کے ساتھ جملہ معاملات زندگی میں بہمہ وجوہ اس کے احکام کی تعمیل ضروری ہے۔ یہاں تک کہ وہ ترقی اور کمال کے آخری نکتہ تک پہنچ جائے آیت کی اس جامع ومانع تشریح کے خاص طور پر خط کشیدہ جملوں پر نظر ڈالیئے:

"آقا جس طرح اپنے خدام سے مختلف قسم کی خدمتیں لیا کرتے ہیں، یا یہ چاہتے ہیں کہ ان کے لئے فراہمی رزق اور قوت اور شوکت کا ذریعہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو اس طرح کے کسی مقصد کے لئے نہیں پیدا کیا ہے۔ رزق اور معیشت کے سارے وسائل وہ خود اپنے بندوں کے لئے فراہم کرتا ہے۔ وہ کسی پہلو سے ان کی طرف سے کسی خدمت یا مدد کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اس نے انسانوں کو پیدا کر کے بس یوں

---

[1] تفسیر سورۃ العصر / ۱۴، ۱۵۔ فیض عام علی گڑھ ۱۳۲۶ھ

Marfat.com

ہی انھیں چھوڑ دیا ہے۔ اور اب ان سے اس کو کوئی سروکار نہیں رہا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ بے شبہہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی کسی غرض کے لئے نہیں پیدا کیا ہے۔ کیونکہ وہ ہر احتیاج سے بالاتر ہے۔ لیکن اس نے انسانوں کو اس لئے ضرور پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے قرب کی سعادت حاصل کر کے دین و دنیا کی تمام حسنات سے متمتع ہوں۔ جو شخص معاملہ کے اس پہلو پر غور کرے گا اس سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ انسان کی تمام سعادت و کامرانی اس بات کے اندر مضمر ہے کہ وہ اپنے رب کی بندگی اور اس کے احکام کی تعمیل کرے کیونکہ اس نے انسانوں کو انہی باتوں کا حکم دیا ہے۔ جن میں خود ان کی اپنی صلاح و فلاح ہے۔ اور درحقیقت یہی وہ اصل مقصود ہے جس کے لئے انسان کو وجود بخشا گیا ہے۔ انسان کی خلقت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کے لئے کمال کی راہیں کھولی جائیں۔ یہ کمالات خود اس کے وجود کے اندر ودیعت ہیں جو اس کی خلقت سے ظہور میں آتے ہیں اور پھر وہ درجہ بدرجہ قوت سے فعل کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ پھر ان سے دوسرے کمالات ظہور میں آتے ہیں یہاں تک کہ انسان آہستہ آہستہ ترقی اور کمال کے آخری نقطہ تک پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ	جو شخص عزت کا طالب ہو تو (اسے چاہیئے
فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا	کہ اللہ کے پاس عزت حاصل کرے۔ کیونکہ)
اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ	عزت ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔
وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ	پاکیزہ کلمے اس کی طرف چڑھتے ہیں اور
(فاطر: ۱۰)	عمل صالح اس کو بلند کرتے ہیں[1]

زیر بحث سلسلۂ آیات کے آخری ٹکڑے 'ذو القوۃ المتین' کی تفسیر میں وہ آیت بالا کو ایک دوسری بالکل نئی جہت سے آشنا کرتے ہیں۔ سورۂ طٰہٰ کی اپنی ہم مضمون آیت کی روشنی میں یہ آیت دعوت دین کی جدوجہد کی آیت قرار پاجاتی ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ اپنی ذات تک

---

[1] تفسیر سورۂ ذاریات ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی / ۱۳۰، ۱۳۱۔ دائرۂ حمیدیہ۔ طبع اول۔

بندگی رب کے تقاضوں میں محدود نہ ہو کر یہ آیت پوری انسانیت کو خدا آشنا بنانے اور جملہ معالات زندگی میں اس کی حکمرانی کا علم بلند کرنے کا پیغام دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"ذُوالْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ" بھی دو پہلوؤں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

ایک یہ کہ جنات اور انسان خدا کے ساتھ اس نوعیت کا تعلق نہیں رکھتے جس نوعیت کا تعلق خدام اپنے مالکوں اور غلام اپنے آقاؤں کے ساتھ رکھتے ہیں کہ ان کی فراہمی رزق کی تمام سرگرمیوں اور ان کی عزت و شوکت کی تمام نمائشوں کا انحصار ان کے خدام ہی پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ خدمت سے انکار کر بیٹھیں تو ان کی خدائی کا سارا قصر ہی مسمار ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی مدد سے بالکل مستغنی ہے۔ اس کی سلطنت خود اپنے بل پر قائم ہے۔ اس کو نہ کسی کی مدد و اعانت کی احتیاج ہے اور نہ کسی کی ممانعت اس کو کوئی نقصان پہنچا سکتی ہے۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اگر ان لوگوں کو کچھ مدت کے لئے مہلت دیتا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ اس کی گرفت سے باہر ہو گئے۔ وہ ہر وقت اس کے قابو میں ہیں۔ وہ جب چاہے ان کو پکڑ سکتا ہے۔ اپنی اسی قوت اور قدرت کی وجہ سے وہ لوگوں کو پوری ڈھیل دیتا ہے کیونکہ اس کو اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کے دائرۂ اختیار سے باہر نکل جائے گا۔[1]

آگے وہ اس کی مزید وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے اس کی روشنی میں اگر "وما خلقت الجن والانس" سے لے کر "المتین" تک کے ٹکڑے پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ ٹکڑا منکرین سے متعلق اور اسی طرح پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق دو باتیں ہمارے سامنے لاتا ہے۔ منکرین سے متعلق اس سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک خاص مدت تک کے لئے ان کو ڈھیل دی جاتی ہے اس کے بعد پھر ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کو حق کی تبلیغ کریں اور ان کے ایمان لانے

---

[1] حوالہ سابق / ۱۳۲، ۱۳۳۔

Marfat.com

اور نہ لانے کی پریشانی میں اپنے کو مبتلا نہ کریں اور یہ کہ جو وقت دعوت سے بچے وہ نماز اور ذکر الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح میں صرف کریں۔

اس مضمون کی وضاحت ان آیات سے بھی ہوتی ہے جو اسی مضمون کی ہیں اور قرآن دوسری جگہ وارد ہیں مثلاً:۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ	اور تم اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو
وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ	اور اس پر جمے رہو۔ ہم تم سے رزق رسانی
رِزْقًا، نَحْنُ نَرْزُقُكَ	کا مطالبہ نہیں کرتے۔ ہم تم کو روزی دیتے
وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى	ہیں اور انجام کار کی کامیابی تقویٰ کے لئے ہے[1]

(طٰہٰ: ۱۳۲)

دوسرے موقع پر بھی علامہ موصوف عبادت، کو پوری انسانی زندگی پر حاوی قرار دیتے ہیں۔ قرآن حکیم پر اپنے غیر مطبوعہ حواشی میں آیت زیر بحث کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان هذه الآية لها شان	یہ آیت کریمہ بہت ہی مہتم بالشان ہے۔
كبير فانها تخبر عن	اس لئے کہ یہ (دنیا میں) انسان کی تخلیق کی
غاية خلقة الانسان	غرض و غایت کا پتہ دیتی ہے۔ اور انسان
وعبادة الانسان اطاعته	کی عبادت اللہ کے لئے اس کی (بہمہ وجوہ)
لله كالعبد الذى جعل	اطاعت و پیروی کا نام ہے۔ اس کی مثال
مولاه خليفته فهو	بالکل اس غلام کی سی ہے جسے اس کے
فى حكومته ليس الا	آقا نے اپنا جانشین ٹھہرایا ہو۔ یہی معاملہ
كالعبد الطائع لامر ربه	بالکل انسان کا ہے کہ وہ اللہ کی (پھیلی ہوئی)
وليس العابد من يصلى	سلطنت میں اس غلام کے مانند ہے جو (بہمہ
ويصوم ولكن العابد	وجوہ) اپنے آقا کے حکم کی فرماں برداری
من اطاع الله فى كل	کرنے والا ہو۔ عابد وہ نہیں ہے جو (صرف) نماز

[1] حوالہ مذکور/ ۱۳۳، ۱۳۴۔

تقلبہ وذکر اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنبہ [1]

روزے کا فرض بجالادے۔ بلکہ عابد وہ ہے جو اپنی پوری زندگی میں اللہ کی پیروی کرنے والا ہو۔ اور کھڑے، بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد اس کے دل میں بسی ہو۔

زمانۂ حال کے مفسرین میں سید قطب شہیدؒ نے 'عبادت' کے دائرے کو مزید وسعت دی ہے۔ اور اسے انسان کے خلاف ارضی اور نفاذ شریعت کے وسیع اور ہمہ گیر فریضہ منصبی کے قائم مقام بتایا ہے۔ آیت زیر بحث کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

ومن ثم یبرز الجانب الآخر لتلك الحقیقة الضخمة ویتبین ان مدلول العبادة

یہاں سے اس بڑی حقیقت کا ایک دوسرا پہلو ابھرتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ضروری ہے کہ (آیت زیر بحث میں) عبادت

---

[1] حواشی الفراہی علی القرآن المجید، سورۂ ذاریات۔ غیر مطبوع

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی ایک موقع پر زیر بحث آیت کریمہ میں عبادت کا ترجمہ اطاعت ہی سے کیا ہے۔ 'اور میں نے جن اور انسان کو اس لیئے پیدا کیا کہ وہ میری اطاعت کریں۔ سیرۃ النبیؐ: ۴/۲۲۔ دوسرے موقع پر انھوں نے 'عبادت' کے یہ معنی بتائے ہیں "اسلام میں لفظ 'عبادت' کو بڑی وسعت حاصل ہے، اس کے اندر ہر وہ کام داخل ہے جس کی غرض خدا کی خوشنودی ہو، اس لیئے اخلاق و معاملات بھی اگر خوش نیتی کے ساتھ کیئے جائیں تو وہ 'عبادت' میں داخل ہیں۔ سیرۃ النبیؐ: ۵/۷ طبع بار دوم۔ ایک اور جگہ وہ آیت زیر بحث کی یہ تفسیر پیش کرتے ہیں "قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کی غرض بتا دی ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ (میں نے انسان اور جن کو اسی لیئے بنایا کہ وہ میری بندگی کریں) اس کی حیثیت اس ایجنٹ کی ہے جس کا فرض صرف اپنے مالک کے احکام کی تنفیذ ہے، اس کے ہاتھ میں شریعت الٰہی کا فرمان ہے، اس کے احکام کو خود بجالانا اور ساری دنیا کو اس کے بجالانے پر آمادہ کرنا اس کا سب سے بڑا فرض ہے، وہ صرف اپنے مالک کی مرضی کا تابع اور اس کے حکم کا بندہ ہے"، سیرۃ النبیؐ: ۷/۱۶۴۔

طبع پنجم ۱۹۸۵ء۔

Marfat.com

لابد ان یکون اوسع و
اشمل من مجرد اقامة
الشعائر؛ فالجن والانس
لایقضون حیاتهم فی
اقامة الشعائر؛ والله لا
یکلفهم هذا وهو
یکلفهم الوانا اخریٰ
من انشاط تستغرق معظم
حیاتهم وقد لانعرف
نحن الوان انشاط التی
یکفلها الجن ولکنا نعرف
حدود انشاط المطلوب من
الانسان نعرفها من القرآن
من قول الله تعالیٰ "وَإِذْ قَالَ
رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ
فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً"، فهی
الخلافة فی الارض اذن
عمل هذا الکائن الانسانی
وهی تقتضی الوانا من انشاط
الحیوی فی عمارة الارض
والتعرف الی قواها و
وطاقاتها وذخائرها و
مکنوناتها وتحقق ارادة

کے مدلول کا دائرہ معروف دینی شعائر کے
قیام سے زیادہ وسیع اور گہرا مانا جائے۔
اس لیے کہ ظاہر ہے کہ جنات اور انسان اپنی
پوری زندگی محض ان شعائر کی اقامت میں
نہیں گزارتے اور اللہ نے انہیں صرف
اسی کا مکلف نہیں ٹھہرایا ہے۔ بلکہ ان کے
علاوہ اس نے ان کی دوسری مصروفیات
اور ذمہ داریاں بھی قرار دی ہیں۔ اور ان
کی زندگی کا بڑا حصہ ان کی ادائیگی میں بسر
ہوتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جنوں کی ٹھہرائی گئی
ذمہ داریوں کا ہمیں کچھ زیادہ علم نہیں۔ لیکن
انسان کی مطلوبہ ذمہ داریوں کو ہم بخوبی
جانتے ہیں۔ قرآن سے ہمیں یہ بات اللہ
تعالیٰ کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے
کہ "اور یاد کرو جب تیرے رب نے فرشتوں
سے کہا کہ میں زمین میں ایک نائب بنانا چاہتا
ہوں"، معلوم ہوا کہ زمین کی یہ نیابت ہی
انسانی وجود کا مطلوبہ وظیفہ حیات ہے۔
جس کے تقاضے میں زندگی کی متنوع مصروفیات
شامل ہیں زمین کی آبادکاری اس کی پوشیدہ
قوتوں اور صلاحیتوں اور اس میں مدفون
ذخائر اور وسائل کی کھوج پھر ان کے
استعمال، ان کی ترقی اور ان کی حیات بخشی

Marfat.com

اللّٰہ فی استخدامہا و تنمیتہا وترقیۃ الحیاۃ فیہا کما تقتضی الخلافۃ القیام علی شریعۃ اللّٰہ فی الارض لتحقیق المنہج الالٰہی الذی یتناسق مع الناموس الکونی العام[1]

کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے کی کوشش جس سے ان کے تئیں اللہ تعالیٰ کے منشا اور اس کی مرضی کو عملی روپ دھارنے کا موقع مل سکے۔ نیابت الٰہی کا دوسرا تقاضا ہے کہ زمین پر خدائی شریعت کا قیام عمل میں آئے اور پوری دنیا میں وہ تشریعی اسلام عملاً برپا ہو جائے جو اس کائنات کے اندر جاری تکوینی اسلام سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔

اس کے بعد وہ اس بحث کو دو نکتوں میں سمیٹے ہوئے فرماتے ہیں: ۔

ومن ثم یتجلی ان معنی العبادۃ التی ہی غایۃ الوجود الانسانی اوالتی ہی وظیفۃ الانسان الاولی اوسع واشمل من مجرد الشعائر وان وظیفۃ الخلافۃ داخلۃ فی مدلول العبادۃ قطعا وان حقیقۃ العبادۃ تتمثل اذن فی امرین رئیسین الاول: ہو استقرار معنی العبودیۃ للّٰہ فی النفس ای استقرار الشعور علی ان ہناک

اس سے واضح ہوا کہ 'عبادت' جو انسان کا مقصد وجود ہے یا دوسرے لفظوں میں انسان کا اولین وظیفۂ حیات ہے اس کا دائرہ مجرد دینی شعائر سے بہت زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ نیز یہ کہ خلاف ارضی کی ذمہ داری 'عبادت' کے مدلول میں قطعی طور پر شامل ہے۔ پس عبادت کی حقیقت دو کلیدی صورتوں میں جلوہ گر ہے۔

اول یہ کہ بندگی (عبودیت) کی حقیقت انسان کے باطن میں اچھی طرح جاگزیں ہو جائے۔ یعنی کہ دل میں یہ احساس پورے طور پر گھر کر جائے کہ ایک بندہ ہے اور ایک رب، بندہ جو بندگی بجالائے اور

---

[1] فی ظلال القرآن: ۲۷/۲۸

Marfat.com

عبد اور باعبد ایعبد و ربا یُعبد وان لیس هناك الاهذا الوضع وهذا الاعتبار لیس فی هذا الوجود الاعابد ومعبود والارب واحد والکل لہ عبید والثانی هو التوجہ الی اللہ بکل حرکۃ فی الضمیر وکل حرکۃ فی الجوارح وکل حرکۃ فی الحیاۃ التوجہ بها الی اللہ خالصۃ والتجرد من کل شعور اٰخر ومن کل معنی غیر معنی التعبد للہ[1]

رب جس کی بندگی بجالائی جائے اس سے ہٹ کر کوئی دوسری چیز نہیں یہی ایک بات اور یہی ایک حقیقت ہے۔ اس کائنات کے اندر دو کے علاوہ کوئی نہیں۔ بندگی کرنے والا، دوسرا وہ جس کی بندگی کی جائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ایک رب ہے بقیہ تمام اس کے بندے ہیں۔ دوم یہ کہ دل وضمیر کی ہر حرکت اللہ کی طرف رخ کر کے ہونے لگے۔ بہمہ وجوہ توجہ صرف اللہ کی طرف رہ جائے۔ بندگی رب کے علاوہ دوسرے تمام احساسات و خیالات بلکہ ہر بات سے ذہن بالکل یکسو ہو جائے۔

اور آخر میں پوری بحث کا خلاصہ یہ بیان کرتے ہیں:۔

بهذا وذالك یتحقق معنی العبادۃ ویصبح العمل والشعائر کعمارۃ الارض وعمارۃ الارض کالجهاد فی سبیل اللہ و الجهاد فی سبیل اللہ کا لصبر علی الشدائد والرضی بقدر اللہ ..... کلها عبادۃ، وکلها تحقیق للوظیفۃ الاولی التی خلق

ان تمام تقاضوں کے بعد ہی عبادت کی حقیقت عملی روپ دھارتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں آدمی کا روزمرہ کا کام دینی شعائر کی طرح، دینی شعائر زمین کی آبادکاری کی طرح اور زمین کی آبادکاری اللہ کے راستے میں جہاد کی طرح ہو جاتی ہے اور اللہ کے راستہ میں جہاد بالکل ویسا ہی ہے جیسے کہ آدمی کا زندگی کی مصائب ومشکلات پر صبر کرنا اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی تقدیر پر راضی ہونا۔ یہ سبھی چیزیں عبادت ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کہ ان

---

[1] حوالہ سابق

Marfat.com

اللہ الجن والانس لھا،	سب کا مقصد اس اولین اور بنیادی نصب
وکلھا خضوع للناموس	انھیں کو روبکار لانا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ
العام الذی یتمثل فی	نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ حق
عبودیۃ کل شئ للہ	تعالیٰ کی یہ تشریعی بندگی ایسی ہی ہے جیسے کہ
دون سواہ [1]	کائنات کا ذرہ ذرہ تکوینی طور پر اس کی بندگی
	اور اطاعت میں لگا ہوا ہے۔

زیرِ بحث آیتِ کریمہ کی تفسیر میں سلف سے لے کر خلف تک حضرات مفسرین کرام اور علماء امت کی یہ تصریحات اس بات کے ثبوت کے لیے کافی ہیں کہ اسلام خدا تعالیٰ کے جس آخری دین سے عبارت ہے اس کی نمائندہ کتاب الٰہی مذہبیت و دین داری کے کس وسیع تصور کی حامل ہے اور کس طرح انسان ہی نہیں اس کی ہم رتبہ دوسری مخلوق جن بھی حق تعالیٰ کی پرستش و نیازمندی کے ساتھ اپنی پوری زندگی اور اس کے جملہ معاملات و مسائل میں اس کے احکام و مرضیات کی بے لاگ پیروی کے ذریعہ ہی اس کی عبادت کا حق ادا کر سکتی اور اس طرح اپنے مقصدِ تخلیق اور اپنے مقصدِ وجود کے تقاضوں کو ادا کر سکتی ہے۔

---

[1] حوالۂ مذکور

Marfat.com

دعوت انبیاءؑ کی شہادت

بندگیٔ رب کا یہ وسیع اور ہمہ گیر تصور، جس کے نتیجے میں پوری انسانی زندگی میں خدائی احکام و مرضیات کی بے لاگ پیروی لازم قرار پاتی ہے اور انسان کے لیے جائز نہیں رہ جاتا کہ وہ اپنی زندگی میں ایک لمحہ کے لیے بھی مرضیات الٰہی سے صرف نظر کرکے، حرکت کرسکے، یہ کچھ اسلام کا تفرد نہیں بلکہ یہ وہ پیغام ہے جسے ابتدائے انسانیت ہی سے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں ـــــ حضرات انبیاء علیہم السلام ـــــ کے ذریعہ انسانوں تک پہنچاتا رہا ہے۔ مرضیات الٰہی کے آخری ایڈیشن ـــــ قرآن ـــــ میں ان کا یہ پیغام اور دعوت بتمام و کمال محفوظ ہے۔ جسے تفصیل اور تکمیل کا قالب عطا کرکے رہتی دنیا تک کے لیے اس چشمۂ صافی سے فیض یاب ہونے کا راستہ اس نے آسان کر دیا ہے۔ مختلف ادوار میں ان حضرات انبیاء علیہم السلام کی کیا دعوت رہی؟ انھوں نے لوگوں کو کس چیز کی طرف بلایا اور کس راستے پر گامزن ہونے کی انھیں تلقین کی؟ انسانوں سے ان کا کیا مطالبہ تھا اور کس طرز زندگی کا انھوں نے ان سے تقاضا کیا، قرآن نے اس موضوع کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس کے تمام اطراف و جوانب کو ایک ایک کرکے واضح کیا ہے۔ پس ان حضرات انبیاء علیہم السلام کا جو پیغام تھا اور جس چیز کی یہ لوگوں کو دعوت دینے والے تھے۔ یہی اسلام کا مذہبیت اور دینداری کا تصور ہے، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نئے دین اور نئے مذہب کے بانی نہیں بلکہ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی تھے جو آپ سے ہزاروں سال پہلے بلکہ ابتدائے آفرینش ہی سے قائم چلا آتا تھا:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران: ۱۴۴)

اور محمدؐ تو بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔

Marfat.com

آپ کی زبانی اس حقیقت کا بار بار اعلان کرایا گیا :

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف:۹) کہہ دو میں کوئی نیا انوکھا رسول نہیں۔

اور آخر میں یہ فیصلہ سنایا گیا کہ :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب:۴۰) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں وہ تو اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔

لیکن آگے بڑھنے سے پہلے ایک اصولی حقیقت کا اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہر کتاب کی طرح قرآن حکیم کا بھی ایک مخصوص انداز بیان ہے۔ جسے پوری طرح ملحوظ رکھے بغیر اس کے منشا و مفہوم کو صحیح طور پر سمجھا نہیں جا سکتا ہے اور دراصل یہی وہ نکتہ ہے جس کی عدم رعایت کے نتیجے میں اغیار ہی نہیں اسلام کے نام لیوا امت کے ایک بڑے طبقے کے اندر بھی اسلامی تصور مذہب کے تئیں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں اور شکوک و شبہات کے کثیف بادل اس کے گرد منڈلاتے رہے ہیں۔ قرآن حکیم کا یہ انداز بیان ہے اس کا اجمال اور تفصیل کا مخصوص طریقہ۔ جس میں وہ عام کتابوں کی طرح ایک موضوع سے متعلق تمام پہلوؤں کو ایک ہی جگہ بیان نہیں کرتا بلکہ موقع کی مناسب سے ایک موضوع کے مختلف گوشوں کو مختلف مقامات پر اور مختلف انداز سے اسلوب بدل بدل کر روشنی میں لاتا ہے :

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود:۱) یہ کتاب ہے جس کی آیتیں مختصر گٹھی رکھی گئیں پھر ان کی تفصیل کی گئی حکمت والی باخبر ذات کی طرف سے۔

یہی وجہ ہے جو علمائے تفسیر نے تفسیر قرآن کا سب سے عمدہ اور صحیح طریقہ یہ قرار دیا ہے کہ :

ان یفسر القرآن بالقرآن فما اجمل فی مکان فانہ قد فسر فی موضع آخر، وما اختصر من یہ کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔ اس لئے کہ جو بات اس میں ایک جگہ اجمال کی صورت میں ہے دوسری جگہ اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔ جو بات ایک جگہ اختصار

Marfat.com

مکان فقد بسط فی موضع آخر[1]

کی شکل میں ہے دوسری جگہ اسے پوری طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

دعوت انبیاء کا جامع ترین عنوان

اس اصولی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان کے پیغام کا جائزہ لیتے ہیں تو وہاں ہمیں کلام کا یہ انداز خاص طور پر ابھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ان حضرات گرامی کے پیغام اور ان کی دعوت کا سب سے زیادہ مختصر اور جامع عنوان 'عبادت' یعنی غیر اللہ کا انکار اور ایک خدا کی بندگی اور اس کی بے لاگ اطاعت ہے۔ سورۂ اعراف میں حضرات نوح، ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام کی دعوت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قرآن نے ان سب کا پیغام یہی نقل کیا ہے کہ:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ [2]

یہ کہ تم (ایک) اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

اسی طرح سورۂ ہود میں حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت شعیب علیہم السلام کی دعوت کے ذیل میں قرآن ان سب کے پیغام کا خلاصہ انہی چند لفظوں میں پیش کرتا ہے:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ [3]

اے لوگو! (ایک) خدا کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

دوسرے مقام پر حضرات موسیٰ و ہارون، ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسماعیل، ادریس، ذوالکفل، ذوالنون، زکریا، یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ذکر کے بعد ان سب کا پیغام اور دعوت بھی اس نے یہی قرار دیا کہ:

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/۳۶۳۔ ترتیب عبدالرحمٰن بن قاسم و ابنہ محمد۔ طبع مذکور۔ نیز ملاحظہ ہو: اتقان: ۲/۱۷۵، ۱۷۶۔ مطبعہ ازہریہ، مصر، طبعہ ثانیہ ۱۹۲۵ء [2] آیات ۵۹، ۶۵، ۷۳، ۸۵۔ [3] آیات ۵۰، ۶۱، ۸۴۔

إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ط

یہ ہے تمہارا طریقہ، ایک ہی طریقہ اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی بندگی کرو۔

(انبیاء: ۹۲)

اور آخر میں صراحت کر دی کہ ان کے علاوہ بھی جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں، بلا استثناء ان سب کا پیغام اور دعوت یہی تھی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے تو انھیں ایک ہی پیغام دیا کہ میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ سو تم میری ہی بندگی کرو۔

(ایضاً: ۲۵)

طاغوت سے اجتناب

اس کے بعد قرآن دعوت انبیاء کے اس اجمال کی تفصیل مختلف انداز سے کرتا ہے مثال کے طور پر سورۂ نحل میں وہ اللہ کی عبادت کو طاغوت سے اجتناب کے ساتھ جوڑ کر بیان کرتا ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

اور ہم نے ہر قوم میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجا (یہ پیغام دیکر) کہ (لوگو ایک) اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچ کر رہو۔

(آیت: ۳۶)

جبکہ یہی وہ روش ہے جسے اپنا کر انسان حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتا اور بارگاہ ایزدی سے اپنے کو عمدہ انجام کی بشارت کا مستحق بنا سکتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ

اور جو لوگ طاغوت سے بچ کر رہے کہ اس کی بندگی کریں اور اللہ کی طرف جھکے۔ ان کے لیے خوش خبری ہے تو میرے (ایسے) بندوں کو خوشخبری سنا دو۔

(زمر: ۱۷)

اس مقام پر علامہ ابن جریر طبریؒ نے آیت کی یہ مختصر تشریح کرتے ہوئے:

Marfat.com

والذین اجتنبوا الطاغوت،	اور وہ لوگ جو طاغوت سے بچیں، یعنی ہر
ای اجتنبوا عبادۃ کل ما عبد من	اس چیز سے بچیں جس کی اللہ کو چھوڑ کر بندگی
دون اللہ من شیئ لہ	کی جاتی ہے۔

'طاغوت' کے سلسلے میں اپنی سابقہ تحقیقات کا حوالہ دیا ہے نیز یہ کہ اس سے یہاں مراد 'شیطان' ہے اور یہاں اور اس کے علاوہ جہاں کہیں یہ لفظ آیا ہے اس کے معنیٰ ایک ہی ہیں[۲]۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ ان دو جگہوں کے علاوہ چھ[۶] مقامات پر آیا ہے[۳]۔ علامہ موصوف نے سورۂ نساء کی آیت :

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا	کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں (اہل کتاب)
مِّنَ الْکِتَابِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ	کو جنھیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ وہ
وَالطَّاغُوْتِ (آیت : ۵۱)	ایمان رکھتے ہیں جبت اور طاغوت پر۔

میں 'جبت' اور 'طاغوت' کی تشریح میں ایک قول مجاہد کا یہ نقل کیا ہے :

یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ،	وہ ایمان رکھتے ہیں جبت اور طاغوت
قال الجبت السحر والطاغوت	پر، فرمایا 'جبت' جادو ہے۔ اور طاغوت
الشیطان فی صورۃ انسان	کے معنیٰ ہیں شیطان بصورت انسان جس
یتحاکمون الیہ وھو	کی طرف لوگ اپنے فیصلوں میں رجوع
صاحب امرھم[۴]	کریں اور وہی ان کا کل مالک و مختار ہو۔

اس کے بعد موصوف اس سلسلے کے دوسرے اقوال نقل کرنے کے بعد اپنی ترجیحی رائے ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں :

قال ابو جعفر والصواب	ابو جعفر نے کہا کہ میرے نزدیک 'یومنون
من القول فی تاویل 'ویومنون	بالجبت والطاغوت'، اور وہ ایمان رکھتے

---

[۱] جامع البیان : ۱۲۱/۲۳ : مطبعہ کبریٰ امیریہ۔ بولاق، مصر ۱۳۲۹ھ [۲] حوالہ سابق [۳] بقرہ : ۲۵۶، ۲۵۷، نساء ۵۱، ۶۰، ۷۶، مائدہ : ۶۰ [۴] جامع البیان : ۷۸/۵۔ مطبعہ میمنہ، مصر۔

Marfat.com

بالجبت والطاغوت، ان
يقال يصدقون بمعبودين
من دون الله يعبدونهما
من دون الله ويتخذونهما
الهين، وذالك ان الجبت
والطاغوت اسمان لكل معظم
بعبادة من دون الله او
طاعة او خضوع له كائنا
ما كان ذالك المعظم من
حجر او انسان او شيطان
واذا كان ذالك كذالك و
كانت الاصنام التى كانت
الجاهلية تعبدها كانت
معظمة بالعبادة من دون
الله فقد كانت جبوتا و
طواغيت وكذالك الشياطين
التى كانت الكفار تطيعها
معصية الله وكذلك الساحر
والكاهن الذان كان
مقبولا منهما ما قالا فى اهل
الشرك بالله وكذلك حى
بن اخطب وكعب الاشرف
لانهما كانا مطاعين فى اهل

ہیں جبت اور طاغوت پر، کی تاویل میں
صحیح قول یہ ہے کہ کہا جائے وہ اللہ کے سوا
دوسرے دو معبودوں کی تصدیق کرتے ہیں
جن کی وہ بندگی کرتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر
اور انھیں اپنا معبود گردانتے ہیں۔ اس
کی تفصیل یہ ہے کہ جبت اور طاغوت نام
ہے ہر اس قابل احترام وجود کا جس کی
اللہ کو چھوڑ کر پرستش کی جائے یا اس کی پیروی
اور سرفگندگی اختیار کی جائے۔ بلا لحاظ
اس کے کہ یہ قابل احترام وجود کیا ہے،
پتھر، انسان یا شیطان۔ جب معاملہ کی صورت
یہ ہے تو وہ بت جن کی زمانۂ جاہلیت کے
لوگ پرستش کرتے تھے اور جو اللہ کو چھوڑ
کر بندگی کئے جانے کے سبب حد درجہ
قابل احترام تھے تو ان کا شمار جبتوں اور
طاغوتوں، میں ہوا۔ اسی طرح وہ شیاطین
جن کی کفار اللہ کی نافرمانی میں پیروی کرتے
تھے۔ نیز وہ جادوگر اور کاہن جو اہل شرک
کے ہاں جو کہہ دیں اسے حرف بحرف صحیح
سمجھا جاتا تھا (یہ بھی انہی جبت وطاغوت
میں شامل ہوئے) یہی حال حی بن اخطب
اور کعب بن اشرف کا ہے اس لیے کہ اللہ
کی نافرمانی اور اس کے اور اس کے رسول

ملتھما من الیھودی	کے انکار میں، ان کی قوم
معصیۃ اللہ والکفر بہ	کی بلاچون وچرا پیروی کی
وبرسولہ فکانا جبتین	یہ دونوں بھی (اسی طرح) بت اور
وطاغوتین [1]	طاغوت ہوئے۔

جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن جب 'غیر اللہ' کا انکار اور ایک خدا کی 'بندگی اور عبادت' کی بات کہتا ہے تو اس کے مضمرات کتنے گہرے اور اس کا دائرہ کتنا وسیع ہوتا ہے۔ اس کا مطلب محض بتوں اور مورتوں کی پوجا پاٹ سے اجتناب ہی نہیں ہوتا بلکہ خدا سے دور اور اس سے منحرف کرنے کی جتنی صورتیں بھی ممکن ہیں اور یہ کام جن مختلف ذرائع سے انجام پاتا ہے اور جو طاقتیں بھی اس شامل ہیں، غیر اللہ کے انکار کے سلسلے میں ان سب سے اجتناب لازم ہے۔ قطع نظر اس کے کہ یہ کسی دیوی دیوتا کا علامتی مظہر بت اور مورتی ہے یا کوئی زندہ انسان یا انسانوں کی کوئی ایسی جماعت جو دوسرے انسانوں کو راہ خدا سے ہٹا کر مختلف پگڈنڈیوں پر ڈال دیتی اور اس طرح عملاً دنیا میں اپنی خدائی کا سکہ جمانے کے درپے ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے جو سورۂ زمر کی آیت بالا کے معاً بعد خدا تعالیٰ کی خوشخبری پانے والے بندوں کا وصف قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ:

الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ	وہ جو (قرآن کی) بات کو دھیان سے
فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ	سنتے ہیں پھر اس اچھی سے اچھی بات کی
ھَدٰھُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمْ	پیروی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ
اُولُوا الْاَلْبَابِ (۱۸)	نے راہ بتائی اور یہی سمجھ والے ہیں۔

عبادت اور اطاعت

۲ــــ دوسرے مقامات پر قرآن عبادت کے ساتھ 'بے آمیز' عبادت، کو ایک شرط لازم کی

---

[1] حوالہ سابق صفحہ ۷۹۔

Marfat.com

یت سے پیش کرتا ہے۔ سورہ بینہ میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین ہر ایک سے اسی بے لاگ مطالبہ کا ذکر ہوا کہ :

وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ (۵)	اور انھیں جو حکم دیا گیا تو بس اس کا کہ (ایک) اللہ کی بندگی کریں، اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں :

يقول تعالىٰ ذكره وما امروا هولاء اليهود والنصارىٰ الذين هم اهل الكتاب الا ان يعبدوا الله مخلصين له الدين يقول مفردين له الطاعة لا يخلطوا طاعته ربهم بشرك له	اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان یہود و نصاریٰ کو جو کہ اہل کتاب ہیں اس کے سوا دوسری بات کا حکم نہیں دیا کہ وہ (صرف ایک) اللہ کی بندگی کریں۔ مخلصین لہ الدین، (اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے) یعنی اس کے لیے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے اس طور پر کہ وہ اپنے رب کی اطاعت کے ساتھ شرک (وغیرہ) کی کوئی آمیزش نہ کریں۔

آیت کریمہ میں دوسرا لفظ 'حنفاء' کا استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ کمال درجہ یکسوئی کے ہیں۔ اس کی تشریح میں علامہ موصوف نے اپنی سابق تحقیق کا حوالہ دیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ تفصیلی گفتگو انھوں نے سورۂ بقرہ کی آیت :

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (۱۳۵)	وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم ٹھیک راستے پر رہو گے۔ کہو نہیں بلکہ تم ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو، جو یکسو تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

لہ جامع البیان : ۳۰/۱۴۵۔ میمنہ، مصر۔

Marfat.com

کے تحت کی ہے۔ جس میں وہ ان لوگوں سے اختلاف کرتے ہیں جو اس مقام پر 'ملت ابراہیمی' پر یکسو ہونے سے صرف 'حج' یا 'ختنہ' وغیرہ کو مراد لیتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ پورے معاملات میں طریقۂ ابراہیمی کی پیروی کرتے ہوئے ذہنی و فکری یکسوئی کے ساتھ عملی استقامت اور ثابت قدمی کو بھی لازم قرار دیتے ہیں:

قال ابوجعفر: الحنيف عندی هو الاستقامة علی دين ابراهيم واتباعه علی ملته وذلك ان الحنيفية لو كانت حج البيت لوجب ان يكون الذين كانوا يحجونه فی الجاهلية من اهل الشرك كانوا حنفاء وقد نفی الله ان يكون ذلك تحنفا بقوله 'وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فكذلك القول فی الختان لان الحنيفية لو كانت هی الختان لوجب ان يكون اليهود حنفاء وقد اخرجهم الله من ذلك بقوله: مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فقد صح اذا ان الحنفية ليست الختان

ابوجعفر نے کہا کہ میرے نزدیک 'حنیف' کی حقیقت ابراہیم کے دین پر جمنا اور ان کے طریقہ کی (مکمل) پیروی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ 'حنیفیت'، اگر صرف حج بیت اللہ ہوتی تو ضروری ہوتا کہ وہ اہل شرک جو زمانہ جاہلیت میں اس کا حج کرتے تھے۔ انھیں 'حنیف' کہا جائے۔ جبکہ اللہ نے اس کے حنیفی طریقہ ہونے کی نفی کی۔ فرمایا: 'وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ'، (بلکہ وہ یکسو، اطاعت گزار تھا۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا) یہی بات 'ختان' (ختنہ) پر صادق آتی ہے۔ اس لیے کہ 'حنیفیت'، اگر صرف 'ختنہ' ہوتی تو ضروری ہوتا کہ یہود 'حنیف' ہونے دریں حالیکہ اللہ نے انھیں اس سے خارج قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوا 'مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا (ابراہیم یہودی اور نصرانی نہ تھا بلکہ وہ یکسو، اطاعت گزار تھا۔) پس معلوم ہوا کہ صحیح بات یہ ہے 'حنیفیت'،

Marfat.com

لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (۱۶۱-۱۶۳)

اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا حاکم ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا تابعدار ہوں۔

تفصیلی گفتگو علامہ موصوف نے انہی آیات کے تحت کی ہے اور آخری آیت کے تحت اس پہلو کو ابھارا ہے کہ ہمیشہ سے تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی ایک پیغام رہا ہے۔ ان سب کی دعوت اسلام تھی جس کی حقیقت بے آمیز طریقے پر ایک خدائے عزوجل کی عبادت اور بندگی ہے استشہاد میں انھوں نے سورۂ انبیاء کی آیت کریمہ "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ" (۲۵) کے علاوہ دوسری متعدد آیات نقل کی ہیں اور آخر میں اس دعوت کے مضمرات کو ان لفظوں میں پیش کیا ہے:

فاخبر تعالیٰ انہ بعث رسلہ بالاسلام ولکنھم متفاوتون فیہ بحسب شرائعھم الخاصۃ التی ینسخ بعضھا بعضا الیٰ ان نسخت بشریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم التی لا تنسخ ابد الآبدین ولا تزال قائمۃ منصورۃ واعلامھا منشورۃ الیٰ قیام الساعۃ [1]

پس اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس نے اپنے (تمام) رسولوں کو (ایک ہی دین) اسلام دیکر بھیجا۔ البتہ شریعتیں جو ان میں ہر ایک کے ساتھ خاص رہیں وہ ہر ایک کی الگ الگ رہی ہیں۔ جن میں سے ایک دوسری کو منسوخ کرتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ یہ (تمام کی تمام) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ذریعہ منسوخ ہوئیں جو اب کبھی ابد سے ابد تک منسوخ نہ ہوگی۔ اب یہ ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم رہے گی اور اس کے نقوش تا قیام قیامت ہر کہیں موجود رہیں گے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن جب ایک خدا کی عبادت اور اس کی بندگی کی بات کہتا ہے اور اپنے تمام برگزیدہ بندوں کا طریقہ دین اسلام قرار دیتا ہے تو اس کا مقصد کسی مجرد عقیدے

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۹۸۔ محولہ ایڈیشن۔

وحدہ ولاحج البیت وحدہ ولکنہ ھو ما وصفنا من الاستقامۃ علی ملۃ ابراھیم واتباعہ علیھا والائتمام بہ فیھا[1]

نہ صرف ختان، (ختنہ) کا نام ہے اور نہ صرف حج بیت اللہ کا۔ بلکہ اس کی وہ صفت ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ابراہیم کے طریقہ پر جمنا اس میں ان کی (مکمل) پیروی اور (بہمہ وجوہ) اقتدا و ہم رکابی۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں اس کے نظائر میں سورۂ انبیاء اور نحل کی مذکورہ بالا آیات ۱۲۵ اور ۱۲۶ نقل کی ہیں اور اس کے بعد اس کے اگلے ٹکڑے:

وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (بینۃ: ۵)

اور یہ کہ وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی راستی کا طریقہ ہے

کے سلسلے میں بہت سے علمائے امت کا یہ خیال نقل کیا ہے جو اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے ایمان کے اندر اعمال کو داخل قرار دیتے ہیں جن میں علاوہ اور لوگوں کے امام زہریؒ اور امام شافعیؒ جیسے لوگ شامل ہیں[2]۔ حنفاء کے سلسلے میں انھوں نے سورۂ انعام میں کی گئی اپنی گفتگو کا حوالہ دیا ہے۔ سورۂ انعام میں یہ لفظ دو مقامات پر آیا ہے:

۱۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (آیت: ۷۹)

میں نے اپنا رخ موڑ دیا اس ذات کی طرف جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، یکسو ہو کر اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

دوسری آیت کریمہ یہ ہے:

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ

کہو کہ میرے رب نے مجھے سیدھی راہ سمجھائی۔ ٹھیک دین، ابراہیم کا طریقہ جو یکسو تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا کہو کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت (سب)

---

[1] جامع البیان: ۱/۴۲۰۔ میمنیہ، مصر [2] تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۲۷۔ مکتبہ تجاریہ۔ شارع محمد علی۔ مصر ۱۳۵۶ھ

Marfat.com

کا اظہار یا کسی محدود دائرے میں اس کے احکام کی پیروی نہیں بلکہ کسی تحفظ کے بغیر پوری انسانی زندگی اور اس کے جملہ معاملات کو یہ چیز محیط ہوتی ہے آگے وہ اس کی مزید وضاحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی روشنی میں کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ دین کے اصول وکلیات میں اتفاق سہی لیکن شریعتیں تمام انبیاء کی الگ الگ رہی ہیں اور اس تفصیلی ضابطۂ حیات کی مکمل پیروی ہی میں دعوت انبیاء سے وفاداری کی بات مضمر رہی ہے:

ولهذا قال عليه السلام "نحن معاشر الانبياء اولاد علات ديننا واحد" فان اولاد العلات من اب واحد وامهات شتى فالدين واحد وهو عبادة الله وحده لا شريك له وان تنوعت الشرائع التي هي بمنزلة الامهات كما ان اخوة الاخياف عكس هذا ابتو الام الواحدة من آباء شتى والاخوة الاعيان الاشقاء من اب واحد و ام واحدة۔ والله اعلم[1]

اسی لئے آپ علیہ السلام نے فرمایا: "ہم انبیائی گروہ (باہم) علاتی (باپ شریک) اولاد ہیں ہم سب کا دین ایک ہے" اس لئے کہ علاتی اولاد ایک باپ سے ہوتی ہے جبکہ ان کی مائیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ یہی معاملہ اس دین کا ہے جو (اپنے اصول وکلیات کے لحاظ سے) ایک ہے یعنی تنہا ایک خدا کی بندگی جس کا کوئی شریک نہیں۔ گو کہ شریعتیں مختلف اور جداگانہ ہوں۔ جن کی حیثیت ماؤں کی سی ہے۔ اخیافی بھائیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے جن کی ماں تو ایک ہوتی ہے البتہ باپ الگ الگ ہوتے ہیں۔ جبکہ حقیقی بھائی وہ ہوتے ہیں جو ایک ہی ماں باپ کے لخت جگر ہوں۔ واللہ اعلم

دوسرے مقامات پر بھی قرآن عبادت کو اطاعت کے ساتھ جوڑ کر بیان کرتا ہے۔ سورۂ زمر میں امت کے نمائندہ کی حیثیت سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہوا:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ — ہم نے آپ تک (یہ) کتاب حق کے ساتھ

---

[1] حوالہ سابق صفحات ۱۹۸، ۱۹۹۔

Marfat.com

بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۝ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ (۳-۲)

اتاری ہے سو تم اللہ کی بندگی کرو اس کے لئے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔ سن لو کہ بے آمیز اطاعت اللہ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اس کو چھوڑ کر بہت سے کارساز پکڑ رکھے ہیں (ان کا کہنا ہے کہ) ہم جو ان کی بندگی کرتے ہیں تو بس اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ تک نزدیک سے نزدیک تر کر دیں۔ بے شک اللہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اس بات میں جس میں یہ جھگڑتے ہیں۔ بے شک اللہ اسے راہ یاب نہیں کرتا جو جھوٹا ہو حد درجہ ناشکرا۔

'فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین، اس ٹکڑے کی تشریح میں علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں:

وقولہ "فاعبد اللہ مخلصا لہ الدین، یقول تعالیٰ ذکرہ فاخشع للہ یا محمد بالطاعۃ واخلص لہ الالوھۃ وافرد لہ بالعبادۃ ولا تجعل لہ فی عبادتک ایاہ شریکا کما فعلت عبدۃ الاوثان[1]

اللہ کا فرمان 'فاعبد اللہ مخلصاً لہ الدین، تو تم اللہ کی بندگی کرو اس کے لئے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے'؛ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سو تم جھک جاؤ اے محمد اللہ کے لئے اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ اور اس کے لیے خدائی کو خالص کر دو اور تنہا اس کی بندگی کرو اور اس کے تئیں اپنی بندگی میں کسی اور کو ساجھی نہ بناؤ جیسا کہ بتوں کے پجاریوں نے کر رکھا ہے۔

---

[1] جامع البیان: ۲۳/۱۲۲۔ مطبعہ کبریٰ امیریہ، بولاق، مصر سنہ ۱۳۲۹ ھجر

Marfat.com

آگے "الا للہ الدین الخالص" کی تفسیر وہ یوں کرتے ہیں:

وقولہ الا للہ الدین الخالص، یقول تعالیٰ ذکرہ للہ العبادۃ والطاعۃ وحدہ لا شریک لہ خالصۃ لا شرک لاحد معہ فیھا فلا ینبغی ذلک لاحد لان کل ما دونہ ملکہ وعلی المملوک طاعۃ مالکہ لا من لا یملک منہ شیئا [1]

اللہ کا فرمان "الا للہ الدین الخالص" سنو بے آمیز اطاعت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سنو (عبادت) بندگی اور اطاعت تنہا صرف اللہ کے لئے ہے۔ اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ بالکل بے آمیز۔ اس کے ساتھ اس میں کوئی دوسرا ساجھی نہیں۔ پس (اس کے سوا) کوئی دوسرا اس کا سزاوار نہیں۔ اس لیے کہ اس کے سوا جو کچھ ہے اس کی ملک میں ہے اور جو کسی کی ملک میں ہو اسے اپنے مالک کی اطاعت کرنی چاہیے۔ نہ کہ اس کی جس کا اس پر کوئی اختیار نہ ہو۔

علامہ قمی نیشاپوریؒ نے اس کے اندر شرک جلی اور شرک خفی، ہر ایک سے برأت کو لازم قرار دیا ہے:

(الا للہ الدین الخالص) ای واجب اختصاصہ بالطاعۃ من غیر ان یشوب ذلک دعاء او شرک ظاھر وخفی [2]

"الا للہ الدین الخالص، سنو بے آمیز اطاعت صرف اللہ کے لئے ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ اطاعت خاص طور پر اسی کی کی جائے بغیر اس کے کہ اس کے ساتھ کسی اور کو پکارنے یا کھلے یا چھپے شرک کسی قسم کا شائبہ ہو۔

جبکہ شرک خفی کی وسعت کا دائرہ معلوم ہے کہ غیر اللہ کی اطاعت اور ان کے کہے پر چلنا

---

[1] حوالہ سابق [2] غرائب القرآن ورغائب الفرقان علی ہامش ابن جریر: ۳۰/۱۲۳۔ مطبعہ کبریٰ امیریہ، بولاق، مصر سنہ ۱۳۲۹ھ

تو الگ رہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کاموں میں بھی دکھاوے اور ریاکاری، کو اس کے اندر شامل بتایا ہے[1]

آگے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی اس حقیقت کا جو اقرار کرایا گیا اس میں عبادت کے ساتھ اطاعت صاف طور پر شامل ہے:

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَاَھْلِیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَلَا ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ (زمر: ۱۱-۱۵)

کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت (بندگی) کروں اس کے لئے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمان برداروں میں پہلا ہوں۔ کہو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے کہو کہ میں صرف اللہ کی عبادت (بندگی) کرتا ہوں۔ اس کے لئے اپنی اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔ ہاں یہ تم پر ہے کہ تم اس کو چھوڑ کر جس کی چاہو بندگی کرو۔ کہو کہ اصل گھاٹے والے تو وہی ہیں جو روز قیامت خود اپنے سے اور اپنے گھر والوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ سنو یہی سب سے کھلا گھاٹا ہے۔

پہلی دو آیتوں کی تفسیر علامہ ابن جریر طبریؒ اس طرح کرتے ہیں:

یقول تعالیٰ ذکرہ لنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قل یا محمد لمشرکی قومك ان اللہ امرنی ان اعبدہ

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے محمدؐ تم اپنی قوم کے مشرکوں سے کہہ دو کہ اللہ نے مجھکو حکم دیا ہے کہ میں اس کی عبادت (بندگی) کروں اس کے

---

[1] ابن ماجہ: ابواب الزہد، باب الریاء والسمعۃ۔ اصح المطابع لکھنؤ۔

Marfat.com

مفرد الہ الطاعۃ دون کل ماتدعون من دونہ من الالھۃ والانداد۔ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ یقول وامرنی ربی جل ثناءہ بذلک لان اکون بفعل ذلک اول من اسلم منکم فخضع لہ بالتوحید واخلص لہ العبادۃ وبری من کل مادونہ من الآلھۃ و قولہ تعالیٰ قُلْ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ، یقول تعالیٰ ذکرہ قل یا محمد لھم انی اخاف ان عصیت ربی فیما امرنی بہ من عبادتہ مخلصا لہ الطاعۃ ومفردہ بالربوبیۃ عذاب یوم عظیم یعنی عذاب یوم القیامۃ وذلک ھو الیوم الذی یعظم ھولہ[1]

لیے اطاعت کو تنہا الگ کرتے ہوئے۔ ان تمام معبودوں اور ساجھیوں کو چھوڑ کر جنھیں تم اسے (اللہ) کو چھوڑ کر پکارتے (اور ان سے دادرسی کرتے) ہو وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں پہلا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے میرے رب جل شانہٗ نے اس کا حکم دیا ہے تاکہ میں یہ کرکے تم سب میں (اس کا) پہلا فرمانبردار بن جاؤں۔ جو اس کیلئے جھک جائے توحید کی راہ پکڑ کر اور اس کے لئے عبادت (بندگی) کو بے آمیز کرے اور اس کے سوا دوسرے تمام معبودوں سے برأت اختیار کرے۔ قُلْ اِنِّیْ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ، کہو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمدؐ ان سے کہہ دو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں اس معاملہ میں جس کا اس نے مجھے حکم دیا ہے یعنی تنہا اس عبادت (بندگی) کا اطاعت کو اس کے لئے بے آمیز اور ربوبیت میں تنہا اس کو الگ کرتے ہوئے تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے یعنی قیامت کا دن جبکہ یہ دن ہوگا کہ اس کی ہولناکی حد درجہ بڑھی ہوئی ہوگی۔

---

[1] جامع البیان: ۲۳/۱۳۔ طبع مذکور۔

Marfat.com

اسی طرح بعد کی آیات "قل اللہ اعبد مخلصا لہ دینی ..... ذٰلک ہو الخسران المبین ، کے سلسلے میں وہ رقمطراز ہیں:

یقول تعالیٰ ذکرہ لنبیہ	اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے
محمد صلی اللہ علیہ وسلم	فرماتا ہے کہ اے محمدؐ اپنی قوم کے مشرکوں سے
قل یا محمد لمشرکی قومک	کہہ دو کہ میں بس اللہ کی عبادت (بندگی) کرتا
اللہ اعبد مخلصا مفردا لہ	ہوں بے آمیز طور پر اس کے لئے اپنی اطاعت
طاعتی وعبادتی لا اجعل لہ	اور عبادت کو تنہا الگ کرتے ہوئے۔ اس میں
فی ذلک شریکا ولکنی افرد ہ	کسی دوسرے کو اس کا ساجھی نہیں ٹھہراتا بلکہ
بالالوھۃ وابرأ مما سواہ	میں خدائی کو تنہا اس کے لئے الگ کرتا ہوں اور
من الانداد والآلھۃ	اس کے سوا دوسرے تمام معبودوں اور ساجھیوں
فاعبدوا انتم ایھا القوم	سے برأت اختیار کرتا ہوں البتہ لوگو تم آزاد ہو کہ
ماشئتم من الاوثان و	بتوں اور مورتیوں اور اس کے علاوہ اس کی
الاصنام وغیر ذٰلک ما	مخلوقات میں سے جن بے شمار چیزوں کی تم بندگی
تعبدون من سائر خلقہ	(عبادت) کرتے ہو ان کی بندگی (عبادت) میں
فتعلمون وبال عاقبۃ	لگے رہو۔ پس عنقریب تمہارے سامنے تمہاری اس
عبادتکم ذٰلک اذا	بندگی (عبادت) کا وبال اور برا انجام سامنے
لقیتم ربکم [1]	آجائے گا جب تمہارا اپنے رب سے ملنا ہوگا۔

خدا کی بندگی اور عبادت اور خدا تعالیٰ کو پکارنا، اس سے آہ وزاری کرنا اور اس کی بارگاہ سے اپنے کو وابستہ کر لینا، قرآن ان دونوں باتوں کو ایک دوسرے کے مرادف طور پر نقل کرتا ہے اور یہاں خدا کو پکارنے کے ساتھ بھی اس کی بے لاگ اطاعت کی قید لگی ہوئی ہے:

---

[1] حوالہ سابق: ۱۳۰، ۱۳۱

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اعراف: ۲۹)

اور اپنے رخ کو سیدھا کرو ہر نماز کے وقت (اللہ کے لئے) اور اس کو پکارو اس کے لئے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (غافر: ۱۴)

سو تم (صرف) اللہ کو پکارو اس کے لئے اطاعت کو بے آمیز کرتے ہوئے۔ گو یہ کافروں کو ناگوار ہو۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (غافر: ۶۵)

(صرف) وہ زندہ ہے، اس کے سوا دوسرا معبود نہیں۔ سو تم اسے پکارو اطاعت کو اس کے لئے بے آمیز کرتے ہوئے۔

انبیاء کی پیروی

۳ — آگے قرآن اس اجمال کو تفصیل کا قالب عطا کرتا ہے۔ جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس سے ڈر کر زندگی گزارنے کے لئے جملہ معاملات زندگی میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی بے لاگ پیروی کو لازم قرار دیتا ہے۔ سورۂ شعراء میں حضرت نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ اور شعیبؑ کی دعوت پیش کرتے ہوئے قرآن خدا سے ڈرنے کے ساتھ نبیؐ کی مکمل اطاعت کو اس کا ایک ناگزیر تقاضا تصور کرتا ہے۔ ان تمام انبیاء کرامؑ کی دعوت کے الفاظ قرآن نے یہ نقل کئے ہیں، ہر ایک نے اپنی قوم کو خطاب کر کے یہی ایک بات کہی:

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ [1]

میں تمہارے حق میں پیغامبر ہوں امانت دار سو تم اللہ سے ڈرو اور (زندگی کے تمام معاملات میں) میری پیروی کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قوم یہود کے سامنے اپنی تشریعی حیثیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[1] آیات: ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۶۳، ۱۷۹۔

Marfat.com

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ

(آل عمران : ۵۰)

اور مجھ سے پہلے جو تورات ہے میں اس کا مصداق ہوں (اور اس لئے آیا ہوں) تاکہ میں حلال قرار دوں کچھ ان چیزوں کو جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور میں تمہارے رب کے پاس سے بڑی نشانی لے کر آیا ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور (جملہ معاملات زندگی میں) میری پیروی کرو۔

آگے اس کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کوئی معمولی حکم نہیں۔ اس کے بغیر خدا کی بندگی اور عبادت کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا ہے :

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ

(۵۱)

بے شک اللہ ہی میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت (بندگی) کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

دوسرے مقام پر بھی حضرت مسیحؑ قوم یہود کو اسی بات کی تلقین کرتے نظر آتے ہیں :

قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ

(زخرف : ۶۳-۶۴)

ضرور میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور (اس لئے آیا ہوں) تاکہ تمہارے لیے کھول کر بیان کروں کچھ چیزوں کو جن میں تم (باہم) جھگڑتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور (تمام معاملات میں) میری پیروی کرو۔ بے شک اللہ ہی میرا تمہارا رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت (بندگی) کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

دوسری جگہ حضرت نوحؑ بھی اپنی قوم کو یہی پیغام دیتے ہیں :

قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ

فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لیے ایک کھلا ڈرانے والا ہوں۔ میرا کہنا ہے

وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ (نوح: ۳۰۲)

کہ تم (تنہا) اللہ کی عبادت (بندگی) کرو اور اس سے ڈرو اور (معاملات زندگی میں) میری پیروی کرو۔

اور آخر میں پورے زمرۂ انبیاء کا حق قرآن نے یہ قرار دیدیا کہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء: ۶۴)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجے تو اس لئے کہ بحکم خدا (جملہ معاملات زندگی میں) ان کی (بتمام و کمال) پیروی کی جائے۔

رسولؐ کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ اس سے منہ موڑ کر آدمی اپنے کو محرومیوں کے کھڈ میں گرا لیتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (نساء: ۸۰)

اور جو کوئی رسول کی پیروی کرے سو اس نے اللہ کی پیروی کی اور جو کوئی روگردانی کرے تو ہم نے ان پر آپ کو نگراں بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

یہ روش صریحاً کفر و انکار کی روش ہے۔ کسی مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہو سکتا:

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: ۳۲)

کہو کہ (اپنے تمام معاملات میں) اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو پس اگر یہ روگردانی کریں تو (معلوم ہو کہ) اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

مسلمان اپنے جملہ معاملات زندگی میں کسی تحفظ اور کسی لاگ لپیٹ کے بغیر خدا اور اس کے رسول کی پیروی کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ دوسری زندگی میں بلند ترین درجات سے ہمکنار ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ

اور جو کوئی (اپنے تمام معاملات میں) اللہ اور (اس کے) رسول کی پیروی کرے تو یہ (جنت میں) ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا انعام ہوگا یعنی انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ کیا ہی

اُولٰئِكَ رَفِيْقًا (نساء: ۶۹) بہترین ساتھی ہیں۔

بندگیِ رب کی وسیع تر تقاضے

۴ ـــ اس کے علاوہ قرآن حق تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کو دوسرے بے شمار احکامات کے ساتھ جوڑ کر بیان کرتا ہے۔ جن کا دائرہ وسیع تر معاملات زندگی کو محیط ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک انسان اپنی پوری زندگی میں خدائی احکام و ہدایات پر عمل نہیں کرتا اس کا بندگیِ رب کا دعویٰ تشنۂ تکمیل رہتا ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ (نساء: ۳۶)

اور (ایک) اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ نیز رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور اجنبی پڑوسی کے ساتھ اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو تمہارے زیر دست ہیں (یعنی لونڈیاں اور غلام) بے شک اللہ کو نہیں بھاتا وہ جو گھمنڈی ہے، شیخیاں مارتا۔

سورۂ اسرا میں ایک خدا کی بندگی کے ساتھ یہ احکام و ہدایات اور بھی مفصل بیان ہوئے ہیں جنھوں نے انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تقریباً تمام گوشوں کا احاطہ کر لیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَاِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا

اور تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ (لوگو) تم صرف اسی کی عبادت (بندگی) کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اف نہ کہو نہ انھیں جھڑکو

Marfat.com

قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ
الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ
صَغِيْرًا۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ
نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ
فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ
تَبْذِيْرًا۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ
كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَ
كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا
وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ
رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا
فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا وَلَا تَجْعَلْ
يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ
مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا اِنَّ رَبَّكَ
يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ
يَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا
بَصِيْرًا۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ
وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً
كَبِيْرًا وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ

بلکہ ان سے ادب سے بولو۔ اور ان کے لئے
مہر بھری عاجزی کے ساتھ پر جھکا دو اور
عرض گزار ہو کہ پروردگار ان پر مہربانی فرما
جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں (مہر و محبت
سے) پالا تمہارے رب کو خوب جان کاری
ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم نیکو کار
ہو تو وہ (ایسے) جھکنے والوں کو بڑا بخشنے
والا ہے۔ اور رشتہ دار کو اس کا حق دو ایسے
ہی مسکین اور مسافر کو اور فضول خرچی بالکل
نہ کرو۔ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے
بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا
ہے اور اگر کبھی تم ان رشتہ داروں، مسکینوں
اور مسافروں) سے رخ پھیرو اپنے رب کی
مہربانی (مالی کشادگی) کی تلاش میں جس کی تم
امید لگائے ہو تو تم ان سے آسانی پیدا کرتی
بات کہو اور اپنا ہاتھ کھینچ کر گردن سے نہ باندھ
لو اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ دو کہ نتیجے میں
نشانۂ ملامت بن کر کف افسوس ملتے بیٹھ جاؤ تیرا
رب روزی پھیلا کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے
اور (کچھ کو) ناپ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں
کو خوب جاننے اور دیکھنے والا ہے اور
اپنی اولاد کو فاقہ کشی کے ڈر سے جان سے
نہ مارو ہم انھیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں

Marfat.com

كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ
اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ
مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ
سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي
الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۝ وَ
لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي
هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ
وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ
مَسْئُولًا وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ
وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ
ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا وَلَا
تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ
السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ
كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ
مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا كُلُّ ذَٰلِكَ
كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا
ذَٰلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ
الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ
إِلٰهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ
مَلُومًا مَدْحُورًا ۝

(آیات: ۲۳—۳۹)

بھی۔ ان کا جان سے مارنا بڑی غلطی ہے۔
اور بدکاری (زنا) کے پاس نہ جاؤ یہ کھلی
بے حیائی اور برا راستہ ہے اور اس جان کو
جس کی حرمت اللہ نے ٹھہرائی ہے حق کے سوا
نہ مارو۔ اور جو کوئی نشانہ ظلم بن کر مارا جائے
تو ہم نے اس کے ولی کے لئے اختیار رکھا ہے
سو وہ جان لینے میں حد سے نہ بڑھے ضرور
اس کی مدد ہونی چاہیئے۔ اور یتیم کے مال
کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر
ہو یہاں تک کہ وہ سمجھ کو پہنچ جائے اور پیمان
کو پورا کرو ضرور پیمان کی پوچھ ہونی ہے۔ اور
ناپ پوری کرو جب تم ناپو اور ٹھیک تول سے تولو۔
یہی زیادہ بہتر اور انجام کار کے لحاظ سے خوب
تر ہے اور پیچھے نہ لگو اس چیز کے جس کا تمہیں
کچھ پتہ نہ ہو ضرور کان آنکھ اور دل ان سب کے
بارے میں پوچھ ہونی ہے۔ اور زمین میں اکڑ کر
نہ چلو ہرگز تم زمین کو پھاڑ نہ دو گے اور نہ لمبائی
میں پہاڑوں کو چھو لو گے۔ یہ سب کی سب بری
باتیں تیرے رب کے نزدیک (بڑی) ناپسندیدہ
ہیں۔ یہ وہ دانائی (حکمت) ہے جس کی تیرے رب نے
تیری طرف وحی کی ہے۔ اور (ایک) اللہ کے ساتھ کسی
دوسرے کو معبود نہ بناؤ کہ انجام میں جہنم میں ڈالے
جاؤ ہر طرف سے ملامتیں سنتے اور دھتکارے ہو کر۔

Marfat.com

آیت کریمہ کی یہ تاکید کہ یہ حکمت کی باتیں ہیں جن کی تمہارے رب کی طرف سے وحی کی گئی ہے اور یہ کہ ایک خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ ورنہ تم اپنے کو جہنم کا ایندھن بنائے جانے سے بچا نہ سکو گے۔ اس کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ایک خدا کی بندگی اور وسیع تر دائرۂ زندگی میں اس کے دیئے گئے احکام کی بے لاگ پیروی ہی وہ چیز ہے جو کسی شخص کو جہنم کے عذاب سے نجات کی ضمانت دے سکتی ہے۔ بندگیِ رب کا ایسا کوئی تصور قرآن کے لئے بالکل اجنبی ہے جس میں خدا سے وفاداری کا کوئی ایسا نسخہ تجویز کیا گیا ہو جس کے تقاضے مجرد پرستش یا نیازمندی کی دوسری صورتوں سے پورے ہو جاتے ہوں، معاملات زندگی میں خدائی احکام و ہدایات کی پیروی کی چنداں ضرورت نہ ہو۔ اور معاملہ خاص آخری پیغمبر کے پیغام اور دعوت کا نہیں، قرآن کا ہمیشہ سے اپنے مخاطبین سے اسی بات کا مطالبہ رہا ہے۔ قوم بنی اسرائیل جو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والسلام سے پہلے امامت عالم کے منصب پر فائز تھی قرآن اس سے لئے گئے عہد و پیمان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ	اور یاد کرو جبکہ ہم نے بنی اسرائیل سے
لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ	اقرار لیا کہ تم سوائے اللہ کے کسی کی بندگی (عبادت)
اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	نہ کرو گے۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے
وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا	اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ
وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ	اور مسکینوں کے ساتھ اور لوگوں سے بھلی بات
ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ	کہو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو پھر سوائے
اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَاِذْ اَخَذْنَا	تھوڑے لوگوں کے تم پھر گئے درں حالیکہ تم
مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ	منہ موڑے ہوئے تھے اور یاد کرو جبکہ ہم نے تم
وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ	سے قرار لیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ گے
دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ	اور نہ ایک دوسرے کو اس کے گھر سے نکالو گے
تَشْهَدُوْنَ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ	پھر تم نے تسلیم کیا جبکہ تم گواہی دینے والے تھے۔
تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ	پھر تم ہی ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنی
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ	ہی ایک جماعت کو ان کے گھروں سے نکالتے

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ

(بقرہ : ۸۳، ۸۶)

ہو تم ان کے خلاف گناہ اور سرکشی سے ایسا کرتے ہو۔ اگر وہ تمہارے پاس قیدی ہو کر آئیں تو تم انھیں فدیہ دیکر چھڑاتے ہو۔ حالانکہ (پہلے سے) تم پر حرام یہ تھا کہ تم انھیں اپنے گھروں سے نکالو۔ تو کیا تم بس کتاب کے ایک حصے کو مانتے ہو اور دوسرے کا انکار کرتے ہو سو تم میں سے جو یہ کرے گا اس کا بدلہ سوائے اس کے کیا ہے دنیا کی زندگی کی رسوائی ملے اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے اور اللہ اس سے اندھیرے میں نہیں ہے جو تم کرتے ہو یہی لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی کے بدلے آخرت کا سودا کرلیا ہے تو نہ ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

قرآن حکیم میں خدا تعالیٰ کی بندگی اور اس کی عبادت کے یہی وسیع تقاضے ہیں جن کے پیش نظر ہمارے مفسرین کرام اس سلسلے کی مجمل آیات میں ہر دور کے لئے شریعت وقت کی پیروی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام طبریؒ سورہ نساء کی آیت کریمہ:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (۲۵)

اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجے انھیں اسی بات کی وحی کی کہ کوئی دوسرا معبود نہیں سوائے میرے۔ (بس) تم میری عبادت کرو۔

کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

بہ ارسلت الرسل (تمام زمانوں میں) رسولوں کو ایک ہی پیغام دیکر

بالاخلاص والتوحید لایقبل بھیجا گیا یعنی ایک خدا کا اقرار اور اس کے لئے

Marfat.com

منهم عمل حتی یقولوہ و
یقروا بہا والشرائع مختلفۃ
فی التوراۃ شریعۃ وفی
الانجیل شریعۃ وفی
القرآن شریعۃ حلال
وحرام وھذا کلہا فی
الاخلاص للہ والتوحید للہ[1]

کامل یکسوئی۔ (دنیا کے) لوگوں کا کوئی عمل مقبول
نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اس حقیقت کو نہ
مانیں اور اس کا اقرار نہ کریں۔ (دین کی اس
اصل و اساس کے علاوہ) شریعتیں البتہ
الگ الگ ہیں۔ توریت میں ایک شریعت ہے۔
انجیل میں ایک شریعت ہے۔ اسی طرح قرآن
کی شریعت اور حلال حرام الگ ہے البتہ (جزوی
اختلافات کے باوجود) یہ تمام شریعتیں ایک
خدا کے اقرار اور اس کے لئے کامل یکسوئی
کے گرد گھومتی ہیں۔

اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ اس سورہ کی دوسری آیت:

اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً
وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ
(۹۲)

(اے گروہ انبیاء) یہ تمہاری جماعت
ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں
سو تم میری ہی عبادت کرو۔

کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ای ھذہ شریعتکم
التی بینت لکم ووضحت لکم
واناربکم فاعبدون، کما
قال 'یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا
مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا
صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ وَاِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ' وقال 'یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ

یعنی یہ تمہاری شریعت ہے جسے میں نے کھول
کھول کر بیان کر دیا ہے اور اچھی طرح واضح کر
دیا ہے 'وَاَنَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ'، اور میں تمہارا
رب ہوں سو تم میری ہی بندگی کرو، اللہ
تعالیٰ کا یہ فرمان ویسا ہی ہے جیسا کہ فرمایا:
'یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ

---

[1] جامع البیان: ۱۷/۱۱۔ میمنیہ، مصر۔

Marfat.com

فَاتَّقُوْنِ، وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "نحن معاشر الانبیاء اولاد علات دیننا واحد" یعنی ان المقصود ھو عبادۃ اللہ وحدہ لا شریک لہ بشرائع متنوعۃ لرسلہ کما قال لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا[1]

اُعْمَلُوْا صَالِحًا تا، وَاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ اے رسولو پاک ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو..... اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بات اس طرح فرمائی کہ ہم گروہ انبیاء علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں۔ ہمارا (اصل) دین ایک ہے یعنی (سب کا) مقصد بس ایک اللہ کی (عبادت) بندگی ہے جس کا کوئی ساجھی نہیں مختلف شریعتوں کے ذریعہ سے جو ہر رسول کے لئے الگ الگ رہی ہیں جیسا کہ (دوسرے موقعہ پر) فرمایا: لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَۃً وَّمِنْھَاجًا تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے الگ شریعت اور الگ طریقہ مقرر کیا۔

دعوت انبیاء کا اجتماعی پہلو:۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی وسیع دعوت اور ان کے ہمہ گیر پیغام کا اندازہ اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ بندگی رب کے دوسرے تقاضوں کے ساتھ یہ حضرات اپنے وقت میں قوم کے اجتماعی امراض کی نبض شناسی کرتے نظر آتے ہیں قوم کے اجتماعی ڈھانچے میں لاحق خرابیوں کی وہ ایک ایک کرکے نشاندہی کرتے ہیں اور پورے زور اور پوری قوت کے ساتھ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی انھیں تلقین کرتے ہیں اور دعوت کے اہم ترین جزء کی حیثیت سے اس کی عدم تعمیل کی صورت میں عذاب الٰہی کا انھیں ڈر سناتے ہیں۔ قوم عاد وہ بدبخت ترین قوم تھی جس نے جنسی تعلق کے سلسلے میں 'فطرۃ اللہ' کو بدل کر

---

[1] ابن کثیر: ۳/۱۹۴۔ طبع مذکور۔

سماج کے صحت مند ارتقار کو پامال اور اسے اخلاقی انارکی کے الاؤ میں جھونکنا چاہا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے خدا کا خوف اور اپنی پیروی اختیار کرنے کے بعد اپنی دعوت میں اسی چیز کی طرف توجہ کی:

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ ِالْمُرْسَلِينَ
اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ لُوطٌ اَلَا
تَتَّقُونَ ۝ اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ ۝
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ ۔ وَمَا اَسْئَلُكُمْ
عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا
عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ اَتَاْتُونَ
الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ وَ
تَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ
اَزْوَاجِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۝
(شعراء: ۱۶۰-۱۶۶)

لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی لوطؑ نے کہا کہ کیا تم ڈر نہیں رکھتے ہو میں تمہارے لئے امانت دار پیغام بر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ میرا بدلہ تو جہاں کے حاکم پر ہے۔ کیا دنیا والوں میں تم ہی ہو جو ہم جنسوں پر آتے ہو۔ اور تمہارے رب نے تمہارے لئے جو جوڑے پیدا کئے ہیں انھیں چھوڑتے ہو۔ بلکہ تم حد سے بڑھے ہوئے سرکش لوگ ہو۔

یہاں تک کہ سورۂ اعراف میں یہی چیز ان کی دعوت کا مرکزی نکتہ بن جاتی ہے اور اول و آخر وہ اپنی قوم کو اسی مرض اجتماعی سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تلقین کرتے ہیں:

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اَتَاْتُونَ
الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا
مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِينَ ۝
اِنَّكُمْ لَتَاْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً
مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ اَنْتُمْ
قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ وَمَا كَانَ جَوَابَ
قَوْمِهٖ اِلَّا اَنْ قَالُوا اَخْرِجُوهُمْ مِّنْ
قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ (۸۰-۸۲)

اور یاد کرو لوطؑ کو جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جسے تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر قضائے شہوت کے لئے مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ تم حد سے بڑھے ہوئے لوگ ہو۔ اس پر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا دوسرا نہ تھا کہ نکالو ان لوگوں کو اپنی بستی سے یہ بڑے پاک باز بنتے لوگ ہیں۔

دوسری جگہ اس قوم کے بعض دوسرے اجتماعی امراض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور یہ چیز آنجناب

Marfat.com

کی دعوت میں خاص توجہ کی مستحق قرار پائی ہے :

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ (عنکبوت: ۲۸، ۲۹)

اور یاد کرو لوطؑ کو جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جسے تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ یہ تم ہی ہو جو (قضائے شہوت کے لئے) مردوں کے پاس آتے ہو اور راہ مارتے ہو اور اپنی بھری مجلسوں میں برائی کی باتیں کرتے ہو تو اس کی قوم کا جواب اس کے سوا دوسرا نہ تھا کہ ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

یہی معاملہ دوسرے جلیل القدر پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جن کی مخاطب قوم میں ناپ تول میں کمی کی بیماری عام تھی۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ جسمانی قوت اور زور آوری کا غلط فائدہ اٹھا کر زمین میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کئے ہوئے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام بندگیٔ رب کا پیغام سنانے کے بعد اسی اجتماعی مرض کی طرف انھیں متوجہ کرتے ہیں :

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ

اور ہم نے مدین (والوں) کے پاس ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! ایک اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔ میں تمہیں اچھے حال میں دیکھتا ہوں۔ ساتھ ہی مجھے تمہارے اوپر ایک گھیر لینے والے دن کے عذاب کا ڈر ہے اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ تول کو ٹھیک ٹھیک پورا کرو اور لوگوں سے

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝

(ہود: ۸۴-۸۶)

ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اللہ کی رہتی نعمت تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ اور میں تم پر پہرے دار نہیں ہوں۔

سورۂ اعراف میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی نصیحت مزید تفصیل سے بیان ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اجتماعیت کے یہ نکات کس غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی اصلاح و درستگی کے لئے یہ حضرات کس قدر بے چین اور مضطرب ہوتے ہیں:

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِىْٓ اُرْسِلْتُ

اور مدین (والوں) کے پاس ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا اس نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! ایک اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانی آگئی ہے۔ سو تم ناپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں سے ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو۔ اور زمین میں اس کی اصلاح پیچھے فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم یقین رکھنے والے ہو۔ اور ہر کسی راستے میں ڈراتے دھمکاتے اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے انہیں اس کے راستے سے روکتے اور اس (راستے) میں کجی چاہتے ہو اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑے تھے سو اس نے تم کو زیادہ کیا اور دیکھو کہ فساد چاہنے والوں کا انجام کیا رہا۔ اور اگر تم میں ایک جماعت ہے جو ایمان لائی ہے

Marfat.com

بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ

(آیات: ۸۵-۸۷)

اس چیز پر جسے میں دیکر بھیجا گیا ہوں اور دوسرے لوگ ہیں جو (اس پر) ایمان نہیں لائے ہیں تو ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

دوسرے مقام پر بھی ان کی دعوت میں اسی نکتہ پر زور و تاکید ابھرا ہوا ہے:

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ

(شعراء: ۱۷۶-۱۸۶)

ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا جبکہ ان سے شعیب نے کہا کہ کیا تم ڈر نہیں رکھتے ہو۔ میں تمہارے لئے پیغامبر ہوں امانت دار۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس پر میں تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ میرا بدلہ تو جہاں والوں کے رب پر ہے اور ناپ کو پورا کرو اور کمی کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور ٹھیک تول سے تولو اور لوگوں سے ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اللہ سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور تم سے پہلی نسلوں کو بھی۔

اجتماع انسانی کو راہ راست پر لگانے اور اسے اپنی پوری زندگی میں خیر و فلاح سے ہمکنار کرنے کے سلسلے میں ان اہم ترین تعلیمات و ہدایات کے علاوہ، حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں ہمیں دوسرے نکات بھی ملتے ہیں جو نظام اجتماعی کی مکمل تبدیلی کا پتہ دیتے ہیں اور جن سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ یہ حضرات گرامیؑ دنیا کے اندر نظام وقت میں چھوٹی موٹی تبدیلیوں یا جزوی اصلاح و ترمیم کے لئے نہیں آتے بلکہ رائج الوقت نظام کو یکسر تبدیل کر کے اسے بالکل نئے خطوط پر ڈھالنا ان کے بنیادی مقاصد میں شامل ہوتا ہے۔ انسانی زندگی میں بگاڑ اور فساد کا اصل سبب اس کے سوا دوسرا نہیں کہ خدا سے بیزار یا

Marfat.com

اس کی ذات وصفات کے سلسلے میں بے اعتدالیوں کے شکار مٹھی بھر لوگ جو عزت وجاہ کے مالک اور دولت وثروت کے وسائل پر قابض ہوتے ہیں۔ انسانی آبادی کی عظیم اکثریت کو اپنی مرضی اور پسند کے راستے پر چلاتے اور اسے خدا سے دور کر کے دنیا و آخرت ہر جگہ ناکامیوں اور نامرادیوں کے کھڈ میں گرانے کے موجب بنتے ہیں ان لوگوں کے تمام تر مفادات خدا سے دوری اور اس کی صحیح معرفت سے محرومی پر مبنی اسی سماجی ڈھانچے سے وابستہ ہوتے ہیں۔ جس کی بقا اور جسے گرنے سے بچانے کی خاطر وہ اپنا پورا ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ خدا کی صحیح معرفت کی علمبردار انبیائی دعوت انھیں اپنے لئے پیام اجل دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ وہ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کی راہ میں ہر ممکن طریقے سے رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا ناآشنا یہی شر پسند لوگ ہوتے ہیں جنھیں قرآن 'مسرفین، حد اعتدال سے ہٹے ہوئے اور 'مفسدین، فساد اور بگاڑ پھیلانے والوں کے نام سے یاد کرتا ہے اور اس کے نزدیک خدا کا ڈر اور رسول کی پیروی واطاعت کا خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا جب تک کہ آدمی 'بتوں اور مورتیوں، کی پرستش کے ساتھ ان 'مسرفین اور مفسدین، سے دامن کش نہیں ہوتا۔ حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے دعوت حق پیش کرتے ہوئے اسی اہم نکتے کی یاددہانی کراتے ہیں:

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا	میں تمہارے لئے پیغامبر ہوں امانت دار۔
اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ ..... فَاتَّقُوا	سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔۔
اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ	..... سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔
الْمُسْرِفِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ	اور حد سے بڑھنے والوں کے معاملہ کی پیروی
فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ۝	نہ کرو۔ جو کہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور
(شعراء: ۱۴۳-۱۴۴، ۱۵۰-۱۵۲)	اصلاح کچھ نہیں کرتے۔

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی کشمکش میں اس خدا بیزار طبقۂ انسانیت کا کردار اور ابھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلے میں فرعون اپنے جاہ واقتدار کی دھونس اپنی قوم پر اس طرح جماتا ہے:

وَنَادٰی فِرْعَوْنُ فِیْ قَوْمِہٖ	اور فرعون نے اپنی قوم میں اعلان کیا۔
قَالَ یٰقَوْمِ اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ	اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! کیا میرے پاس مصر کی

Marfat.com

وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ۝ فَلَوْلَا اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ۝ (زخرف: ۵۱-۵۳)

حکومت نہیں اور یہ نہریں میرے نیچے سے نہیں بہتی ہیں۔ کیا پس تم دیکھتے نہیں ہو۔ آیا میں زیادہ اچھا ہوں یا یہ (موسیٰ) جو (بالکل) بے حیثیت ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا ہے۔ (اگر یہ فرستادۂ خدا ہے) تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ اس پر سونے کے کنگن ڈلے ہوتے یا اس کے ساتھ فرشتوں کے جھرمٹ لگے ہوتے۔

اس کے نتیجے میں اس قوم کے ردعمل کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ (۱۵۴)

سو اس نے اپنی قوم پر دھونس جمالی سو وہ اس کے کہے پر چلنے لگے۔ ضرور وہ نافرمان لوگ تھے۔

انبیائی دعوت کے راستے کا یہ روڑا اسی طرح ہر دور اور ہر زمانے میں موجود رہا ہے حضرت نوح علیہ السلام ہزار سال تک قوم کے سامنے دعوت حق پیش کرنے کے بعد اس سے مایوس ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور اپنی یہی فریاد پیش کرتے ہیں:

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗ اِلَّا خَسَارًا (نوح: ۲۱)

نوح نے کہا میرے آقا! میری قوم کے لوگوں نے میری بات نہ مانی اور ان لوگوں کے پیچھے چلے جن کے مال اور اولاد انھیں گھاٹے پر گھاٹے ہی میں بڑھاتے رہے۔

اسی طرح قرآن جب منکرین خدا کے کردار پر تبصرہ کرتا ہے تو ان کا جرم صرف وہ یہی نہیں بتاتا کہ یہ لوگ بتوں کے پجاری اور رسوم جاہلیت میں گرفتار تھے بلکہ ان کے اجتماعی جرائم کو بھی وہ پورے زور اور شدت سے بیان کرتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں اپنے بندوں کی پسندیدہ روش کی تکمیل اس کے بغیر نہیں ہوتی کہ آدمی دین داری کے معروف مظاہر کے ساتھ وسیع تر دائرۂ زندگی میں خدائی احکام پر عمل پیرا ہو اور سماج کی اصلاح اور اس کے ہمہ جہتی سدھار کی راہ اپنائے۔ قرآن

Marfat.com

کی نظر میں فرعون بگڑے ہوئے انسان کا ایک علامتی نشان ہے۔ جس کا ایک عظیم ترین جرم وہ یہ قرار دیتا ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ	فرعون نے زمین میں سرکشی کا علم بلند کیا
وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ	اور اس کے لوگوں کو ٹکڑیوں میں بانٹ دیا۔ ان
طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ	میں سے ایک گروہ کو اس نے نشانۂ ستم بنایا
وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ	ان کے بیٹوں کو وہ موت کے گھاٹ اتارتا اور ان کی عورتوں
مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝	کو زندہ رہنے دیتا۔ ضرور وہ فساد برپا کرنے
(قصص: ۴)	والوں میں تھا۔

اسی کا ایک ہم نشیں و دمساز قوم بنی اسرائیل سے کٹ کر اس کی صف میں شامل ہو جانے والا قارون ہے۔ اس کا جرم قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے روئے زمین میں بغاوت اور سرکشی کی روش اختیار کر رکھی تھی۔ اور اپنی ہی قوم اور ہم جماعت لوگوں کو ظلم و ستم کی چکی میں پیستا تھا:

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى	قارون موسیٰ کی قوم سے تھا بعد میں وہ
فَبَغٰى عَلَيْهِمْ (قصص: ۷۵)	ان پر سرکش ہو گیا۔

اسے نصیحت کرتے ہوئے قرآن دوسری باتوں کے ساتھ خاص طور پر زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے:

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ	اور اللہ نے تم کو جو دے رکھا ہے اس
الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ	میں آخرت کے طلبگار بنو اور دنیا سے اپنے (تھوڑے)
الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ	حصے کو نہ بھولو اور حسنِ سلوک کا راستہ اپناؤ جیسا کہ
اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ	اللہ نے تمہارے ساتھ حسن سلوک کیا ہے اور
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ	زمین میں فساد نہ چاہو۔ اللہ فساد چاہنے
(قصص: ۷۷)	والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح قرآن عام طور پر راہ حق سے ہٹے ہوئے انسان کا ایک وصف یہ بیان کرتا ہے کہ وہ زمین میں فساد پھیلاتا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ	اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ دنیا کی

Marfat.com

قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ

(بقرہ: ۲۰۴-۲۰۶)

زندگی کے معاملہ میں اس کی بات تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہے اور جو اس کے دل میں ہے اس پر اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہے جبکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔ جب وہ (کہیں) اقتدار کا مالک ہوتا ہے زمین میں بھاگ دوڑ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو وہ غرور بیجا کا شکار ہوتا ہے سو اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ کیا ہی بڑا ٹھکانا ہے۔

اس کے مقابلے میں وہ انسانوں کو جس چیز کی طرف بلاتا ہے اس میں خدا تعالیٰ سے صحیح رشتہ استوار کرنے کے بعد اہم ترین بات یہی ہوتی ہے کہ آدمی زمین میں فتنہ و فساد پھیلانے سے اجتناب کرے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ

(اعراف: ۵۵، ۵۶)

اپنے رب کو پکارو لجاجت سے اور آہستہ۔ وہ سرکشی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور زمین میں اس کی اصلاح پیچھے فساد نہ پھیلاؤ اور اللہ کو پکارو امید و بیم کی کیفیت کے ساتھ۔ ضرور اللہ کی رحمت (ایسے) خوب کاروں سے قریب ہے۔

آخرت کی زندگی میں جو لوگ کامیابیوں سے ہمکنار اور جنت کی ابدی نعمتوں سے شاد کام ہوں گے انھیں یہ رتبہ اس لئے نہیں حاصل ہوگا کہ کسی محدود دائرے میں انھوں نے خدائی احکام پر عمل کیا ہوگا یہ مقام انھیں اس لئے ملے گا کہ علو و استکبار اور فتنہ و فساد، سے دامن کش ہو کر اپنی پوری زندگی میں انھوں نے خدائی مرضیات کی تکمیل کی ہوگی۔ سورۂ قصص میں قارون کے کردار پر تبصرہ کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

Marfat.com

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۸۳)

آخرت کا وہ گھر اسے ہم ٹھہرائیں گے ان لوگوں کے لئے جو زمین میں سرکشی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور انجام کار (ایسے ہی) ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ آخرت کی ابدی ناکامی اور جہنم کے دائمی عذاب سے دوچار ہوں گے ان کا ایک جرم یہ ہوگا کہ دنیا کی زندگی میں خدا کو چھوڑ کر یہ اپنے لیڈروں اور سرداروں کے دام میں گرفتار ہوتے ہوں گے۔ ان کے جاہ و اقتدار سے دھوکہ کھا کر اور ان کی قوت و ثروت کی دھونس میں آکر انھوں نے اپنی فرصت حیات کو ان شیاطین انس، کی خواہشات و میلانات کی بھینٹ چڑھا دیا ہوگا:۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا۔

(احزاب: ۶۶-۶۸)

جس دن کہ ان کے چہرے جہنم میں پلٹیاں کھائیں گے۔ وہ کہیں گے اے کاش ہم نے اللہ کا اور (اس کے) رسول کا کہا مانا ہوتا۔ اور وہ کہیں گے کہ ہمارے آقا! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا سو انھوں نے ہمیں راستہ سے بھٹکا دیا۔ ہمارے آقا! انھیں دوہرا عذاب دے اور ان پر بڑی پھٹکار کر۔

Marfat.com

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وسیع دعوت

لیکن دعوت انبیاء مطالعہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے جب تک کہ اس سلسلے کی آخری کڑی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو تفصیلی رنگ میں نہ دیکھا جائے جبکہ یہی دعوت ہے جس میں انبیائی مشن اپنے نقطۂ کمال کو پہنچتا اور انسانی زندگی میں مطلوب فکر و نظر کی آخری وسعتوں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعوت زندگی میں کتنی دور رس تبدیلیوں کی علم بردار تھی اور اس کا دائرہ فکر و عمل کی کن وسیع جہتوں کو محیط تھا اس کا صحیح اندازہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جبکہ اس دعوت کے مخاطبین، ان کے ذہنی و فکری رجحانات اور ان کی عملی زندگی کے تمام خدوخال پورے طور پر نگاہ کے سامنے ہوں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین تین لوگ تھے۔ مشرکینِ عرب اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ۔ آیئے ان میں سے ہر ایک کے ذہنی اور عملی نقشۂ زندگی پر ایک نظر ڈالیں۔

مشرکین عرب

دنیا کے ہر نظام فکر و عمل کی طرح شرک و بت پرستی بھی اپنا ایک مستقل نظام رکھتی ہے اور پوری انسانی زندگی کو ایک خاص سانچے میں ڈھالتی ہے۔ بت پرستی کا نظریہ کوئی مجرد اور محدود چیز نہیں جس کا معاملہ کچھ خود ساختہ خداؤں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور ان کی نیاز مندیاں بجالانے پر ختم ہو جاتا ہو۔ اس کے ساتھ ہی یہ چیز ایک پوری توہماتی شریعت کو جنم دیتی ہے۔ جو اپنے ماننے والوں کی زندگیوں پر انتہائی دور رس اثرات مرتب کرتی ہے۔ سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین عرب کی اس پسندیدہ شریعت کی تفصیل بیان کی ہے۔ زندگی کی دوسری بہت سی نعمتوں کی طرح کھیتی باڑی اور مویشی وغیرہ اہل عرب کی وہ خاص نعمت تھی جس پر اللہ تعالیٰ کی صحیح شکر گزاری اور اس کے بندوں کے حقوق کی ٹھیک ادائیگی کے ذریعہ ہی یہ لوگ اپنے کو دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار کر سکتے تھے۔ لیکن زندگی کے دوسرے بے شمار معاملات کی طرح اس سلسلے میں یہ بت پرست قوم عجیب و غریب توہمات کا شکار تھی۔ اور اس خود ساختہ شریعت کے مختلف مظاہر تھے جن کی اس کے ہاں کارفرمائی تھی۔

Marfat.com

مشرکانہ شریعت کے مظاہر:

اس سلسلے کی پہلی نمایاں چیز تھی

۱۔ کھیتوں اور مویشیوں میں بتوں کی شرکت:

جس کی تردید کرتے ہوئے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ

(الانعام: ۱۳۶)

اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے اس کا ایک حصہ مشرکوں نے اس کے لیے ٹھہرایا چنانچہ انھوں نے کہا یہ اللہ کے لئے ہے ان کے گمان کے مطابق اور یہ ہمارے ساجھی داروں (بتوں، دیوی دیوتاؤں) کے لئے ہے۔ سو جو ہمارے ساجھی داروں کا ہے وہ تو اللہ تک نہ پہنچے گا البتہ جو اللہ کا ہے وہ ہمارے ساجھیوں تک پہنچ سکتا ہے۔ کتنا برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔

مویشیوں کے سلسلے میں ان کے اندر اور بھی طرح طرح کے توہمات پائے جاتے تھے:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ

اور انھوں نے کہا یہ مویشی اور کھیتیاں ہیں جن کی مناہی ہے۔ انھیں بس وہی کھا سکتے ہیں (بتوں کے پردیت وغیرہ) جنھیں ہم چاہیں ان کے خیال کے مطابق۔ جبکہ دوسرے مویشی ہیں جن کی سواری منع ہے۔ اسی طرح کچھ مویشی ہیں جن پر یہ (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔ (بلکہ بتوں کا لیتے ہیں اور اسے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں) اس پر جھوٹ باندھتے ہوئے۔ جلد ہی وہ انھیں بدلہ دے گا اس کا جو وہ جھوٹ باندھتے تھے۔ اور انھوں نے کہا کہ ان مویشیوں کے پیٹ

Marfat.com

فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۚ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ (انعام: ۱۳۹)

میں جو کچھ ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے (حلال) ہے اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے۔ البتہ اگر وہ مرا ہوا ہو تو اس میں سب ساجھی ہیں۔ جلدی وہ انھیں بدلہ دے گا ان کے اس بیان کا۔ ضرور وہ حکمت والا، علم رکھنے والا ہے۔

سماجی زندگی میں قوم عرب کی یہ بے اعتدالیاں براہ راست ان کے مشرکانہ تصورات و عقائد کا نتیجہ تھیں۔ تحلیل و تحریم کے سلسلے میں ان کی مذکورہ بالا بے بنیاد روش کو قرآن ان کے انھیں عقائد کا ثمرہ قرار دیتا ہے:

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۚ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۚ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ [1] (انعام: ۱۴۸)

ضرور جلد کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے (اللہ کے ساتھ دوسروں کو) ساجھی ٹھہرایا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک کے راستہ پر نہ پڑتے نہ ہمارے آباء و اجداد اور نہ ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ اسی طرح جھٹلانے کی راہ پکڑی انھوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انھوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ کہو کیا تمہارے پاس کوئی یقینی چیز ہے جو تم اسے ہمارے لئے نکالو۔ تم تو بس وہم و گمان کی پیروی کرتے ہو۔ اور نرے اٹکل پچو سے کام لیتے ہو۔

قتل اولاد:

فقر و فاقے کے ڈر سے اپنے ہی جگر گوشوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا، اس سے بڑھ کر سماجی برائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو بدنصیب طبقۂ انسانیت اپنی اولاد کے سلسلے میں رحم و ترحم کے جذبات

[1] نیز: سورۂ نحل: ۳۵۔

سے یکسر عاری ہو کر اپنے ہاتھوں سے انھیں لقمۂ اجل بنانے سے نہ چوکے، عام ابنائے انسانیت کے سلسلے میں غمخواری و ہمدردی اور ان کے جسم و جان کی حفاظت و بقاء کی اس سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ عرب کے یہ مشرکین اس بدی کی لعنت میں بھی بری طرح گرفتار تھے جسے قرآن ان کے معبودانِ باطل کی براہ راست اکساہٹ کا نتیجہ قرار دیتا ہے:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝

(الانعام: ۱۳۷)

اور اسی طرح خشونما بنا دیا ہے بہت سے مشرکین کے لئے اپنی اولاد کو مار دینے کو ان کے ساجھی داروں (بتوں اور دیوی دیوتاؤں) نے تاکہ وہ انھیں تباہ کریں اور ان کے اوپر ان کے طریقۂ زندگی (دین) کو گڈمڈ کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ سو تم انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور جو وہ الزام تراشی کرتے ہیں اس سے صرفِ نظر کرو۔

آگے بھی قرآن نے یہی بات کہی کہ ان کا یہ شرمناک جرم شرک و بت پرستی کی صورت میں اللہ تعالیٰ پر بیجا الزام تراشی کا نتیجہ ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

(آیت: ۱۴۰)

یقیناً ان لوگوں نے اپنا گھاٹا کیا جنھوں نے اپنی اولاد کو مارا حماقت سے بغیر سمجھے بوجھے۔ اسی طرح اللہ نے جو انھیں روزی دی (اس کی بہت سی چیزوں کو اپنے لئے) حرام ٹھہرا لیا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے۔ یقیناً انھوں نے گمراہی کا راستہ پکڑا اور وہ راہ یاب نہیں ہوئے۔

اس پس منظر میں ان کی خرافاتی شریعت کو مسترد کرتے ہوئے قرآن نے ان کے سامنے صحیح دینداری کے جو خدوخال پیش کئے اس کے وسیع تر دائرے کی جھلک ہمیں آیات ذیل میں نظر آتی ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ

کہو کہ آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں تمہارے

Marfat.com

رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا
بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ
وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ
ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ
اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ۝ (انعام: ۱۵۱-۱۵۲)

رب نے تمہارے اوپر کن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو ساجھی مت بناؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور اپنی اولاد کو فاقہ کے ڈر سے جان سے نہ مارو۔ ہم تم کو روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہوں یا چھپی۔ اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے حق کے۔ اس کی اللہ نے تم کو تاکید کی ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر سے بہتر ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول کو پورا کرو انصاف سے۔ ہم کسی جان پر اس کی طاقت سے اوپر کا بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور جب تم بات کہو تو انصاف سے کہو خواہ وہ (صاحب معاملہ) اپنا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے پیمان کو پورا کرو۔ اس کی اس نے تم کو تاکید کی ہے۔ تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔

اس تاکید کے ساتھ کہ:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا
فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ
ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم اس کی (پوری طرح) پیروی کرو۔ اور دوسری پگڈنڈیوں کو نہ پکڑو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے ہٹا کر ادھر ادھر کر دیں۔ اس کی اس نے

Marfat.com

تَتَّقُوْنَ ۝ (آیت : ۱۵۳) تم کو تاکید کی ہے. تاکہ تم بچ کر رہو۔

ان آیات کریمہ میں وسیع دائرہ پر مشتمل مختلف سماجی برائیوں سے منع کیا گیا ہے اور بعض انتہائی اہم مثبت تعلیمات دی گئی ہیں، اس سلسلۂ بیان میں برائیوں کے ذیل میں ایک جامع بات وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ وَمَا بَطَنَ کہی گئی ہے. جس کی تفصیل مختلف تفسیری روایات کی روشنی میں زنا کی مختلف صورتوں، محرمات سے نکاح اور شراب نوشی وغیرہ سے کی گئی ہے[1]۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ الفاظ عام ہیں جو کھلی اور چھپی بدی اور برائی کی جملہ صورتوں کو محیط ہیں. مفسرین میں امام رازیؒ نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے:

والاولیٰ ان لا یخصص هذا النهی بنوع معین بل یجری علی عمومه فی جمیع الفواحش ظاهرها وباطنها لان اللفظ عام والمعنیٰ الموجب لهذا النهی وهو کونه فاحشة عام ایضا ومع عموم اللفظ والمعنی یکون التخصیص علیٰ خلاف الدلیل [2]

زیادہ بہتر ہے کہ اس ممانعت کو کسی خاص قسم کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے. بلکہ بیحیائی کے تمام کاموں کی نسبت سے خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے یہ اپنے عموم پر باقی رہے. اس لئے کہ یہ لفظ عام آیا ہے اور اس ممانعت کو لازم کرنے والا معنیٰ جو اس کا بے حیائی کا کام ہونا ہے وہ بھی اسی طرح عام ہے اور لفظ اور معنیٰ کے اس عموم کے ہوتے ہوئے اس (کے مدلول) کو (کسی ایک مفہوم کے ساتھ) خاص کرنا دلیل کے خلاف بات ہوگی۔

یہی بات اسی پس منظر میں اس سے پہلے اسی سورہ میں بدیں الفاظ کہی گئی ہے:

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ (انعام: ۱۲۰)

اور گناہ کھلا ہو یا چھپا (سب) چھوڑ دو۔ یقیناً جو لوگ گناہ کی کمائی کرتے ہیں انھیں جلد بدلہ ملے گا اس جرم کا جو یہ کرتے تھے۔

---

[1] جامع البیان: ۸/۵۶، ۵۷۔ [2] مفاتیح الغیب: ۴/۱۷۵۔

Marfat.com

اس کی تفسیر میں بھی امام موصوف نے ایک قول اسی وسعت کا حامل نقل کیا ہے اور اسی کو راجح قرار دیا ہے:

ان هذا النهی عام فی	یہ ممانعت عام ہے تمام حرام کی ہوئی چیزوں
جمیع المحرمات وهو الاصح لان	کے سلسلے میں اور یہی بات زیادہ صحیح ہے۔
تخصیص اللفظ العام بصورة	اس لئے کہ کسی عام لفظ کی تخصیص کسی مخصوص
معینة من غیر دلیل غیر جائز[1]	صورت سے کسی دلیل کے بغیر جائز نہیں ہے۔

راس المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ نے یہی بات مزید تفصیل سے کہی ہے۔ آیت بالا کی تفسیر میں ذکر کردہ روایات سے ملتی جلتی روایتیں نقل کرنے کے بعد اس مقام پر اپنی ترجیحی رائے وہ ان لفظوں میں پیش کرتے ہیں:

والصواب من القول فی	ہمارے نزدیک اس سلسلے میں ٹھیک بات
ذلك عندنا ان یقال ان	یہ ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق
اللہ تعالیٰ ذکرہ تقدم الی	کے روبرو کھلے اور چھپے ہر طرح کے گناہ کو
خلقه بترك ظاهر الاثم و	چھوڑنے کی بات رکھی ہے۔ یعنی وہ جو پوشیدگی
باطنه وذلك سره وعلانیته	میں کیا جائے یا علانیہ اور گناہ (اثم) کا مطلب
والاثم کلما عصی اللہ به	ہے ہر وہ چیز جس کے ذریعہ اس کی حرام کردہ
من محارمه وقد یدخل	چیزوں سے اللہ کی نافرمانی کی جائے۔ اس کے
فی ذلك سر الزنا وعلانیته	اندر لازمی طور پر چھپا اور کھلا ہوا زنا (جھنڈے
ومعاهدة اهل الرایات	والی (پیشہ ور) اسی طرح ان میں آشنائیاں
واولات الاخدان منهن	کرتی پھرتی عورتوں کے معاہدے، باپ کی
ونکاح حلائل الآباء والامهات	بیویوں اور ماؤں اور بیٹیوں سے نکاح، خانہ
والبنات والطواف بالبیت	کعبہ کا ننگے طواف اسی طرح اللہ کی ہر نافرمانی

---

[1] حوالہ سابق: ۱۴۱/۷۔

Marfat.com

عریانا وکل معصیۃ للہ ظھرت او بطنت واذکان ذالك کذلك وکان جمیع ذلك اثما وکان اللہ عم بقولہ وذروا ظاھر الاثم وباطنہ جمیع ماظھر من الاثم و جمیع مابطن لم یکن لاحد ان یخص من ذلك شیئا دون شیٔ الا بحجۃ للعذر قاطعۃ لہ[1]

خواہ وہ کھلی ہو یا چھپی شامل ہے جب معاملہ یہ ہے اور یہ تمام چیزیں اثم (گناہ) ہیں اور اللہ نے اس بات کو عام رکھا ہے کہ "اور کھلے اور چھپے گناہ کو چھوڑ دو"۔ یعنی تمام وہ گناہ جو کھلے ہوں یا جو چھپے ہوں۔ تو کسی کیلئے جائز نہیں کہ اس میں سے کسی چیز کو خاص کرے اور دوسری کو چھوڑ دے۔ سوائے اس کے کہ اس کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جس کے بعد کچھ کہنے کا موقعہ نہ رہے۔ (جو ظاہر ہے نہیں ہے)۔

سورۂ اعراف میں یہی بات بعض اہم نکات کے اضافہ کے ساتھ کہی گئی ہے اور آخر میں شرک کی صورت میں خدا تعالیٰ پر جو بے بنیاد تہمت طرازی ہوئی ہے اس کی تردید ہوئی ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قبل گناہ کے ساتھ بغاوت و سرکشی، کے جس اجتماعی جرم سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے وہ براہِ راست اسی شرک و بت پرستی کا نتیجہ ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ○ (آیت: ۳۳)

کہو میرے رب نے جو چیز حرام ٹھہرائی ہے وہ بے حیائی کے کام ہیں خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے۔ اور گناہ اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اس چیز کو ساجھی ٹھہراؤ جس کے لئے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر وہ بات کہو۔ جو تم نہیں جانتے ہو۔

طریقۂ آباء کی اندھی پیروی:

شرک و بت پرستی کے بطن سے ابھرنے والا ایک دوسرا مرض جس میں اس کی نام لیوا عرب کی

---

[1] جامع البیان: ۸/۱۱۔

یہ امت بری طرح گرفتار تھی۔ اپنے آبا و اجداد کے طور طریقے اور ان کی روش زندگی کی اندھی پیروی تھی۔ آخری پیغمبرؐ نے جب ان کے سامنے اسلام کی دعوت حق پیش کی اس کے جواب میں انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ ہم اپنے اسلاف اور بزرگوں کو ایک طریقے کا پابند دیکھتے آئے ہیں اور ہم اس سے سرمو تجاوز نہیں کرسکتے۔ اپنی توہم پرستی کے اندھے پن میں یہ لوگ فرشتوں کو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور ان کے نام پر مورتیاں بنا کر ان کے سامنے سر نیاز خم کرتے تھے۔ اس کے حق میں دلیل اس کے سوا دوسری نہ تھی کہ:

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (زخرف: ۲۲)	بلکہ انھوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آبا و اجداد کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقوش کو پکڑے سیدھے راستے پر ہیں۔

اور یہ بات کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی خاص نہ تھی۔ آپؐ سے پہلے دنیا میں جتنے انبیاء علیہم السلام آئے سب کو اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں سے یہی ایک جواب سننے کو ملا:

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ (ایضا: ۲۳)	اور اسی طرح تم سے پہلے ہم نے کسی بستی میں جو ڈرانے والا بھی بھیجا تو اس کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے آبا و اجداد کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم انھیں کے نقوش پا پر چلتے رہیں گے۔

عرب کی مشرک قوم کی اس گمراہی کا دائرہ کافی وسیع تھا۔ اس کا اثر صرف شرک و بت پرستی کی نت نئی صورتوں ہی میں نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ طریق آبا کی پیروی کے حوالہ سے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیں۔ بلکہ ان کے اس عقیدۂ باطل نے انھیں پوری زندگی میں برائیوں اور بے حیائیوں کے ارتکاب کا کھلا لائسنس دیدیا تھا۔ خدا کے گھر کا ننگے ہو کر طواف کرنا اس سے بڑھ کر بدی اور بے حیائی اور کیا ہو سکتی ہے۔ مشرکین عرب عام طور پر اس بے حیائی میں گرفتار تھے جس میں مردوں کے ساتھ ان کی عورتیں بھی برابر کی شریک تھیں[1]۔ اپنی اس بے حیائی کے لئے وجہ جواز ان کے لئے طریقہ آبا کی یہی اندھی پیروی تھی:

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۰۸۔

Marfat.com

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (اعراف:۲۸)

اور جب یہ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آبا و اجداد کو اسی پر پایا ہے اور اللہ نے ہم کو اسی کا حکم دیا ہے۔ کہو کہ اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں ہو۔

اس کے جواب میں قرآن نے انھیں حق تعالیٰ کی بے لاگ اطاعت کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ محض شیطان کے بہکاوے میں آکر ان حرکتوں کا ارتکاب کر رہے ہیں:

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَنْ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (ایضا: ۲۹-۳۰)

کہو کہ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے۔ اور اس کا کہ تم اپنے رخ کو سیدھا کرو ہر نماز کے وقت اور اس کو (اللہ کو) پکارو اطاعت کو اس کے لئے بے آمیز کرتے ہوئے۔ جیسا کہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے ویسا ہی تم پلٹو گے۔ ایک گروہ کو اس نے راہ پر لگایا اور دوسرا گروہ اس کا مقدر گمراہی ٹھہری۔ انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنایا اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سیدھے راستہ پر ہیں۔

اس پس منظر میں خدا تعالیٰ کے لئے کامل یکسوئی اور اس کی بے لاگ بندگی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی شرک و بت پرستی کی آلودگی سے دامن کش رہنے کے ساتھ اپنی پوری زندگی میں اس کے عطا کردہ مجموعہ قانون کی پیروی کرنے والا ہو۔ جسے اصطلاح میں 'شریعت' کے نام سے جانا جاتا ہے:

(وادعوہ مخلصین لہ الدین) ای امرکم بالاستقامۃ فی عبادتہ فی محالہا وھی متابعۃ المرسلین المؤیدین بالمعجزات فیما اخبروا بہ

اور اسے (اللہ کو) پکارو اطاعت کو اس کے لئے بے آمیز کرتے ہوئے۔ یعنی اس نے تمہیں اپنی عبادت کے معاملہ میں اس کے تمام مواقع میں جمنے کا حکم دیا ہے اور اس کا طریقہ رسولوں کی (بہمہ وجوہ) پیروی ہے، جن کی معجزات کے

Marfat.com

عن اللّٰہ وما جاء وابہ من الشرائع وبالاخلاص لہ فی عبادتہ فانہ تعالیٰ لا یتقبل العمل حتی یجمع ھذا الرکنین ان یکون صوابا وموافقا للشریعۃ وان یکون خالصا من الشرک [1]

ذریعہ تائید کی گئی، ان تمام معاملات میں جن کی انھوں نے خبر دی اللہ کے سلسلے میں نیز وہ جو (مختلف) شریعتیں لے کر آئے اور وہ جو اس کی عبادت کے معاملہ میں انھوں نے اخلاص کی بات کہی اس میں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کسی عمل کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ اس کے اندر دو باتیں نہ پائی جائیں یہ کہ وہ صحیح ہو اور شریعت کے مطابق ہو۔ [2] اور شرک کی آمیزش سے پوری طرح پاک ہو۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں مشرکین کے اپنے معبودان باطل سے غیر معمولی تعلق کو واضح کرنے کے بعد جبکہ اسی کے اثر سے تحریم و تحلیل کے دائرے میں انھوں نے طرح طرح کی بے اعتدالیاں اختیار کر رکھی تھیں اور محض اپنے جی سے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ نعمتوں میں سے بہت سی چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تھا، [1] اسے شیطان کی وسوسہ اندازی قرار دیتے ہوئے خدائی فرمان یہ نازل ہوا:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ اِنَّمَا یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (بقرہ: ۱۶۸-۱۶۹)

اے لوگو، زمین میں جو تمام حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں ان سے کھاؤ اور شیطان کے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تمہیں تو وہ بس برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ پر وہ بات کہو جو تم جانتے نہیں ہو۔

آگے فرمایا کہ زندگی کے اس دائرے میں ان کی یہ بے اعتدالی محض آبا و اجداد کی اندھی پیروی کا نتیجہ ہے۔ یہی چیز ہے جس نے اس اہم ترین مسئلے میں انھیں راہ صواب سے منحرف کر رکھا ہے۔ اور ان

---

[1] ابن کثیر، حوالہ سابق۔ [2] تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۰۳۔

Marfat.com

کی پوری جمعیت اندھوں بہروں کا ایک گلہ بن کر رہ گئی ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (آیات: ۱۷۰-۱۷۱)	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جسے اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو پیروی کریں گے اس کی جس پر ہم نے اپنے آبا و اجداد کو پایا ہے۔ کیا اس کے باوجود بھی کہ ان کے آبا و اجداد کچھ سمجھتے نہ ہوں نہ انھیں راستہ کی کچھ خبر ہو۔

اس کے بعد اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس سلسلے میں جادۂ اعتدال کی طرف رہنمائی اس طرح فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (ایضا: ۱۷۲-۱۷۳)	اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں روزی دی ہیں۔ اور اللہ کا احسان مانو اگر تم بس اس کی بندگی کرتے ہو۔ اس نے تمہارے اوپر خاص طور پر حرام قرار دیا ہے، مردار، خون، سور کا گوشت اور وہ چیز جسے غیر اللہ کے نام پر قربان کی جائے۔ سو جو کوئی (اس کے لئے) مجبور ہو جائے اس طور پر کہ اسے دلی رغبت ہو نہ (نا گزیر حد سے آگے) بڑھنے والا ہو سو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ضرور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

مویشیوں کے سلسلے میں مشرکین عرب جن بے اعتدالیوں کا شکار تھے اس کی تفصیل سورہ مائدہ میں ہے۔ مختلف قسم کے جانوروں کے سلسلے میں انھوں نے اپنے اوپر طرح طرح کی پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ قرآن نے ان کے ان باطل خیالات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اللہ نے کوئی بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی نہیں بنایا۔ البتہ وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا اللہ پر

Marfat.com

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (آیت: ۱۰۳)

(اس کا) جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر سمجھتے نہیں ہیں۔

وہ اونٹنی جو پانچ بچے جن چکتی جس میں آخری نر ہوتا، عرب جاہلیت اس کے کان پھاڑ دیتے، اس پر سواری کرنا اپنے لئے حرام کر لیتے، اسے نہ کسی گھاٹ سے ہانکا جاتا، نہ کسی چراگاہ سے روکا جاتا اور کوئی عاجز و درماندہ مسافر بھی اس پر سواری کی جرأت نہ کرتا۔ اس کا نام بحیرہ تھا۔ آدمی سفر سے بسلامت واپسی اور بیماری سے شفایاب ہو کر اٹھنے پر نذر مانتا کہ اگر ایسا ہوا تو میری یہ اونٹنی کھلی چھوڑ رہے گی۔ یہ سائبہ تھی اور بحیرہ، کی طرح اس سے بھی کسی قسم کا کام لینا حرام تھا۔ اسی طرح ان کا ایک خیال یہ تھا کہ اگر بکری مادہ جنے تو وہ (مادہ) ان کی، اور اگر نر جنے تو وہ ان کے معبودوں کا حصّہ ہوگا۔ اور اگر وہ نر اور مادہ ساتھ جنتی تو کہتے کہ وہ مادہ کے ساتھ اس کا بھائی ملا کر لائی۔ یہ وصیلہ، ہوتی۔ اور اس سے ہونے والے اس نر کو وہ اپنے معبودوں کے نام ذبح کرنا جائز تصور نہ کرتے۔ اسی طرح اگر کوئی اونٹنی کسی نر (فحل) سے بار آور ہو کر دس بچے جن دیتی تو کہتے کہ اس (نر) نے اپنی پیٹھ محفوظ کر لی۔ اب نہ اس پر کوئی سواری کی جا سکتی ہے، نہ اس پر کوئی سامان لادا جا سکتا ہے۔ نہ اسے کسی گھاٹ سے روکا جا سکتا، نہ کسی چراگاہ سے منع کیا جا سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا نام حامی، تھا کہ اس نے اپنی پیٹھ کو محفوظ کر لیا، قدمی ظہرہ[1]۔

قرآن نے کہا کہ اپنے معاملات میں ان کی یہ من مانہ حرکتیں ان کی اسی تقلید آباء کا براہ راست نتیجہ ہیں چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جسے اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف تو وہ کہتے ہیں ہمارے لئے کافی ہے وہ جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے۔ کیا اس کے باوجود کہ ان کے آباء واجداد کچھ جانتے ہوں۔ نہ انھیں راستے کی کچھ خبر ہو۔ (مائدہ: ۱۰۴)

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۳۸۶۔

Marfat.com

ہوا پرستی :

اس کے علاوہ قرآن شرک وبت پرستی کا ایک بڑا مظہر انسان کی ہوا پرستی قرار دیتا ہے دنیا کے اس کارخانے میں ایک خدا کے علاوہ بہت سے خداؤں کی حکمرانی ہے اور وہ اس کے مستحق کہ ان کی شبیہیں بنا کر ان کے حضور سر تسلیم خم کیا جائے اور ان کی نیازمندیاں بجالائی جائیں، ظاہر ہے انسان کی یہ وہ روش ہے جس کا عقل وخرد سے کوئی واسطہ نہیں. انسان دنیا میں بے قید زندگی بسر کرنے کے لئے اسے بطور بہانہ کے استعمال کرتا ہے. اپنے جذبۂ بندگی کی تسکین کی خاطر وہ شرک وبت پرستی، کا ایسا نظام تجویز کرتا ہے جس میں خدا کی حیثیت عضو معطل سے زیادہ نہیں رہ جاتی اور اسے پوری آزادی مل جاتی ہے کہ زندگی میں جو روش چاہے اپنائے اور اپنی خواہش نفس کی پیروی میں جدھر چاہے منہ مارتا پھرے. یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جگہ جگہ اہل شرک کی بت پرستی کو خواہش نفس، کی پوجا کے مرادف قرار دیا ہے، جس کے بعد وہ اپنے معاملات زندگی میں بالکل جانوروں کی طرح بے لگام ہو جاتے ہیں:

اَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ	کیا تم نے دیکھا ایسے شخص کو جس نے اپنی خواہش
اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۙ اَمْ	نفس کو اپنا معبود ٹھہرایا سو کیا تم اس پر نگراں
تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ	ہو سکتے ہو. کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے
يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ	اور سمجھتے ہیں. یہ تو بس جانوروں کے مانند
هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (فرقان: ۴۳-۴۴)	ہیں. بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔

اس لئے کہ یہی خواہشات ہوتی ہیں جو زندگی میں ان کا اصل مرکز توجہ بن جاتی ہیں:

من كان فى طاعة الهوىٰ	جو کوئی اپنے دین کے معاملہ میں خواہش
فى دينه يتبعه فى كل ما يأتى	نفس کی پیروی میں ہوگا، وہ جو کام بھی کریگا
ويذر ولا يتبصر دليلا	یا جسے چھوڑے گا اس میں اسی کی پیروی
ولا يصغى الى برهان	کرے گا. وہ نہ کسی دلیل پر غور کرے گا، نہ
فهو عابد هواه و	کسی حجت وبرہان پر کان دھرے گا. سو

Marfat.com

جاعلہ الٰھہ[1] وہ اپنی خواہش نفس کا بندہ ہوگا اور اسے ہی اپنا معبود قرار دے گا۔

دوسرے مقام پر قرآن نے ایسے شخص کو گمراہی کے آخری درجے پر قرار دیا ہے، جو خالصہ مادہ پرستانہ نقطۂ نظر کو پروان چڑھاتا اور جس کے بطن سے بے سہارا باحیت پسندی جنم لیتی ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ[2] ۝

(جاثیہ: ۲۳-۲۴)

سو کیا تم نے دیکھا ایسے شخص کو جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود ٹھہرایا اور اللہ نے اسے جانتے بوجھتے گمراہ کیا۔ اور اس کے کان اور دل پر مہر کر دی اور اس کی نگاہ پر پردہ ڈال دیا۔ سو اللہ کے بعد اسے راہ پر کون لگا سکتا ہے۔ کیا پس تم یاد دہانی نہیں حاصل کرتے ہو۔ اور انھوں نے کہا کہ یہ تو ہماری بس دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں بس زمانہ ختم کرتا ہے۔ انھیں اس کی کچھ جانکاری نہیں۔ وہ بس اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔

---

[1] الکشاف للزمخشری: ۲/۷۷۹۔ [2] مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ، ان دو آیتوں میں مخاطب کی تبدیلی کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اس آیت کریمہ کا مصداق یہود ہیں جو دعوت کے اس مرحلے میں مشرکین عرب کی حمایت میں سرگرم تھے اور دوسری آیت کے مصداق کفار عرب۔ تدبر قرآن: ۶/۲۲۱۔ لیکن دیگر ائمہ تفسیر کی تشریحات کی روشنی میں ان دونوں آیتوں میں خطاب مشرکین عرب ہی سے ہے۔ اور اس طرح یہ آیات سورۂ فرقان کی آیت مذکورہ کے سیاق میں ہیں جو واضح طور پر عرب کے مشرکین سے متعلق ہے۔ ملاحظہ ہو: ابن جریر: ۲۵/۹۱۔ الکشاف: ۲/۱۲۴۹ نیز ابن کثیر: ۴/۱۵۰۔ ہمارے نزدیک یہی رائے قابل ترجیح ہے۔ مولانا اصلاحی نے آیت مذکور میں جن اوصاف کی بنا پر اس کا مخاطب یہود کو مانا ہے، یہ چیزیں مشرکین عرب کے ہاں بھی موجود تھیں۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

سورۂ محمد میں اہل ایمان کو آخرت کے اجر بے پایاں کی بشارت دیتے ہوئے، لذت دنیا میں گم اہل کفر و شرک کو دوزخ کے دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ	ضرور اللہ داخل کرے گا ان لوگوں کو
آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ایسے باغات
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْھٰرُ	میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ رہے
وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ	وہ جنھوں نے انکار کیا تو وہ (دنیا کی اس
یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَ	زندگی میں) کچھ فائدہ اٹھالیں اور کھا پی لیں
النَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ	جیسے کہ جانور کھاتے ہیں۔ (بعد کی زندگی میں)
(آیت: ۱۲)	ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

بعد میں ان کے اس انجام بد سے دوچار ہونے کی واحد وجہ یہ بتائی کہ یہ لوگ دنیا کے اندر خواہشات کی پیروی کے دام میں گرفتار رہے:

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ	سو کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے واضح
رَّبِّہٖ کَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ	نشانی پر ہو اس کی طرح ہو سکتا ہے جس کے لئے
عَمَلِہٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَھْوَآءَھُمْ	اس کے برے عمل خوشنما کر دیئے گئے اور یہ لوگ
(آیت: ۱۴)	اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں لگے ہوں۔

آخری پیغمبرؐ کی دعوت کو یہ لوگ جو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے تو اس راہ کی دوسری رکاوٹیں اپنی جگہ، ان کا اصل مرض یہی تھا کہ یہ لوگ خواہشات نفس کے دام میں اسیر تھے۔ اور آخرت کے ادھار سودے کی خاطر دنیا کی نقد آسودگیوں اور آسائشوں بالفاظ دیگر اپنی ہوس پرستیوں سے دست بردار ہونے کے لئے کسی طرح آمادہ نہ تھے:

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکَ	سو اگر یہ تمہاری بات نہ مانیں تو سمجھ لو
فَاعْلَمْ اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَھْوَآءَھُمْ	کہ یہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں لگے
وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ھَوٰٓاہُ	ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر راہ سے ہٹا اور کون
بِغَیْرِ ھُدًی مِّنَ اللّٰہِ	ہو سکتا ہے جو اللہ کی رہنمائی سے بے نیاز ہو کر

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (قصص: ۵۰)	اپنی خواہش نفس کی پیروی میں لگ جائے ضرور اللہ (ایسے) نافرمان لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

انسانوں کی حکمرانی

دنیا کے ہر نظام فکر و عمل کی طرح شرک و بت پرستی کا یہ خاصہ بھی اپنی جگہ ہے کہ اس کے فلسفے اور بنیادوں میں جزوی طور پر جو اختلافات بھی پائے جاتے ہوں عملی زندگی میں اس کا یہ نتیجہ متفقہ طور پر سامنے آتا ہے کہ سوسائٹی کا مٹھی بھر نمایاں طبقہ اس کا موئد اور سرپرست بن کر ابھرتا ہے۔ اور وہ آبادی کی عظیم اکثریت کو اپنے پسندیدہ راستے پر لگانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ آج کی مروجہ اصطلاح میں اسے ہم 'مفاداتِ حاصلہ' VestedIntrests کا نام دے سکتے ہیں جنھیں قرآن قوم کے سربرآوردہ لوگ 'ملأ قوم'، اپنی بڑائی کے نشہ میں سرشار 'الذین استکبروا'، اور لیڈران قوم 'الذین اتّبِعُوْا' کے نام سے یاد کرتا ہے۔ چونکہ ان کے تمام تر مفادات اسی مروج نظام زندگی سے وابستہ ہوتے ہیں اس لئے وہ اس کے پورے ڈھانچے اور اس کے تمام کل پرزوں کے ساتھ اس کے تحفظ اور بقار کے لئے اپنا پورا ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ظاہر ہے ان کا یہ مقصد صرف شرک کے فلسفے اور اس کی بنیادوں کے باقی رہنے سے حاصل نہیں ہو سکتا، یہ مقصد تو اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جبکہ اس سے وابستہ پورے نظام زندگی کے پھلنے پھولنے کے مواقع حاصل ہوں اور شرک کے ساتھ اس سے متعلق پوری شریعت بھی پوری طرح زندہ اور برقرار ہو۔ موئدین نظام شرک کا یہی آپسی گٹھ جوڑ ہے جسے قرآن نے سیدنا ابراہیمؑ کی دعوت کی تفصیل کے ذیل میں مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کے بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے جب کہ قیامت کے روز اس شیرازے سے بکھر جانے کے بعد ہر ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہو گا:

وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ	اور اس نے (ابراہیمؑ نے) کہا کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر بہت سے بتوں کا جو سہارا پکڑا ہے تو محض دنیا کی زندگی میں باہمی محبت و تعلق کے سبب۔ بعد میں قیامت کے دن تم

Marfat.com

بِبَعْضٍ وَّ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○

میں سے ایک دوسرے کا انکار اور ہر ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرے گا۔ اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔ (عنکبوت: ۲۵)

آخری نبیؐ کی دعوت کے بیان میں قرآن نے اس حقیقت کو بار بار ابھارا ہے کہ کس طرح قوم کا سربرآوردہ یہ طبقہ رائج الوقت نظام شرک و کفر کو برقرار رکھنے کے لئے سب سے پہلے آگے بڑھ کر قرآن اور اس کے عطا کردہ نظام فکر و عمل کا انکار کرتا تھا اور اپنے اثر و اقتدار کی دھونس جما کر عوام الناس کو اپنے پسند کردہ راستہ پر چلنے کے لئے مجبور کرتا تھا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ِالْقَوْلَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ○

اور جن لوگوں نے کفر کیا انھوں نے کہا ہم ہرگز ہرگز نہ اس قرآن پر ایمان لائیں گے، نہ اس چیز پر جو اس سے پہلے رہی (تورات و انجیل وغیرہ)۔ اور اگر تم دیکھتے (تو یہ عجیب منظر ہوتا) جبکہ یہ بے انصاف اپنے رب کے حضور کھڑا ہوں گے دریں حالیکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی بات کو پلٹ رہا ہوگا۔ وہ لوگ جو دبائے ہوئے تھے ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ اگر تم لوگ نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان والے ہوتے۔ (سبا: ۳۱)

اس کے بعد قرآن خدا کے حضور ان کے اس آپسی تکرار کی تفصیل ان لفظوں میں پیش کرتا ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ○

وہ لوگ جو بڑے بنے ہوئے تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے جو دبے ہوئے تھے کیا ہم نے تم کو راستی سے روکا تھا جبکہ وہ تمہارے پاس آچکی تھی۔ بلکہ تم خود مجرم تھے اور جو لوگ

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (آیت: ۳۲-۳۳)

دبے ہوئے تھے وہ ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیر (اس کا سبب تھی) جبکہ تم ہم کو حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کریں اور اس کے لیے (دوسروں) کو ساجھی ٹھہرائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (اپنی) شرمساری کو چھپائیں گے اور جن لوگوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہم ان کی گردنوں میں زنجیر ڈال دیں گے ان کو بدلہ اسی کا تو ملے گا جو یہ کرتے رہے تھے۔

قرآن کہتا ہے یہ کچھ اسی پیغمبرؐ کے ساتھ خاص نہیں۔ نظام شرک و کفر کے علم بردار، ہر دور میں، اپنی دنیوی حیثیت سے دھوکہ کھا کر حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آنے والی شریعتوں کا ان کی جملہ تفصیلات کے ساتھ انکار کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ (سبا: ۳۴-۳۵)

اور ہم نے کسی بستی میں جو ڈرانے والا بھی بھیجا تو اس کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ (رسولو!) تم جس چیز کو دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور انھوں نے کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ہم پر عذاب نہیں ہونے کا ہے۔

نظام کفر و شرک کے ان وسیع دائروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آخری نبیؐ نے اسے منہدم کرتے ہوئے جب اس کی جگہ توحید کا آوازہ بلند کیا تو اس کے پیش نظر نظام زندگی میں کتنی دور رس تبدیلیاں رہی ہوں گی۔ اور قرآن کی یہ پیکار فکر و عمل کے مکمل انقلاب سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہو سکتی کہ:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ

پیروی کرو اس پورے (مجموعۂ دین)

Marfat.com

رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝

(اعراف: ۳)

کی جو تمہارے رب کی طرف سے تم تک اتارا گیا ہے۔ اور اس کو چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کے کہے میں نہ رہو۔ تم بہت کم یاد دہانی حاصل کرتے ہو۔

Marfat.com

اہل کتاب یہود و نصاریٰ

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے دوسرے مخاطب اہل کتاب یہود و نصاریٰ تھے۔ جو صاحب شریعت تھے اور جن کے پاس اپنی ضروریات و حالات کے لحاظ سے خود کفیل نظام قانون موجود تھا۔ جو ان کی جملہ معاملات زندگی میں ہدایت و رہنمائی کے لئے بالکل کافی تھا۔ چنانچہ یہود کے متعلق قرآن صراحت کرتا ہے کہ توراۃ کی صورت میں انھیں وہ کتاب عطا کی گئی تھی جو زندگی کی پر پیچ راہوں میں انھیں راہ صواب دکھانے والی اور مسائل کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں انھیں مشعل راہ کا کام دینے والی تھی اور اس قوم کے زوال پذیر ہونے سے قبل عرصۂ دراز تک اس کے انبیاءؑ اور علماء و فقہاء کسی کمی اور کھوٹ کے بغیر پوری دیانت داری اور امانت کے ساتھ اس کے مطابق ان کے معاملات زندگی کے فیصلے کرتے تھے۔ زندگی کے جملہ امور و مسائل میں یہی کتاب ان کی رہنما تھی۔ اور کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا کئے بغیر وہ اس کا حق ادا کرتے تھے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا	ضرور ہم نے تورات اتاری، اس میں
هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا	ہدایت اور روشنی تھی۔ جس کے ذریعہ (عرصۂ
النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا	دراز تک) انبیاء جو مطیع فرمان تھے فیصلے کرتے
لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ	رہے ان لوگوں کے لئے جو یہودی تھے (اسی
وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ	طرح ان کے) علماء و فقہاء، اس لئے کہ انھیں
كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ	اللہ کی کتاب کا نگراں بنایا گیا تھا اور وہ اس
شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ	پر گواہ تھے۔ سو تم لوگوں سے نہ ڈرو۔ (صرف)
وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ	مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کا تھوڑے
ثَمَنًا قَلِيْلًا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ	داموں سودا نہ کرو اور جو کوئی فیصلہ نہ

Marfat.com

اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ[1] ۝ (مائدہ: ۴۴)

کرے اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ کافر ہیں۔

نورانی شریعت کا وسیع دائرہ:

اس کتاب کا نظام شریعت کس وسعت کا حامل تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اندر علاوہ زندگی کے دیگر امور و مسائل کے فوجداری قانون انتہائی اہم تفصیلات کے ساتھ موجود تھا۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (آیت: ۴۵)

اور ہم نے ان کے اوپر اس میں فرض کر دیا تھا کہ جان کے بدلہ جان، آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کان کے بدلہ کان، دانت کے بدلہ دانت۔ اسی طرح (دوسرے تمام) زخم قابل قصاص ہیں۔ سو جو کوئی اپنی طرف سے اسے چھوڑ دے تو یہ اس کے لئے (اپنے گناہوں کا) کفارہ ہے اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ ظالم ہیں۔

اس سے قبل حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد بنی اسرائیل کے سلسلے میں اسی ذیل کی ایک اور اہم ہدایت بیان کی گئی، اس وضاحت کے ساتھ کہ اس کے علاوہ اس قوم کے رسولوں کو ہم نے جملہ معاملات زندگی کے سلسلے میں واضح احکامات (بنیات) عطا کئے تھے:

---

[1] مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہٗ نے دیگر نظائر قرآن کی روشنی آیت کے اس آخری ٹکڑے کو خطاب کی تبدیلی کے ساتھ وقت کے یہود کے بجائے مذکورہ علماء و فقہاء ہی سے متعلق مانا ہے۔ اور اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو، تدبر قرآن: ۲/۳۰۰۔۱۔۳

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ (مائدہ:۳۲)

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر فرض کیا کہ جو کوئی کسی جان کو قتل کرے کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد برپا کرنے کے بغیر اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے ایک جان کو زندہ رکھا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔ اور ہاں ان کے پاس ہمارے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے۔ پھر بھی ان میں بہتیرے اس کے باوجود بھی زمین میں حد سے بڑھنے والے ہیں۔

قوم یہود کے جرائم:

اس کے علاوہ قرآن نے مختلف مقامات پر یہود کے جرائم اور ان کے اخلاقی امراض کی تفصیل بیان کی ہے۔ جن میں یہ قوم اپنی شرارتوں اور کتاب اللہ میں من مانی تحریفات کے نتیجے میں گرفتار ہوئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نیکی اور بھلائی کی وسیع تعلیمات ہوں گی جن کا حق تعالیٰ کی جانب انھیں حکم کیا گیا اور جن پر بے کم و کاست عمل پیرا ہونے پر ہی ان کی دنیا و آخرت کی فلاح وابستہ ہوگی۔ آخری نبیؐ کی دعوت کو روک دینے کے لئے اس قوم کا سب سے بڑا ہتھیار جھوٹ تھا۔ جس کی یہ بری طرح رسیا اور دلدادہ تھی۔ جھوٹی باتیں سننا اور جھوٹی باتوں کا یقین کرنا اور عدالت سے جھوٹے فیصلے حاصل کرنے کی کوشش کرنا اس قوم کا محبوب مشغلہ ہے۔ اس کے لئے یہ لوگ توراۃ کو چھوڑ کر آخری نبیؐ سے اپنے حسب دلخواہ فیصلے کے لئے ناکام توقع وابستہ کرتے ہیں:

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ، لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ

اور جو لوگ یہودی ہوئے ان میں بہتیرے جھوٹ سننے والے، کچھ دوسرے لوگوں کے لئے سننے والے ہیں جو تم تک نہیں آئے۔ یہ بات کو بہکاتے ہیں اس کی (اصل) جگہوں

Marfat.com

اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ
اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ
اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ
اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ
اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِي
الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (مائدہ: ۴۱)

سے. کہتے ہیں اگر تم کو یہ ملے تو تو اسے لو اور اگر تم کو یہ نہ ملے تو بچ رہو۔ اور اللہ جس کی آزمائش کرنا چاہے تو اللہ کے مقابلے میں تم اس کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھا سکتے یہی لوگ ہیں کہ اللہ نے نہ چاہا کہ ان کے دلوں کو پاک کرے۔ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

فرمایا کہ اس نحوست کا اثر یہ ہے کہ پوری قوم جھوٹی گواہی اور رشوت ستانی کے مرض میں گرفتار ہے:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ
لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ
وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ
يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝
(مائدہ: ۴۲)

جھوٹ کے سننے والے اور حرام (رشوتوں) کے کھانے والے۔ سو اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے درمیان فیصلہ کرو یا ان سے منہ پھیر لو۔ اور اگر تم ان سے منہ پھیر لو تو یہ تمہارا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اور اگر تم ان کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ ضرور اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ قوم یہود کے اندر زنا کا ایک واقعہ تھا جس کے سلسلے میں وہ توراۃ کے حکم 'رجم' سے بچنے کے لئے کسی ہلکی سزا کی توقع میں آخری نبیؐ کی بارگاہ میں آئے تھے۔ فرمایا کہ جس نبیؐ کے قدم اکھاڑنے کی خاطر یہ صبح سے شام تک سازشوں کے جال بننے میں مصروف رہتے ہیں یہ کیا بات ہے جو اس نیازمندی سے اس خاص مسئلے میں وہ اس کا رخ کر رہے ہیں:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَ — یہ کیسے تم کو ثالث بناتے ہیں جبکہ

---

۱ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/۳۶۰۔ ۲ تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۹-۶۰۔

Marfat.com

عِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَا اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (مائدہ: ۴۳)

ان کے پاس تورات ہے جس میں (صاف) اللہ کا حکم موجود ہے۔ پھر یہ اس کے بعد پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔ اور یہ ماننے والے لوگ نہیں ہیں۔

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے ان کا یہی مرض بیان کیا ہے کہ ان کی ساری تگ و دو برائی، ظلم و سرکشی اور حرام خوری کے لئے ہے جبکہ اس کے برعکس انھیں خیر و فلاح کے ہمہ جہتی کاموں کے لئے سرگرم کار رہنا تھا:

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ بِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ (مائدہ: ۶۲-۶۳)

تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ یہ گناہ، سرکشی اور حرام کھانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ بہت برا ہے جو یہ کرتے رہے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے (ان کے) علماء و فقہاء انھیں گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے۔ بہت بری ہے یہ کمائی جو یہ کما رہے ہیں۔

آگے فرمایا کہ اس قوم سے کسی بہتری کی کیا توقع کی جا سکتی ہے جبکہ یہ بجائے نیکیوں اور بھلائیوں کے ہر طرح کی برائیوں اور نافرمانیوں کے سلسلے میں بے مہار ہے:

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (آیات: ۷۸-۷۹)

پھٹکارے گئے جنھوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے، داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی۔ یہ اس لئے ہوا جو یہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھتے تھے۔ یہ جو آپس میں برائی کے کام کرتے تھے تو ایک دوسرے کو اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ بہت بری تھی یہ چیز جو یہ کرتے تھے۔

دوسرے مقام پر قرآن نے ان کے اسی طرح کے ایک اور جرم سود خوری اور بے ایمانی کی نشاندہی کی ہے جبکہ ان کے برعکس نیکی اور بھلائی کی باتوں کا انھیں حکم دیا گیا تھا:

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝
(نساء: ۱۶۰-۱۶۱)

سو نافرمانی کی وجہ سے ان کی جو یہودی ہوئے ہم نے ان کے اوپر حرام کر دیں بہت سی وہ چیزیں جو (پہلے) ان کے لئے حلال تھیں۔ اور اس لئے کہ یہ اللہ کے راستہ سے بہت زیادہ روکتے اور سود لیتے جبکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ اور لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے۔ اور ہم نے ان میں سے (ایسے) کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حق پرست اہل کتاب:

البتہ ان کے کچھ لوگ جو اللہ کی توفیق سے حق پر قائم ہیں اور اسی کی برکت سے جنھیں آخری نبیؐ کی دعوت کو قبول کرنے کی توفیق حاصل ہوئی ہے ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے نماز اور زکوۃ کا دامن مضبوط پکڑ کر اپنے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی کا سامان کر لیا ہے:

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (نساء: ۱۶۲)

البتہ وہ جو ان میں علم میں گہرے اور ایمان والے ہیں وہ یقین رکھتے ہیں اس چیز کا جو تم تک اتاری گئی نیز اس کا جو تم سے پہلے اتاری گئی۔ اور (یہ) نماز قائم کرنے والے اور زکوۃ دینے والے ہیں۔ اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔ یہ ہیں جنھیں ہم جلد ضرور بڑا بدلہ دیں گے۔

Marfat.com

نصاریٰ صاحب شریعت گروہ:

قوم یہود کی اصلاح کے لئے مبعوث ہونے والے آخری اسرائیلی پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کے پیروکار نصاریٰ، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے تیسرے بنیادی مخاطب تھے۔ یہ بھی ایک صاحب شریعت گروہ تھا اس لئے کہ حضرت مسیح کوئی نیا دین اور نئی شریعت لیکر نہیں آئے تھے۔ بلکہ موسوی شریعت 'توراۃ' کو صحیح معنوں میں زندہ کرنے اور انجیل کی حکمت و موعظت اور روح شریعت کی پیروی پر مشتمل ابھری ہوئی تعلیمات کے ذریعہ اس پہلو سے تورات کے اندر پیدا ہو جانے والے نقص کو دور کرنے کے لئے آں جناب کی بعثت ہوئی تھی جس کی صراحت آج بھی عہد نامۂ جدید میں بدیں الفاظ موجود ہے کہ:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ متی باب: ۵ : ۱۷۔ نیز یہ کہ:

"آسمان اور زمین کا ٹل جانا شریعت (یعنی توراۃ) کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے۔ (لوقا: باب: ۱۶: ۱۷) جس کی تصدیق قرآن حکیم کی درج ذیل آیت کریمہ سے ہوتی ہے کہ آں جناب کے مشن میں انجیل کے ساتھ توراۃ کی تعلیم بھی اسی اہتمام سے شامل تھی۔ چنانچہ بارگاہِ ایزدی سے ان دونوں کا علم انہیں ساتھ ساتھ عطا کیا گیا تھا:

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ (آلعمران: ۴۸۔۴۹)

اور اللہ نے عیسیٰؑ کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور انھیں بنی اسرائیل کے پاس رسول بنا کر بھیجا۔

آگے یہی بات ان لفظوں میں کہی گئی:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ

اور میں تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات ہے۔ اور میں اس لئے آیا ہوں، تاکہ تمہارے لئے حلال قرار دوں ان بہت سی چیزوں کو جو تم پر حرام ٹھہریں۔

Marfat.com

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنَ ۝ (آلعمران: ۵۰)

اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک کھلی نشان لے کر آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے توراۃ کے 'مصدق' ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ توراۃ میں آں جناب کی آمد کی بشارت موجود تھی۔ ساتھ ہی اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ فی الجملہ توراتی شریعت پر عامل تھے اور علمائے یہود کی اس میں پیدا کردہ تحریفات کو ختم کر کے اسے اس کی اصل موسوی صورت پر لانے والے تھے۔[1] حضرت مسیح کی طرح یہی وصف قرآن نے آں جناب کو ملنے والی کتاب 'انجیل' کا بھی بیان کیا ہے کہ وہ انہی معنوں میں توراۃ کی تصدیق کرنے والی اور اس طرح حکمت و شریعت دونوں کی جامع ہے:

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (مائدہ: ۴۶)

اور ان (رسولوں) کے پیچھے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو تصدیق کرنے والے تھے اپنے سے پہلے تورات کی۔ اور ہم نے انھیں انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی۔ اور وہ تصدیق کرنے والی تھی اپنے سے پہلے تورات کی۔ اور ہدایت اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کے لئے۔

توراۃ سے مل کر حکمت و شریعت کی جامع انجیل کی اسی دوگونہ حیثیت میں اس کے پیروؤں کو حکم ہوا کہ انھیں اپنے معاملات زندگی کا فیصلہ اس کے مطابق کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا:

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ

اور چاہیئے کہ انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں اتارا ہے۔ اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو

---

[1] مفاتیح الغیب: ۲/۴۷۶۔

Marfat.com

هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (مائدہ : ۴۷)　　اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ گنہگار ہیں۔

قرآن کا نسخۂ شفاء

کون نہیں جانتا کہ یہود کی طرح نصاریٰ بھی عہد الٰہی کے ساتھ وفا نہ کر سکے اور اول الذکر کی طرح ان لوگوں نے بھی اپنی مقدس کتاب میں تبدیلیاں کر ڈالیں اور یہود ہی کی طرح بے جا عصبیتوں کا شکار ہو گئے۔ اہل کتاب کے ان دونوں ہی گروہوں یہود و نصاریٰ کے اس درد کا درماں مشیت ایزدی نے آخری نبیؐ کو دی جانے والی اجمع و اکمل کتاب اور انسانی زندگی کے مکمل دستور 'قرآن' کے ذریعہ کیا۔ جس کا امتیاز یہ ہے کہ وہ توراۃ و انجیل کی طرح جملہ صحف سماوی کی تعلیمات و ہدایات کا عطر اور خلاصہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ انسانوں کی طرف سے ان میں کی جانے والی لفظی و معنوی تحریفات کی نشاندہی کرتی اور اس طرح یہ جملہ سابق آسمانی کتابوں کی نگراں ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ انسان کے لئے مکمل ضابطۂ حیات ہے اور قیامت تک کے لئے انسانی زندگی میں جو امور و مسائل پیش آئیں گے ان سب کے سلسلے میں یہ اپنے اندر جامع اور آخری ہدایات رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو آخری نبیؐ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا کہ قرآن کی صورت میں تمہیں اب یہ دائمی اور آخری شریعت دی جا رہی ہے اس لئے دنیا کے دوسرے تمام انسانوں کی طرح اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے معاملات کا فیصلہ بھی اسی کے مطابق کرنا ہوگا اور ان کی دنیا و آخرت کی فلاح اس سے وابستہ ہے کہ وہ بھلائی کے اس آخری ایڈیشن کی طرف لپکیں۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ	اور ہم نے تم تک کتاب اتاری ہے حق
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ	کے ساتھ جو تصدیق کرنے والی ہے اپنے
يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا	سے پہلی کتابوں کی اور ان پر نگراں ہے۔
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا	سو تم ان (اہل کتاب یہود و نصاریٰ) کے
اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ	درمیان فیصلہ کرو اس کے مطابق جو اللہ نے
عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ	اتارا ہے اور تمہارے پاس جو حق آگیا ہے
جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا	اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ
لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَآ اٰتٰكُمْ
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ،
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

(مائدہ: ۴۸)

تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک طریقہ
اور راہ عمل قرار دیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو
تم کو ایک مسلک کر دیتا لیکن (اس نے ایسا
نہیں کیا) تاکہ تم کو آزمائے اس میں جو اس نے
تم کو دیا ہے۔ سو تم بھلائیوں کی طرف ایک
دوسرے سے آگے بڑھو۔ اللہ ہی کی طرف
تم سب کو پلٹنا ہے۔ سو وہ تم کو بتا دے گا جس
میں تم آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔

تکمیلی شریعت کے نمائندہ اس آخری ایڈیشن کے آجانے کے بعد جو کوئی شریعت الٰہی کے نامکمل ایڈیشنوں سے چمٹنے پر اصرار کرے تو اس کا مطلب اس کے سوا دوسرا نہیں کہ وہ گروہی عصبیتوں میں گرفتار اور اپنی خواہشات نفس کا پرستار ہے اور اس کی یہ روش خالص جاہلیت کی روش ہے۔ جو خدائی فیصلے کی صریح ناقدری ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ
وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ
عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ
بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ
كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝
اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ
مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا
لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (مائدہ: ۴۹-۵۰)

اور یہ کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرو
اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے اور ان
کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ اور ان سے
بچو کہ کہیں وہ تم کو آزمائش میں نہ ڈال دیں
اس کے کسی حصے سے (پھیر کر) جو اللہ نے تم
تک اتارا ہے۔ سو اگر یہ روگردانی کریں تو جان
لو کہ اللہ بس یہ چاہتا ہے کہ انھیں ان کے
بعض گناہوں کے سبب پکڑے۔ اور لوگوں
میں سے بہتیرے نافرمان ہیں۔ کیا یہ جاہلیت
کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور اللہ سے بہتر فیصلہ
کس کا ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لئے جو مانیں۔

Marfat.com

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے دو مشترک جرم

احبار و رہبان کی خدائی:

اہل کتاب یہود و نصاریٰ فکر و عمل کی جن بے اعتدالیوں کا شکار ہو گئے تھے جن کی اصلاح کے لئے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اس کے سلسلے میں قرآن ایک جامع بات یہ کہتا ہے کہ انھوں نے ایک خدا کی بندگی اور اس کی بے لاگ اطاعت کے راستے کو چھوڑ کر اپنے علماء و رہبان کو عملاً خدائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ وہ انھیں جس راہ پر لگا دیتے ہیں وہ آنکھیں بند کر کے اس کی پیروی میں لگ جاتے ہیں اور اس طرح ان کے معاملات زندگی بدترین قسم کی دینی انارکی کا شکار ہیں حالانکہ انھیں حکم اس بات کا دیا گیا تھا کہ وہ اپنی پوری زندگی میں خدا اور صرف خدا کے وفادار رہیں گے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (توبہ: ۳۱)

انھوں نے اپنے فقیہوں اور راہبوں کو اللہ کو چھوڑ کر معبود ٹھہرا لیا۔ ایسا ہی عیسیٰؑ بن مریم کو۔ حالانکہ انھیں جو حکم دیا گیا تھا وہ یہ کہ یہ بس ایک اللہ کی بندگی کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات پاک ہے اس سے جو یہ ساجھی ٹھہراتے ہیں۔

علماء و رہبان کو خدا ارباب بنانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ ان کے حضور سجدے بجا لاتے تھے اور ان کی اسی طرح پوجا کرتے تھے جس طرح بتوں اور مورتیوں کی کی جاتی ہے۔ بات یہ تھی کہ انھوں نے اپنے معاملات زندگی کا مختار انہی علماء و رہبان کو قرار دے لیا تھا۔ جس چیز کو یہ ان کے لئے حلال کہتے اسے حلال مان لیتے اور جسے حرام بتاتے اسے حرام باور کر لیتے۔ اس کے حق میں کسی صاحبِ

Marfat.com

خانہ سے بڑھ کر شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے؟ یہ حضرت عدی بن حاتم ہیں، احمد، ترمذی اور ابن جریر کی روایت ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آوازہ بلند ہو کر بات ان کے کانوں تک پہنچی تو یہ بھاگ کر ملک شام چلے گئے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ نصرانی ہو چکے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ کسی معرکہ میں ان کی بہن اور ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے بہت سے لوگ ان کے ہاتھوں قیدی ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان کیا اور بہن کو ان کے حوالہ کر دیا۔ بہن جب ان کے پاس پہنچیں تو انھیں اسلام لانے کی ترغیب دلائی۔ نیز اس بات کی کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ حضرت عدی مدینہ پہنچے تو چونکہ یہ اپنے قبیلے طے کے سردار رہ چکے تھے اور حاتم طائی جن کی فیاضی اور سخاوت آج بھی ضرب المثل ہے ان کے باپ تھے اس لئے مدینہ میں لوگوں کے درمیان ان کی آمد کا چرچا ہوا۔ بالآخر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے دریں حالیکہ ان کے گلے میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی اور ایک خاص کیفیت کے ساتھ آیت کریمہ اتخذوا احبارہم ورہبانہم اربابا من دون اللہ، ان کی زبان پر تھی۔ اس پر کسی سوال کرنے والے نے سوال کیا کہ آخر قرآن میں یہ بات کیونکر کہی گئی جبکہ وہ معروف معنوں میں ان کی عبادت اور پرستش نہ کرتے تھے۔ قال فقلت لہم انہم لم یعبدوہم، اس کے جواب میں حضرت عدیؓ بن حاتم نے فرمایا:

بلیٰ انہم حرموا علیہم	ہاں انھوں نے ان کے اوپر حلال کو
الحلال واحلوا لہم الحرام	حرام کیا اور ان کے لئے حرام کو حلال ٹھہرایا۔
فاتبعوہم فذلک عبادتہم ایاہم[1]	سو یہی ان کا ان کی عبادت کرنا ہے۔

یہی وجہ ہے جو قرآن نے ان کے سامنے بندگیٔ رب کے کلمۂ سواء، کی دعوت میں اس اہم دفعہ کو بھی شامل رکھا کہ اب ایک خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے انسان کو عملاً خدائی کا درجہ نہ دیا جا سکے گا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى	کہو اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی
كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ	طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر
اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا	ہے۔ یہ کہ ہم بس (ایک) اللہ کی بندگی کریں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۴۸۔

Marfat.com

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ (آلعمران: ۶۴)

اور ہم میں کے کچھ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود نہ ٹھہرائیں۔ اب اگر یہ منہ پھیرتے ہیں تو کہو کہ گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔

عبادت طاغوت

اس کے ساتھ ہی قرآن نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ایک جرم عبادت طاغوت، طاغوت کی بندگی قرار دیا ہے:

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

(مائدہ: ۶۰)

کہو کیا میں بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک اس سے بدتر انجام کس کا ہے۔ اس کا کہ جس پر اللہ کی پھٹکار ہوئی اور اس کا غضب نازل ہوا اور اس نے ان میں سے بندر اور سور بنا دیئے۔ اور (یہی تھے) جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی۔ یہ جگہ کے لحاظ سے سب سے بدتر اور سیدھے راستہ سے سب سے دور بھٹکے ہوئے ہیں۔

جس کے ایک معنیٰ امام رازیؒ نے یہی فقہاء و علماء لکھے ہیں:

وقیل الطاغوت الاحبار

اور کہا گیا ہے طاغوت کے معنی ہیں علماء و فقہاء۔

اس تفصیل کے ساتھ کہ:

وکل من اطاع احدا فی معصیۃ اللّٰہ فقد عبدہ[1]

اور جو کوئی اللہ کی نافرمانی کے معاملہ میں کسی کی پیروی کرے تو ضرور اس نے اس کی بندگی (عبادت) کی۔

---

[1] مفاتیح الغیب: ۳/۴۲۷۔

Marfat.com

قرآن نے کہا کہ آخری رسول اور آخری کتاب کے آجانے کے بعد تم فکر و عمل کی ان بے اعتدالیوں سے نکل کر ہی انکار خدا اور کفر کے انجام سے اپنے کو بچانے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ توراۃ اور انجیل میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ آخری کتاب کے آجانے کے بعد زندگی کے تمام معاملات میں اسی کی بے لاگ پیروی ضروری ہوگی۔ توراۃ اور انجیل کا حق ادا کرنے کی بس یہی ایک صورت ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ محض کفر کا راستہ ہے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (مائدہ: ۶۸)

کہو اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں یہاں تک کہ تم توراۃ اور انجیل کو ٹھیک قائم کرو اور ساتھ ہی اس چیز (قرآن) کو جو تمہارے رب کی طرف سے تم تک اتارا گیا ہے۔ اور ضرور ان میں سے بہتوں کو بڑھائے گی وہ چیز جو تم تک اتاری گئی ہے تمہارے رب کی طرف سے سرکشی اور انکار میں۔ تو تم ایسے کافر لوگوں پر افسوس نہ کرو۔

فرمایا کہ اہل کتاب ہوش میں آجائیں۔ آخری کتاب کو اپنا دستورِ حیات بنا کر ہی وہ دنیا و آخرت میں فلاح یابی کی توقع کر سکتے ہیں۔ ایسا کر کے وہ آخرت کے اجر بے پایاں سے تو شاد کام ہوں گے ہی ان کی دنیا کی زندگی بھی مسرتوں کا گہوارہ بن جائے گی۔ فرمایا کہ آخری کتاب کی بے لاگ پیروی ہی ایمان اور تقویٰ کی راہ پکڑنے کی واحد ضمانت ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور ڈریں تو ہم ضرور ان سے ان کی برائیوں کو دور کریں۔ اور انھیں داخل کریں ہمیشگی کے باغات میں۔ اور اگر یہ ٹھیک قائم کریں توراۃ اور انجیل کو اور اس چیز (قرآن) کو جو ان تک ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے

Marfat.com

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ (مائدہ: ٦٦)

تو وہ ضرور کھائیں اپنے اوپر اور اپنے پیروں کے نیچے سے۔ ان میں ایک گروہ جادۂ اعتدال پر ہے۔ اور ان میں زیادہ تر، برا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

وحدت دین

دعوت انبیاءؑ کا اہم ترین نکتہ

اس پوری انبیائی دعوت کا ایک اہم ترین نکتہ جو اسلامی تصور مذہب کی تشکیل میں کلیدی اہمیت کا حامل ہے "وحدت دین" ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ سلسلۂ نبوت کے آغاز سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک خدائی دین کا جو تسلسل اور وحدت قائم چلی آتی ہے، اُسے اسی طرح قائم اور برقرار رکھا جائے۔ اور اس وحدت کو پارہ کرنے کی جو صورتیں رہی ہیں، ان میں سے ہر ایک سے اجتناب کیا جائے۔ گروہ انبیاء میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک امتیازی شان کے حامل ہیں۔ جن کے ذریعہ انسانی تاریخ کے ایک تاریک ترین دور میں اس دین قدیم کی تجدید عمل میں آئی۔ پھر یہ امتیاز بھی آپ ہی کا ہے کہ قرآن کے تینوں بنیادی مخاطبین مشرکین عرب اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے نزدیک آپ کی شخصیت مسلم تھی جس سے کسی کو اختلاف نہ تھا۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اعلان کا حکم ہوا کہ میں اللہ کے بتائے اسی سیدھے سچے براہیمی طریقے کی پیروی کرنے والا اور لوگوں کو اس کی طرف بلانے والا ہوں :

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○

کہو کہ میرے رب نے مجھے سیدھے راستہ پر لگایا ہے، ٹھیک دین، ابراہیم کا طریقہ جو یکسو تھا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

(انعام : ۱۶۱)

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ

کہو کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ دن کی روشنی میں ہوں میں اور

Marfat.com

مَنِ اتَّبَعَنِیْ (یوسف:۱۰۸) — وہ جو میرے پیچھے چلنے والے ہیں۔

وَاِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (انعام:۱۵۳) — اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں کو نہ پکڑو جو تم کو اس کے (اللہ کے) راستہ سے اِدھر اُدھر کر دیں۔

وحدت دین کا تسلسل اور اس کی حقیقت

یہی وہ دین ہے جس کی ازل میں بارگاہِ رب العزت سے رہنمائی ہوئی تھی:

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِیْنَ۔ (حجر:۴۱) — (اللہ نے) کہا یہ راستہ ہے جو مجھ تک سیدھا پہنچنے والا ہے (اسی پر سب چلیں گے) سوائے ان گمراہوں کے جو تمہاری (شیطان کی) پیروی اختیار کریں۔

اور یہی وہ دین ہے جسے آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک بلا استثناء ہر نبی کو قائم رکھنے کی تلقین کی گئی۔ نمونہ کے طور پر چند جلیل القدر اولو العزم پیغمبروں کے حوالہ سے جو صاحب شریعت تھے اور ہمارے آج کے دور کی طرح زمانہ نزولِ قرآن کے وقت متمدن دنیا کی عظیم اکثریت انہی میں سے کسی نہ کسی کی مدعی تھی، قرآن نے اپنے مخاطبین کے سامنے اس حقیقت کا اعلان کیا کہ اسی دین کے قیام و بقاء سے تمہاری دنیا و آخرت کی فلاح وابستہ ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ كَبُرَ — اس نے (اللہ نے) تمہارے لئے وہی دین ٹھہرایا جس کی اس نے تاکید کی نوح کو اور جس کی ہم نے وحی کی تم کو اور جس کی ہم نے تاکید کی ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو اور وہ یہ کہ تم سب (وحدت) دین کو قائم رکھو

عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ (شوریٰ: ۱۳)

اور اس کے معاملہ میں ٹکڑیوں میں نہ بٹو مشرکوں کے لئے وہ چیز بڑی بھاری ہے جس کی طرف تم انہیں بُلاتے ہو۔

اس آیت کریمہ کے تحت مفسرین کرام کی اس طرح کی تشریحات :

والمراد اقامة دين الاسلام الذى هو توحيد الله وطاعته والايمان برسله وكتبه وبيوم الجزاء وسائر ما يكون الرجل باقامته مسلما ولم يرد الشرائع التى هى مصالح الامم على حسب احوالها فانها مختلفة متفاوتة قال الله تعالىٰ لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا [1]

اس سے مراد دین اسلام کی اقامت ہے جس کا مطلب ہے اللہ کی وحدانیت اور اس کی اطاعت اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں اور بدلے کے دن، اس کے ساتھ ہی ان تمام چیزوں پر ایمان جس کے قائم رکھنے سے آدمی مسلمان ہوتا ہے۔ اس سے مراد شریعتیں (مختلف انبیاء کو دیئے گئے تفصیلی قوانین) نہیں ہیں۔ جو مختلف قوموں کو ان کے حالات کی رعایت سے دیجاتی رہی ہیں۔ اس لئے کہ ان کے اندر بہت کچھ اختلاف اور فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت اور ایک طریقہ رکھا۔

یا مثلاً :

فالمقصود من الآية انه يقال شرع لكم من الدين دنيا تطابقت الانبياء على

آیت کا مقصد ہے کہ کہا جائے کہ اس نے (اللہ نے) تمہارے لئے وہ دین ٹھہرایا جس کی صحت وصداقت پر تمام انبیاء یک زبان ہیں

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/۱۳۰۸۔

Marfat.com

صحته واقول يجب ان يكون المراد من هذا الدين شيئا مغائرا للتكاليف و الاحكام وذلك لانها مختلفة متفاوتة قال تعالىٰ "لكل جعلنا منكم شرعة و منهاجا فيجب ان يكون المراد منه الامور التي لا تختلف باختلاف الشرائع وهي الايمان بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر والايمان بوجوب الاعراض عن الدنيا والاقبال على الآخرة والسعي في مكارم الاخلاق والاحتراز عن رذائل الاحوال [1]

میں کہتا ہوں کہ لازم ہے کہ اس دین سے مراد ایسی چیز ہو جو احکام اور ذمہ داریوں کے برعکس ہو۔ اس لئے کہ ان کے اندر بڑا اختلاف اور فرق پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا" تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک طریقہ ٹھہرایا۔ پس لازم ہے کہ اس سے مراد ایسے امور ہوں جن میں شریعتوں کے بدلنے سے کوئی فرق نہ واقع ہوتا ہو۔ اور یہ ہیں اللہ پر ایمان اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر۔ اسی طرح اس بات پر ایمان کہ دنیا سے منہ پھیرنا اور آخرت کی طرف متوجہ ہونا، مکارم اخلاق کو اپنانے اور پھیلانے کی سعی و کوشش۔ ساتھ ہی احوال و معاملات جو رذائل سے ہوں ان سے اجتناب ضروری اور لازمی ہے۔

اس سے عام طور پر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ دین جس کے قائم کرنے یا قائم رکھنے کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء علیہم السلام کو حکم ہوا اس کا تعلق عقائد و اخلاق کی موٹی موٹی دفعات سے ہے۔ پوری زندگی میں خدائی احکام و ہدایات کا وجوب اس سے نہیں نکلتا۔ حالانکہ صاف اور سیدھی بات ہے کہ جب یہ مفسرین حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت

---

[1] مفاتیح الغیب : ۷/۳۸۲۔

Marfat.com

کی مابہ الاشتراک چیزوں کی نشاندہی کے ساتھ آیت کریمہ :

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ (مائدہ:۴۸)

تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور طریقہ ٹھہرایا۔

کا حوالہ لازمی طور پر دیتے ہیں۔ تو اس سے یہ بات خود بخود نکلتی ہے کہ انبیائی پیغام کے مشترک امور و مسائل کے علاوہ یہ لوگ ان کے لئے الگ شریعتوں اور مجموعہ احکام و ہدایات کے بھی قائل ہیں اور یہی وہ چیز ہے جسے ہم آج کی اصطلاح میں "نظام زندگی"، اور "ضابطہ حیات"، سے تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو آگے امام رازی کو ان شرائع کے مزاج اور ان کی نوعیت کے تجزیہ کی ضرورت نہ ہوتی :

(المسئلة الثانية) هذه الآية تدل على ان هذه الشرائع على قسمين منها مايمتنع دخول النسخ و التغيير فيه بل يكون واجب البقاء فى جميع الشرائع و الاديان كالقول بحسن الصدق والعدل والاحسان والقول بقبح الكذب والظلم والايذاء ومنها مايختلف باختلاف الشرائع والاديان ودلت هذه الآية على ان سعى الشرع فى تقرير النوع الاول اقوىٰ من سعيه فى تقرير النوع الثانى لان

(دوسرا مسئلہ) یہ آیت بتاتی ہے کہ یہ شریعتیں دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ جن میں کسی قسم کا نسخ اور تبدیلی ناممکن ہے۔ بلکہ یہ تمام شریعتوں اور مذاہب میں لازمی طور پر باقی رہنے والی ہیں۔ مثال کے طور پر سچائی، انصاف اور حُسن سلوک کا اچھا تسلیم کیا جانا یا جھوٹ ظلم و ناانصافی اور ایذا رسانی وغیرہ کا بُرا تسلیم کیا جانا۔ دوسرے وہ جو شریعتوں اور مذاہب کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ پہلی قسم کی چیزوں کے بقاء و استحکام کے سلسلے میں دوسری قسم کی چیزوں کے بقاء و استحکام کے بالمقابل شریعت کی کوشش اور توجہ زیادہ ہے۔ اس لئے کہ پہلی قسم کی چیزوں پر پابندی اور دوام، ان احوال و معاملات کے حصول میں جو آخرت کی زندگی

Marfat.com

المواظبۃ علی القسم الاول مہمۃ فی اکتساب الاحوال المفیدۃ لحصول السعادۃ فی الدار الآخرۃ [1]

ہیں آدمی کو سعادت وفلاح سے ہمکنار کرسکیں، مقابلۃً زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

دورِ آخر کے مفسرین میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی آیت کی تفسیر میں اس اشکال کو اچھے انداز سے رفع کیا ہے۔ وحدت دین اور اختلاف شرائع میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔ دین اپنی حقیقت کے اعتبار سے تفصیلی شریعت کو مستلزم ہے۔ وحدت دین کی اہم دفعات کی نشاندہی کا مطلب ہرگز نہیں کہ ان سے آگے بقیہ زندگی میں آدمی کو مرضیات الٰہی سے بے نیاز ہوکر رہنے کا لائسنس مل جائے۔ اگر شریعتوں کے اختلاف سے اس کی گنجائش نکلتی تو آخری شریعت میں بھی نسخ کی صورتوں میں اس کا ضرور موقع ہوتا۔ جبکہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی پیرو اس کا کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا ہے۔ دین کی ہمیشہ سے ایک ہی حقیقت ہے کہ جملہ معاملات زندگی میں خدائی احکام ومرضیات کی پیروی اختیار کی جائے۔ مختلف ادوار میں انبیاء کی مختلف شریعتیں اسی ایک مقصد کو پورا کرتی رہی ہیں۔ جبکہ آخری تکمیلی شریعت کے آجانے کے بعد دنیا کے تمام انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے اس کے لئے یکسو ہونا ضروری ہے۔ "شرع لکم من الدین ما وصیٰ بہ نوحا"، کی تفسیر کرتے ہوئے قاضی موصوف فرماتے ہیں:

(شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا) وذلک الدین ھو الایمان باللہ وحدہ وبصفاتہ وبانبیائہ وکتبہ وملائکتہ والبعث بعد الموت وبکل ما جاء بہ الاتیان والائتیان بما امر

(اس نے تمہارے لئے وہ دین ٹھہرایا جس کی اس نے نوح کو تاکید کی) یہ دین ہے تنہا اللہ پر ایمان۔ اور اس کی صفات پر اور اس کے نبیوں پر اور اس کے فرشتوں پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر۔ ساتھ ہی ان تمام باتوں پر جن پر عمل پیرا ہونے کا شریعت میں حکم آیا ہے یعنی جن باتوں کا اللہ نے حکم

---

[1] حوالہ مذکور صفحہ ۳۸۳۔

اللّٰہ بہ والانتہاء عما نھی عنہ۔ وھذا امر جامع للشرائع متفق علیھا و النسخ فی بعض الاحکام العملیۃ لا یستلزم اختلاف الادیان، الا تریٰ ان النسخ قد یکون فی دین نبی واحد فان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی الی بیت المقدس ستۃ عشر شھرا ثم صلی الی الکعبۃ فکما ان ھذا لا یقتضی اختلاف الادیان فکذلک الاختلاف فی الفروع فی شرائع الانبیاء لا یقتضی اختلاف الدین فان مآل الکل الاتیان بما امر اللّٰہ والانتہاء عما نھی عنہ [1]

دیا ہے۔ ان پر عمل پیرا ہونا اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے باز آجانا۔ یہ وہ معاملہ ہے جو تمام شریعتوں کو شامل ہے جن پر سب کا اتفاق ہے۔ (مختلف شریعتوں میں) بعض عملی احکام کا منسوخ قرار پا جانا یہ ادیان کے اختلاف اور ان کے بدل جانے کو مستلزم نہیں ہے۔ صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ نسخ کبھی کبھی ایک ہی نبی کے دین میں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ خود (آخری) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ ماہ تک بیت المقدس کیطرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ پھر آپؐ نے خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ پس جس طرح یہ چیز ادیان کے اختلاف و تبدیلی کا تقاضا نہیں کرتی، اسطرح مختلف انبیاء کی شریعتوں میں فروعات کا اختلاف بھی دین کے اختلاف اور تبدیلی کا تقاضا نہیں کرتا۔ اسلئے کہ ان سب کے سلسلے میں انجام کار بات یہیں آکر رکتی ہے کہ وہ تمام باتیں جنکا اللہ نے حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا ہوا جائے اور ہر وہ چیز جس سے اللہ نے منع کیا ہے اس سے باز رہا جائے۔

وحدتِ دین کی یہی حقیقت اس سے پہلے دوسرے لفظوں میں قاضی بیضاوی نے بھی بیان کی ہے۔

---

[1] تفسیر مظہری: ۸/۳۱۲۔ ندوۃ المصنفین دہلی۔

Marfat.com

چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا الآیۃ ای شرع لکم من الدین دین نوح ومحمد ومن بینھما من ارباب الشرائع علیھم الصلوٰۃ والسلام وھو الاصل المشترک فیما بینھم المفسر بقولہ "ان اقیموا الدین" وھو الایمان بما یجب تصدیقہ والطاعۃ فی احکام اللہ تعالیٰ

"شرع لکم من الدین الخ" یعنی اللہ تعالیٰ نے تم سب کے لئے وہی دین ٹھہرایا یعنی نوح اور محمد اور ان کے درمیان کے صاحب شریعت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دین۔ اور یہی وہ بنیادی چیز ہے جو ان سب کے مابین قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی وضاحت (آگے) "ان اقیموا الدین" یعنی کہ دین کو قائم رکھو، سے کی گئی ہے۔ جس کا مطلب ہے ان تمام چیزوں پر ایمان جن کی آدمی کے لئے (مسلمان ہونے کیلئے) تصدیق ضروری ہے۔ ان کے ساتھ ہی (جملہ معاملات زندگی میں) اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی پیروی۔

آگے آیت کریمہ کے ٹکڑے "ولا تتفرقوا فیہ" کی وہ یہ تفسیر کرتے ہیں :

"ولا تتفرقوا فیہ" ولا تختلفوا فی ھذا الاصل واما فروع الشرائع فمختلفۃ کما قال لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا[1]

"ولا تتفرقوا" یعنی کہ اس بنیادی چیز میں اختلاف نہ کرو۔ رہیں مختلف شریعتوں کی جزئیات تو وہ (ہمیشہ) الگ الگ رہی ہیں جیسا کہ فرمایا: ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے الگ شریعت اور طریقہ ٹھہرایا۔

قاضی بیضاوی کی اس تفسیر میں دو چیزیں خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ آیت میں مذکور انبیائی جماعت "صاحب شریعت" گروہ "ارباب الشرائع" قرار دیتے ہیں

---

[1] انوار التنزیل المعروف بالبیضاوی: ۳/۲۷۲۔ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند۔

Marfat.com

جس کا صاف مطلب ہے کہ ان کو جو دین ملا تھا وہ اصول وعقائد کے علاوہ پورے نظام زندگی پر مشتمل تھا جس کا دوسرا نام ہی شریعت ہے۔ دوم یہ کہ انبیائی جماعت کا یہ مشترکہ دین جسے "اقیموا الدین" کے الفاظ سے واضح کیا گیا ہے۔ اس میں ایمانیات کی دفعات کی تصدیق کے ساتھ جملہ معاملات زندگی میں خدائی احکامات وہدایات کی پیروی ضروری ہے۔ "والطاعۃ فی احکام اللہ تعالیٰ" اس نقطۂ اتحاد کے بعد انبیائی جماعت میں جو چیز مختلف رہی ہے وہ شریعت کی نا قابل لحاظ جزئیات ہیں جو حالات کی رعایت سے ہر دور میں الگ اور جداگانہ رہی ہیں جنہیں دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ نے "لکل جعلنا منکم ....." کے الفاظ قرآنی سے واضح کیا ہے۔ آخری تکمیلی شریعت کے آجانے کے بعد "اختلاف شرائع" کا یہ باب ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے۔ اور اب قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کی دنیا وآخرت کی فوز وفلاح اسی شریعت کی اپنے جملہ معاملات زندگی میں بتمام وکمال پیروی پر منحصر ہے۔

آیت کریمہ کے اس اجمال کو حافظ ابن کثیر نے نسبتہً زیادہ کھول دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

والدین الذی جاءت	وہ دین جسے لیکر تمام انبیاء آئے وہ تنہا
بہ الرسل کلھم ھو عبادۃ	ایک اللہ کی عبادت (بندگی) ہے جس کا
اللہ وحدہ لا شریک لہ	کوئی ساجھی نہیں جیسا کہ فرمایا: "اور تم سے
کما قال عزوجل (وما ارسلنا	پہلے ہم نے جو رسول بھی بھیجا اسے یہی وحی
من قبلک من رسول	کی کہ (لوگو!) میرے سوا کوئی (دوسرا)
الا نوحی الیہ انہ لا الہ	معبود نہیں۔ سو تم (سب) میری ہی بندگی
الا انا فاعبدون) وفی	(عبادت) کرو۔" اسی طرح حدیث میں ہے:
الحدیث "نحن معاشر	ہم انبیاء کی جماعت علاتی اولاد (باپ ایک
الانبیاء اولاد علات دیننا	مائیں مختلف) ہیں، ہم سب کا دین ایک ہے"
واحد" ای القدر المشترک	یعنی ان تمام کے درمیان قدر مشترک تنہا ایک
بینھم ھو عبادۃ اللہ وحدہ	اللہ کی بندگی (عبادت) ہے جس کا کوئی ساجھی
لا شریک لہ وان اختلفت	نہیں۔ گو کہ ان کی شریعتوں اور طریقوں میں

Marfat.com

شرائعهم ومناهجهم
كقوله جل جلاله (لكل
جعلنا منكم شرعة ومنهاجا)
ولهذا قال تعالىٰ (ان اقيموا
الدين ولا تتفرقوا فيه)
اى اوصى الله تعالى جميع
الانبياء عليهم الصلاة
والسلام بالائتلاف و
والجماعة ونهاهم عن
الافتراق والاختلاف [1]

اختلاف ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
لکل جعلنا منکم شرعتہ ومنہاجا (تم میں سے ہر
ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک
طریقہ مقرر کیا) اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے
یہاں فرمایا: ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ،
(یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف و
انتشار کا شکار نہ ہو) یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے تمام
انبیاء علیہم السلام کو اتحاد و اتفاق اور ایک
جماعت رہنے کی تاکید کی ہے اور انہیں افتراق
اور اختلاف و انتشار سے منع کیا ہے۔

سورۃ انعام کی آیت کریمہ:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ
وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ
فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ
ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝
(۱۵۹)

یقیناً جن لوگوں نے اپنے دین کے حصے بخرے
کئے اور (نتیجہ میں) ٹکڑیوں میں بٹ گئے
تمہارا ان سے کچھ تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ تو بس
اللہ کے حوالہ ہے۔ پھر وہ انہیں بتائے گا
جو یہ کرتے رہے تھے۔

کے تحت علامہ موصوف نے اس نکتے کی مزید صراحت کر دی ہے۔ جہاں وہ اس وحدت دین کے قیام کے لئے آخری رسول کی شریعت کی پیروی کو لازم قرار دیتے ہیں:

وهذه الآية كقوله تعالى
(شرع لكم من الدين ما
وصى به نوحا والذى اوحينا

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان "اس نے تمہارے
لئے وہی دین ٹھہرایا جس کی اس نے نوح کو
تاکید کی اور جس کی ہم نے تم تک وحی کی،

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۰۹۔

Marfat.com

الیک) الآیۃ وفی الحدیث "نحن معاشر الانبیاء اولاد علات، فھذا ھو الصراط المستقیم وھو ما جاءت بہ الرسل من عبادۃ اللہ وحدہ لا شریک لہ والتمسک بشریعۃ الرسول المتاخر وما خالف ذلک فضلالات وجھالات وآراء واھواء والرسل برآء منھا[1]

کے مانند ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے: "ہم انبیاء کی جماعت علاتی اولاد ہیں"، پس یہی وہ سیدھا راستہ ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جسے لیکر تمام رسول آئے۔ یعنی تنہا ایک اللہ کی عبادت (بندگی) جس کا کوئی ساجھی نہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ہی بعد میں آنیوالے پیغمبر کی شریعت کو مضبوط پکڑ لینا ضروری ہے، اور جو کچھ اس کے خلاف اور ہٹا ہوا ہے تو یہ تمام کی تمام گمراہیاں، جہالتیں، من پسند آراء اور خواہشات نفس ہیں۔ حضرات انبیاء کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وحدت دین کے قیام کے لوازم

پس دین کی اس وحدت کو قائم کرنے کے لئے دو باتیں ضروری ہوئیں:

اول یہ کہ پورے خلوص اور یکسوئی کے ساتھ پورے سلسلۂ نبوت پر ایمان لایا جائے۔ اور روشنی کے ان میناروں سے کسی فرق و امتیاز کے بغیر یکساں طور پر استفادہ کیا جائے۔ اس لئے کہ اگر ایک نبی یا ایک رسول کے بھی انکار کی اجازت دیدی جائے جس کے باوجود بھی کوئی شخص اہل ایمان کے زمرہ میں شامل ہو سکے تو پھر اس تعداد کو مزید بڑھنے سے روکنے کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی ہے۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا وجوب بھی اس سے لازماً متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

دوم یہ کہ آخری نبیؐ پر ایمان لانے کے ساتھ اس کی لائی ہوئی شریعت کو تمام و کمال

---

[1] ابن کثیر: ۲/۱۹۲۔

دانتوں سے پکڑ لیا جائے۔ اس میں کسی حذف و ترمیم یا کسی قسم کی کمی بیشی کو دخل انداز نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے کسی حکم کو موقوف یا معطل کیا جائے، نہ اس کے کسی حصّے سے دستبردار ہوا جائے۔

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی ستم ظریفی اور انکی نجات کی صورت

قرآن کے دو بنیادی مخاطبین اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے اس دینی وحدت کو بری طرح پامال کر رکھا تھا۔ یہود حضرت عیسیٰؑ اور ان کی لائی ہوئی کتاب انجیل کے منکر تھے اور نصاریٰ حضرت موسیٰؑ اور توراۃ کے ماننے سے انکار کرتے تھے اور ہر ایک اپنے سلسلے میں اس خوش گمانی کا شکار تھا کہ تنہا اسے ہدایت کا سرٹیفکیٹ حاصل ہے اور راہ یاب ہونے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کی جماعت میں شامل ہونا ضروری ہے۔ قرآن نے ان کے اس عقیدۂ باطل کی تردید کی اور صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ جب تک یہ دونوں ہی لوگ پورے سلسلۂ نبوت اور خدا کی اتاری ہوئی تمام آسمانی کتابوں کا اقرار کر کے اپنے تمام گروہی اور قومی تعصبات کا رنگ اتار کر صرف خدائی رنگ میں اپنے کو رنگ نہیں لیتے ان کا دعوائے ایمان و اسلام بالکل باطل ہے:

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ	اور انہوں نے (اہل کتاب نے) کہا کہ تم یہودی
نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ	یا نصرانی ہو جاؤ تو صحیح راستہ پر رہو گے۔ کہو
مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا	(نہیں) بلکہ ابراہیم کا طریقہ برحق ہے جو یکسو
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝	تھا۔ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا
قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ	کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہم
إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ	تک اور جو اتاری گئی ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور
وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَ	اسحاق پر اور یعقوب پر اور اولاد یعقوب
يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا	پر اور جو دی گئی موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو دی
أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا	گئی (دوسرے) تمام نبیوں کو ان کے رب کی

Marfat.com

أُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ فَإِنْ
اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ
فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا
فَإِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ
فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ
اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ
صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ ۝

(بقرہ: ۱۳۵-۱۳۸)

طرف سے۔ ہم ان میں سے کسی کے بیچ فرق
نہیں کرتے۔ اور ہم (بے آمیز طریقے پر) اس
کے (اللہ کے) مطیع فرمان ہیں۔ سو اگر یہ مانیں
جیسا کہ تم مانتے ہو تو یہ سیدھے راستے پر ہیں
اور اگر یہ پیٹھ پھیریں تو اس کے سوا کچھ نہیں
کہ یہ جھگڑے میں ہیں۔ سو آگے بالیقین ان
کے بالمقابل اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اور
وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ (کسی تحفظ
کے بغیر) اللہ کے رنگ میں رنگ جاؤ اور
اللہ سے بڑھ کر اچھا رنگ اور کس کا ہو سکتا ہے
اور ہم (سب) اس کی بندگی (عبادت)
کرنے والے ہیں۔

روئے زمین پر امت مسلمہ وہ واحد جماعت ہے جو کسی تحفظ کے بغیر تمام رسولوں اور انہیں دی جانے والی کتابوں پر اپنے ایمان و یقین کا اعلان کر کے "وحدت دین" کے قیام کی علمبردار ہے ——— آگے قرآن نے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے اسی اقرار و اعلان کی گواہی خود پیش کی ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ
إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ
وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ
رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس تک اس کے رب کی طرف
سے اتاری گئی اور ساتھ ہی اہل ایمان۔ ہر کوئی ایمان
لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی
کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ ہم اس کے
رسولوں میں سے کسی کے بیچ فرق نہیں کرتے
اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور مانا۔ اے رب ہم
تیری بخشش کے طالب ہیں اور تجھ ہی

Marfat.com

(بقرہ:۲۸۵) تک (ہم سب کو) پلٹ کر جانا ہے۔

فرمایا کہ اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا جو راستہ بھی اپنایا گیا وہ گمراہی کے سوا کچھ نہ ہوگا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝

(نساء:۱۳۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو (ٹھیک طرح سے) ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اس نے اس سے پہلے اتاری ہے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا تو وہ دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

اپنی قومی اور گروہی عصبیتوں کے دباؤ میں خدا پر ایمان کا دعویٰ اور اپنے من مانے طریقے پر اس کے رسولوں کے درمیان فرق و امتیاز کہ جسے چاہا مانا اور جس کا چاہا انکار کر دیا، قرآن نے کہا کہ یہ صریح کفر ہے۔ جس سے نجات پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ کسی تحفظ کے بغیر پورے سلسلہ انبیاء پر ایمان لایا جائے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ

ضرور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کا اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ بیچ کا کوئی راستہ اپنائیں۔ یہی لوگ ہیں جو کہ اصلی کافر ہیں۔ اور ہم نے (ایسے) کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ہاں وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور ان میں سے کسی کے بیچ انہوں نے

Marfat.com

اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

فرق نہیں کیا، یہ لوگ ہیں کہ انہیں وہ جلد ضرور ان کا بدلہ دے گا۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

(نساء: ۱۵۰-۱۵۲)

انسانوں کا جو گروہ خوفِ خدا سے عاری ہو کر اس کے رسولوں کے ساتھ وفاداری کے عہد پر قائم نہ رہ سکے، اور اپنے جی سے کچھ کا انکار اور کچھ پر ایمان کا دعویدار بنے، اس سے یہ توقع کرنا کہ وہ خدا کی اتاری ہوئی آخری کتاب کے ساتھ انصاف کر سکے گا، بہت زیادہ ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا یہی حال تھا کہ انہوں نے توراۃ و انجیل کے حصے بخرے کر رکھے تھے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ آخری نبیؐ کو دی جانے والی کتاب کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے۔ اگر وہ صحیح معنوں میں اپنی کتابوں کا حق ادا کرتے تو قرآن کے انکار کا کوئی سوال نہ رہتا۔ اس لئے کہ ان کی کتابیں اس کی بشارت اور خوش خبریوں سے لبریز اور اس کے آجانے کے بعد اپنی منسوخی کا اعلان صاف لفظوں میں کر رہی تھیں۔ قرآن نے کہا کہ جب تک یہ لوگ پورے سلسلہ رسالت اور اس کی آخری کڑی کے ساتھ آسمانی صحائف کے آخری ایڈیشن کی بے لاگ پیروی نہیں کرتے، ان کی دینداری اور خدا پرستی کا کوئی دعویٰ قابل اعتبار نہیں۔ توراۃ و انجیل کے حق ادا کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرآن اور اس کی لائی ہوئی شریعت کو دانتوں سے پکڑ لیا جائے اور اس کے ایک ایک حکم کی بے لاگ پیروی کو موجب نجات باور کیا جائے:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔

کہو کہ اے اہل کتاب تم (حق و صداقت کی) کسی چیز پر نہیں ہو یہاں تک کہ تم توراۃ اور انجیل کو (پوری طرح) قائم کرو ساتھ ہی اس چیز (قرآن) کو جو تم تک تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے۔

(مائدہ: ۶۸)

فرمایا کہ اگر یہ لوگ سچے دل سے ایمان اور تقویٰ کی راہ اپنائیں اور توراۃ و انجیل کا

Marfat.com

حق ادا کرتے ہوئے قرآن کی بے لاگ پیروی کا عہد کریں تو جنت کی ابدی نعمتوں کے ساتھ اس دنیا کے اندر بھی وہ خدا تعالیٰ کے بے پایاں انعامات سے اپنے کو ہمکنار کریں گے :

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ (مائدہ: ٦٦)	اور اگر وہ توراۃ اور انجیل کو (پوری طرح) قائم کرتے ساتھ ہی اس چیز (قرآن) کو جو ان تک ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے تو وہ ضرور کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے۔ ان میں ایک گروہ جادۂ اعتدال پر ہے اور ان میں زیادہ تر ہیں جو برا ہے جو یہ کرتے رہے ہیں۔

شرک و بت پرستی کا المیہ

جہاں تک شرک و بت پرستی کا سوال ہے، اس کا دین کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا اور بھی نمایاں ہے۔ اس لئے کہ اس تصور کی بنیاد ہی یہ ہے کہ اس کائنات کے اندر ایک نہیں بلکہ بہت سے خداؤں کی کارفرمائی ہے۔ چنانچہ اس کا ہر گروہ اپنی پسند کے کچھ بت رکھتا ہے۔ انہی سے وہ ڈرتا اور انہی سے لو لگاتا ہے اور اپنی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے انہی معبودان باطل کی خوشی یا ناخوشی کے جذبے سے کرتا ہے۔ اگرچہ اس صورت میں بڑی حد تک وہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کے لیے آزاد ہوتا ہے اس کا جی اسے جو سمجھاتا ہے کرتا ہے، جس چیز کو چاہتا ہے اپنے لیے حلال کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے حرام ٹھہرا لیتا ہے۔ اپنی پوری زندگی میں من مانے طریقوں پر عمل پیرا ہوتا ہے اور پوری ڈھٹائی سے اس خود ساختہ پوری شریعت کو انہی معبودوں کے کھاتے میں ڈال دیتا ہے۔ پھر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان بتوں اور مورتیوں کے کچھ پجاری اور پنڈوے اور سماج میں ان کے بااثر نمائندے اور معتقدین ہوتے ہیں اور عظیم اکثریت کے حامل اپنے ماتحتوں اور سماج کے کمزور عناصر کو وہ اپنے پسند کردہ طریقے پر چلنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ اس طرح اس نظام شرک و بت پرستی سے وابستہ زندگی مکڑیوں اور شکستگیوں کا شکار

Marfat.com

ہوتی ہے۔ ہر گروہ بس اپنے آپ میں مگن ہوتا ہے کہ اس نے جو راستہ اپنا رکھا ہے وہی سب سے عمدہ اور اچھا راستہ ہے۔ بقیہ دوسرے تمام لوگ بے راہ اور ادھر ادھر کی ٹھوکریں کھانے والے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ان کا ہر گروہ گمراہی میں ایک دوسرے سے بڑھا ہوا اور جادۂ مستقیم سے بہت دور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے اپنے ماننے والوں کو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے تفریق دین کے طریقے سے اجتناب کی تلقین کے ساتھ اہل شرک کی اس روش سے بھی اسی طرح اجتناب کی تلقین کی۔ اس وضاحت کے ساتھ کہ اس نے جس دین کا راستہ دکھایا ہے۔ وہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت سے عین ہم آہنگ ہے۔ انسان نے "عہد الست" میں اس کا اقرار کیا ہے اور اس کے رگ و ریشے میں یہ چیز سرایت کئے ہوئے اور اس کے ہر بن مو سے یہی صدا بلند ہوتی ہے :

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

(روم: ۳۰-۳۲)

سو تم اپنے رُخ کو سیدھا کر لو دین کے لئے یکسو ہو کر۔ یہ اللہ کی (ٹھہرائی) فطرت ہے جس پر اس نے (تمام) انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اس کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اس کی طرف جھکے ہوئے رہو۔ اور اسی سے ڈرو اور نماز قائم کرو۔ اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ ان لوگوں میں سے جنھوں نے اپنے دین کے حصے بخرے کئے اور ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ جب کہ ہر جتھا اس پر خوب مگن ہے جو اس کے پاس ہے۔

تفریق دین کی جملہ صورتوں کی ممانعت اور وحدت دین کے قیام کی عملی صورت :

آگے قرآن نبیؐ کے واسطے سے اپنے ماننے والوں کو ان تمام لوگوں سے بیزاری کا حکم

دیتا ہے جنہوں نے خدا کے بتائے ہوئے ایک دین کو چھوڑ کر تفرق و انتشار کی مختلف شکلیں اختیار کر لی ہیں اور اپنے کو بے شمار ٹولیوں میں تقسیم کر لیا ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ	ضرور جن لوگوں نے اپنے دین کے حصے بخرے
وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ	کئے اور ٹکڑیوں میں بٹ گئے تمہارا ان سے
شَیْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ	کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ تو بس اللہ
ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝	کے حوالہ ہے۔ پھر وہ انہیں ضرور بتائے گا
(انعام: ۱۵۹)	جو یہ کرتے رہے تھے۔

ہمارے ائمہ تفسیر میں بہت سے لوگوں نے اس آیت کریمہ کا مصداق یہود و نصاریٰ وغیرہ مختلف گروہوں کو قرار دیدیا ہے۔ جسے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں :

والظاهر ان الآیة عامة	ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے ہر اس شخص
فی کل من فارق دین اللّٰه	کے سلسلے میں جو اللہ کے دین سے الگ
وکان مخالفا له فان اللّٰه	راستہ اختیار کرے اور اسے تسلیم نہ کرے اس
بعث رسوله بالهدی و	لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے (آخری) رسولؐ
دین الحق لیظهره علی الدین	کو (کامل) ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا
کله وشرعه واحد لا اختلاف	ہے تاکہ اسے دوسرے تمام ادیان (اور
فیه ولا افتراق فمن اختلف	نظامہائے زندگی) پر غالب کرے۔ آپ کی
فیه (وکانوا شیعا) ای فرقا	لائی ہوئی شریعت ایک ایسی وحدت ہے
کاهل الملل والنحل والاهواء	جس کے اندر کسی قسم کے اختلاف اور افتراق
والضلالات فان اللّٰه تعالیٰ	و انتشار کی گنجائش نہیں۔ سو اب جو کوئی اس
قد برأ رسوله صلی اللّٰه علیه	میں اختلاف کرے (وکانوا شیعا) اور مختلف
وسلم مما هم فیه [1]	ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ یعنی کہ وہ مختلف ٹولیوں

---

[1] ابن کثیر: ۲/۱۹۶۔

Marfat.com

اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئے۔ جیسا کہ خواہشات نفس اور گمراہوں کی رسیا مختلف فرقوں اور گروہوں کا معاملہ ہے۔ تو یہ بے راہ روی کی جس کھڈ میں ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بالکلیہ دامن کش رہنے کا حکم دیا ہے۔

آیت کریمہ :

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۝ (انعام : ۱۵۲)

اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم (بے کم و کاست) اس کی پیروی کرو۔ اور اس کو چھوڑ کر دوسری پگڈنڈیاں نہ پکڑو۔ جو تم کو اس کے (اللہ کے) راستہ سے بچھڑا کر ادھر ادھر کر دیں۔

بھی اپنے اندر یہی عموم لئے ہوئے ہے۔ جس کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ دین کی آخری کڑی ـــــ اسلام ـــــ اور اس کی لائی ہوئی شریعت کے علاوہ کسی اور دوسرے طریقے اور راستے کی پیروی کو تفرق و انتشار کا مظہر قرار دیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس شریعت کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں :

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

کہو کہ آؤ میں تم کو پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے رب نے تمہارے اوپر کن باتوں کو حرام کیا ہے۔ یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اور اپنی اولاد کو جان سے نہ مارو فاقہ کے ڈر سے۔ ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلے ہوں یا چھپے۔ اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے

Marfat.com

تَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ
اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

(انعام: ۱۵۱-۱۵۲)

اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے حق کے اس کی اس نے تم کو تاکید کی ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر سے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ کی عمر کو پہنچ جائے۔ اور ناپ اور تول کو پورا کرو انصاف سے۔ ہم کسی جان پر اس کی طاقت سے اوپر کا بوجھ نہیں ڈالتے۔ اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو خواہ وہ (متعلق شخص) تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے پیمان کو پورا کرو۔ اسکی اس نے تم کو تاکید کی ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔

اس کے بعد زیر بحث آیت کریمہ ہے۔ جس کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

یقول تعالیٰ ذکرہ وھذا الذی وصاکم بہ ربکم ایھا الناس فی ھاتین الآیتین من قولہ قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم وامرکم بالوفاء بہ ھو صراطہ یعنی طریقہ ودینہ الذی ارتضاہ لعبادہ مستقیما یعنی قویما لا اعوجاج بہ عن الحق فاتبعوہ یقول فاعملوا بہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور وہ چیز جس کی تم کو تمہارے رب نے تلقین کی ہے۔ اے لوگو ان دونوں آیتوں میں "قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الخ" کہو آؤ میں تم کو پڑھ کر بتاؤں کہ تمہارے رب نے تمہارے اوپر کن باتوں کو حرام کیا ہے" وہ اس کا راستہ یعنی اس کا طریقہ اور دین ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا ہے۔ "مستقیما" سیدھا یعنی بالکل درست جس کے اندر حق سے کوئی انحراف نہیں۔ پس تم سب اس کی (پوری پوری)

Marfat.com

واجعلوه لانفسكم منهاجا
تسلكونه فاتبعوه ولاتتبعوا
السبل يقول ولاتسلكوا
طريقا سواه ولاتركبوا منهجا
غيره ولاتبعوا دينا خلافه
من اليهودية والنصرانية
والمجوسية وعبادة
الاوثان وغير ذلك من
الملل فانها بدع وضلالات
فتفرق بكم عن سبيله
يقول فتشتت بكم ان
اتبعتم السبل المحدثة
التي ليست لله بسبل ولا
طرق ولا اديان اتباعكم
اياها عن سبيله يعني عن
طريقه ودينه الذي
شرعه لكم وارتضاه و
والاسلام الذي وصى به
الانبياء وامر به الامم قبلكم[1]

پیروی کرو۔ فرماتے ہیں کہ پس تم اس پر عمل کرو اور اس کو اپنا طریقہ زندگی بنالو جس پر تم چلو۔ پس تم اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر نہ چلو" ولاتتبعوا السبل" فرماتے ہیں کہ اور اس کے سوا کسی اور طریقہ پر نہ چلو اور زندگی کا کوئی اور نہج و انداز اختیار نہ کرو۔ اور اس کے مخالف کسی دوسرے دین (طریقہ زندگی) کے طلبگار نہ بنو۔ یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور بتوں کی پرستش وغیرہ۔ اس لئے کہ یہ سب تمام کی تمام بدعتیں اور گمراہیاں ہیں" فتفرق بکم عن سبیلہ" سو وہ تمہیں اس کے (اللہ کے) راستہ سے ہٹا کر دوسری مختلف ٹکڑیوں میں بانٹ دیں۔ فرماتے ہیں کہ پس تمہیں بالکل بکھیر کر رکھ دے گی اگر تم نے نو ایجاد طریقوں کی پیروی کی جو نہ اللہ کے راستے ہیں، نہ اسکے طریقے اور دین، ان کی پیروی اس کے (اللہ کے) راستے سے یعنی اس کے طریقہ اور دین سے جسے اس نے تمہارے لیے ٹھہرایا ہے اور پسند کیا ہے اور یہ اسلام ہے جس کی اس نے (تمام) انبیاء کو تاکید کی اور تم سے پہلے تمام امتوں کو اسی کا حکم دیا ہے۔

---

[1] جامع البیان: ۸/۵۹۔

Marfat.com

یہی بات حافظ ابن کثیرؒ نے قرآن کے دیگر نظائر کی روشنی میں یوں کہی ہے کہ اس آخری شریعت کے آجانے کے بعد "وحدت دین" کے سر رشتے کو تھامنے کی ایک ہی صورت ہے کہ آدمی بے کم وکاست اس پورے مجموعۂ دین پر عمل پیرا ہو۔ اس کے سلسلے میں کسی قسم کی کج بحثیاں کرے، نہ کسی حکم سے بچ نکلنے کی تدبیریں نکالے۔ اس روش کو چھوڑ کر اہل ایمان کسی صورت اپنے کو تفرق انتشار سے بچا نہیں سکتے :

قال علی ابن ابی طلحۃ عن ابن عباس فی قولہ (ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ) وفی قولہ (ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ) ونحوھذا فی القرآن قال امر اللہ المومنین بالجماعۃ و نھاھم عن الاختلاف و التفرقۃ واخبرھم انہ انما ھلک من کان قبلھم بالمراء والخصومات فی دین اللہ [1]

علی ابن طلحہ نے ابن عباس سے روایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قول "ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ" اور تم الگ الگ پگڈنڈیاں نہ پکڑو جو وہ تمہیں اس کے (اللہ کے) راستہ سے ہٹا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں نیز اس کے ارشاد "ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ" یہ کہ تم دین پر (ٹھیک ٹھیک) قائم رہو اور اس کے سلسلے میں الگ الگ راہیں نہ اپناؤ" ساتھ ہی ان جیسی قرآن کی دوسری آیتوں کے سلسلے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اجتماعیت و یک زبانی کا حکم دیا ہے اور انہیں اختلاف وانتشار سے منع کیا ہے اور انہیں آگاہ کیا ہے کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے تو اسی اللہ کے دین میں شکوک وشبہات نکالنے اور لڑنے جھگڑنے سے۔

اسی طرح امام رازیؒ اس کے تحت آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی پوری

---

[1] ابن کثیر: ۲/۱۹۰۔

Marfat.com

شریعت کی پیروی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ پچھلی تمام شریعتوں کی ناسخ اس شریعت کے آجانے کے بعد اس کے دامن کو بتمام وکمال پکڑ کر ہی آدمی اپنے کو ضلالت وگمراہی سے بچانے میں کامیاب ہوسکتا ہے :

(المسئلة الثالثة) انه تعالى لما بين فى الآيتين المتقدمتين ما وصى به اجمل فى آخره اجمالا يقتضى دخول ما تقدم فيه ودخول سائر الشريعة فيه فقال وان هذا صراطى مستقيما فدخل فيه كل ما بينه الرسول صلى الله عليه و سلم من دين الاسلام وهو المنهج القويم و الصراط المستقيم فاتبعوا جملته وتفصيله ولا تعدلوا عنه فتقعوا فى الضلالات وعن ابن مسعود عن النبى صلى الله عليه وسلم انه خط خطا ثم قال هذا سبيل الرشد ثم خط عن يمينه وعن شماله خطوطا ثم قال هذه سبل على كل

(تیسرا مسئلہ) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب گذشتہ دو آیتوں میں واضح کر دیا کہ اس نے کس بات کی تاکید کی ہے تو آخر میں اس کا وہ خلاصہ پیش کر دیا جس میں پچھلی تمام باتیں اور پوری شریعت داخل ہے۔ چنانچہ فرمایا : "وان ہذا صراطی مستقیما" اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا الخ تو اس میں ہر وہ چیز داخل ہو گئی جس کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی نسبت سے وضاحت کی ہے۔ اور یہی ٹھیک طریقہ اور سیدھا راستہ ہے پس تم تمام وکمال اور جملہ تفصیلات کے ساتھ اس کی پیروی کرو اور اس سے سرمو تجاوز نہ کرو جس کے نتیجے میں تم گمراہیوں میں پڑے بغیر نہ رہو گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس موقع پر آپؐ نے ایک (سیدھا) خط کھینچا پھر فرمایا کہ یہ ہدایت کا راستہ ہے۔ پھر اس کے دائیں اور بائیں بہت سے خطوط کھینچے پھر فرمایا کہ یہ مختلف پگڈنڈیاں ہیں جن میں ہر پگڈنڈی پر ایک شیطان بیٹھا

سبیل منها شیطان یدعوہ الیہ ثم تلا ھذہ الآیۃ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ [1]

ہوا ہے جو آدمی کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: "وان ہذا صراطی مستقیما فاتبعوہ" اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم (تمام و کمال صرف) اسی کی پیروی کرو۔ الخ

گروہ انبیاءؑ کی یک زبانی

حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین اپنی بنیادوں کے اعتبار سے ایک رہا ہے۔ حالات کی رعایت سے زندگی سے متعلق صرف تفصیلی قوانین میں جزوی طور پر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں اور یہی وہ چیز ہے جسے اختلاف شرائع کے نام سے جانا جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنی ذریت کو دین کے اسی سچے سیدھے راستے پر چھوڑ گئے۔ جس پر لوگ کسی کجی اور انحراف کے بغیر عمل کرتے رہے۔ بعض تفسیری روایات کے مطابق یہ صورت حال ایک ہزار سال تک قائم رہی[2]۔ بعد میں ایسا ہوا کہ لوگوں نے مختلف انداز سے اس میں کجیاں پیدا کرنی شروع کر دیں۔ جنہیں دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے حضرات انبیاء کا سلسلہ جاری کیا۔ جو وقفہ وقفہ سے اس دنیا میں آتے اور لوگوں کو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتے رہے۔ بعد کے ادوار میں خاص طور پر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے یہاں آپسی بغض و حسد اور باہمی آویزشوں اور چپقلشوں کے نتیجے میں یہ اختلاف نسبتہً زیادہ شدت اختیار کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ طالبین حق کے لئے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکلنے کا سامان کیا اور اب قیامت تک کے لئے تنہا یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر آدمی ازل میں دکھائے ہوئے حق تعالیٰ کے سیدھے راستے پر گامزن ہو سکتا ہے:

---

[1] مفاتیح الغیب: ۴/۱۷۷۔ [2] تفسیر ابن کثیر ۱/۲۵۰/۲۷۰

Marfat.com

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(تمام) لوگ ایک طریقے پر تھے۔ سو اللہ نے اپنے نبیوں کو بھیجا خوشخبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر اور ان کے ساتھ کتاب کو اتارا حق کے ساتھ تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے اس معاملہ میں جس میں وہ جھگڑ پڑے ہیں۔ اور (اب) جو اس میں جھگڑے ہیں وہ جنہیں وہ (کتاب) دی گئی اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آئیں۔ آپس کی عداوت اور دشمنی کی بنا پر۔ تو وہ حق جس کے معاملے میں ان لوگوں کا جھگڑا تھا اللہ نے اس کے سلسلے میں اپنے حکم سے ان لوگوں کو سیدھی راہ دکھا دی جو (آج) ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(بقرہ: ۲۱۳)

کچھ دوسرے لوگوں نے جو شرک و بت پرستی کا راستہ اختیار کیا کہ ایک خدا کو چھوڑ کر بہت سے خداؤں کے سامنے اپنے سر نیاز کو خم کرنے لگے، قرآن نے کہا کہ یہ بھی ازل میں دکھائے ہوئے اللہ کے صاف اور سیدھے راستے سے اسی انحراف کا نتیجہ تھا:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ

اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو کچھ نفع پہنچا سکیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے ہاں سفارشی ہیں۔ کہو کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر کرتے ہو جسے وہ جانتا ہے نہ آسمانوں میں نہ زمین میں۔ اس کی ذات پاک ہے اور وہ

Marfat.com

وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ (یونس: ۱۸)

بہت بلند ہے اس سے جو یہ (اس کے ساتھ دوسروں کو) ساجھی ٹھہراتے ہیں۔

فرمایا کہ اگر پہلے سے اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ دنیا میں قبول حق کے لئے انسانوں کو ایک خاص مدت تک مہلت دی جاتی رہے گی تو ان کے اس "ظلم عظیم" پر دیر نہ لگتی جو ان کا کام تمام کر دیا جاتا :

وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیْنَھُمْ فِیْمَا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝ (یونس: ۱۹)

اور (تمام) لوگ جو تھے بس ایک راستہ پر تھے۔ پھر ان کے جھگڑے شروع ہوئے اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات (مہلت دیئے جانے کی) نہ گذر چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اس معاملہ میں جس میں کہ یہ جھگڑتے ہیں۔

دین اسلام کا یہی بنیادی پیغام تھا کہ جسے دنیا میں ہر رسول بلا استثناء اپنی اپنی قوم تک پہنچاتا رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنی بدقسمتی سے لوگوں نے حق کی اس سیدھی اور سچی شاہراہ کو چھوڑ کر انحراف کی صورتیں اپنائیں اور مختلف پگڈنڈیاں نکال لیں :

یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ وَاِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَھُمْ بَیْنَھُمْ زُبُرًا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (مومنون: ۵۱-۵۳)

اے رسولو کھاؤ پاک صاف چیزوں سے اور بھلے کام کرو۔ ضرور میں دیکھتا ہوں جو تم کرتے ہو اور یہ تمہاری جماعت ہے ایک طریقے کی اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔ پھر یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے معاملہ کو اپنے بیچ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ٹولیوں میں بٹ کر۔ ہر ٹولی مگن ہے اس چیز پر جو اس کے پاس ہے۔

اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً

ضرور یہ تمہاری امت ہے ایک طریقہ

Marfat.com

وَاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝

(انبیاء: ۹۲-۹۳)

کی اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری ہی بندگی کرو۔ لیکن انہوں نے اپنے معاملہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ (حالانکہ) سب ہم تک پلٹنے والے ہیں۔

اسلام — واحد راہ نجات

البتہ آخری رسولؐ کے آجانے کے بعد اب گذشتہ رسالتوں کا دور ختم ہو چکا ہے۔ دنیا کی دوسری قوموں کا کیا ذکر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی نجات بھی اب اسی سے وابستہ ہے کہ وہ اس کی دکھائی ہوئی روشنی پر عمل پیرا ہوں اور اس آخری شریعت کو بتمام و کمال اپنا لیں۔ جو اس کی لائی ہوئی کتاب کے صفحات میں محفوظ ہے۔ اس کے بغیر ان کے لئے راہِ راست کو پانے کے خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی کوئی صورت نہیں:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

(مائدہ: ۱۵-۱۶)

اے اہل کتاب تمہارے پاس میرا رسول آگیا ہے جو تمہارے لئے کھول رہا ہے ان بہت سی چیزوں کو جو تم کتاب کی چھپاتے تھے اور بہت سے صرف نظر کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی ہوئی کتاب آگئی ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ سمجھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کی پیروی کریں سلامتی کے راستوں کو اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اپنے حکم سے اور ان کی ٹھیک راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اب تنہا یہی وہ راستہ ہے جسے اپنا کر یہ لوگ اپنے کو رحمت ایزدی کا مستحق بنا سکتے ہیں:

Marfat.com

قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(اعراف: ۱۵۶-۱۵۷)

فرمایا میرا عذاب میں اس سے دوچار کروں گا جسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز کو پھیلی ہوئی ہے۔ سو میں اسے لکھوں گا ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (آج) اس رسول امی نبی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ جو انہیں حکم دیتا ہے بھلائی کا اور انہیں بُرائی سے منع کرتا ہے وہ ان کے لئے حلال قرار دیتا ہے پاک صاف چیزوں کو اور ان کے اوپر حرام ٹھہراتا ہے گندی ناصاف چیزوں کو۔ وہ ان سے ان کے بوجھ اور ان کی بیڑیوں کو اتارتا ہے جو ان پر تھیں۔ پس آج، جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کی پشت پناہی کی اور اس کی مدد کی اور اس روشنی کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

چنانچہ آگے پوری انسانیت کو خطاب کر کے آپ کو اس اعلان کا حکم ہوا کہ اب قیامت تک کے لئے تمام انسانوں کی نجات اس سے وابستہ ہے کہ وہ اس آخری رسولؐ پر ایمان لائیں اور کسی تحفظ اور کسی لاگ لپیٹ کے بغیر جملہ معاملات زندگی میں اس کی اطاعت و پیروی کو اپنے لئے لازم پکڑ لیں:

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(اعراف: ۱۵۸)

کہو کہ اے لوگو میں تم تمام کے تمام تک اللہ کا رسول ہوں جس کے لئے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ وہ جِلاتا ہے اور مارتا ہے۔ سو تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول امی نبی پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اس کی باتوں پر اور اس کی (پوری طرح) پیروی کرو۔ امید کہ تم راہ یاب ہو۔

آپ کا لایا ہوا دین اپنی تکمیلی شریعت کے ساتھ خدائی تعلیمات کا آخری ایڈیشن ہے۔ جس نے گذشتہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۝

(مائدہ: ۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اور تمہارے لئے دین کی نسبت سے اسلام کو پسند کر لیا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

(آل عمران: ۱۹)

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اور جنہیں کتاب دی گئی جو انہوں نے جھگڑا کیا تو اس کے بعد کہ ان کے پاس (صحیح) جانکاری آچکی تھی۔ آپس کی دشمنی اور عداوت کی بنا پر۔ اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرے تو (معلوم ہو کہ) اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔

اس راستے کو چھوڑ کر جو کوئی دوسرا راستہ اپنائے گا، آخرت کے ابدی خسران سے دوچار ہوگا:

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

(آل عمران: ۸۳-۸۵)

کیا پس وہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور چیز کے طالب ہیں۔ جبکہ اس کے مطیع فرمان ہیں وہ تمام جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اپنی آمادگی سے یا اضطراری طور پر اور وہ اسی کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم پر اتاری گئی اور جو اتاری گئی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور آل یعقوب پر، اور جو دی گئی موسیٰ اور عیسیٰ کو اور (ان کے علاوہ دوسرے تمام) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان میں کسی کے بیچ فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے (اللہ کے) تابع فرمان ہیں۔ اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی دوسری چیز کا طالب ہو تو وہ اس کی طرف سے قبول نہ ہوگی اور وہ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والوں میں ہوگا۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا بصیرت افروز بیان

دین و شریعت کے اختلاف و اتحاد کے زیر نظر مسئلہ کو علامۃ العصر ابن تیمیہؒ نے بہت عمدہ طریقے سے تفصیلی انداز میں واضح کیا ہے۔ ہم ذیل میں یہ پوری بحث ان کے لفظوں میں نقل کرتے ہیں۔ جو ان لوگوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے بہت کچھ کافی ہے جو اصل دین میں انبیاء کے اشتراک کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی خوشنودی کے حصول کے لئے اس "مشترک دین" کی موٹی موٹی باتوں پر عمل کر لینا کافی ہے۔ انبیائی شریعتوں پر عمل کی چنداں ضرورت نہیں۔ علامہ موصوف کی اس گفتگو سے سورۂ شوریٰ کی اس مضمون

Marfat.com

کی مرکزی آیت کریمہ "شرع لکم من الدین الخ" کا صحیح موقع و محل بھی متعین ہو جاتا ہے:

و"الحقیقۃ" حقیقت الدین: دین رب العالمین هی ما اتفق علیها الانبیاء والمرسلون، وان لکل منهم شرعة ومنهاج. ف"الشرعة" هی الشریعة قال الله تعالیٰ (لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا) وقال تعالیٰ: (ثم جعلناك علیٰ شریعة من الامر فاتبعها، ولا تتبع اهواء الذین لا یعلمون، انهم لن یغنوا عنك من الله شیئا. وان الظالمین بعضهم اولیاء بعض والله ولی المتقین).

و"المنهاج" هو الطریق قال تعالیٰ: (وان لو استقاموا علی الطریقة لاسقیناهم ماء غدقا لنفتنهم فیه، و من یعرض عن ذکر ربه یسلکه عذابا صعدا) فالشرعة بمنزلة الشریعة

"حقیقت" دین کی حقیقت، رب العالمین کے دین کی حقیقت وہ چیز ہے جس پر کہ تمام انبیاء اور پیغمبر حضرات متفق اللفظ اور یک زبان ہیں۔ اور یہ کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک "شریعت" اور ایک "منہاج" ہے۔ "شرعۃ" کا مطلب ہے "شریعت" اللہ نے فرمایا: "لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنہاجا" تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک طریقہ ٹھہرایا۔ نیز فرمایا: "ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر الخ" پھر ہم نے تمہیں ٹھہرایا ہے ایک خاص طرح کی شریعت پر سو تم اس کی (ٹھیک ٹھیک) پیروی کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو نہیں جانتے۔ اللہ کے مقابلہ میں وہ تمہارا کچھ بھلا نہ کر سکیں گے۔ (یہ) بے انصاف ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

"منہاج" کے معنی ہیں طریقہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وان لو استقاموا علی الطریقۃ الخ" اور اگر وہ (مشرکین مکہ) (اسلام کے) طریقہ پر جمتے تو ہم انہیں بہت زیادہ پانی سے سیراب کرتے تاکہ ہم انہیں اس کے سلسلے

Marfat.com

للنهر، والمنهاج هو الطريق
الذی سلك فيه والغاية
المقصودة هی حقيقة
الدين، وهی عبادة الله
وحده لاشريك له وهی
حقيقة دين الاسلام، و
هوان يستسلم العبد
لله رب العالمين، لايستسلم
لغيره، فمن استسلم له
ولغيره كان مشركا، والله
(لايغفر ان يشرك به)
ومن لم يستسلم بل استكبر
عن عبادته كان ممن قال
الله فيه: (ان الذين
يستكبرون عن عبادتی
سيدخلون جهنم داخرين)
ودين الاسلام هو
دين الاولين والآخرين
من النبيين والمرسلين
وقوله تعالى: (ومن يبتغ
غير الاسلام دينا فلن
يقبل منه) عام فی كل زمان
ومكان.

میں آزمائیں اور جو کوئی اپنے رب کی
یاددہانی سے منہ موڑے تو وہ اسے دشوار
گذار عذاب (کی راہ) چلائے گا۔
"شرعت" اور "شریعت" ایک ہی چیز
ہے جس کے معنی ہیں نہر اور دریا اور
"منہاج" کا مطلب ہے وہ راستہ جس سے
وہ چلے اور اس کا مقصود غائی وہ ہے جو
دین کی حقیقت ہے اور وہ ہے تنہا ایک
اللہ کی بندگی اور عبادت جس کا کوئی ساجھی
نہیں اور یہی دین اسلام کی حقیقت ہے
یعنی کہ بندہ اللہ رب العالمین کے لئے پوری
طرح جھک جائے اور کسی اور کے لئے اس
کے اندر جھکاؤ نہ رہے۔ پس جو کوئی جھکتا
ہے اللہ اور غیر اللہ دونوں کے لئے وہ
مشرک ہوگا۔ جبکہ اللہ اسے معاف نہیں
کرسکتا کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک
کیا جائے) اور جو کوئی (اللہ کے لئے) نہ جھکے
بلکہ اس کی عبادت واطاعت سے منہ موڑے
تو وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے بارے
میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (ضرور جو
لوگ میری عبادت (بندگی) سے منہ موڑینگے
وہ جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل ہوکر۔)
اور دین اسلام ہی اگلے اور پچھلے تمام نبیوں

Marfat.com

فنوح وابراهيم ويعقوب
والاسباط وموسىٰ وعيسىٰ
والحواريون كلهم دينهم
الاسلام الذى هو عبادة
الله وحده لاشريك له
قال الله تعالىٰ عن نوح :
(ياقوم ان كان كبر عليكم
مقامى وتذكيرى بآيات
الله فعلى الله توكلت ،
فاجمعوا امركم) الى قوله
(وامرت ان اكون من المسلمين)
وقال تعالى : (ومن يرغب
عن ملة ابراهيم الا من
سفه نفسه ، ولقد اصطفيناه
فى الدنيا ، وانه فى الآخرة
لمن الصالحين ، اذ قال
له ربه اسلم ، قال اسلمت
لرب العالمين ، ووصى بها
ابراهيم بنيه ويعقوب
يابنى ان الله اصطفىٰ لكم
الدين فلا تموتن الا وانتم
مسلمون) وقال تعالىٰ :
(وقال موسىٰ لقومه ياقوم

اور رسولوں کا دین ہے اور اللہ تعالیٰ
کا فرمان: "اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی
اور دین چاہے تو وہ اس کی طرف سے
قابل قبول نہ ہوگا" یہ ہر زمانہ اور ہر جگہ
کے لئے عام ہے۔

پس حضرات نوح، ابراہیم، یعقوب اور
آل یعقوب اور موسیٰ اور عیسیٰ اور ان کے
متبعین ان سب کا دین اسلام ہے جس کے
معنی ہیں تنہا ایک اللہ کی عبادت (بندگی)
جس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے
نوح کی زبانی فرمایا: اے میری قوم کے لوگو!
اگر تمہارے اوپر میرا یہاں رہنا اور اللہ کی
آیتوں کی یاددہانی کرانا بہت گراں ہے
تو (معلوم ہو کہ) میرا بھروسہ اللہ پر ہے، سو
تم اپنے جیسی کر ڈالو، الخ اور مجھے حکم دیا گیا
ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں،
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "اور ابراہیم
کے طریقے سے کون بیزار ہو سکتا ہے سوائے
اس کے جو اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا ہو، جبکہ ہم نے اسے
دنیا میں منتخب فرمایا، اور وہ آخرت میں
ضرور نیکوں میں ہوگا۔ یاد کرو جبکہ اس کے
رب نے اس سے کہا کہ جھک جاؤ تو اس نے
کہا کہ میں رب العالمین کے لئے جھک گیا۔

Marfat.com

ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ
توکلوا ان کنتم مسلمین)
وقال السحرۃ: (ربنا
افرغ علینا صبرا وتوفنا
مسلمین) وقال یوسف
علیہ السلام: (توفنی مسلما
والحقنی بالصالحین)
وقالت بلقیس: (اسلمت
مع سلیمان للہ رب
العالمین) وقال تعالی:
(یحکم بہا النبیون الذین
اسلموا للذین ھادوا،
والربانیون والاحبار) وقال
الحواریون (آمنا باللہ و
اشھد بانا مسلمون)
فدین الانبیاء واحد
وان تنوعت شرائعھم،
کما فی الصحیحین عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال "انا معشر الانبیاء
دیننا واحد" قال تعالی
(شرع لکم من الدین
ما وصی بہ نوحا والذی

اور اسی بات کی ابراہیم نے تلقین کی اپنے
بیٹوں کو اور یعقوب کو۔ کہ اے میرے اولاد
اللہ نے تمہارے لئے اس دین (اسلام)
کو منتخب فرمالیا ہے، سو جو تمہیں موت آئے
تو اسی حال میں کہ تم مسلم (اللہ کے فرمانبردار)
ہو، نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور موسیٰ نے
اپنے قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو!
اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اس پر بھروسہ
کرو اگر تم اس کے مسلم (فرماں بردار) ہو۔
اور (پہلے کے) جادوگروں نے (جو
دولت اسلام سے مالامال ہوئے) کہا کہ:
اے ہمارے رب ہم پر صبر کے دہانے
کھول دے اور ہماری موت ہو تو اس
حال میں کہ ہم مسلم (مطیع فرمان) ہوں (اسی
طرح حضرت یوسف نے فرمایا) خدایا! میری
موت ہو تو اس حال میں کہ میں مسلم (فرمانبردار)
ہوں اور تو مجھے نیکوں کے ساتھ ملانا، نیز
بلقیس (ملکۂ سبا) نے کہا (میں نے سلیمان کے
ساتھ اپنے کو اللہ رب العالمین کی فرمانبرداری
میں دیا) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد
فرمایا: اس کے (تورات کے) ذریعہ انبیاء
جو مطیع فرمان (الذین اسلموا) تھے فیصلہ
کرتے رہے ان لوگوں کے لئے جو یہودی

Marfat.com

اوحينا اليك، وما وصينا
به ابراهيم وموسىٰ و
عيسىٰ ان اقيموا الدين
ولا تتفرقوا فيه، كبر على
المشركين ما تدعوهم
اليه) وقال تعالىٰ: (يا ايها
الرسل كلوا من الطيبات
واعملوا صالحا انى بما
تعملون عليم، وان هذه
امتكم امة واحدة وانا
ربكم فاتقون، فتقطعوا
امرهم بينهم زبرا كل حزب
بما لديهم فرحون [1]

ہو گئے تھے، نیز اسی طرح ان کے علماء
اور فقہاء، اور حضرت مسیح کے پیروؤں
(حواریوں) نے کہا "ہم اللہ پر ایمان لائے
اور (خدایا) تو گواہ ہو کہ ہم (تیرے) مسلم مطیع
فرمان ہیں۔)

پس معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا
دین ایک ہے۔ گو کہ ان کی شریعتوں میں
اختلاف اور تنوع ہو۔ جیسا کہ بخاری اور
مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ و
سلم نے فرمایا: "ہم انبیاء کی جماعت کا دین
ایک ہے"، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے
لئے اس نے وہی دین ٹھہرایا ہے جس کی اس
نے تاکید کی نوح کو اور جس کی ہم نے وحی کی
تم تک اور جسکی ہم نے تاکید کی ابراہیم، موسیٰ
اور عیسیٰ کو یہ کہ تم (سب) دین کو پورا پورا
اور ٹھیک ٹھیک قائم رکھو اور اس کے سلسلے
میں ٹکڑیوں میں نہ بٹو۔ مشرکوں کیلئے وہ چیز
بڑی بھاری ہے جس کی طرف تم انہیں بلاتے
ہو (نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اے رسولو! کھاؤ
پاک صاف چیزوں سے اور بھلے کام کرو میں
جانتا ہوں جو تم کرتے ہو۔ اور یہ تمہاری امت

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۱/۲۱۸ - ۲۲۰ - طبع جدید۔

Marfat.com

ہے ایک طریقہ کی۔ اور میں تمہارا رب ہوں
سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔ پھر انہوں نے اپنے
معاملہ کو باہم ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ٹولیوں میں
بٹ کر۔ اس طور پر کہ ہر ٹولی مگن ہے اس پر
جو اس کے پاس ہے۔

دین اسلام کی یہی حقیقت علامہ موصوف نے ایک دوسرے موقع پر بھی بیان کی ہے۔ جو تمام ادوار میں پوری انبیائی جماعت کا ایک ہی دین رہا ہے۔ اور جس کی تکمیل آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی ہے۔ یہ نفیس بحث "حنیفیت" اور اس کی حقیقت کے بیان سے شروع ہوئی ہے :

و"الحنيفية" هي الاستقامة باخلاص الدين لله، وذلك يتضمن حبه تعالىٰ والذل له لا يشرك به شيء، لا في الحب ولا في الذل، فان العبادة يتضمن غاية الحب بغاية الذل وذلك لا يستحقه الا الله وحده، وكذلك الخشية والتقوىٰ لله وحده، و التوكل على الله وحده، والرسول يطاع ويحب، فالحلال ما احله والحرام ما حرمه، والدين ما شرعه

"حنیفیت" کا مطلب ہے کہ ثبات و یکسوئی اس طور پر کہ دین کو اللہ کے لئے خالص اور بے آمیز کر لیا جائے اور یہ چیز اپنے اندر دو باتوں کو شامل ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت[1] اور اس کے لئے پستی اور اطاعت[2]۔ اس طور پر کہ ان دونوں ہی باتوں میں کسی دوسری چیز کو ساجھی نہ کیا جائے۔ نہ محبت کے معاملہ میں۔ نہ پستی اور اطاعت کے معاملہ میں۔ اس لئے کہ "عبادت کے اندر انتہائی درجہ محبت کے ساتھ انتہائی درجہ کی پستی اور اطاعت دونوں باتیں شامل ہیں۔ اور یہ وہ چیز ہے جس کی صرف تنہا اللہ کی ذات مستحق ہے۔ یہی حال تقویٰ اور خشیت کا ہے کہ اسے بھی تنہا اللہ کے لئے ہونا چاہیئے۔ اسی طرح

قال تعالیٰ: (ومن یطع
اللہ ورسولہ ویخش
اللہ ویتقہ فاولئك هم
الفائزون) وقال تعالیٰ
(ولو انهم رضوا ما آتاهم
اللہ ورسولہ وقالوا:
حسبنا اللہ، سیؤتینا
اللہ من فضلہ ورسولہ
انا الی اللہ راغبون)
وهذا حقیقة دین الاسلام
والرسل بعثوا بذلك
كما قال تعالیٰ: (شرع لكم
من الدین ما وصی بہ
نوحا والذی اوحینا الیك
وما وصینا بہ ابراهیم و
موسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا
الدین، ولا تتفرقوا فیہ)
وقال تعالیٰ: (یا ایها الرسل
كلوا من الطیبات، واعملوا
صالحا، انی بما تعملون علیم
وان هذه امتكم امة واحدة
وانا ربكم فاتقون) [1]

توکل اور بھروسہ بھی صرف اللہ پر ہونا چاہیئے۔
یہی معاملہ رسول کا ہے کہ اس کی اطاعت
کی جائے گی اور اس سے محبت بھی کی جائیگی
پس حلال وہ ہے جسے اس نے حلال کر دیا
اور حرام وہ ہے جسے اس نے حرام کر دیا۔ اور
دین وہ ہے جسے اس نے ٹھہرا دیا۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا: اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول
کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس
(کی ناراضگی) سے بچ کر رہے تو یہی لوگ ہیں
جو کامیاب ہیں (نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اور
اگر وہ راضی اور مطمئن ہوتے اس پر جو ان
کو اللہ نے دیا اور اس کے رسول نے
اور کہتے کہ: ہمارے لیے بس اللہ کافی
ہے، جلد ہی اللہ اور اس کے رسول ہمیں اپنے
فضل سے نوازیں گے، ہم اللہ ہی سے لو
لگانے والے ہیں، (تو ان کے لئے کیا ہی بہتر ہوتا)
یہی دین اسلام کی حقیقت ہے۔ اور (تمام)
رسولوں کو یہی پیغام دیکر بھیجا گیا۔ جیسا کہ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا: تمہارے لئے اس نے وہی دین
ٹھہرایا جس کی اس نے تاکید کی نوح کو، اور
جس کی ہم نے وحی کی تم تک، اور جس کی ہم نے
تاکید کی ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو یہ کہ تم سب

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۰ / ۴۶۶ - ۴۶۷۔ علامہ موصوف دوسرے مقام پر بھی سورۂ شوریٰ (بقیہ آئندہ)

Marfat.com

اس دین کو پوری طرح قائم رکھو اور اس کے
سلسلے میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو (نیز اللہ تعالیٰ نے
فرمایا) اے رسولو! کھاؤ پاک صاف چیزوں سے
اور بھلے کام کرو، میں جان رہا ہوں جو تم کرتے
ہو۔ اور یہ تمہاری امت ہے ایک طریقہ کی اور
میں تمہارا رب ہوں، سو تم مجھ ہی سے ڈرو۔

ہر دور اور ہر زمانہ میں زندگی میں جادۂ حق پر قائم رہنے کے لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں کو جو دین ملتا رہا، اس کے بنیادی ڈھانچے اور مشترک اقدار و دفعات کے علاوہ، حالات کے لحاظ سے ہر ایک کے ساتھ ایک مکمل ضابطہ حیات اور قانون زندگی بھی ہوا کرتا تھا، اور ان دونوں کے مجموعے کی بے لاگ پیروی ہی میں ہر دور کے انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح مضمر تھی، جس کے لازمی تقاضے کے طور پر آخری پیغمبرؐ اور اس کے ساتھ آخری تکمیلی شریعت کے آجانے کے بعد قیامت تک کے لئے پوری دنیائے انسانیت کی تقدیر اسی مجموعہ دین سے وابستہ ہو گئی اپنی دوسری کتابوں میں بھی علامہ موصوف نے اس حقیقت کی طرف لطیف اشارات کئے ہیں۔ جو اس ضمن کی دیگر آیات کے ساتھ سورہ شوریٰ کی مذکورہ مرکزی آیت کریمہ کے صحیح موقع و محل کو بھی ٹھیک طرح متعین کر دیتے ہیں :

فدین الانبیاء والمرسلین	تمام نبیوں اور رسولوں کا دین ایک
دین واحد، وان لکل من	ہے۔ البتہ تورات اور انجیل ہر ایک، کی
التوراۃ والانجیل شرعۃ	شریعت اور طریقہ الگ الگ ہے۔ اسی
ومنہاجا، ولہذا قال صلی	لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اللہ علیہ وسلم، فی	ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے حضرت

بقیہ گذشتہ) کی آیت کریمہ "شرع لکم من الدین الخ" کا یہی موقع و محل متعین کرتے ہیں۔ اور اس کے نظائر میں یہی آیات پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح : ۱/۲، ۲۔ مطابع المجد التجاریۃ (بدون سنۃ)۔

Marfat.com

الحدیث المتفق علی صحتہ
عن ابی ھریرۃ ،عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم: "انا
معشر الانبیاء دیننا واحد"
وانا اولی الناس بابن مریم،
لانہ لیس بینی وبینہ نبی[1]"

ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: "ہم انبیائی جماعت، ہمارا
دین ایک ہے۔ اور مسیح ابن مریمؑ کی پیروی
وحق شناسی کا میں زیادہ حق دار ہوں
اس لئے کہ میرے اور ان کے درمیان
کوئی اور نبی نہیں۔"

آگے وہ اسی سلسلے میں مزید فرماتے ہیں:

فدین المرسلین یخالف
دین المشرکین المبتدعین
الذین فرقوا دینھم وکانوا
شیعا.

پس رسولوں کا دین مشرکوں کے دین سے
الگ ہے۔ (دین کے) نوع بہ نوع طریقے
ایجاد کرنے والے۔ جنہوں نے اپنے دین کو
ٹکڑے ٹکڑے کیا اور ان گنت ٹولیوں

قال تعالیٰ: "فاقم وجھک
للدین حنیفا فطرت اللہ
التی فطر الناس علیھا لا
تبدیل لخلق اللہ ذلک
الدین القیم ولکن اکثر
الناس لا یعلمون ہ منیبین
الیہ واتقوہ واقیموا الصلوٰۃ
ولا تکونوا من المشرکین ہ

میں بٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "سو تم
اپنے رُخ کو بالکل ٹھیک رکھو دین کیلئے
یکسو ہو کر، یہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس
نے (تمام) لوگوں کو پیدا کیا ہے، اس کی بناوٹ
میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی ٹھیک دین ہے۔
لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جھکے ہوئے
(ہو جاؤ) اس کی طرف اور اسی سے ڈرو۔
اور نماز قائم کرو۔ اور مشرکوں میں نہ ہو۔

---

[1] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح: ۱/۵۔ طبع مذکور۔ البتہ یہ روایت یہاں بالمعنی ہے۔ بخاری و مسلم کے الفاظ اس سے مختلف ہیں/ ملاحظہ ہو: بخاری جلد ۱۔ کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل واذکر فی الکتاب مریم الخ مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام۔

Marfat.com

من الذین فرقوا دینھم
وکانوا شیعا کل حزب بما
لدیھم فرحون ہ (سورۃ الروم
۳۰-۳۲) قال تعالیٰ: "وجعلنا
ابن مریم وامہ آیۃ وآویناھما
الی ربوۃ ذات قرار ومعین ہ
یاایھا الرسل کلوا من
الطیبات واعملوا صالحا
انی بما تعملون علیم ہ وان
ھذہ امتکم امۃ واحدۃ
وانا ربکم فاتقون" وقال فی
الآیۃ الاخریٰ: "فاعبدون"
فتقطعوا امرھم بینھم زبرا
کل حزب بما لدیھم فرحون"
(سورۃ المومنون: ۵۰-۵۳)
وقال تعالیٰ: شرع لکم من
الدین ما وصی بہ نوحا
والذی اوحینا الیک وما
وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ
وعیسیٰ ان اقیموا الدین
ولا تتفرقوا فیہ کبر علی
المشرکین ما تدعوھم
الیہ، اللہ یجتبی الیہ من

ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین
کے ٹکڑے ٹکڑے کر لئے اور ان گنت ٹولیوں
میں بٹ گئے۔ ہر ٹولی مگن ہے اس پر جو اس
کے پاس ہے؛ (روم: ۲۰-۳۲) اللہ تعالیٰ
نے فرمایا: اور ہم نے ابن مریم اور اس کی
ماں کو نشانی قرار دیا۔ اور ہم نے ان دونوں
کو پناہ دی ایک ٹیلے پر جو سکون والا اور
چشمے والا تھا۔ اے رسولو! کھاؤ پاک صاف
چیزوں سے اور بھلے کام کرو۔ میں جاننے
والا ہوں جو تم کرتے ہو۔ یہ تمہاری امت
ہے ایک طریقہ کی اور میں تمہارا رب ہوں
سو تم مجھ ہی سے ڈرو؛ اور دوسری آیت
میں فرمایا: سو تم میری ہی عبادت (بندگی)
کرو، پھر انہوں نے اپنے معاملہ کو باہم ٹکڑے
ٹکڑے کر ڈالا ٹولیوں میں بٹ کر۔ اس طور پر
کہ ہر ٹولی مگن ہے اس پر جو اس کے پاس ہے۔
(مومنون: ۵۰-۵۳)
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے تمہارے
لئے وہی دین ٹھہرایا جس کی اس نے تاکید کی
نوح کو اور جس کی ہم نے وحی کی تم تک اور
جس کی ہم نے تاکید کی ابراہیم اور موسیٰ اور
عیسیٰ کو یہ کہ تم سب اس دین کو ٹھیک قائم
رکھو اور اس کے سلسلے میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو

Marfat.com

یشاء ویھدی الیہ من ینیب "(سورۃ الشوریٰ) [1]

مشرکوں پر وہ چیز بہت گراں ہے جسکی طرف تم انہیں بلاتے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اسے اپنی طرف چن لیتا ہے اور اپنی طرف راہ بتاتا ہے اسے جو (اسکی طرف) جھکتا ہے، (شوریٰ: ۱۳)

خدا کی اس بندگی اور اس انبیائی دین کی پیروی کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جملہ معاملات زندگی میں اپنے وقت کے رسول کی پیروی کو لازم پکڑ لیا جائے۔ اس طرح ہر بعد والا نبی سابق شریعت کو منسوخ کرتے ہوئے یہ سلسلہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ جن کی لائی ہوئی شریعت انسانیت کا آخری ضابطہ حیات ہے۔ جسے بے چون و چرا تسلیم نہ کر کے انسان اپنے کو سلسلہ نبوت میں رخنہ اندازی کا مجرم بناتا ہے۔ جس کا انجام جہنم کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا ہے۔ آگے علامہ موصوف اس نکتے کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں :

"فھذا دین الاولین والآخرین من الانبیاء و اتباعھم ھو دین الاسلام وھو عبادۃ اللہ وحدہ لاشریک لہ، وعبادتہ تعالیٰ فی کل زمان ومکان بطاعۃ رسلہ علیھم السلام فلا یکون عابد اللہ من عبدہ بخلاف ما جاءت بہ رسلہ، کالذین قال

پس یہی اگلے اور پچھلے تمام نبیوں اور ان کے پیروکاروں کا دین ہے، یعنی دین اسلام۔ جس کا مطلب ہے ایک اللہ کی بندگی (عبادت) جو تنہا ہے اور جس کا کوئی ساجھی نہیں اور ہر زمانہ اور تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کی اس عبادت کی صورت ہے کہ اس کے رسولوں کی پیروی اختیار کی جائے۔ پس کوئی شخص اللہ کی بندگی کرنے والا نہیں ہو سکتا جو اس کی بندگی کرتا ہے اس طریقہ کے خلاف جو اس کے رسول

---

[1] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح : ۱/۵، ۶ - محولہ بالا۔

Marfat.com

تعالیٰ فیھم "ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ" (سورۃ الشوریٰ : ۲۱) فلا یکون مومنا بہ الا من عبدہ بطاعۃ رسلہ، و لایکون مومنا بہ ولا عابدا لہ الا من آمن بجمیع رسلہ واطاع من ارسل الیہ، فیطاع کل رسول الی ان یاتی الذی بعدہ، فتکون الطاعۃ للرسول الثانی، ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ، قال تعالیٰ "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" (سورۃ النساء : ۶۴)

ومن فرق بین رسلہ فآمن ببعض وکفر ببعض کان کافرا، کما قال تعالیٰ : "ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا

لے کر آئے ہیں۔ جیسا کہ ان لوگوں کا معاملہ ہے جن کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کیا ان کے کچھ ساجھی ہیں جنہوں نے ان کے لئے وہ دین ٹھہرایا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی" (شوریٰ : ۲۱) پس اللہ پر ایمان رکھنے والا وہی شخص ہوگا جو اس کے رسولوں کی پیروی کرتے ہوئے اس کی بندگی کرے۔ اور اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کی بندگی کرنے والا وہی شخص ہوگا جو اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے اور اس رسول کی پیروی کرے جو اس تک بھیجا جائے پس اس طرح ہر (پہلے) رسول کی پیروی کی جاتی رہے گی یہاں تک کہ اس کے بعد والا (رسول) آجائے جس کے بعد اس دوسرے رسول کی پیروی ضروری ہوگی۔ اور جو کوئی رسول کی پیروی کرے تو اس نے گویا اللہ کی پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا تو اسی لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی پیروی کی جائے" (نساء ۶۴) اب جو کوئی اس کے رسولوں کے بیچ امتیاز کرتا ہے۔ پس کسی پر ایمان لاتا ہے اور کسی کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

Marfat.com

بین اللہ ورسلہ و
یقولون نومن ببعض
ونکفر ببعض ویریدون
ان یتخذوا بین ذلک سبیلا ہ
اولئک ھم الکافرون حقا
واعتدنا للکافرین عذابا
مھینا ہ والذین آمنوا باللہ
ورسلہ ولم یفرقوا بین
احد منھم اولئک سوف
یوتیھم اجورھم وکان
اللہ غفورا رحیما ہ
(سورۃ النساء: ۱۵۰-۱۵۲)[1]

یقیناً جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کا
اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں کہ
فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے بیچ
اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ پر ایمان رکھتے ہیں اور
کچھ کا انکار کرتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ اس
کے بیچ ایک راہ پکڑیں، یہی لوگ پکے کافر
ہیں اور ہم نے (ایسے) کافروں کے لئے رسوا
کن عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایمان
لائیں اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور ان
میں سے کسی کے بیچ فرق نہ کریں تو یہ ہیں کہ
جلد ضرور اللہ انہیں ان کا بدلہ دے گا۔ اور
اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔
(نساء: ۱۵۰-۱۵۲)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے

دور آخر میں اسرار شریعت کے مایہ ناز عالم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں آیت زیر بحث میں مذکور "وحدت دین" اور دین و شریعت کے مسئلہ اور ان کے باہمی ربط و تعلق کو بہت اچھے انداز میں حل کیا ہے۔ اور "اقامت دین" کی بعض تفسیروں سے محدود تصور دین کی جو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اسے پوری طرح زائل کر دیا ہے۔ موصوف اس بحث میں جو کچھ کہنا چاہتے ہیں اس کا اندازہ ان کے باندھے ہوئے باب سے ہی کیا جا سکتا ہے۔ باب بیان ان اصل الدین واحد والشرائع والمناہج مختلفۃ۔

---

[1] حوالہ سابق: ۱۲، ۱۳۔

Marfat.com

یعنی اس چیز کی وضاحت کا باب کہ دین کی اصلیت اور حقیقت ہمیشہ سے ایک رہی ہے البتہ شریعتیں اور طریقے ہر زمانہ میں الگ الگ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے موصوف آیت زیر بحث کے ساتھ اس مضمون سے متعلق دوسری آیتیں نقل کرتے ہیں ساتھ ہی ان کے سلسلے میں اسلاف سے بیان کی گئی تفسیروں کو بھی بیان کر دیا ہے :

قال اللہ تعالیٰ : (شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ) قال مجاھد اوحینا الیک یا محمد وایاھم دینا واحدا، وقال تعالیٰ : (وان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون فتقطعوا امرھم بینھم زبرا کل حزب بما لدیھم فرحون) یعنی ملۃ الاسلام ملتکم فتقطعوا یعنی المشرکین والیھود والنصاریٰ وقال تعالیٰ : (لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا) قال ابن عباس : سبیلا وسنۃ وقال تعالیٰ : (لکل امۃ جعلنا منسکا ھم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ : "اس نے تمہارے لئے وہی دین ٹھہرایا ہے جس کی اس نے تاکید کی نوح کو اور جس کی ہم نے وحی کی ہے (اے پیغمبر) تم تک اور جس کی ہم نے تاکید کی ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو کہ (لوگو) دین (کی وحدت) کو قائم رکھو اور اس میں پھوٹ کا شکار نہ ہو۔ مجاہد نے کہا کہ اے محمد ہم نے تم کو اور ان سب لوگوں کو ایک ہی دین کی تاکید کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا : (اے انبیائی گروہ) یہ تمہارا طریقہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ ہی سے ڈرو تو انہوں نے اپنے بیچ اپنے معاملہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا ہر دھڑا مگن ہے اس پر جو اس کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب ہے کہ اسلام کا طریقہ ہی تمہارا طریقہ ہے، تو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اس سے مراد مشرکین اور یہود و نصاریٰ ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے

Marfat.com

ناسکوہ) یعنی شریعۃ ھم عاملون بھا[1]

ایک شرعت اور ایک منہاج ٹھہرایا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ اس سے مراد راستہ اور طریقہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر امت کے لئے ہم نے ایک منسک ٹھہرایا جسے وہ اختیار کرنے والے تھے۔ اس سے مراد ہے شریعت اور قانون زندگی جس پر کہ وہ لوگ عمل پیرا رہے۔

اس کے بعد موصوف نے اس مسئلہ کی جو وضاحت کی ہے کہ وہ محدود تصور مذہب کے کہر کو پوری طرح چھانٹ دینے والی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت زیر بحث میں "اقامت دین" کے الفاظ سے وحدت دین کی جو بات کہی گئی ہے اور جسے پوری انبیائی جماعت کا مشترکہ سرمایہ قرار دیا گیا ہے اس کا تعلق، جیسا کہ عام طور پر غلط فہمی ہے، دین کے کسی خاص جزء اور مذہب کے محدود تصور سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ چیز ایک خاص انداز میں دین و شریعت کے پورے مجموعے کو شامل ہے۔ اپنی پوری زندگی میں خدائی احکام پر عمل اور اس کے انفرادی و اجتماعی جملہ امور و مسائل میں اس کی نازل کردہ شریعت کی بے لاگ پیروی، یہ کچھ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوص نہیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام ہر دور اور ہر زمانہ میں اسی ایک پیغام کے داعی اور علمبردار رہے ہیں "اقامت دین" کے لفظوں میں انبیائی دعوت کی جس مشترکہ بنیاد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا تعلق مجرد عقائد اور معروف عبادات ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی نکاح و طلاق، عدل و انصاف کا قیام، مظالم کا ازالہ، حدود و تعزیرات کا نفاذ اور اعداء دین سے جہاد و قتال وغیرہ اجتماعی زندگی کے اہم ترین امور و معاملات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل ہیں۔ یہی اصل دین ہے جس کی طرف آیت کریمہ میں "اقامت دین" کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اور مکی سورہ کے اندر اس کا حوالہ دے کر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی نسبت سے اہل

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۸۶۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ سنہ ۱۳۷۳ھ۔

Marfat.com

عرب کی وحشت اور اجنبیت کو دور کرنا ہے۔ کہ تمہاری طرف سے اس پیغام اور اس دعوت کی مخالفت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی جبکہ یہ کوئی نیا پیغام اور کوئی نئی دعوت نہیں بلکہ یہ وہ چیز ہے جو پوری انبیائی جماعت کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ جن سے یہ پوری طرح آشنا بلکہ ایک طرح سے اپنے کو ہی ان کا مخلص اور پیرو قرار دیتے ہیں۔ پوری انبیائی جماعت کی بنیادی دعوت اور ان کے مقاصد ہمیشہ سے ایک رہے ہیں۔ ان کے درمیان اختلاف صرف ان مقاصد کے حصول سے متعلق احکام کی جزئیات میں رہا ہے۔ جسے اصطلاح میں 'شریعت' کے نام سے جانا جاتا ہے آخری پیغمبر کی بعثت کا مقصد اس کے سوا دوسرا نہیں کہ وہ شریعت کے اس باب کو اتمام وتکمیل کی آخری منزل پر پہنچا کر پچھلی تمام شریعتوں کو منسوخ کرتے ہوئے سلسلۂ نبوت کے خاتمہ کا اعلان کر دے۔ جبکہ دنیا کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ آخری قانون سازی پچھلی تمام دفعات کی منسوخی کا اعلان ہوتی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی اس بحث کو ان کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے جس میں آخر میں دین و شریعت کے فرق کو واضح کرنے کے لئے انہوں نے بعض مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ اصل دین اور انبیائی دعوت کی مشترک بنیادوں کی وضاحت وہ ان لفظوں میں کرتے ہیں :

اعلم ان اصل الدین	جاننا چاہیئے کہ دین کی اصل ایک ہے جس
واحد اتفق علیہ الانبیاء	پر تمام انبیاء علیہم السلام متفق ہیں۔ اختلاف
علیہم السلام وانما الاختلاف	صرف شریعتوں اور طریقوں میں رہا ہے اس
فی الشرائع والمناھج، تفصیل	کی تفصیل یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام
ذلک انہ اجمع الانبیاء علیہم	اللہ کی توحید پر یک زبان ہیں کہ تنہا اسی کی
السلام علی توحید اللہ	عبادت کی جائے اسی سے مدد طلب کی جائے
تعالی عبادۃ واستعانۃ و	اور اسے ہر اس چیز سے پاک مانا جائے جو اس
تنزیہہ عما لا یلیق بجنابہ	کی ذات عالی کے شایان شان نہ ہو۔ اس
وتحریم الالحاد فی اسمائہ	کے اسماء وصفات میں کج روی کو حرام سمجھا
وان حق اللہ علی عبادہ	جائے۔ نیز یہ کہ اللہ کا اپنے بندوں پر حق

ان یعظموہ تعظیما لایشوبہ
تقریط وان یسلموا وجوھھم
وقلوبھم الیہ وان یتقربوا
بشعائر اللہ الی اللہ وانہ
قد رجمیع الحوادث قبل
ان یخلقھا وان اللہ ملائکۃ
لایعصونہ فیما امرو یفعلون
مایومرون وانہ ینزل
الکتاب علی من یشاء من
عبادہ ویفرض طاعتہ علی
الناس وان القیامۃ حق و
البعث بعد الموت حق
والجنۃ حق والنار حق و
وکذلک اجمعوا علی انواع
البر من الطھارۃ والصلاۃ
والزکاۃ والصوم والحج و
التقرب الی اللہ بنوافل
الطاعات من الدعاء والذکر
وتلاوۃ الکتاب المنزل من
اللہ وکذلک اجمعوا علی
النکاح وتحریم السفاح و
اقامۃ العدل بین الناس
وتحریم المظالم واقامۃ الحدود

ہے کہ وہ اس کی ایسی تعظیم کریں کہ اس کے
اندر کسی قسم کی کوتاہی کا شائبہ نہ ہو اور دل
وجان سے اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دیں۔
اور ان شعائر کے ذریعہ سے جنہیں اللہ نے
اپنی عظمت کے نشان ٹھہرائے ہیں اس کی
قربت حاصل کریں۔ نیز یہ کہ کائنات میں
پیش آنے والے تمام واقعات کو اس نے
مقدر کر رکھا ہے اس سے پہلے کہ وہ انہیں
وجود میں لائے۔ نیز یہ کہ اللہ کے فرشتے ہیں
جو جس بات کا وہ حکم دے اس میں ذرہ برابر
نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہ وہی کرتے ہیں
جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ
اپنے جس بندے پر چاہتا ہے کتاب اتارتا
ہے اور اس کی پیروی کو دوسرے تمام لوگوں
پر لازم قرار دیتا ہے۔ اور یہ کہ قیامت
برحق ہے۔ موت کے بعد اٹھایا جانا برحق ہے
جنت برحق ہے۔ دوزخ برحق ہے۔ اسی
طرح نیکی کی دوسری صورتیں ہیں جن پر تمام
انبیاء یک زبان ہیں۔ جیسے کہ پاکی، نماز، زکاۃ
روزہ، حج نیز نفل عبادات، مثال کے طور
پر دعاء، ذکر، قرآن کی تلاوت جو اللہ کی طرف
سے نازل کردہ ہے، کے ذریعہ اللہ سے قربت
حاصل کرنے کی کوشش۔ اسی طرح وہ اس

على اهل المعاصى والجهاد
مع اعداء الله والاجتهاد
فى اشاعة امر الله ودينه
فهذا اصل الدين ولذلك
لم يبحث القرآن العظيم
ماهية هذه الاشياء الاما
شاء الله فانها كانت مسلمة
فيمن نزل القرآن على السنتهم[1]

پر یک زبان ہیں کہ نکاح حلال ہے اور بدکاری
حرام ہے۔ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف
کا قیام ضروری ہے ظلم وناانصافی کی تمام صورتیں
حرام اور ممنوع ہیں۔ گناہوں کے ارتکاب کرنے
والوں پر حدود اللہ کا نفاذ ضروری ہے۔ اللہ کے
دشمنوں سے جہاد کیا جانا لازم اور اللہ کے دین
اور اسکے حکم کو پھیلانے اور عام کرنے میں جان کھپانا
ضروری ہے۔ اصل دین اسی چیز سے عبارت ہے اسی
لئے قرآن حکیم نے ان چیزوں کی حقیقت وماہیت
اور انکی اہمیت وضرورت سے شاید وباید ہی کہیں تعرض کیا
ہے اسلئے کہ یہ ان لوگوں کے ہاں مسلمات کی قبیل
سے تھیں جنکی زبان پر کہ قرآن نازل ہوا۔

شریعتوں کے اختلاف اور ان کی نوعیت کی وضاحت وہ آگے اس طرح کرتے ہیں :

وانما الاختلاف فى صور
هذه الامور واشباحها فكان فى
شريعة موسىٰ عليه السلام الاستقبال
فى الصلوٰة الى بيت المقدس وفى
شريعة نبينا صلى الله عليه وسلم
الى الكعبة وكان فى شريعة موسىٰ
عليه السلام الرجم فقط وجاءت
شريعتنا بالرجم للمحصن والجلد

اختلاف صرف ان چیزوں کی صورتوں اور انکے
اظہار کی شکلوں میں ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام
کی شریعت میں نماز بیت المقدس کیطرف رخ
کرکے پڑھی جاتی تھی اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کی شریعت میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کرکے
پڑھنے کا حکم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں
(زنا کی سزا) صرف سنگسار کیا جانا تھی۔ ہماری
شریعت میں سنگسار کئے جانیکی سزا شادی شدہ

---

[1] حوالہ مذکور : ۱/۸۷۔

Marfat.com

لغيره وكان فى شريعة موسىٰ عليه السلام القصاص فقط و جاءت شريعتنا بالقصاص و الدية جميعا وعلىٰ ذلك اختلافهم فى اوقات الطاعات وآدابها وأركانها [1]

کیلئے اور غیر شدہ کے لئے کوڑے کی سزا تجویز ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں (قتل کی سزا) صرف قصاص یعنی جان کے بدلہ جان تھی۔ ہماری شریعت میں قصاص اور دیت یعنی خوں بہا دونوں صورتوں کی گنجائش رکھی گئی۔ یہی معاملہ مختلف انبیاء علیہم السلام کے یہاں عبادات کے اوقات ان کے آداب اور انکے ارکان و شرائط کے اختلاف کا بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ شریعتوں کا اختلاف احکام کی جزئیات کا اختلاف ہے۔ جو نا قابل لحاظ ہے۔ اصل چیز جو پوری انبیائی جماعت کے ہاں مسلم اور متفق علیہ رہی ہے اور جس کا دوسرا نام ہی وحدت دین اور اقامت دین ہے۔ اس کا تعلق پوری انسانی زندگی اور اس کے انفرادی و اجتماعی جملہ معاملات و مسائل سے ہے۔ آخری شریعت نے جزئیات کی پوری تفصیل کے ساتھ ان کے مقاصد و مطالب کو اپنے صفحات میں بتمام و کمال محفوظ کر دیا ہے اور قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کی فوز و فلاح اور اس کی نجات اس پورے مجموعۂ دین کی مخلصانہ پیروی میں مضمر ہے۔

---

[1] حوالہ سابق

Marfat.com

خصائص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے اس تفصیلی مطالعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے سلسلے سے جاری ہونے والے دین "اسلام" کا تصور مذہب فکر وعمل کی کن وسیع جہتوں کو محیط ہے۔ اور کس طرح وہ عام معنوں میں "خدا اور بندے" تک محدود نہ ہو کر پوری انسانی زندگی کو اپنے دائرے میں لیتا اور جملہ معاملات زندگی میں خدائی شریعت کی بے لاگ پیروی کو لازم قرار دیتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہمارے سامنے مزید روشن ہو جاتی ہے جب ہم ان حضرات گرامی کے اوصاف وخصوصیات کا مطالعہ کرتے ہیں جن کا قرآن نے ان کے حالات وواقعات کے بیان میں بار بار ذکر کیا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شخصیت کے مطالعہ میں عام طور پر ذہن ایک خاص دائرے سے آگے نہیں بڑھتا۔ ان کی شخصیت کے تصور کے ساتھ ہی نگاہیں بالعموم ان کی خشیت وانابت، تقویٰ وطہارت اور خدا کے حضور عجز وزاری جیسے اوصاف وخصوصیات پر رک جاتی ہیں :

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ

(ص : ۴۴)

کیا ہی بہترین بندہ تھا وہ (ایوب) ضرور وہ جھکنے والا تھا۔

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً وَكَانَ تَقِيًّا

(مریم : ۱۳)

اور ہم نے اسے (یحیٰ کو) اپنی طرف سے شفقت اور پاکیزگی دی اور وہ ڈرنے والا تھا۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ۔

(ہود : ۷۵)

ضرور ابراہیم بڑا بردبار (اپنے رب کے حضور) گڑگڑانے والا اور (اس کی طرف) پلٹنے والا تھا۔

Marfat.com

لیکن ان حضرات گرامی کی ان صفات وخصوصیات کے ساتھ قرآن بار بار اور کافی کثرت سے ان کے بعض دوسرے اوصاف وکمالات کا بھی ذکر کرتا ہے جن کا تعلق صاف طور پر زندگی کے اجتماعی امور ومسائل سے ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے اندر ان حضرات کی تشریف آوری صرف اس لئے نہیں ہوئی کہ وہ کسی محدود معنی میں "خدا اور بندے" کے درمیان رشتہ استوار کر دیں۔ بلکہ ساتھ ہی ان کا دائرہ نفوذ فکر وعمل کے وسیع ترین گوشوں تک وسیع ہوتا ہے۔ وہ زندگی کے اندر انتہائی دوررس اور ہمہ گیر تبدیلیوں کا مطالبہ کرتے ہیں پورے نظام زندگی کو ایک خاص رخ پر چلانا اور خدائی مرضیات کو اس کے اندر جاری وساری کرنا ان کی بعثت کے اہم ترین مقاصد سے ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی اس حیثیت کا اندازہ قرآن میں ذکر کردہ ان کے درج ذیل اوصاف وخصوصیات سے ہوتا ہے:

قوت فیصلہ اور قوت علم

حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہ نمایاں ترین وصف ہے قرآن نے تقریباً ہر نبی کے بیان میں اس کا تذکرہ کیا ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے سلسلے میں ارشاد ہوا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (یوسف: ۲۲)

اور جب وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ گیا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔ اور ہم خوب کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء: ۷۴)

اور لوط ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بھی اس دولت سے نوازا گیا:

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء: ۷۹)

سو ہم نے اس معاملہ کو سلیمان کو سمجھا دیا اور (داؤد اور سلیمان) ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا۔

Marfat.com

حضرت موسیٰ کو بھی یہ نعمت عطا ہوئی :

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (قصص : ۱۴)

اور جب وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچا اور اس کی اٹھان پوری ہو گئی تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔

وحی الٰہی کے فیضان سے حضرات انبیاء علیہم السلام کو علم حقیقی کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے جس کے بعد ان کے سامنے دنیا و آخرت کے تمام حقائق روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ زندگی کے اندر جہل و نادانی کی تاریکی سے نکل کر علم و بصیرت کے اُجالے میں آجاتے ہیں۔ اور زندگی کے انفرادی معاملات سے لے کر اس کے اہم سے اہم اجتماعی معاملات تک ہر جگہ حق و صواب کا راستہ ان کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے۔ جملہ معاملات زندگی سے متعلق ان کے اندر بے مثال قوت فیصلہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اجتماع انسانی کے نازک سے نازک مسائل میں وہ دو ٹوک رائے دینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ سورۂ یوسف کی آیت بالا میں علامہ زمخشری نے "حکم" کی یہی تفسیر کی ہے :

(حکما) حکمة وهو العلم بالعمل واجتناب ما يجهل فيه ..... وقيل حكما بين الناس وفقهاء له

'حکم' کا مطلب ہے حکمت، یعنی اس بات کی واقفیت کہ آدمی کو کیا کرنا چاہیے اور اس چیز سے احتراز جس میں اسے ناواقف کہا جائے ایک اور بات یہ کہی گئی ہے کہ حکم کے معنی ہیں (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) لوگوں کے درمیان فیصلہ اور (ہر طرح کے معاملات کی) سمجھ۔

معارف قرآنی کے ایک دوسرے رمز آشنا نے لفظ کے دیگر نظائر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے یہ وسیع معنی بیان کئے ہیں :

معنى الحكم فاعلم انه ايضا

"حکم" کے معنی تو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بھی

لہ الکشاف عن حقائق التنزیل : ۱/۶۴۸

مثل الحكمة يطلق على القول المشتمل على القضاء الحق الواضح الذى قضى بالعلم وهذا من استعمال الكلمة العامة فى احسن افرادها قال تعالىٰ (وكذلك انزلناه حكما عربيا ولئن اتبعت اهواءهم بعد ما جاءك من العلم مالك من الله من ولى ولا واق) وهكذا استعمال الحكم فى معنى القوة اذا اريد به الفهم الصائب قال تعالىٰ (يا يحيىٰ خذ الكتاب بقوة وآتيناه الحكم صبيا) [1]

"حکمت" کی طرح ہے۔ جو بولا جاتا ہے اس بات کے لئے جو ٹھیک اور واضح فیصلہ پر مشتمل ہو اور جو صحیح جانکاری کی بنیاد پر کیا گیا ہو۔ یہ گویا عام لفظ کا استعمال ہے جو اس کے بہترین افراد کے لیے کیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اسی طرح ہم نے اسے (قرآن کو) اتارا ہے عربی فیصلہ (حکم) بنا کر اور اگر تم ان کی خواہشات کی پیروی کرو اس کے پیچھے کہ تمہارے پاس (صحیح) 'علم' آچکا ہے تو اللہ کے بالمقابل تمہارا کوئی دوست اور بچانے والا نہ ہوگا۔ اسی طرح 'حکم' کا استعمال 'قوت' کے معنی میں بھی ہوتا ہے اس صورت میں اس کا مطلب ہوتا ہے ٹھیک سمجھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے یحییٰ کتاب (توراۃ) کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ہم نے اسے (معاملات کی) ٹھیک سمجھ عطا کی بچپن ہی میں۔

یہ آیت کریمہ سورۂ مریم کی ہے۔ اس میں لفظ "حکم" کی علامہ ابن کثیر نے یہ تشریح کی ہے:

(وآتيناه الحكم صبيا) اى الفهم والعلم والجد والعزم والاقبال على الخير والاكباب عليه والاجتهاد فيه [2]

(اور ہم نے اسے حکم عطا کیا بچپن میں) یعنی (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) سمجھ، علم، سنجیدگی اولوالعزمی، بھلائی کی طرف متوجہ ہونا، اس کیلئے اپنی قوتوں کو مرتکز کر دینا اور اس کے سلسلے میں انتہا درجہ کی کوشش۔

---

[1] علامہ فراہی: مفردات القرآن: ۳۶/

[2] تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۱۳

Marfat.com

"حکم" کی تفسیر میں علامہ فراہیؒ نے آگے اس سلسلے کی آیات زیر بحث کا بھی حوالہ دیا ہے:

وقال تعالیٰ (ولوطا اتیناہ	اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور لوط ہم نے اسے
حکما وعلما ونجیناہ الآیۃ)	حکم اور علم عطا کیا اور اسے نجات بخشی الخ یہاں
فذکر العلم بعد الحکم لیعلم	پر حکم کے بعد علم کا ذکر کیا تاکہ معلوم ہو کہ (جملہ
ان الحکم ھھنا ھو الحکم	معاملات زندگی سے متعلق) حکم (فیصلہ) کا
الحق فانہ لا یکون الا بالعلم	مطلب۔ یہاں ٹھیک فیصلہ ہے اس لئے کہ
وھکذا قولہ تعالیٰ فی موسیٰ	وہ علم کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت
(ولما بلغ اشدہ واستویٰ	موسیٰ کے سلسلے میں ارشاد ہے: اور جب وہ اپنی
آتیناہ حکما وعلما) وایضا	جوانی کی عمر کو پہنچ گیا اور اس کی اٹھان پوری ہو گئی
وداؤد وسلیمان اذ یحکمان	تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا"۔ نیز (فرمایا) اور
فی الحرث اذ نفشت	یاد کرو داؤد اور سلیمان کو جبکہ وہ کھیتی کے
غنم القوم وکنا لحکمھم	بارے میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اس میں کسی
شاھدین ففھمناھا	گروہ کی بکریوں نے چر لیا تھا اور ہم ان کے
سلیمان وکلا آتینا	فیصلے کو دیکھ رہے تھے تو ہم نے اس (معاملہ)
حکما وعلما[1]	کو سلیمان کو سمجھا دیا اور ان میں سے ہر ایک
	کو ہم نے حکم اور علم سے نوازا تھا۔

نبوی خصائص کی ان تشریحات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات دنیا کے اندر عام اور مروجہ معنوں میں محدود مذہبی زندگی کے گذارنے نہیں آئے۔ بلکہ اپنی مثال ذاتی زندگیوں کے ساتھ قومی و اجتماعی معاملات کی ذمہ داریاں بھی ان کے ساتھ اسی طرح لگی ہوتی ہیں۔ اپنی نبوی زندگی میں وہ ان جملہ امور و مسائل سے پوری طرح عہدہ برآ ہوتے ہیں اور فرد سے لیکر

---

[1] مفردات: ۳۷/

ریاست تک کی ذمہ داریوں کو کامیابی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔

معاملہ فہمی اور دوٹوک فیصلہ

اسی طرح کا ایک دوسرا وصف قرآن ان حضرات گرامی کا "معاملہ فہمی اور دوٹوک فیصلہ" (حکمت اور فصل خطاب) بیان کرتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سلسلے میں فرمایا:

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص:۲۰) — اور ہم نے اس کے اقتدار کو مضبوط کیا اور اسے "حکمت" اور "فصل خطاب" عطا کیا۔

مفسر مجاہدؒ نے آیت کریمہ میں "حکمت" کے معنی "عقل اور فہم" بیان کئے ہیں۔[1] اور علامہ فراہی نے اس کی یہ جامع تشریح کی ہے:

واما الحکمۃ فھی اسم للقوۃ التی منھا ینشأ القضاء بالحق۔ قال تعالیٰ فی نعت داؤد (وآتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب) فذکر الاثر بعد القوۃ التی ھی مصدر ذلک الاثر[2]

رہی "حکمت"، تو یہ نام ہے اس قوت کا جس سے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) ٹھیک فیصلہ ابھرتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کی صفت میں فرمایا: اور ہم نے اسے "حکمت" اور "فصل خطاب" عطا کیا۔ تو اثر کا ذکر کیا اس قوت کے بعد جو کہ اس اثر کا مصدر اور منبع ہے۔

اسی طرح "فصل خطاب" کے معنی علامہ نے یہ بیان کئے ہیں:

فصل الخطاب وھو القول الحق والواضح عند العقل والقلب[3]

"فصل خطاب" کا مطلب ہے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) ٹھیک اور درست بات جو عقل اور قلب کے نزدیک بالکل واضح ہو۔

علامہ زمخشری نے اس کے دائرے کو اس طرح مزید وسعت دی ہے:

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۰۔ [2] مفردات القرآن: ۲۴/۔ [3] حوالہ سابق: ۲۴/، ۳۴، ۳۵

Marfat.com

فصل الخطاب الفاصل — "فصل خطاب" یعنی فیصلہ کن بات جو صحیح
من الخطاب الذی یفصل — اور غلط، حق اور باطل، درست اور نادرست
بین الصحیح والفاسد والحق — کو بالکل الگ کر دے اور یہاں اس سے مراد
والباطل والصواب والخطاء — ہے آں جناب کا فرمان، مقدمات، حکومت کے
وھو کلامہ فی القضایا والحکومات — معاملات اقتدار و سلطنت کی تدبیریں اور
وتدابیر الملک والمشورات لہ — اس سے متعلق مشوروں اور تجاویز کے سلسلے میں۔

"حکمت" یعنی معاملہ فہمی کی قوت جس کے نتیجے میں آدمی زندگی کے تمام مسائل میں صحیح فیصلے تک پہونچ جائے اور حق و انصاف کا راستہ اس کے سامنے بالکل واضح ہو جائے اور جس کے ذریعہ وہ دوسرے معاملات کے علاوہ حکومت و سلطنت کے معاملات و مسائل سے پوری طرح عہدہ برآ ہو سکے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں بھی اس وصف سے نوازے جانے کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا خانوادہ انسانی تاریخ کا وہ خوش قسمت ترین خانوادہ ہے جس کے اندر بکثرت انبیاء و رسل مبعوث ہوئے اور تاریخ کے طویل عرصے تک دنیائے انسانیت پر انہیں ہمہ جہتی سیادت و قیادت حاصل رہی اور آخر میں آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوئی جن کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ قرآن خانوادۂ ابراہیمی کو عطا ہونے والے انعامات کی تفصیل میں کہتا ہے:

اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی — کیا یہ (اہل کتاب) (اہل ایمان) لوگوں سے
مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ — جلتے ہیں اس پر جو اللہ نے انھیں انعام اپنے سے عطا کیا
فَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ — ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے خانوادۂ
الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (نساء: ۵۴) — ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی ہے۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی زندگی میں کسی محدود دائرہ کار کے پابند نہیں ہوتے بلکہ زندگی کے پھیلے ہوئے معاملات و مسائل ان سے متعلق ہوتے ہیں۔

لہ الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/۱۲۲۹

Marfat.com

اور انفرادی و اجتماعی تمام معاملات و مسائل سے وہ عہدہ برآ ہوتے ہیں۔ انہیں حکمت و معاملہ فہمی اور دوٹوک فیصلہ کی صلاحیت جملہ معاملات زندگی سے متعلق عطا ہوتی ہے اور وہ ان تمام معاملات میں اپنی خداداد قابلیت و صلاحیت کا پورا پورا استعمال کرتے ہیں۔

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے بیان میں قرآن نے دیوانی مقدمہ کی ایک متعین مثال بھی پیش کی ہے جس کا حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے:

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ : فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا	اور یاد کرو داؤد اور سلیمان کو جبکہ وہ ایک کھیت کے معاملہ میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریوں نے چر لیا تھا اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے تو ہم نے اس معاملہ کو سمجھا دیا سلیمان کو۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے قوت فیصلہ اور علم سے نوازا تھا۔
(انبیاء: ۷۸، ۷۹)	

قوت علم و عمل

ایسا ہی ایک وصف قرآن ان حضرات انبیاء علیہم السلام کا علم و عمل کی قوتوں سے بدرجۂ اتم آراستہ ہونا بتاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ و یعقوبؑ وغیرہ مختلف انبیاءؑ کے ذکر میں فرمایا:

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ۝ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ۝ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ	اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے انہیں چھانٹ کر ایک خاص کام کے لئے الگ کیا (دوسرے) گھر کی یاد کیلئے۔ اور وہ ضرور ہمارے نزدیک چنے ہوئے لوگوں میں سے تھے۔ اور یاد کرو اسماعیل یسع اور ذوالکفل کو اور یہ سب بہترین

Marfat.com

مِّنَ الْاَخْيَارِ (ص:۴۵-۴۸) لوگوں میں سے تھے۔

اس آیت کریمہ میں ان حضرات گرامی کی خصوصیت "ہاتھوں والے اور آنکھوں والے" (اولی الایدی والابصار) قرار دی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ایک طرف یہ حضرات جسمانی قوت سے بدرجۂ اتم آراستہ ہوتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ کی طاعت وبندگی کا حق ادا کرتے ہوئے انفرادی واجتماعی دائروں سے متعلق اس کی طرف سے عائد کردہ دوسری گراں بار ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکیں۔ ساتھ ہی انہیں ذہنی اور دماغی قوت بھی اسی طرح بڑھی ہوئی ملتی ہے جس کے ذریعہ وہ تمام پیش آمدہ مسائل سے بہتر سے بہتر طریقے پر عہدہ برآ ہو سکیں۔ نازک سے نازک مسائل کو وہ آسانی کے ساتھ حل کرلیں اور اپنی ذمہ دارانہ زندگی کے دشوار گذار سفر میں انہیں کسی بھی موقع پر حیرانی وسراسیمگی کا سامنا نہ ہو۔

مفسرین کے سرخیل علامہ ابن جریر طبریؒ نے "اولی الایدی والابصار" کی یہی تفسیر بیان کی ہے:

ویعنی بالایدی القوۃ	"ایدی" سے مراد ہے قوت وقدرت۔ فرمایا
یقول اھل القوۃ علی عبادۃ	جارہا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اور اس کی
اللہ وطاعتہ ویعنی بالابصار	اطاعت وبندگی پر بھرپور قدرت رکھنے والے
انھم اھل ابصار القلوب	تھے۔ اور "ابصار" کا مطلب ہے کہ وہ دلوں کی
یعنی بہ اولی العقول للحق [1]	آنکھوں والے تھے۔ یعنی کہ حق کو دیکھنے اور
	اسے سمجھنے کی انکے اندر بہترین فہم وفراست موجود تھی۔

دوسرے الفاظ میں حافظ ابن کثیرؒ نے بھی یہی بات کہی ہے:

(اولی الایدی والابصار) یعنی	"اولی الایدی والابصار) ہاتھوں اور آنکھوں
بذلک العمل الصالح والعلم	والے۔ اس سے مراد ہے صالح عمل، نفع بخش علم،
النافع والقوۃ فی العبادۃ	عبادت وطاعت میں قدرت، قوت اور بڑھی
والبصیرۃ النافذۃ [2]	ہوئی بصیرت اور دور نگاہی۔

---

[1] جامع البیان: ۲۳/۱۰۹

[2] تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۰

Marfat.com

ایک دوسرے جلیل القدر نبی حضرت داؤد علیہ السلام کا بھی قرآن نے یہی وصف بیان کیا ہے:

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ	اور یاد کرو ہمارے بندے داؤد کو جو ہاتھ
اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (ص: ۱۷)	والا تھا ضرور وہ (خدا کے حضور) بڑا پلٹنے والا تھا

جس کی تفسیر علامہ طبریؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

ويعنى بقوله "ذا الايد":	اللہ تعالیٰ کے قول "ذا الاید" کا مطلب ہے
ذا القوة والبطش الشديد	کہ قوت والا اور سخت پکڑ والا اللہ کی
فى ذات الله والصبر على	ذات اور اس کی طاعت و بندگی پر
طاعته [1]	جمنے کے معاملہ میں۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے اوصاف و خصوصیات کے بیان میں قرآن نے یہ جو ان کے "ہاتھ اور آنکھ والے" "اولی الایدی والابصار" کا تذکرہ کیا ہے، علامہ ابن قیمؒ اس کے دائرے کو مزید وسعت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ دونوں خصوصیات ان حضرات انبیاءؑ کی طرف سے دین کی فہم و بصیرت کے ساتھ پوری دنیا میں حق و انصاف کا بول بالا اور اس کے غلبہ و نفاذ کا عنوان ہیں:

'واذكر عبادنا ابراهيم واسحاق	"اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق
ويعقوب اولى الايدى والابصار'	اور یعقوب کو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے
فالايدى القوة فى تنفيذ الحق	تھے"۔ تو ہاتھوں سے مراد حق کے نفاذ کی قوت
والابصار البصائر فى الدين	اور آنکھوں سے مراد دین کی فہم و بصیرت ہے
فوصفهم بكمال ادراك الحق	تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بدرجۂ اتم حق کے فہم و ادراک
وكمال تنفيذه [2]	اور بدرجۂ اتم اسکے غلبہ و نفاذ کی خصوصیت سے
	متصف گردانا ہے۔

---

[1] جامع البیان: ۲۳/۸۶

[2] الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی/۶۳، طبع مذکور

ظاہر ہے خدا اور بندے تک محدود تصور مذہب اور اس کی نمائندہ مذہبی زندگی کے لئے اس زبردست "جسمانی قوت"، اور بے مثال "علمی بصیرت"، کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت

نیکی اور بھلائی کے جملہ امور کی انجام دہی اور ان کے سلسلے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرنا، حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت بھی قرآن نے ایک سے زائد مقامات پر بیان کی ہے۔ سورۃ انبیاءؑ میں اس مقدس گروہ کے سرخیل حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کے ذکر کے بعد فرمایا :

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ	ہم نے انہیں مقتدیٰ بنایا، جو ہمارے حکم کے
بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ	مطابق راہ بتاتے تھے اور ہم نے ان تک وحی
الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ	کی بھلائی کے کام کرنے کی اور نماز قائم کرنے
الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ	کی اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ ہماری عبادت
(آیت : ۷۳)	(بندگی) کرنے والے تھے۔

آگے اسی زمرۂ صالحین میں، حضرت نوح، داؤد و سلیمان، ایوب، اسماعیل، ادریس، ذوالکفل، ذوالنون، زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام کے اوصاف حمیدہ کے بیان میں فرمایا :

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى	ضرور وہ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے
الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا	سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ
وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ	ہمیں پکارتے تھے شوق سے اور ڈر کر اور وہ
(آیت : ۹۰)	ہمارے لئے سر جھکانے والے تھے۔

ان دو آیات کریمہ میں بھلائی کرنے "فعل الخیرات"، اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے "مسارعت فی الخیرات"، کی جو بات کہی گئی ہے، وہ اپنے اندر بڑا عموم رکھتی ہے۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ ان حضرات گرامی کے اندر خوف و خشیت اور ذاتی طہارت و پاکیزگی کے علاوہ زندگی کے اندر ہمہ جہتی بھلائیوں کے حصول اور یہی نہیں بلکہ اس کے سلسلے میں ایک دوسرے

Marfat.com

سے آگے بڑھ جانے کا ایسا جذبہ تھا جو کہیں رکنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اپنے دامن زندگی کو ہمہ جہتی نیکیوں اور بھلائیوں سے بھرنے کی ان کے یہاں ایسی پیاس تھی جو کسی طرح بجھنے کو تیار نہ تھی۔ قرآن نے ان دونوں مقامات پر بھلائی "خیرات" کے الفاظ مطلق استعمال کئے ہیں جس نے کسی تخصیص کے بغیر شریعت کی نظر میں معتبر ہر طرح کی نیکیوں اور بھلائیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ اس کا اندازہ ہم اس لفظ کے دیگر قرآنی نظائر کی روشنی میں کر سکتے ہیں۔

سورۂ مومنون میں اہل ایمان بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ	ہاں وہ جو (اپنی پوری زندگی میں) اپنے رب
رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ	سے ڈر کر رہتے ہیں اور وہ جو ہماری آیتوں پر
هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝	ایمان رکھتے ہیں۔ اور وہ جو (کسی طرح) اپنے رب
وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا	کا ساجھی نہیں ٹھہراتے ہیں اور وہ جو کوئی چیز
یُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ	(غریبوں اور کمزوروں کو) دیتے ہیں تو ان کے دل
مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ	میں ڈر ہوتا ہے کہ وہ اپنے رب کی طرف پلٹنے
اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝	والے ہیں یہی لوگ ہیں جو "بھلائیوں" (خیرات)
اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی	میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے والے
الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝	اور ان کے لئے ایک دوسرے پر بڑھنے
(آیات: ۵۵ - ۶۱)	والے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں اپنی پوری زندگی میں رب سے ڈر کر رہنے، اس کی آیتوں پر ایمان، شرک و بت پرستی اور غیر اللہ کی بندگی کا ہر طرح سے انکار اور کمزور بندگان خدا کی خبر گیری، ان تمام ہی باتوں کو "بھلائی کے کاموں میں سبقت" "مسارعت فی الخیرات" میں شامل قرار دیا گیا ہے جس نے دوسرے لفظوں میں پوری اسلامی شریعت کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

معلوم ہے کہ اسلام کی نظر میں بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کی اصطلاح بڑے وسیع مفہوم کی حامل ہے۔ جو دوسرے لفظوں میں پورے نظام زندگی میں تبدیلی کی نقیب ہے[1]

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب "معروف و منکر" شائع کردہ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی۔

قرآن "نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سبقت"، "مسارعت فی الخیرات" میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" کو شامل قرار دیتا ہے۔ حق پرست اہل کتاب، جنہیں اپنے اسی وصف کی بنا پر حلقہ بگوش ایمان ہونے کی توفیق نصیب ہوئی ان کے سلسلے میں قرآن نے فرمایا :

لَيْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں کچھ ہیں جو (حق
اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ	پر) قائم ہیں یہ اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے
اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ	ہیں رات کے وقتوں میں اور یہ سجدے گذارتے
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	ہیں۔ یہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ	دن پر اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ	منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں ایک
يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ	دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں
وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝	اور یہی لوگ نیکوکاروں میں ہیں اور یہ بھلائی کا جو
وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ	کام بھی کریں گے اس میں ان کی ناقدری
يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝	نہ ہوگی اور اللہ جاننے والا ہے انھیں جو
(آل عمران: ۱۱۳-۱۱۵)	(اس سے) ڈرنے والے ہیں۔

قبلہ رو ہو کر نماز کی ادائیگی ہر نبی کی دعوت کا لازمی جز رہی ہے جس کے سلسلے میں عبوری طور پر بعض مصالح کے تحت تاریخ کے ایک طویل عرصے میں دوسری سمت بھی رُخ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جب سلسلۂ نبوت کی تکمیل ہوئی اور الٰہی شریعت اپنی آخری تکمیلی شان میں جلوہ گر ہوئی تو دوسری بہت سی عبوری رعایتوں کی طرح یہ رعایت بھی ختم کر دی گئی۔ اور تقریباً سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز کی ادائیگی کے بعد اہل ایمان کو روئے زمین پر توحید کے پہلے نشان اور اللہ کے پہلے گھر "کعبۃ اللہ الحرام" کی طرف رُخ پھیر لینے کی تاکید کے ساتھ قیامت تک کے لئے قبلہ کی یکسوئی کا حکم ہوا[1]۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ جنہیں اپنی گروہی عصبیتوں کے دباؤ میں آخری نبیؐ کے ذریعہ صحیح دین براہیمی کا احیاء کسی صورت نہ بھاتا تھا۔ انہوں نے اسلام کی دیگر بہت سی تعلیمات پر ناک بھوں چڑھانے اور انہیں اپنی تنقید و اعتراض کا ہدف

[1] تفسیر الجلالین ۴۲۹/، طبع بیروت ۱۴۰۳ھ

Marfat.com

بنانے کے ساتھ اس "تحویل قبلہ" کو بھی اپنی چہ میگوئیوں اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنایا تو قرآن نے صاف لفظوں میں کہا کہ ان کی الزام تراشیوں کا ذرا نوٹس لینے کی ضرورت نہیں۔ آخری پیغمبر اور آپ کے پیروبحکم خدا "بیت المقدس" کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے اور اب اسی کے حکم سے انہوں نے اپنا رخ "خانہ کعبہ" کی طرف موڑ لیا ہے تو اس پر اعتراض کا کیا موقع ہے؟ قرآن نے اہل ایمان کے اس حکم شریعت پر عمل کو "استباق فی الخیرات" بھلائی کے کاموں میں سبقت قرار دیا ہے:

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَمَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

(بقرہ: ۱۴۹-۱۴۹)

اور ہر کسی کے لئے (قبلہ کی) ایک سمت رہی ہے جس کا وہ رُخ کرنیوالا رہا ہے۔ سو (اب) تم "بھلائی" کے کاموں میں سبقت دکھاؤ تم جہاں کہیں ہوگے اللہ تم کو لا اٹھا کرے گا۔ ضرور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور تم جہاں کہیں سے نکلو تو اپنا رُخ مسجد حرام کی جانب کرلو ضرور یہی چیز تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے اور اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔

یہ تو خیر صرف ایک حکم شریعت پر عمل کی بات تھی، دوسرے مقام پر قرآن نے ہر نبی کے دور کی پوری اور خاص طور پر آخری نبی کی لائی ہوئی تکمیلی شریعت کی تمام و کمال پیروی کو "استباق فی الخیرات" سے تعبیر کیا ہے جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن نے جب حضرات انبیاء علیہم السلام کا ایک وصف "بھلائی کے کام کرنا" فعل الخیرات" اور "نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرنا" مسارعت فی الخیرات" بیان کیا ہے تو اس کی نظر میں اس کے مضمرات کتنے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ چیز فکر و عمل کی کن وسیع ترین جہتوں کو محیط ہوگی:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور ہم نے تم تک کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ جو مصداق ہے اپنی سے پچھلی کتابوں کا اور ان پر

Marfat.com

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ
عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ
جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً
وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْمَآ
اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

(مائدہ: ۴۸)

نگراں ہے۔ سو اب تم ان (اہل کتاب) کے درمیان
فیصلہ کرو اس چیز (آخری کتاب) کے مطابق جسے
اللہ نے (اب) اتارا ہے اور تمہارے پاس جو حق
آگیا ہے اسکے مقابلہ میں ان کی خواہشات کی پیروی
نہ کرو۔ تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے الگ شریعت اور
طریقہ ٹھہرایا اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک جماعت
بنا دیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ تم کو آزمائے
اس میں جو اس نے تم کو دیا ہے سو تم بھلائی کے کاموں
میں ایک دوسرے پر بازی لیجانیکی کوشش کرو۔
اللہ ہی کیطرف تم سب کو پلٹنا ہے سو وہ تمہیں آگاہ
کریگا ان باتوں سے جن میں کہ تم جھگڑتے تھے۔

حکومت وسربراہی

اس سے بھی آگے بڑھ کر قرآن ان حضرات انبیاء علیہم السلام کو "حکومت وسربراہی" کی خصوصیت سے متصف گردانتا ہے۔ سورۂ انعام میں حضرت نوح، ابراہیم، اسماعیل، اسحاق ویعقوب، داؤد و سلیمان، موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام وغیرہ اٹھارہ جلیل القدر پیغمبروں کے ذکر کے بعد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ
بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا
لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝

(آیت: ۸۹)

یہ لوگ ہیں کہ ہم نے انہیں کتاب، حکومت اور
نبوت سے نوازا سو اگر یہ (اہل کتاب) اس (نبوت)
کی ناقدری کریں تو ضرور کچھ دوسرے لوگوں
کو ہم نے اس کا ذمہ دار بنا دیا ہے جو اس کی نا
قدری کرنے والے نہیں ہیں۔

امام رازیؒ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں اس کے تین الفاظ "کتاب" "حکم" اور "نبوت" کے سلسلے میں اس تمہیدی بیان کے بعد کہ یہ تینوں الفاظ حرف عطف "و" کے ساتھ آئے ہیں جس کا لازمی تقاضا

"مغائرت"، ہے کہ یہ تینوں چیزیں الگ الگ ہوں اور ان سے تین مختلف حقیقتوں کی نشاندہی کی گئی ہو، لفظ "حکم" کے سلسلے میں حکومت وسیادت کی مختلف صورتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حضرات انبیاءؑ کو اس کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز گردانتے ہیں :

واعلم ان الحكام ثلاث طوائف (احدها) الذين يحكمون على بواطن الناس وعلى ارواحهم وهم العلماء (وثانيها) الذين يحكمون على ظواهر الخلق وهم السلاطين يحكمون على الناس بالقهر والسلطنة (وثالثها) الانبياء وهم الذين اعطاهم الله تعالىٰ من العلوم والمعارف مالاجلها بها يقدرون على التصرف فى بواطن الخلق وارواحهم وايضا اعطاهم من القدرة والمكنة مالاجله يقدرون على التصرف فى ظواهر الخلق ولما استجمعوا هذين الوصفين لاجرم كانوا هم الحكام على الاطلاق [1]

معلوم ہونا چاہیئے کہ حکومت کرنیوالے تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو لوگوں کے باطن اور ان کی روحوں پر حکومت کرتے ہیں یہ علماء ہیں۔ دوسرے وہ جو مخلوق کے ظاہر پر حکومت کرتے ہیں یہ بادشاہ ہوتے ہیں جو لوگوں پر غلبہ وقہر اور قوت وسطوت سے حکومت کرتے ہیں۔ تیسری جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ علوم ومعارف کا وہ خزانہ عطا کرتا ہے کہ اسکے ذریعہ انہیں مخلوق کے باطن اور اسکی روحوں پر قبضہ وتصرف کی قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ انہیں وہ (دنیوی) قوت وشوکت بھی عطا کرتا ہے جس کی بدولت وہ خلق خدا کے ظاہر پر اختیار وتصرف کی بھی قدرت حاصل کر لیتے ہیں۔ چونکہ یہ حضرات (انبیاء علیہم السلام اپنی ذات میں) ان دونوں ہی اوصاف کے جامع ہوتے ہیں تو کسی شک وشبہ کے بغیر یہی اس کے مستحق ہیں کہ انہیں علی الاطلاق حکمراں اور صاحب اقتدار تسلیم کیا جائے۔

---

[1] مفاتیح الغیب : ۴/۸۸

Marfat.com

اس تمہیدی بیان کے بعد امام موصوف ان الفاظ کی جو تشریح کرتے ہیں وہ بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ انسانی زندگی میں حضرات انبیاء علیہم السلام یہ وسیع وہمہ جہت کردار مذہب کے مروجہ محدود وناقص تصور کو تہ وبالا کرتا اور اس کے کھوکھلے پن کو بالکل بے نقاب کر کے رکھ دیتا ہے۔

چنانچہ آگے فرماتے ہیں:

اذا عرفت ھذہ المقدمۃ	جب تم نے یہ مقدمہ سمجھ لیا تو اللہ تعالیٰ کا قول:
فقولہ آتیناھم الکتاب اشارۃ	"آتیناہم الکتاب"، ہم نے انہیں کتاب دی اشارہ
الی انہ تعالیٰ اعطاھم العلم	ہے اس بات کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں
الکثیر وقولہ الحکم اشارۃ	بہت زیادہ علم سے نوازا۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول:
الی انہ تعالیٰ جعلھم حکاما	حکم "حکومت"، (یعنی ہم نے انہیں حکومت
علی الناس نافذی الحکم	دی) اشارہ ہے اس کا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں
بحسب الظاھر وقولہ والنبوۃ	لوگوں پر حکمراں قرار دیا کہ ظاہر کے اعتبار سے (بھی)
اشارۃ الی المرتبۃ الثالثۃ	لوگوں پر ان کا حکم چلتا ہے آگے اللہ تعالیٰ کا قول:
وھی الدرجۃ العالیۃ الرفیعۃ	"نبوت"، (ہم نے انہیں نبوت دی) یہ اشارہ ہے
الشریفۃ التی یتفرع علیٰ	تیسرے رتبہ کی طرف۔ اور یہ سب سے اونچا بلند
حصولھا حصول المرتبتین	اور باعزت درجہ ہے کہ اسکے حصول پر ہی سابقہ
المقدمتین وللناس فی ھذہ	دونوں مرتبوں کا حصول ممکن ہے۔ ان تینوں
الالفاظ الثلاثۃ تفسیرات	(قرآنی) الفاظ کی دوسری بہت سی تفسیریں کی
کثیرۃ والمختار عندنا	گئی ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک پسندیدہ اور قابل
ماذکرناہ [1]	ترجیح بات وہی ہے جس کا ہم نے تذکرہ کیا۔

آپ نے دیکھا کہ امام موصوف نے حضرات انبیاء علیہم السلام کو حکومت وسیادت کے سب سے اعلیٰ درجہ پر فائز کر کے انہیں دنیا کا سب سے بڑا اور عظیم المرتبت "قائد اور لیڈر" گروہ بتایا ہے جب کہ

---

[1] حوالہ سابق

Marfat.com

ہمارے ہاں ماضی قریب تک صورت تھی کہ غالباً محدود تصور مذہب کے حق میں کئے گئے پروپیگنڈے کے زیر اثر بہت سے سکہ بند "علماء" کی طرف سے ان "اہل علم" کو ضال و مضل گردانا اور ان کے خلاف فتووں کی بوچھار کی گئی۔ جنہوں نے محض وقت کی زبان میں لوگوں کو بات سمجھانے کی خاطر ان حضرات گرامی کے لئے "قائد" اور "لیڈر" کی اصطلاحیں استعمال کیں[1]

لیکن یہ سرتاسر ذہن کی نارسائی اور فہم کا قصور ہے۔ گروہ انبیاء کی مذکورہ فہرست میں خانوادۂ ابراہیمی چھایا ہوا ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن نے اس خانوادہ کو رسالت و پیغمبری (کتاب و حکمت) کے ساتھ حکومت و سلطنت (ملک عظیم) عطا کئے جانے کو اس کے اوپر اپنے ایک عظیم احسان کے طور پر یاد کیا ہے۔ جبکہ کفر و شرک کی لعنت میں گرفتار اور اسی کے سبب خدا کی لعنت کردہ قوم یہود کا ایک طبقہ خانوادۂ اسماعیل میں آخری نبی کی بعثت کے سبب، حسد و عداوت کی آگ میں بھن کر، اپنے اوپر اس قدیمی خدائی احسان کو بھول چکا تھا۔:

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ	کیا یہ (اہل کتاب) جلتے ہیں لوگوں (اہل ایمان)
مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ	سے اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا ہے
فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ	تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم نے خانوادۂ ابراہیمی کو کتاب
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم	و حکمت عطا کی اور ہم نے انہیں بہت بڑی
مُّلْكًا عَظِيمًا (نساء: ۵۴)	سلطنت سے نوازا۔

آخری نبی کی بعثت سے قبل خانوادۂ ابراہیمی پر خدا تعالیٰ کے ان ہمہ جہتی انعامات کی بارش حضرت یعقوب کی نسل "بنی اسرائیل" پر ہوئی۔ جس کی دیگر رفعات کے ساتھ ان کی "حکومت و سیادت" کا تذکرہ بھی قرآن نے دوسرے مقامات پر اسی اہتمام سے کیا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ	اور ہاں ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے "صاحب سیاست کبریٰ" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ لابد لصاحب السیاسۃ الکبریٰ جس کا کم سے کم ترجمہ عظیم ترین سیاسی لیڈر greatestpolitical leader ہی کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو: حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۱۱۹۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ ۱۳۷۳ھ

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِيْنَ (جاثیہ: ۱۶)

اور نبوت دی۔ اور انہیں پاک وصاف چیزوں سے روزی دی اور انہیں (اپنے وقت میں) تمام دنیا والوں پر فضیلت بخشی۔

سیاسیات کی دنیا میں آج بھی "بادشاہت" وہ آخری ادارہ ہے جس کے اندر سطوت واقتدار آخری طور پر مرتکز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے بادشاہوں کے علاوہ قوم بنی اسرائیل کے اندر بہت سے نبیوں کو بھی اس بلند مقام پر فائز کیا :

وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (مائدہ: ۲۰)

اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد کرو جبکہ اس نے تم میں نبی بنائے اور تمہیں بادشاہ ٹھہرایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جس سے اس نے دنیا والوں میں سے کسی کو سرفراز نہیں فرمایا۔

جیسا کہ حضرت داؤدؑ کے سلسلے میں اس کی صراحت موجود ہے کہ :

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (ص: ۲۶)

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں نائب ٹھہرایا ہے سو تم لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ حکومت کرو اور خواہش کے پیچھے نہ چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے۔

اور حضرت سلیمانؑ کی زبانی یہ دعا منقول ہے :

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِىْ وَهَبْ لِىْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِىْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِىْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (ص: ۳۵)

وہ عرض پیرا ہوا کہ پروردگار میری بخشش کر اور مجھے وہ حکومت دے کہ میرے بعد کوئی (دوسرا) اس کا سزاوار نہ ہو سکے۔ ضرور تو بڑا عطا کرنے والا ہے۔

Marfat.com

یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ دنیوی جاہ وجلال کے ساتھ نوامیس فطرت کو آپ کے قابو میں دیدیا گیا، جس کا تذکرہ اس کے فوراً ہی بعد ہے کہ :

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ۝ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝ وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝

(ص : ۳۶-۴۰)

سو ہم نے ہوا کو اس کے زیر تصرف کر دیا جو چلتی اسکے حکم سے سبک خرامی سے جہاں کہیں وہ پہنچنا چاہتا۔ نیز شیطانوں (سرکش جنوں) کو ایک سے ایک عمارت ساز اور غوطہ زنی کرنیوالے۔ دوسرے وہ جو بیڑیوں میں جکڑے ہوتے۔ یہ ہماری بخشش ہے سو تم احسان کرو (انہیں چھوڑ دو) یا روکے رکھو اس کا کچھ حساب نہیں اور ضرور اس کیلئے ہمارے نزدیک قربت اور بہترین ٹھکانا ہے۔

انسانی تاریخ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی وہ وسیع کردار ہے جس کے پیش نظر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے اندر انبیاء بنی اسرائیل کے لئے صاف طور پر "سیاسی رہنما" کی اصطلاح استعمال کی ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وانه لا نبي بعدي [1]

بنی اسرائیل کی نگرانی و خبر گیری کا فریضہ (انکے) انبیاء انجام دیتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی فوت ہوتا اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا۔ البتہ اب میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہ ہوگا۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں کہ :

اى يتولون امورهم كما يفعل الامراء والولاة بالرعية، والسياسة القيام

یعنی کہ وہ ان کے (جملہ) معاملات کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ جیسا کہ امراء اور والین سلطنت کا معاملہ اپنی رعایا کے ساتھ ہوتا ہے۔ سیاست کا

---

[1] مسلم جلد ۲ - کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول

Marfat.com

علی الشیئ بما یصلحہ [1] مطلب ہے چیز کی نگرانی اور اس کے لیے ہر اس بات کا اہتمام جو اس کی بہتری اور بنائی کے لیے ضروری ہو۔

انسانی تاریخ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہ کردار اس کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ ان کے ہاتھوں لائے ہوئے طریقہ زندگی کا دائرۂ کار کیا ہے؟ اور ان کی تعلیمات سے ابھرنے والا تصوّرِ مذہب زندگی میں اپنے لئے کن جہتوں کا مطالبہ کرتا ہے؟

امامت وسیادت

اس کے علاوہ قرآن عام طور پر حضرات انبیاء علیہم السلام کا ایک وصف ان کا "امام" اور "قائد" ہونا قرار دیتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ان حضرات کی حیثیت آج کے معروف معنوں میں "مذہبی رہنماؤں" کی نہیں بلکہ یہ ہمہ وجوہ اپنے وقت میں قوم کے مقتدیٰ اور رہبر ہوتے ہیں۔ قوم کے لئے اپنے جملہ معاملات زندگی میں ان کے احکام وہدایات کی پیروی ضروری ہوتی ہے۔ اس سے ہٹ کر وہ جو راستہ بھی اپنائے گی وہ بے دینی کا راستہ ہوگا۔ اور اس کے نتیجے میں اسے دنیا وآخرت کے دوگونہ نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ "امام" کے معنی "مقتدیٰ اور مطاع" معروف ہیں:

الامام الموتم بہ انسانا "امام" یعنی وہ جس کی اقتداء کی جائے۔ چاہے
کأن یقتدیٰ بقولہ وفعلہ وہ انسان ہو جس کے کہ قول یا فعل کی
او کتابا او غیر ذلک محقا پیروی اختیار کی جائے یا وہ کتاب ہو یا اور کوئی
کان او مبطلا [2] چیز۔ اس سے قطع نظر کہ وہ برسرِ حق ہے یا برسرِ باطل۔

انبیائی جماعت کے سرخیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا وصف قرآن نے یہی بتایا:

وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰهِیْمَ رَبُّهٗ اور یاد کرو جبکہ ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ

---

[1] شرح مسلم للنووی بر مسلم، حوالہ مذکور

[2] المفردات فی غریب القرآن، الراغب الاصفہانی: ۲۲/

Marfat.com

بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط

(بقرہ : ۱۲۴)

باتوں میں آزمایا جنہیں اس نے پورا کر دکھایا۔ فرمایا کہ ضرور میں تمہیں لوگوں کا مقتدیٰ بنانے والا ہوں۔

دوسری جگہ پورے گروہ انبیاء کے سلسلے میں اسے عام رکھا ہے۔ آیت کریمہ اس سے پہلے گذر چکی ہے :

وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ

(انبیاء : ۷۳)

اور ہم نے انہیں مطاع و مقتدیٰ بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق (لوگوں کو) راہ بتاتے۔ اور ہم نے ان تک وحی کی بھلائی کے کام کرنیکی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی۔ اور وہ ہمارے عبادت گذار تھے۔

جب یہ حضرات بہمہ وجوہ انسانیت کے مقتدیٰ اور رہبر قرار پائے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ان کی تعلیمات سے تشکیل پانے والا دین اور ان کے ہاتھوں لایا ہوا نظام زندگی بھی اپنے ماننے والوں سے ان کی پوری زندگی میں اپنی پیروی کا مطالبہ کرے۔ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام دائروں میں تنہا اسی کی حکمرانی تسلیم کی جائے۔ اس سے ہٹ کر زندگی میں ایک قدم اٹھے، نہ اس جادۂ مستقیم سے سرمو انحراف ہونے پائے۔

بارگاہ رب العزت سے حضرات انبیاء علیہم السلام کا "امام" اور "مقتدیٰ" قرار پانا اپنے اندر کیا مضمرات رکھتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کی زندگیوں پر ان کا کیسا کچھ اثر ہونا چاہیئے، اس کا صحیح اندازہ ہم اس لفظ کے دیگر قرآنی استعمالات کی روشنی ہی میں کر سکتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ چیزوں کی پہچان ان کی ضد سے ہوتی ہے۔ کفر و ضلالت کے سرغنوں کو اپنی قوم میں کیا مقام حاصل ہوتا ہے، کس طرح وہ اس کے لئے "مطاع مطلق" کا درجہ رکھتے ہیں اور ان کے کسی حکم و فرمان کے آگے کسی کی سرتابی کی مجال نہیں ہوتی ہے۔ قرآن کفر و ضلالت کے ایسے ہی سرغنوں کے لئے "امام" اور "ائمہ" کے الفاظ استعمال کرتا ہے :

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ

تو (مسلمانو) کفر کے اماموں سے جنگ کرو۔

Marfat.com

اَیۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ یَنۡتَهُوۡنَ ۝ (توبہ : ۱۲)

ان کے معاہدوں کا کچھ لحاظ نہیں۔ امید کہ (اس طرح) وہ (آئندہ) باز رہیں گے۔

وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً یَّدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ وَیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ لَا یُنۡصَرُوۡنَ (قصص : ۴۱)

اور ہم نے انہیں (گمراہی کا) امام و سردار بنایا جو (لوگوں) کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن انکی کچھ مدد نہ ہوگی۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن جب حضرات انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں یہ الفاظ استعمال کرتا ہے تو ان کے ماننے والوں کے تئیں اس کے مضمرات کتنے وسیع ہوں گے۔ اس کا صاف مطلب ہوگا کہ جب تک وہ اپنی پوری زندگی میں کسی تحدید و تخصیص کے بغیر ان کی رہنمائی و رہبری تسلیم نہ کریں، بندگی رب کا حق ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ لفظ "امام" اور "ائمہ" کے صحیح مفہوم اور اس کی واقعی وسعت و ہمہ گیری پر سورۂ قصص کی وہ آیت کریمہ بھی روشنی ڈالتی ہے جس میں فرعون کی طرف سے طویل عرصہ تک بنی اسرائیل کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے رہنے کے بعد زمین میں حکومت و اقتدار سے نوازے جانے کی بشارت دی گئی ہے :

وَنُرِیۡدُ اَنۡ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوٰرِثِیۡنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَنُرِیَ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَحۡذَرُوۡنَ (آیات : ۵-۶)

اور ہم چاہتے ہیں کہ (اب) ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں دبائے گئے اور انہیں (ملک) کا امام اور حکمراں بنائیں اور انہیں جانشین ٹھہرائیں ان کے لئے زمین کا اقتدار مستحکم کریں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکریوں کو دکھا دیں وہ چیز جس کا وہ اندیشہ رکھتے تھے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے خصائص کے بیان میں بھی ہمیں اس لفظ کو اسی وسعت اور عموم پر رکھنا ہوگا۔

انبیاءؑ ــــ خدائی لشکر

مزید برآں قرآن صاف لفظوں میں حضرات انبیاء علیہم السلام

Marfat.com

کو "خدائی لشکر" قرار دیتا ہے :

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝

اور ضرور ہماری بات گذر چکی ہے اپنے فرستادہ بندوں کے حق میں۔ ضرور یہی ہیں جو فاتح و منصور ہوں گے اور ضرور ہمارا لشکر ہی غالب اور سرخ رُو ہوگا۔

(صافات: ۱۷۱-۱۷۳)

لغت میں "جند" کے معنی فوج اور لشکر کے معروف ہیں اور اس کے وظیفۂ حیات سے ہر شخص واقف ہے جو ہوتی ہی اس لئے ہے کہ مخالف قوت کا قلع قمع کر دے۔ اور جب اس کی کمان کائنات میں قوت و سطوت کے محور و مرکز ذات باری تعالیٰ کے ہاتھ میں ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں کسی اور کے ٹکنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کتاب حکمت ہے اس کا ہر ہر لفظ حقائق و معارف کا گنجینہ اور فکر و نظر کی گتھیوں کو کھولنے والا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے "جند" "لشکری" کا لفظ استعمال کر کے اس نے قیامت تک کے لئے تصور مذہب کی نسبت سے غلط فہمیوں کے پردے کو چاک کر دیا ہے۔ جس کا نمایاں ترین پہلو ہے کہ یہ حضرات عام اور معروف معنوں میں "مذہبی رہنما" اور "روحانی پیشوا" نہیں ہوتے۔ بلکہ دنیا کے اندر باطل شیطانی قوتوں کے خلاف نبرد آزما ہونا ان کا وظیفۂ حیات ہوتا ہے۔ اور خدائی مدد کے نتیجے میں وہ اپنی ہر مہم میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے ہیں[1]۔

---

[1] بہت سے مفسرین نے غالباً سورہ کے مکی ہونے کے سبب یہاں "غلبہ و نصرت" سے حجت و برہان کا غلبہ مراد لیا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ "غلبہ و نصرت" جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے وضاحت کی ہے، بہمہ وجوہ دنیا و آخرت دونوں کو حاوی ہے (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۴) بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں دنیا کے فتح و نصرت کے پہلو کو غالب ہونا چاہیئے۔ ورنہ لفظ "جند" کے استعمال کی معنویت باقی نہیں رہے گی۔ آگے قرآن نے کفار مکہ کی طرف سے عذاب کی جلدی مچانے کا یہ جواب دیا ہے :

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ۝ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ

کیا پس وہ (دنیا میں) ہمارے عذاب کی جلدی مچاتے ہیں۔ تو جب یہ ان کے صحن خانہ میں اتریگا

(باقی اگلے صفحہ پر)

دوسرے موقع پر بھی قرآن نے انہیں اسی طرح باطل قوتوں کے مقابلہ میں کامیابی وکامرانی کا مژدہ سنایا ہے :

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ	ضرور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول سے
اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِكَ فِی	دشمنی رکھتے ہیں یہی ہیں جو بُری طرح رسوا
الْاَذَلِّیْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ	ہوں گے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ غلبہ و فتح
اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ	مندی میری اور میرے رسولوں کی ہو گی،
لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (مجادلہ: ۲۰-۲۱)	ضرور اللہ طاقت والا بڑی سطوت والا ہے۔
اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ	ضرور ہم فاتح و منصور کریں گے اپنے رسولوں
اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا	کو اور ان کو جو ایمان لائے دنیا کی زندگی
وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْہَادُ ۝	میں اور اس دن بھی جب کہ (روز قیامت)
(غافر: ۵۱)	گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔

اس سے آگے قرآن نے انبیاء کے مخلص پیروؤں کی زندگی کا نقشہ بھی یہی کھینچا ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں اسکے دین کا کلمہ بلند کرنیکی خاطر میدان کارزار میں پوری بے جگری کیساتھ داد شجاعت دیتے ہیں اور اللہ کی مدد سے دشمنوں پر غلبہ پاکر دنیا و آخرت کی نعمتوں سے شاد کام ہوتے ہیں" ربی"، ربانی"، مترادف الفاظ ہیں[1] جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوسرے انسانوں کے تئیں ہمہ وجوہ دین و دنیا کی بھلائیوں کا اہتمام کرکے[2] شریعت کے مقصد کی تکمیل اور انبیاء کی پیروی کا حق ادا کرتے ہیں اس گروہ کی خصوصیت

(بقیہ صفحہ گذشتہ فصاح صباح المنذرین (آیات: ۱۷۶،۱۷۷) تو ان ڈرائے جانیوالوں کی صبح بہت بُری ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر پر دھاوا بولا تو آپ کی زبان مبارک پر اسی آیت کریمہ کا حوالہ تھا: "اللہ اکبر خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین"، (صحیحین بحوالہ ابن کثیر: ۴/۲۵)

اس سے بھی آیت زیر بحث میں دنیا کے غلبہ و نصرت کے پہلو کو تقویت ملتی ہے۔

[1] الکشاف للزمخشری: ۱/۲۴۰۔ نیز المفردات فی غریب القرآن للاصفہانی /۱۸۲۔

[2] جامع البیان: ۲/۲۱۳۔

قرآن یہ بیان کرتا ہے :

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قَاتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(آل عمران : ۱۴۶-۱۴۷)

اور کتنے نبی رہے جن کے ساتھ ملکر بہت سے "ربیوں" نے جنگ کی۔ تو ان کے اندر اس پر کچھ کمزوری نہ پیدا ہوئی جو انہیں اللہ کے راستہ میں پیش آیا۔ نہ وہ ہمت ہارے اور نہ مضمحل ہوئے اور اللہ ایسے ہی جمنے والوں کو پسند کرتا ہے ان کی جو دعا رہی تو بس یہ کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے رب ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور اپنے کام میں ہمارے حدود سے تجاوز کو (نظر انداز فرما) اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں کافر لوگوں پر غلبہ و نصرت عطا فرما۔

آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

زندگی کی وسیع جہتوں کا احاطہ کرنے والی حضرات انبیاء علیہم السلام کے اوصاف وخصوصیات کی جو تفصیل اب تک پیش کی گئی ہے وہ اس بات کی وضاحت کے لئے بہت کافی ہے کہ اس سے تشکیل پانے والے تصور مذہب کے صحیح خدوخال کیا ہیں؟ اور انسانی زندگی میں وہ اپنے لئے کس روں اور کس کردار کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن یہ باب نامکمل رہے گا جب تک سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وخصوصیات پر بھی ایک نظر نہ ڈالی جائے۔ جن کے ذریعہ اس دین قویم کا اقصائے عالم میں بول بالا ہوا۔ اور دنیائے انسانیت کے سامنے اسے اپنی واقعی تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہونے کا موقع ملا۔

حکم خدا کی بے لاگ پیروی

قرآن میں سورۂ احزاب آخری نبیؐ کے حقوق کے بیان کی سورہ ہے۔ جس میں امت محمدیہ کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ گذشتہ قوموں کی تقلید نہ کرکے اپنے نبیؐ کے ادب واحترام کا حق ادا کرے گی۔ پچھلی امتوں نے اپنے نبیوں کی ناقدری کی۔ انہیں طرح طرح سے ستایا اور ایذا پہنچائی۔ اس امت کو حکم ہوا کہ ان کی روش کے برعکس اپنے رسول پر عقیدت محبت کے پھول نچھاور کرکے ہی وہ دنیا وآخرت کی سعادتوں سے اپنے کو ہمکنار کرسکے گی۔ اسی حق شناسی کی خاطر قرآن نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اوصاف وخصوصیات کا ذکر بڑے وجد انگیز انداز میں کیا ہے:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	اے نبی ہم نے تم کو گواہی دینے والا، خوشخبری
شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا	سنانے والا، ڈرانے والا، اللہ کی طرف

Marfat.com

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ (۴۵-۴۷)

اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ اور اہل ایمان کو خوشخبری سنا دو کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے بڑا انعام ہے۔

ان اوصاف عالیہ کے بیان کے بعد ہی اگلی آیت میں فرمایا :

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝ (۴۸)

اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو۔ اور ان کی ایذا رسانی سے صرف نظر کرو۔ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ اور اللہ جو نگران ہے تو (تمہارے لیے) کافی ہے۔

جس کا صاف مطلب ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف عالیہ کا حق اسی وقت ادا کر سکتے ہیں اور یہ ان اوصاف کا لازمی اور صریح تقاضا ہے کہ وہ خدائی شریعت کو بے کم و کاست اور کسی ایک شوشے کی تبدیلی کے بغیر لوگوں تک پہنچا دیں۔ اور مخالفتوں کے طوفان کی کوئی بے پروا کئے بغیر اپنی پوری زندگی میں خدائی احکام و فرامین کی بے لاگ پیروی کو لازم پکڑ لیں ماحول اور حالات کی ناسازگاری اور سماج کے کسی دباؤ کے نتیجے میں آپ اپنی جگہ سے ایک انچ ہٹنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ اور کوئی بڑی سے بڑی دھمکی اور ڈراوا آپ کو اس سلسلے میں ایک لمحہ کے لئے بھی متاثر نہ کر سکے۔ اور ہو بھی کیسے سکتا تھا جبکہ آپ کو تاکید کر دی گئی تھی کہ جملہ معاملات زندگی میں آپ خدائی شریعت کے پابند ہوں گے :

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (جاثیہ: ۱۸-۱۹)

پھر ہم نے تمہیں ٹھہرایا ہے ایک الگ شریعت پر سو تم (پوری پوری) اسکی پیروی کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو نہیں جانتے۔ اللہ کے مقابلہ میں وہ تمہارا کچھ بھلا نہ کر سکیں گے۔ اور (یہ) ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

Marfat.com

اس داعیٔ حق کے پیغام کا ابتدائی نکتہ ہی یہ تھا کہ دین حق کے بے کردار مخالفین تمہیں خدا کے راستے سے ایک انچ ہٹانے میں کامیاب نہ ہوسکیں :

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ (قلم: ۱۰-۱۴)

اور تم بات نہ مانو جھٹ قسم کھانے والے رسوائے زمانہ کی۔ بڑا عیب چیں لگانے بجھانے میں یکتا۔ حد درجہ بخیل سرکش اور گنہگار۔ درشت خو اور سب سے بڑھ کر بدنسل۔ (اسے عزہ اس کا ہے کہ) وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے۔

عقائد و عبادات کا معاملہ ہو یا شریعت اور قانون زندگی کا خدائی فرمان کے مقابلے میں نبی کے لئے کسی قسم کی مصالحت کی گنجائش نہیں :

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ (ایضاً: ۸-۹)

تو جھٹلانے والوں کی بات نہ مانو۔ وہ چاہتے کہ تم نرم ہو جاؤ تو وہ بھی نرمی دکھائیں۔

مخالفین دعوت کو ہمیشہ کے لئے مایوس کر دینے کے لئے آخری نبیؐ کے ذریعہ یہ اعلان کرا دیا گیا کہ میں اس کتاب اور اس کی لائی ہوئی شریعت میں شمہ برابر تبدیلی کا مجاز نہیں۔ مجھے اس ضابطۂ حیات کو بے کم و کاست پوری دنیائے انسانیت تک پہنچانا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنی پوری زندگی میں کسی کمی بیشی کے بغیر اس کی پوری پوری پیروی کرنی ہے :

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (یونس: ۱۵)

اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جو بالکل کھلی اور واضح ہوتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ۔ یا اس میں ترمیم کر دو۔ کہو کہ مجھے اسکا اختیار نہیں کہ میں اپنے جی سے اس میں ترمیم کروں۔ میں تو پیروی اسی کی کرونگا جس کی مجھ تک وحی کی جا رہی ہے۔ میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں ایک بڑے دن کے عذاب سے۔

Marfat.com

تبیین احکام

اسی طرح پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وصف بھی قرآن نمایاں طور پر بیان کرتا ہے کہ زندگی کے جملہ امور و مسائل کے سلسلے میں خدائی احکامات و ہدایات کو کھول کر بیان کرنا آپ کی بعثت کے اہم مقاصد سے ہے۔ دنیائے انسانیت فکر و عمل کی جن کجرویوں میں گرفتار ہے اور زندگی کے مختلف دائروں میں جادۂ اعتدال سے ہٹے ہوئے جو طریقے اور ضابطے اس نے اختیار کر رکھے ہیں، اس کو اس بھنور سے نکال کر خدائی مرضیات کی صحیح شاہراہ پر لگا دینا اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات و مسائل میں خدائی احکام و ہدایات کی روشنی دکھا دینا، آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وہ اہم ترین خصوصیت ہے جس کا قرآن نے ایک سے زائد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا
رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ	ہے جو تمہارے لئے باتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے
مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا	رسولوں کے ایک وقفہ کے بعد تاکہ تم (آئندہ)
جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ	نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت سنانے
فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ	والا یا ڈرانے والا نہیں آیا۔ تو معلوم ہو کہ تمہارے
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝	پاس ضرور بشارت سنانے والا اور ڈرانیوالا آگیا
(آیت: ۱۹)	ہے۔ اور اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

علامہ رشید رضا مصری نے آیت پاک میں "باتوں کو کھول کر بیان کرنے" (تبیین) کو جملہ معاملات اور زندگی کے تمام دائروں تک وسیع مانا ہے:

وهذا هو الرسول محمد	یہ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، عرب کے اُمّی
النبی العربی الامی الذی لم	نبی جنھوں نے کبھی کوئی چیز نہیں سیکھی پڑھی۔ وہ
یتعلم شیئا، وهو یبین لکم	تمہارے لئے رسولوں کے سلسلے کے منقطع اور
علی فترة ای انقطاع من	عرصہ دراز سے آسمانی وحی کے رکے رہنے کے

Marfat.com

الرسل، وطول عهد علی الوحی، جمیح ما تحتاجون الیہ من امر دینکم، وما یصلح بہ امر دنیاکم، من العقائد الحق التی افسدتہا علیکم نزعات الوثنیۃ، و الاخلاق والآداب الصحیحۃ التی افسدہا علیکم الافراط والتفریط فی الامور المادیۃ والروحیۃ، والعبادات والاحکام التی تصلح بہا امورکم الشخصیۃ والاجتماعیۃ[1]

بعد وہ تمام چیزیں کھول کر بیان کر رہے ہیں جن کی تمہیں ضرورت ہے اپنے دین کے معاملہ سے اور جس سے کہ تمہاری دنیا سنور سکے۔ برحق عقائد جن کے اندر تمہارے اوپر بت پرستی کے حملوں نے خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔ اور صحیح اخلاق و آداب جن کے سلسلے میں مادی اور روحانی امور کے سلسلے میں افراط و تفریط نے تمہارے لئے گڑبڑیاں پیدا کر دی ہیں۔ اسی طرح یہ پیغمبر تمہارے لئے عبادات و احکام کو کھول کر بیان کرتے ہیں جس سے کہ تمہارے انفرادی و اجتماعی جملہ امور و معاملات سنور جائیں۔

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی خصوصیت اسی سورہ میں دوسرے مقام پر بدیں الفاظ بیان کی گئی ہے:

یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۝ (آیت: ۱۵)

اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے جو تمہارے لئے (تمہاری) کتاب کی ان بہت سی چیزوں کو کھول کر بیان کرتا ہے جنہیں تم چھپاتے تھے۔ جبکہ بہت سی چیزوں سے وہ صرف نظر کرتا ہے ضرور تمہارے پاس آگئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی ہوئی کتاب۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی چھپائی ہوئی باتوں کے کھولنے

---

[1] تفسیر المنار: ۶/۳۱۹

Marfat.com

کا مطلب ہے کہ زندگی کے مختلف دائروں سے متعلق جن بے شمار احکام وقوانین پر انہوں نے پردہ ڈال رکھا تھا، اور اپنی خدا بیزاری اور دنیا داری کے سبب جن سے پہلو تہی کرنے کو وہ تقاضائے دانشمندی سمجھتے تھے، آخری رسول ان کے اس خبث باطنی کو آشکار کرنے کے ساتھ، آخری طور پر ان کے چھپائے ہوئے احکام وقوانین کو روشنی میں لاتا اور دنیائے انسانیت کو ان سے روشناس کراتا ہے۔ اس مقام رسولؐ کی اس صفت "تبیین" کا مطلب وعظ وتلقین نہیں بلکہ احکام وقوانین کا واضح بیان ہے۔ صاحب جلالین نے صراحت کی ہے:

(قد جاءکم رسولنا) "تمہارے پاس آگئے ہیں ہمارے رسول" یعنی
محمد (یبین لکم) محمدؐ جو تمہارے لئے کھول کر بیان کر رہے ہیں" یعنی
شرائع الدین [1] (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) دین کے احکام وقوانین۔

یہی حقیقت ہے جس کی تفصیل سورۂ اعراف میں بیان کی گئی ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ اخلاقی اور قانونی ہر دو پہلو سے بالکل دیوالیہ ہو چکے تھے۔ یہ قوم فکری زوال کا بھی شکار تھی اور عملی طور پر بھی یہ زوال کی آخری حدوں کو چھو چکی تھی۔ بھلائیوں (معروف) سے اسے بیر تھا اور برائیوں (منکر) کی یہ رسیا ہو چکی تھی۔ اس کی قانونی زندگی اور بھی اتھل پتھل کا شکار تھی، اس نے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے رکھا تھا اور قانون میں بیجا موشگافیاں کر کے اس کے سلسلے میں اپنے اوپر عجیب عجیب جکڑ بندیاں عائد کر لی تھیں۔ آخری نبیؐ کے ذریعہ اسے ان تمام مصیبتوں سے نجات ملی۔ جس نے ان کے سامنے حق وصواب کے راستے کو بالکل روشن کر دیا اور ان کی اخلاقی اصلاح کے ساتھ احکام وقوانین کے دائرے میں ان کی اصلاح ودرستگی کا حق ادا کر دیا۔ ان خصوصیات کے حامل نبیؐ کی مخلصانہ پیروی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاص کا مستحق گردانا:

قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ — فرمایا کہ میرا عذاب میں اس سے دوچار کروں گا
اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ — جسے چاہوں اور میری رحمت ہر چیز تک پھیلی

---

[1] تفسیر الجلالین / ۱۳۹ - محولہ ایڈیشن

Marfat.com

شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ

(آیات: ۱۵۶-۱۵۷)

ہوئی ہے۔ تو ضرور میں اسے لکھوں گا ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں، جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (آج آخری) رسول اُمی نبی کی پیروی کرتے ہیں جسے یہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔ جو انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور انہیں بُرائی سے منع کرتا ہے ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتا ہے۔ اور ان کے اوپر سے ان کے بوجھ کو اتارتا اور ان بیڑیوں کو (کاٹتا ہے) جو ان پر تھیں۔

اور یہ کچھ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا خصوص نہیں، بلکہ آخری رسولؐ کی یہ ذمہ داری پوری انسانیت کی نسبت سے ہے۔ گروہ انسانی میں فکر و عمل کے پائے جانے والے بے شمار اختلافات اور اخلاقی اور قانونی زندگی کے تہ در تہ تضادات، ان میں سے ہر ایک معاملے میں صحیح راستے کی نشاندہی اور حلال و حرام کی توضیح[1] آخری پیغمبرؐ کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے۔ قرآن میں ان احکام و ہدایات کا اجمالی بیان ہے اور رسول اس کی تفصیل پیش کرتا ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝

(نحل: ۴۴)

اور ہم نے تم تک یاددہانی (قرآن) اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے لئے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) اس چیز کو کھول کر بیان کر دو جو ان تک اتاری گئی ہے اور تاکہ وہ غور کریں۔

---

[1] تفسیر الجلالین / ۲۵۱

آگے یہی بات ان الفاظ میں کہی گئی ہے:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (نحل: ۶۴)

اور ہم نے تمہارے اوپر جو کتاب اتاری ہے تو اسی لیے تاکہ تم ان (مشرکین عرب) کیلئے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) ان تمام چیزوں کو کھولکر بیان کردو جن میں کہ انکا جھگڑا ہے۔ اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائیں۔

اس آیت کریمہ میں کتاب (یعنی قرآن) کو اتار کر رسول کو اس کے مخاطبین میں برپا جن اختلافات کے سلسلے میں صحیح موقف کی وضاحت کا حکم دیا گیا ہے، اس کا تعلق صرف افکار و عقائد ہی سے نہیں۔ بلکہ اس میں ان کی قانونی نظام کے اختلافات کی توضیح بھی اسی طرح شامل ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے قوم عرب کی اپنی شرک و بت پرستی کے معاملے میں خود مختاری کے ذکر کے ساتھ تحلیل و تحریم کے قانونی دائرے میں بھی اس کی خود مختاری کا اعلان ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ (نحل: ۳۵)

اور جن لوگوں نے شرک کیا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو اس کے سوا ہم کسی دوسری چیز کی پرستش نہ کرتے نہ ہم ایسا کرتے نہ ہمارے آباء واجداد۔ اور نہ ہم اس کی مرضی کے بغیر (اپنے جی سے) کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔

قرآن کہتا ہے کہ یہ صرف آخری نبیؐ کی بات نہیں، بلکہ ہر دور اور ہر زمانہ میں جو رسول بھی آتے تو اسی لئے کہ مخاطب قوم میں فکر و عمل کی جملہ بے اعتدالیوں کو ختم کر کے ان کے سامنے منشاء الٰہی کو واشگاف انداز میں بیان کر دیں، اور اخلاقی اور قانونی زندگی کے ہر دائرے سے متعلق وہ تفصیلی احکام و ہدایات فراہم کر دیں۔ جن کے بعد اسے کسی دوسری سمت دیکھنے کی حاجت نہ رہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

اور (اے نبی تم سے پہلے) ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان میں بات کرتا تاکہ وہ ان کے لیے (تمام معاملات زندگی میں) باتیں کھول کر بتا سکے۔ تو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ

Marfat.com

مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (ابراہیم: ۴)

کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ پر لگاتا ہے۔ اور وہ بڑا غلبہ والا، حکمت والا ہے۔

فصلِ خصوصیات

دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہ خصوصیت ہے جو انسانی زندگی میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے وسیع کردار کا پتہ دیتی ہے۔ سورۂ مائدہ میں قرآن کی صورت میں آخری شریعت کے آجانے کے بعد تورات وانجیل کی منسوخی کا اعلان کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ	اور ہم نے تم تک یہ کتاب اتاری ہے
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	حق کے ساتھ جو مصداق ہے اپنے سے پہلی
مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ	کتاب (توراۃ) کا اور اس پر نگراں ہے سو اب
فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	تم ان (اہل کتاب) کے درمیان فیصلہ
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ	کرو اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے اور
مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ	اس حق کے مقابلہ میں جو تمہارے پاس آگیا ہے
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ	ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ تم میں سے
اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً	ہر ایک کے لئے ہم نے ایک الگ شریعت
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ	اور طریقہ ٹھہرایا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب
فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ	کو ایک جماعت بنا تا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا)
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ	تاکہ تم کو آزمائے اس میں جو اس نے تم کو دیا
بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَ	ہے۔ سو تم بھلائیوں کی طرف لپکو۔ اللہ ہی
اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ	کی طرف تم سب کو پلٹنا ہے۔ سو وہ تم کو جتا دے
اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ	دے گا اس سے جس میں کہ تم جھگڑتے تھے۔
احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ	اور یہ کہ (اب) تم ان کے درمیان فیصلہ کرو

Marfat.com

بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

(مائدہ: ۴۸-۵۰)

اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ اور تم ان سے بچو کہ اللہ نے تم تک جو کچھ اتارا ہے اس کے کسی حصہ سے تم کو ہٹا کر تم کو آزمائش میں نہ ڈال دیں تو اگر اب یہ رو گردانی کریں تو سمجھ لو اللہ اب یہی چاہتا ہے کہ انہیں انکے کچھ گناہوں کا مزہ چکھائے اور ضرور زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔ کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں تو اللہ سے بڑھ کر بہتر فیصلہ اور کس کا ہو سکتا ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھیں۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری صرف اسی قدر نہ تھی کہ آپ خدائی دین کو بے کم و کاست لوگوں تک پہونچا دیں۔ بلکہ الٰہی شریعت کا نفاذ بھی آپ کے ذمہ اسی طرح تھا۔ انسانوں کے کسی طبقہ کی مرضی اور خواہش کا کوئی لحاظ کئے بغیر آپ کی ذمہ داری تھی کہ لوگوں کے معاملات آخری شریعت کے مطابق فیصل کریں۔ اور اس طرح اس کا ایسا بول بالا کریں۔ کہ پوری انسانی دنیا میں اس کے عطا کردہ قانونی نظام کی بالادستی قائم ہو جائے۔ دوسرے مقامات پر بھی قرآن نے آپ کا یہی مرتبہ و مقام واضح کیا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

(نساء: ۱۰۵-۱۰۶)

ضرور ہم نے تم تک یہ کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ تاکہ تم تمام لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اسکے مطابق جو اللہ نے تمہیں دکھایا ہے۔ اور تم (اس سے منہ موڑنیوالے) خیانت کاروں کیلئے جھگڑنے والے نہ بنو۔ اور اللہ سے گناہوں کی معافی چاہو ضرور اللہ بڑا معاف کرنیوالا، رحم کرنیوالا ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ

سو اسی لئے سو تم بلاؤ (لوگوں کو اللہ کی طرف)

Marfat.com

اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ (شوریٰ: ۱۵)

اور جمے رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور تم ان (اہل شرک) کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور کہو کہ میں اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے اتاری ہے۔ (یعنی قرآن) اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف سے کام لوں۔ اللہ ہی ہمارا رب ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے لئے ہمارے کام ہیں اور تمہارے لئے تمہارے کام۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اب کوئی حجت بحث نہیں اللہ ہم دونوں کو اکٹھا کرے گا۔ اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

مسلمان امت پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ حق ہے جس میں کسی قسم کی ڈھیل اور تساہل اور بچ نکلنے کا کوئی سوال نہیں۔ راہ ایمان پر گامزن رہنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی آپ کے ہر حکم اور ہر فیصلے کو دل کی پوری آمادگی کے ساتھ تسلیم کرے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (احزاب: ۳۶)

اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے لئے سزاوار نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول فیصلہ کر دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا اختیار رہ جائے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۔ (نور: ۵۱)

ایمان والوں کی بات تو بس یہ ہونی چاہیئے کہ جب انہیں بلایا جائے اللہ اور اسکے رسول کی طرف تاکہ وہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ یہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مانا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ

سو تیرے رب کی قسم یہ (اہل کتاب) ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ تمہیں ثالث

Marfat.com

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا
قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

(نساء: ۶۵)

نہ بنائیں ان جملہ معاملات میں جو کہ ان کے درمیان اٹھیں۔ ساتھ ہی یہ اپنے جی میں کوئی تنگی نہ پائیں اس سے جو تم فیصلہ کر دو۔ اور یہ پوری طرح سر تسلیم خم نہ کر دیں۔

سیاسی رہبر

اس کے ساتھ ہی قرآن صاف لفظوں میں آپ کو سیاسی رہبر کا مقام عطا کرتا ہے۔ جملہ معاملات زندگی میں انبیاء کی پیروی ہر نبی کی دعوت میں بلا استثناء موجود رہی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ
اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

(نساء: ۶۴)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا تو اسی لئے کہ (جملہ معاملات زندگی میں) اس کی پیروی اختیار کی جائے اللہ کے حکم سے۔

آخری رسولؐ کے سلسلے میں قرآن نے یہ تاکید کی کہ اللہ کی پیروی کا حق ادا کرنے کے لئے اس کے رسول کی بے لاگ پیروی ضروری ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ
اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ
اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝

(نساء: ۸۰)

اور جس نے رسول کی پیروی کی سو ضرور اس نے اللہ کی پیروی کی۔ اور جو کوئی رد گردانی کرے تو ہم نے ایسوں پر آپ کو پہریدار بنا کر نہیں بھیجا ہے۔

رسولؐ کے قانونی حق کے علاوہ اس سے محبت و تعلق کا بھی یہ ایک صریح تقاضا ہے جس میں کوتاہی کر کے آدمی اپنے کو صحیح ایمانی حالت پر باقی نہیں رکھ سکتا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ
فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا

کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو سو تم میرے پیچھے چلو تو اللہ بھی تم سے محبت کریگا اور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو بخشے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنیوالا۔ کہو کہ پیروی

Marfat.com

اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۝ (آل عمران: ۳۱-۳۲)

کرو اللہ کی اور رسول کی سو اگر یہ مُنہ موڑیں تو معلوم ہو کہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

جملہ معاملات زندگی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بے لاگ پیروی کی ان تاکیدات کے ساتھ سورۃ نساء کے اندر قرآن نے اسے "اولوالامر" کی اطاعت کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ "سیاسی رہبری" اپنے پورے مفہوم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا حق ہے جسے کسی بھی درجے میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ آپ امت کے مربی و محسن اور اس کے روحانی پیشوا ہونے کیساتھ اسی طرح اس کے "سیاسی اور پارلیمانی رہبر" بھی ہیں۔ جن کے کسی حکم اور کسی اشارے سے کسی مسلمان کو سرتابی کی مجال نہیں۔ آپ کی اس "سیاسی رہبری" کو تسلیم کئے بغیر کوئی شخص ایمان و اسلام کا حق ادا نہیں کر سکتا، بالکل اسی طرح جیسا کہ وہ خدانخواستہ آپ کی محبت و عقیدت اور ادب و احترام میں کمی کر کے اس کی ادائگی سے قاصر رہتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (آیت: ۵۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو پیروی کرو اللہ کی اور پیروی کرو رسول کی اور اپنے میں سے اصحاب امر کی۔ اس کے باوجود اگر تمہارے درمیان نزاع و کشمکش ہو تو اسے لوٹاؤ اللہ اور اس کے رسول کی طرف اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہو یہ تمہارے لئے زیادہ اچھا اور انجام کار کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔

نظام کفر و شرک کے لئے آخری چیلنج

اسی کے پہلو بہ پہلو قرآن و حدیث کے مطالعہ سے آپؐ کی ایک اور حیثیت بھی اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ اور وہ یہ کہ آپؐ قیامت تک کے لئے نظام کفر و شرک کے لئے آخری چیلنج ہیں۔ ایک خاص پہلو سے آپ کی بعثت کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ دنیا کے تمام ادیان اور تمام

Marfat.com

نظامہائے فکر وعمل پر آپ کے لائے ہوئے دین 'اسلام' کا ہمہ وجوہ غلبہ واستیلاء ہو جائے۔ اور تمام ادیان باطلہ اور خدا بیزاری اور انکار خدا پر مبنی افکار ونظریات کے لئے زمین ایسی تنگ ہو جائے کہ ان کے لئے کہیں سر چھپانے کے لئے جگہ نہ رہے۔ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا یہ وہ لازمی اور ناگزیر جزء ہے جس کی تکمیل کا ذمہ اس خداوند ارض وسماء نے لے رکھا ہے جس کے دست قدرت کا اسیر یہ تمام عالم آب وگل ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی مشیت کی تکمیل کے لئے ہمہ وقت منتظر ہے۔ اور دنیا کی کسی بڑی سے بڑی طاقت کی مجال نہیں جو اس کے کسی ارادے میں آڑے آنے کی جرأت کر سکے۔ جس کا لازمی تقاضا ہے کہ تمام ادیان اور جملہ نظامہائے فکر وعمل کے بالمقابل، علاوہ دلیل وبرہان اور علم ومعرفت کے، اس دین برحق کو سیاسی غلبہ اور اقتدار کی قوت وشوکت بھی حاصل ہو :

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (توبہ : ۳۳)

وہی ہے (اللہ) جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ اسے تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے خواہ یہ چیز مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ رشید رضا مصریؒ نے بجا طور پر کہا ہے :

ومعناه انه تعالیٰ یعلی هذا الدین ویرفع شانه علی جمیع الادیان بالحجة والبرهان، والهدایة والعرفان، والعلم والعمران وكذلك السیادة والسلطان .....ولم یكن لدین من الادیان مثل هذا التاثیر الروحی والعقلی والمادی

اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو بلندی عطا کرے گا اور اس کے معاملہ کو اونچا اٹھائے گا دوسرے تمام ادیان ومذاہب اور نظامہائے زندگی پر، دلیل وبرہان کے پہلو سے، ہدایت وعرفان کے پہلو سے، علم وتمدن کے پہلو سے اور ساتھ ہی سیادت و قیادت اور حکومت واقتدار کے پہلو سے .....اس سے پہلے کسی دوسرے دین و مذہب کو روحانی، عقلی، مادی، اجتماعی اور

والاجتماعی والسیاسی الا للاسلام وحدہ [1]

سیاسی ہر پہلو سے وہ اثر آفرینی حاصل نہ ہوسکی۔ یہ چیز تنہا صرف اسلام کے حصہ میں آئی۔

امام رازیؒ ایک دوسرے انداز سے اس سے بہت پہلے اس حقیقت کی نشاندہی ان لفظوں میں کرچکے ہیں:

واعلم ان ظهور الشیئ علی غیرہ قد یکون بالحجۃ وقد یکون بالکثرۃ والوفور وقد یکون بالغلبۃ والاستیلاء ومعلوم انہ تعالیٰ بشر بذلک ولا یجوز ان یبشر الا بامر مستقبل غیر حاصل وظهور هذا الدین بالحجۃ مقرر معلوم فما لو اجب حمله علی الظهور بالغلبۃ [2]

معلوم ہونا چاہیئے کہ کسی چیز کا دوسری چیز پر غلبہ کبھی تو حجت و برہان کے پہلو سے ہوتا ہے اور کبھی کثرت و فراوانی کے پہلو سے اور کبھی غلبہ و استیلاء کے پہلو سے۔ اور معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (آیت بالا میں) اس کی خوشخبری سنائی ہے۔ اور خوشخبری جو سنائی جاتی ہے تو وہ کسی ہونے والی بات کی سنائی جاتی ہے جو بروقت حاصل نہ ہو۔ حجت و برہان کے پہلو سے اس دین کا غلبہ اور تفوق طے شدہ اور معلوم و معروف ہے تو ضروری ہے کہ اس غلبہ و تفوق کو (سیاسی) بالادستی اور (دنیوی) قوت و شوکت پر محمول کیا جائے۔

سلسلہ نبوت کی آخری کڑی کے ہاتھوں لائے ہوئے دین حق کے بالمقابل انسانیت کے آغاز سے لے کر قیامت تک جو ادیان و مذاہب اور افکار و نظریات پائے گئے اور آئندہ پائے جاسکتے ہیں، ان کے دو ہی عنوان ہیں۔ کفر اور شرک۔ حق تعالیٰ کی ذات و صفات میں غیروں کو ساجھی مان کر اس کی احدیت و صمدیت کو سبوتاژ کرنے کا نام 'شرک' اور انکار خدا اور خدا بیزاری پر مبنی جملہ نظام ہائے فکر و عمل کا جامع عنوان 'کفر' ہے۔ اس آیت کریمہ میں اہل شرک

---

[1] تفسیر المنار: ۱۰/۳۹۱۔ [2] مفاتیح الغیب: ۴/۴۳۷

Marfat.com

کی مرضی کے علی الرغم (ولوکرہ المشرکون)، فرماکر غلبہ کی بات کہی گئی ہے۔ دنیا کے دوسرے باطل افکار و نظریات پر اس دین حق کے غلبہ و تسلط کی بشارت اس سے پہلے کی آیت کریمہ میں دی گئی ہے۔ جس میں قرآن نے اقصائے عالم میں پھیلے ہوئے اہل کفر کی مرضی کے علی الرغم نور اسلام کے اتمام کی بشارت دی ہے:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَہٗ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۝ (توبہ: ۳۲)

یہ (دین کے دشمن) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (اسلام) کو بجھا دیں اپنے مُنہ سے۔ اور اللہ کو اس کے سوا ہر بات سے انکار ہے کہ وہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے۔ خواہ یہ چیز کافروں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

ان آیات کریمہ سے پہلے مشرکین مکہ اور سرزمین عرب کے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے۔ جنھوں نے انحراف و انکار خدا پر مبنی تمام طرح کی گمراہیوں کو اپنے اندر سمیٹ رکھا تھا۔ دوسرے مقام پر بھی شرک و کفر کی جملہ صورتوں کے جامع اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ذکر کے بعد قرآن نے ان دونوں ہی نظاموں کے علمبرداروں کی مرضی کے علی الرغم ان کے پسندیدہ ادیان و افکار پر دین اسلام کے ہمہ وجوہ غلبہ کی بات دہرائی ہے:

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ۝ ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ (صف: ۸-۹)

یہ (دشمنان دین) چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی (اسلام) کو بجھا دیں اپنے مُنہ سے۔ حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہیگا خواہ یہ چیز کافروں کو کتنی ہی ناگوار ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے تاکہ اسے دوسرے تمام ادیان و مذاہب پر غالب کر دے۔ خواہ یہ چیز مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

حدیث کے اندر بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وصف بیان ہوا ہے اور آپ کا ایک صفاتی نام "الماحی" تجویز کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک کے لئے

نظام کفر و شرک کو کہیں سر اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ:

ان لی اسماء انا محمد	میرے بہت سے نام ہیں۔ میں محمد (تعریف کیا ہوا)
وانا احمد وانا الماحی	ہوں۔ میں احمد (بہت تعریف کرنیوالا) ہوں میں
الذی یمحو اللہ بی	ماحی "مٹانیوالا" ہوں۔ یعنی وہ جس کے ذریعہ
الکفر ... الخ [1]	اللہ تعالیٰ کفر (و شرک اور دوسری تمام
	گمراہیوں) کو نیست و نابود کرے گا۔

دور اول میں آپ کی اس خصوصیت کا ظہور کس طرح ہوا۔ اس کی تفصیل کرتے ہوئے علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

فالماحی: هو الذی محا	پس "ماحی" وہ ہے جس کے ذریعہ اللہ نے کفر
اللہ بہ الکفر، ولم یمح الکفر	کو مٹایا۔ اور مخلوق میں کسی کے ذریعہ اس نے
باحد من الخلق ما محی	کفر کو نہیں مٹایا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم	ذریعہ اس کے مٹانے کا اہتمام ہوا۔ اس لئے
فانہ بعث واھل الارض	کہ جس وقت آپ کی بعثت ہوئی زمین والے
کلھم کفار، الا بقایا من اھل	تمام کے تمام کافر تھے۔ سوائے اہل کتاب کے
الکتاب، وھم بین عباد	کچھ بچے کھچے لوگوں کے۔ لوگ یا تو بتوں کے
اوثان، ویھود مغضوب علیھم	پرستار تھے، یا خدا تعالیٰ کے غضب کردہ یہود
ونصاریٰ ضالین، وصائبۃ	یا گمراہ نصاریٰ۔ یا صابی لوگ جو دہریہ تھے جو
دھریۃ، لا یعرفون ربا ولا	نہ خدا کو مانتے تھے، نہ آخرت کے قائل تھے۔

---

[1] مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم، بخاری جلد ۱۔ کتاب المناقب، باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ۔ مؤطا جلد ۲۔ کتاب الجامع، باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترمذی جلد ۲۔ ابواب الاستیذان، باب ما جاء فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

Marfat.com

معادا، وبين عباد الكواكب
وعباد النار، وفلاسفة
لا يعرفون شرائع الانبياء
ولا يقرون بها، فمحا الله
سبحانه برسوله ذلك
حتى ظهر دين الله على كل
دين، وبلغ دينه ما بلغ الليل
والنهار، وسارت دعوته
مسير الشمس في الاقطار[1]

دوسرے ستارہ پرست اور آگ کے پجاری
تھے۔ ورنہ فلاسفہ تھے، جنہیں انبیائی شریعتوں
سے آشنائی تھی۔ نہ وہ ان کا اقرار کرتے تھے۔
پس اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ ان سب کو مٹا
دیا یہاں تک کہ اللہ کا دین دوسرے تمام
دینوں (اور نظامہائے فکر و عمل) پر غالب
آگیا۔ اس کے دین کی شعاعیں وہاں تک پہنچیں
جہاں تک کہ دن رات کی گردش ہے اور آپ
کی دعوت کی کرنوں سے اقصائے عالم منور ہوا۔

جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بعد کے ادوار میں آپ کی اس خصوصیت کے مضمرات کتنے وسیع ہوں گے۔ اور کس طرح شرک و بت پرستی کے ساتھ فکر و عمل کے ان تمام دھاروں کو روئے زمین سے مٹا دینا آپ کے بعد آپ کے امتیوں کے عین فریضہ منصبی میں شامل ہوگا جو کسی بھی انداز اور کسی بھی عنوان سے انسان کو خدا سے دور اور اس سے بیزار کرنے والے ہوں۔

آپ کی اس حیثیت کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ معروف معنوں میں صرف دعوت و تبلیغ اور وعظ و ارشاد ہی کے مرد میدان نہ ہوں، بلکہ تلوار کا پرتلا بھی آپ کے ہاتھ میں لازماً موجود ہو اور روئے زمین میں بندگیٔ رب کے نفاذ اور شرک و کفر کے استیصال کے لئے مسلح جد و جہد بھی آپ کے عین فرائض منصبی میں شامل ہو۔ یہی حقیقت ہے جس کی نشاندہی آپ نے دوسری حدیث میں فرمائی ہے:

بعثت بالسيف حتى
يعبد الله لا شريك له

مجھے تلوار دے کر بھیجا گیا ہے۔ یہاں تک کہ
پورے روئے زمین پر تنہا اللہ کی بندگی کی

---

[1] ابن قیم الجوزیہ: زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۱/۹۴۔ تحقیق و تخریج: شعیب الارنؤوط، عبدالقادر الارنؤوط۔ موسسۃ الرسالہ، بیروت، طبع ثامن ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء

Marfat.com

وجعل رزقی تحت ظل رمحی وجعل الذلة والصغار علی من خالف امری[1]

جائے اور اس کا کوئی ساجھی نہ ہو۔ اور میری روزی میرے نیزے کے سائے تلے رکھی گئی اور ذلت و رسوائی اس کا مقدر ٹھہرادی گئی جو میرے معاملہ کی مخالفت کرے۔

اور یہی حقیقت ہے کہ جسے دوسرے مقام پر آپ نے بدیں الفاظ واضح فرمایا ہے:

امرت ان اقاتل الناس حتی یشهدوا ان لا الہ الا اللہ ویومنوا بی وبما جئت بہ فاذا فعلوا ذلك عصموا منی دمائهم واموالهم الا بحقها وحسابهم علی اللہ[2]

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔ اور مجھ پر ایمان لائیں اور جو (ہدایت) میں لیکر آیا ہوں اسے مانیں پس جب وہ ایسا کریں تو میری طرف سے انکی جان اور مال کی حفاظت کی ضمانت ہے سوائے اس کہ ان پر کوئی حق عائد ہوتا ہو (اس سے ہٹ کر) ان کا حساب اللہ کے اوپر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دلوں کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ظاہری طور پر ایمان و اسلام کا اقرار کر کے بھی آدمی اپنے اندر کفر و نفاق کو چھپائے ہو سکتا ہے، اس لئے اس صورت کو تو اللہ کے حوالہ کئے بغیر چارہ نہیں، لیکن اس سے ہٹ کر جب تک لوگ اسلام کے مقابلہ میں اپنے حق خود اختیاری سے دستبردار نہ ہوں گے، اسلام سے ان کی حالت جنگ قائم رہے گی۔ خدا کی سرزمین میں وہ اس کے عطا کردہ دین کی نعمت سے محروم رہ کر ہی زندہ رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اس کا حق ہے لیکن شرک و کفر کی غلاظت میں خود گرنے کے ساتھ دوسرے بندگان خدا کو انہیں اس میں گرانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اسلام کی عطا کردہ سہولتوں اور رعایتوں کے ساتھ

---

[1] مسند احمد: ۲/۵۰، ۹۲۔

[2] مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا الخ۔ نیز مسند احمد: ۲/۳۴۵، ۴۳۹۔

وہ مغلوب و بے اختیار ہو کر تو بے شک رہ سکتے ہیں، لیکن خدا کی زمین پر اس سے مُنہ موڑنے کے ساتھ اس سے اکڑ کر چلنے کا حق انہیں حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس طور پر کہ اپنے کو جہنم میں گرانے کے ساتھ انہیں دوسرے بندگان خدا کو بھی اس میں جا ڈھکیلنے کا پورا موقع اور سہولت میسر ہو۔ اگر وہ پُرامن طور پر اپنی اس حیثیت کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہیں تو پیغمبر اسلام اور اس کے امتیوں کی تلوار ان سے اس کا فیصلہ کرائے گی۔ مسلح جد و جہد سے ان کی قوت و شوکت اس طرح پامال کر دی جائے گی کہ خدا کی سرزمین پر ان کے لئے اکڑ کر چلنے اور باغی اور سرکش بن کر رہنے اور دوسرے بندگان خدا کو اس راہ پر لگانے کا دور دور تک کوئی موقع نہ رہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ (بقرہ: ۱۹۳)

اور ان سے (دین کے دشمنوں سے) جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال: ۳۹)

اور ان سے (اعدائے اسلام سے) جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے۔

صدر اول میں اسلام ان تمام حیثیتوں سے اپنی حقانیت کا لوہا منوا چکا ہے۔ اور جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، قیامت سے پہلے ایک بار پھر ہمہ گیر شکل میں اس دین حنیف کا اقصائے عالم پر بول بالا ہو گا۔ زمین کا چپہ چپہ اسلام کا کلمہ پڑھے گا۔ اور روئے زمین پر کہیں کفر و شرک کا نشان نہ ہو گا[1] لیکن اس سے پہلے بھی اسلام کے نام لیوا جہاں اور جب کہیں اس دین سے اپنی بے آمیز وفاداری کا ثبوت فراہم کر کے، زمین پر غلبہ و استیلاء کی سنت الٰہی کی شرط پوری کر دیں گے تو یقیناً دیر نہ ہو گی کہ نظام عالم کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہو گی۔ اور پوری دنیا پر ان کا پھریرا لہرائے گا۔ نظام شرک و کفر نیست و نابود ہو کر رہے گا۔ اور اس کے نام لیواؤں کے لئے کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ مل سکے گی۔ غلبہ و تسلط

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۴۹، ۳۵۰۔

Marfat.com

اس دین کا خاصہ ہے۔ اس کے علمبردار جب کبھی اس راہ کی اپنی داخلی رکاوٹوں کو دور کر دیں گے، نصرت و فتح مندی ان کے ہمرکاب اور کامیابی و کامرانی ان کے قدم چومنے کے لئے منتظر ہوگی۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہر دور اور ہر زمانہ کے لئے ہے کہ:

الاسلام یعلو ولا یعلی[1] اسلام سر اٹھا کر رہنے کے لئے آیا ہے جھک کر رہنے کے لئے نہیں آیا ہے۔

---

[1] بخاری تعلیقا۔ جلد ۱۔ کتاب الجنائز۔ باب اذا اسلم الصبی فمات ہل یصلی علیہ الخ۔ بخاری کی یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس پر موقوف ہے جسے امام بخاری نے حسب معمول ترجمۂ باب میں نقل کیا ہے۔ حوالہ سابق۔ دار قطنی کے یہاں یہ روایت انہی الفاظ میں حضرت عائذ بن عمرو مزنی سے مرفوع ہے۔ البتہ اس کے دو راوی مجہول ہیں، نصب الرایۃ للاحادیث الہدایہ للزیلعی: ۳/۲۱۲ - طبرانی، بیہقی ان کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے واسطوں سے الفاظ کے فرق سے اسے بطور مرفوع حدیث بیان کیا ہے۔ اور اس پر کوئی کلام نہیں ہے۔ نصب الرایہ، حوالہ سابق۔

Marfat.com

قرآن کے خصائص

اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اوصاف وخصوصیات کے ساتھ ہمیں اس پہلو سے آپ کی لائی ہوئی کتاب اور اسلام کے دستور اساسی کی خصوصیات پر بھی ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اسلام کی صورت میں خدائی پیغام کا جو سلسلہ چلا آتا ہے اور جس کی تکمیل سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عمل میں آئی، یہ پیغام اپنی مکمل ترین صورت میں اسی کتاب مبین کے صفحات میں مندرج ہے۔ انسانی زندگی میں مذہب اسلام کا دائرۂ کار کیا ہے۔ اور معاملات زندگی میں وہ بندگانِ خدا کو کس شاہراہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ زندگی میں اپنا جو دائرۂ کار اسلام کی نمائندہ یہ کتاب متعین کرتی ہے اور بنی نوع انسان کو فکر وعمل کے جن سانچوں میں ڈھالنا چاہتی ہے۔ اسلام کا ان سے مطالبہ بھی بعینہ یہی ہے۔ اور ہدایت الٰہی کے آخری ایڈیشن ہونے کی حیثیت سے "مذہب" کے اسی تصور کو وہ ساری دنیا میں جاری وساری دیکھنا چاہتا ہے۔

زمانہ کی عجیب نیرنگی اور ستم ظریفی ہے کہ دنیا میں مرضیات الٰہی کا اپنی آخری وسعتوں کے ساتھ علم بلند کرنے والی برگزیدہ شخصیتوں ـــــ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم ـــــ کو کچھ ہوشیار لوگ انتہائی محدود اور تنگ معنی میں "روحانی پیشوا" باور کرانے میں کامیاب ہوئے۔ اور انسانوں کی عظیم اکثریت نے کمال سادہ لوحی کے ساتھ انکے اس فیصلے کو آمنا صدقنا، کہا۔ انبیائی فہرست آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ نتیجے کے طور پر دیگر انبیاء ورسل کی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم "روحانی پیشوا"

Marfat.com

قرار پائے تو آپ کے ہاتھوں لائی ہوئی کتاب، ہدایت ربانی کے آخری ایڈیشن کو بھی لوگوں نے ایک خاص اور محدود معنی میں "مذہبی صحیفہ" سمجھا۔ جس کا زیادہ سے زیادہ جو کوئی مقصد ہو سکتا تھا تو وہ یہ کہ مروجہ محدود معنوں میں وہ انسان کا خدا سے رشتہ جوڑ دے۔ اس دنیا سے ہٹ کر لوگوں کو کچھ "دوسری دنیا کی باتیں بتا دے اور ان کے اندر کچھ اعلیٰ اخلاق اور اوصاف کی آبیاری کر دے۔ حالانکہ اعلیٰ پیمانے اور بہت ہی مضبوط بنیادوں پر زندگی کی اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی تکمیل کے ساتھ، مادی پہلوؤں سے بھی زندگی کی تنظیم اور سیاسی، سماجی اور معاشی ہر پہلو سے اس کی ترتیب و تنسیق کو یہ کتاب اسی طرح اپنا موضوع و مقصود قرار دیتی ہے۔ چنانچہ اپنے خصائص کے بیان میں اس نے اپنی معنوی اور روحانی حیثیت کے ساتھ زندگی کی مادی تنظیم اور اس سے تعلق رکھنے والی اپنی اوصاف و خصوصیات کو بھی اسی اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور مختلف پہلوؤں سے اس کی وضاحت کر دینے کے ساتھ اس کے سلسلے میں کسی قسم کی تشنگی اور ابہام کو باقی نہیں رہنے دیا ہے۔

عالمگیر پیغام

اس سلسلے میں سب سے پہلے جو چیز توجہ طلب ہے وہ قرآن کا عموم اور اسکی عالمگیری ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ پوری انسانی برادری کو اپنا مخاطب قرار دیتا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ زندگی کی تنظیم کا جو نقشہ اس کے پیش نظر ہے اور گروہ انسانیت کو دنیا و آخرت کی ہمہ جہتی فلاح و کامرانی کی جس شاہراہ پر وہ گامزن دیکھنا چاہتا ہے اس کے تخاطب کی اس وسعت اور عموم کے ساتھ اس سے حاصل ہونے والا پیغام بھی اسی طرح وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ جب اس کتاب کا تخاطب رنگ و نسل کی قید سے آزاد اور لسانی و جغرافیائی حد بندیوں سے پرے ہے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کا عطا کردہ ضابطۂ حیات بھی اسی طرح مکمل اور ہمہ جہت ہو۔ چنانچہ وہ صاف اور صریح لفظوں میں کہتا ہے کہ اس کا نزول تمام دنیا جہان کے لئے ہوا ہے اور قرآن کسی تخصیص اور تحدید کے بغیر جملہ معاملات زندگی میں ان کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سامان فراہم کرتا ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (البقرۃ: ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں کہ قرآن اترا، اس میں ہدایت کا سامان ہے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق دنیا کے) تمام انسانوں کیلئے ساتھ ہی یہ رہنمائی کی کھلی باتوں اور فیصلہ کن چیز پر مشتمل ہے۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا (اسراء: ۱۰۶)

اور اس قرآن کو ہم نے الگ الگ ٹکڑوں میں رکھا ہے تاکہ آپ اسے پڑھ کر لوگوں کو سنائیں (اور آگے بھی اسی کا سلسلہ دراز رہے) اور ہم نے اسے مرحلہ وار اتارا ہے۔

اس کتاب کے ذریعہ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کا نذیر (ڈرانے والا) بنا کر بھیجا گیا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (اسراء: ۱۰۶)

انتہائی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کن چیز (قرآن) اتارا تاکہ وہ دنیا کے تمام انسانوں کیلئے ڈرانیوالا بنے۔

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط (انعام: ۱۹)

اور میرے پاس وحی کی گئی ہے اس قرآن کی تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو ڈراؤں ساتھ ہی (ہمیشہ کے لئے) ان تمام لوگوں کو حق بات پہنچے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدٰی فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ (زمر: ۴۱)

ہم نے یہ کتاب تمہارے اوپر اتاری ہے (دنیا کے) تمام انسانوں کے لئے حق کے ساتھ۔ پس جو کوئی راہ پکڑے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہوگا اور تم ان پر چوکیدار نہیں ہو۔

Marfat.com

پورے قرآن کی پیروی

قرآن کے مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنے والا بھی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ کتاب عام رائج معنوں میں، خدا اور بندے، تک محدود نہ ہو کر پوری انسانی زندگی کے لئے دستور العمل اور مکمل ضابطۂ حیات عطا کرتی ہے۔ اس میں اگر ایک طرف انسان کو ہر طرف سے کٹ کر صرف ایک خدا کے لئے یکسو ہونے، اس سے اپنے تعلق کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے، اس کی یاد کو ہر وقت دل میں بسائے رکھنے، اسی طرح فضائل اخلاق سے آراستہ ہونے اور ان تمام چیزوں کو جنھیں رذائل اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے ان سے مجتنب رہنے کی تلقین کی گئی ہے، تو اسی کے پہلو بہ پہلو انسانی زندگی کی تنظیم اور انسان کی سماجی، معاشی اور سیاسی زندگی سے متعلق تفصیلی احکام و ہدایات بھی فراہم کی گئی ہیں اس کتاب کے اندر ہمیں صرف توحید، رسالت اور آخرت ہی کے مضامین دیکھنے کو نہیں ملتے، نیکیوں اور بھلائیوں کی تلقین اور برائیوں ہی سے بچنے کی بات نہیں ملتی، بلکہ اس کے ساتھ ہی نکاح وطلاق، وراثت و مالیات، حدود و قصاص، صلح و جنگ اور حکومت و سلطنت سے تعلق رکھنے والے تفصیلی قوانین و ضوابط بھی بیان کئے گئے ہیں۔ بارگاہ رب العزت کی طرف سے پہلے دن سے یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ اس کتاب ——— قرآن ——— کی صورت میں زندگی کا جو مکمل دستور العمل تم کو دیا جا رہا ہے کسی تجزیہ و تقسیم اور کسی تحدید و تخصیص کے بغیر اول سے آخر تک تمہارے لئے اس کی پیروی ضروری ہے۔ تنہا یہی وہ چیز ہے جو انسان کو رحمت ایزدی سے ہمکنار کر سکتی ہے:

وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ	یہ کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے برکت
مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا	والی پس تم (کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر) اس
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	کی (پوری پوری) پیروی کرو اور اللہ سے
(انعام: ۱۵۵)	ڈرو کہ تم پر رحم کیا جائے۔
اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ	پیروی کرو (پوری پوری) ان تمام باتوں

مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (اعراف: ۳)

کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتاری گئی ہیں۔ اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو کارساز نہ بناؤ تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (زمر: ۵۵)

پیروی کرو ان تمام بہترین باتوں کی جو تم تک اتاری گئی ہیں۔ اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آئے اور تم کو کچھ خبر نہ ہو۔

امت کے نمائندہ کی حیثیت سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بار بار اسی کی تاکید کی گئی:

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام: ۱۰۶)

پیروی کرو ان تمام چیزوں کی جو تمہارے رب کی طرف سے تم تک وحی کی گئی ہیں اور مشرکوں سے کچھ سروکار نہ رکھو۔

اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ راستہ کچھ آسان نہیں، قرآن کے دکھائے ہوئے طریقۂ زندگی اور اس کے عطا کردہ ضابطۂ حیات کے حق میں لوگ اپنے پسند کردہ نظامہائے حیات سے آسانی کے ساتھ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اس لئے صبر و استقامت کا دامن مضبوطی سے تھامے بغیر اس راہ پر ثابت قدمی نہیں دکھائی جا سکتی:

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ (یونس: ۱۰۹)

اور پیروی کرو اس پورے نظام زندگی کی جس کی تم تک وحی کی جا رہی ہے اور جمے رہو یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ہو جائے اور وہ بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

پس اس لئے (تم لوگوں کو) بلاؤ (دین کی طرف) اور جم جاؤ جیسا کہ تم کو حکم دیا گیا

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (شوریٰ: ۱۵)

ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور کہو کہ میں ایمان رکھتا ہوں (پوری پوری) اس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے۔

خدا تعالیٰ کی ذات پر غیر معمولی اعتماد و توکل کے ذریعہ ہی اس منزل کو سر کیا جا سکتا ہے سورۃ احزاب میں معاشرتی زندگی سے متعلق وہ تعلیمات بیان کی گئیں جو اس وقت کے سماجی ڈھانچے کے لئے کسی صورت قابل قبول نہ تھیں۔ چنانچہ اس کے آغاز ہی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کر دی گئی کہ:

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (آیت: ۳۰)

اور پیروی کرو ان تمام باتوں کی جو تم تک وحی کی جا رہی ہیں تمہارے رب کی طرف سے بیشک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور کافی ہے جو اللہ نگراں ہے۔

خصوصیات قرآن کا وسیع دائرہ

اس بنیادی حقیقت کے اظہار کے ساتھ ہی مذہب اسلام کی نمائندہ اس کتاب نے قدم قدم پر اپنی وہ خصوصیات بیان کی ہیں جو انسانی زندگی کے اندر اس کے وسیع دائرہ کار کا پتہ دیتی ہیں۔

ہمہ گیر تعلیمات

ان میں پہلی نمایاں ترین چیز اس کتاب کی ہمہ گیری اور اس کی ہمہ جہت تعلیمات ہیں قرآن نے بے شمار مقامات پر اپنا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ حقائق کو کھولنے والی کتاب "کتاب مبین" ہے:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا

اے اہل کتاب تمہارے پاس آگیا ہے ہمارا رسول جو تمہارے لئے کھول رہا ہے

Marfat.com

كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۭ قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۙ

(مائدہ: ۱۵)

ان بہت سی باتوں کو جو تم چھپاتے تھے (اپنی) کتاب (توراۃ) سے جبکہ وہ بہت سی چیزوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کیطرف سے روشنی اور کھلی کتاب آگئی ہے۔

قریب کے ادوار میں مختلف اسباب وعوامل کے تحت فکر اسلامی پر پژمردگی وانحلال کی جو کیفیت چھائی رہی ہے، اس کے نتیجے میں اغیار ہی نہیں بہت سے اپنے لوگ بھی، قرآن حکیم کے اس طرح کے بیانات کو ایک خاص دائرے میں محصور کر دینے کے عادی رہے ہیں۔ تفسیر کی بہت سی مسندوں اور حلقہائے درس میں بھی قرآن کے "کتاب مبین" ہونیکا مطلب غالباً کہ یہی اس سے آگے بڑھتا ہوگا کہ یہ ایسی کتاب ہے جو انسان کی انفرادی زندگی یا زیادہ سے زیادہ اس کے اخلاقی اور سماجی مسائل سے متعلق احکام وہدایات فراہم کرتی ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں جب کہ فکر اسلامی تازہ اور جاندار تھی، امت کا ذہن اس سلسلے میں بالکل صاف تھا اور وہ اس کے دائرے کو جملہ معاملات زندگی تک وسیع سمجھتی تھی۔ مفسر ابن جریر نے آیت کریمہ میں "کتاب مبین" کے معنی یہ بیان کئے ہیں:

"کتاب مبین یعنی کتابا فیہ بیان ما اختلفوا فیہ بینھم من توحید اللہ وحلالہ وحرامہ وشرائع دینہ وھو القرآن الذی انزلہ علی نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یبین للناس جمیع ما بھم الحاجۃ من امر دینھم ویوضحہ لھم حتی یعرفوا حقہ من باطلہ"[1]

"کتاب مبین" اور کھلی ہوئی کتاب" یعنی وہ کتاب جس میں وضاحت ہے ان باتوں کی جن کے سلسلے میں یہ لوگ (اہل کتاب) باہم بڑے اختلافات کا شکار تھے۔ اللہ کی وحدانیت اسکی حلال کردہ چیزیں اور حرام ٹھہرائی ہوئی چیزیں اور اسکے دین کے تفصیلی قوانین اور یہ قرآن ہے جسے اس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے جو لوگوں کیلئے کھول کر بیان کرتا ہے ان تمام باتوں کو جن کی انہیں ضرورت ہے اپنے دین کے معاملہ میں اس چیز

---

[1] جامع البیان: ۶/۹۲—۹۳

Marfat.com

کو وہ ان کے سامنے واشگاف انداز میں
رکھ دیتا ہے تاکہ حق کو باطل سے ممیز کر لینے
میں ان کے لئے کوئی کھٹکا نہ رہے۔

آگے کی آیت کریمہ میں بھی اس کتاب کا اسی طرح کا ایک وصف بیان کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کی خوشنودی چاہنے والوں کو، سلامتی کے راستوں، کی رہنمائی کرتا اور انہیں "تاریکیوں" سے نکال کر "روشنی" سے ہمکنار کرتا ہے:

يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِهٖ وَيَهْدِيهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (مائدہ : ۱۶)

اللہ اس (کتاب) کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اس کی خوشنودی کے طلب گار ہوں، سلامتی کے راستوں کی رہنمائی کرتا ہے اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لاتا ہے اپنے حکم سے۔ اور ان کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن کے اس بیان کو بھی عام طور پر محدود اور تنگ معنی ہی میں لیا جاتا ہے جس کا زیادہ سے زیادہ منشا ہوتا ہے کہ آدمی ایک خاص دائرے میں دینی زندگی بسر کرے اور خدا سے اپنا تعلق جوڑ کر اپنے کو جنت کا مستحق بنالے۔ جب کہ آیت کریمہ میں "سلامتی کے راستوں" کی بات عام اور مطلق ہے اور دیگر مسالک و مذاہب کے مقابلہ میں اس سے اسلام بحیثیت نظام زندگی کے مراد ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ آدمی اس دین کو اس کی مکمل شریعت کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لے اور خدا تعالیٰ کے عطا کردہ اس آخری مکمل ضابطۂ حیات سے اپنی پوری زندگی میں سرمو تجاوز و انحراف کا مرتکب نہ ہو۔ اسی طرح "تاریکیوں" کا مطلب پورا نظام کفر و شرک ہے جبکہ دنیا کے اندر فکر و عمل کی تمام گمراہیاں انہیں دو دائروں میں محصور ہیں اور سیدھی راہ پانے کا مطلب ہے کہ آدمی ان تمام بے اعتدالیوں سے دامن بچا کر اپنی پوری زندگی میں اسلام کے دامن کو مضبوط تھام لے۔ گذشتہ آیت کی طرح مفسر طبریؒ نے اس آیت کریمہ کو بھی اسی طرح عام قرار دیا ہے:

(سبل السلام سبیل اللہ) "سبل السلام" "سلامتی کے راستے" یعنی

الذی شرعه لعباده و
دعاهم الیه واتبعت به
رسله وهو الاسلام الذی
لایقبل من احد عملا الا
به لا الیهودیة ولا النصرانیة
ولا المجوسیة (ویخرجهم
من الظلمات الی النور)
یهدی بهذا الکتاب المبین
من اتبع رضوان الله الی
سبل السلام وشرائع
دینه (من الظلمات) یعنی
من ظلمات الکفر والشرک
الی نور الاسلام وضیائه
(ویهدیهم الی طریق مستقیم)
ویرشدهم ویسدرهم
الی طریق مستقیم وهو
دین الله القویم الذی
لا اعوجاج فیه له

اللہ کا راستہ جسے اس نے اپنے بندوں کیلئے مقرر
کیا ہے اور اس کی پیروی کی انہیں دعوت دی
ہے اور اسی کا پیغام دیکر اپنے تمام رسولوں کو بھیجا
ہے۔ اور یہ اسلام ہے جسکے بغیر اللہ تعالیٰ کسی کی
طرف سے کسی عمل کو قبول نہیں کریگا خواہ وہ
یہودیت ہو یا نصرانیت یا مجوسیت (یا کوئی اور
چیز) "ویخرجهم من الظلمات الی النور"
اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانا
ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس واضح کتاب کے ذریعہ
جو اس کی خوشنودی کی پیروی کرتے ہیں انکی
سلامتی کے راستوں اور اپنے دین کے
تفصیلی قوانین کی طرف رہنمائی کرتا ہے
"من الظلمات" تاریکیوں سے نکال کر"
یعنی کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام
کی روشنی اور اسکی ضیاباری کیطرف "ویهدیهم
الی طریق مستقیم" اور ان کی رہنمائی
کرتا ہے سیدھے راستے کیطرف" یعنی انہیں
راہ بتاتا ہے اور صحیح رہنمائی دیتا ہے سیدھے
راستے کیطرف۔ اور یہ اللہ کا راستی کا دین ہے
جس میں کسی قسم کی کجی اور ٹیڑھ نہیں۔

اس آیت کریمہ میں قرآن کے روشنی (نور) اور حقائق کو کھولنے والی کتاب (کتاب مبین)

حوالہ سابق ص ۹۳

Marfat.com

ہونے کے تین فائدے بیان کئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کی خوشنودی کے طلب گاروں کو سلامتی کے راستوں، کی ہدایت کرتا ہے[1]۔ اپنے حکم و مرضی سے انہیں تاریکیوں سے نکال کر "روشنی" میں لاتا ہے[2]۔ اور (زندگی میں) انہیں سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے[3]۔ ہمارے زمانے کے ایک وسیع النظر مفسر قرآن نے اس کے پہلے فائدے 'سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی، کی یہ وسیع اور جامع تشریح کی ہے جس نے آخرت کے علاوہ پوری انسانی زندگی اور اس کے اندر آدمی کی ہمہ جہت مصروفیات کا احاطہ کرلیا ہے :

وقد ذکر اللہ لھذا النور	اللہ تعالیٰ نے اس نور کے تین فائدے بیان
ثلاث فوائد (الاولیٰ) انہ	کئے ہیں۔ اول یہ کہ اللہ اس کے ذریعہ جو اسکی
یھدی بہ اللہ من اتبع	خوشنودی کے طلب گار ہوتے ہیں، انہیں
رضوانہ سبل السلام ای	سلامتی کے راستوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے
من اتبع منھم ما یرضیہ	یعنی جو کوئی اس نور پر ایمان لاکر اس چیز کی
تعالیٰ بالایمان بھذا النور	پیروی اختیار کرتا ہے جو اللہ کو خوش کرنیوالی
یھدیہ ـــــ ھدایۃ	ہے تو وہ اسکی رہنمائی کرتا ہے۔ رہنمائی جس کے
دلالۃ تصحبھا العنایۃ	ساتھ اسکی خاص توجہ اور مدد شامل ہوتی ہے
والاعانۃ ـــــ الطرق التی	ـــ ان راستوں کی طرف جن کے ذریعہ وہ
یسلم بھا فی الدنیا والاٰخرۃ	دنیا و آخرت میں ہر اس چیز سے بچ جاتا ہے جو
من کل ما یردیہ ویشقیہ	اسے نامرادی اور محرومی سے ہمکنار کرنیوالی ہو
فیقوم فی الدنیا بحقوق	چنانچہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے حقوق اپنے
اللہ تعالیٰ وحقوق نفسہ	نفس کے روحانی و جسمانی حقوق اور انسانوں
الروحیۃ والجسدیۃ و	کے حقوق ادا کرنیوالا بن جاتا ہے۔ وہ دنیا
حقوق الناس فیکون	کی حلال و پاک چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے
متمتعا بالطیبات مجتنبا	اور حرام و ناپاک سے دامن کش رہتا ہے،
للخبائث، تقیا مخلصا، صالحا	اللہ سے ڈرنے والا، اس کے لئے یکسو، نیکی

Marfat.com

مصلحا ویکون فی الآخرۃ سعیدا منعما، جامعا بین النعیم الحسی الجسدی و النعیم الروحی العقلی وخلاصۃ هذہ الفائدۃ انہ یتبع دینا یجد فیہ جمیع الطرائق الموصلۃ الی ما تسلم بہ النفس من شقاء الدنیا والآخرۃ، لانہ دین السلام والاخلاص للہ ولعبادہ، دین المساواۃ والعدل والاحسان والفضل [1]

کے راستے پر عمل پیرا اور دوسروں کو اس پر لگانے والا اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ آخرت کے اندر بھی خوش بخت اور اللہ کی نعمتوں سے شادکام ہوتا ہے حسی اور جسمانی اور عقلی اور روحانی دونوں طرح کی نعمتیں اسے بیک وقت حاصل ہوتی ہیں۔ اس فائدہ کا خلاصہ یہ کہ اسطرح سے وہ ایسے دین کی پیروی کرتا ہے جس میں اسے وہ تمام راستے مل جاتے ہیں جن پر وہ چل کر دنیا و آخرت کی ہر طرح کی بدبختیوں سے بچ جاتا ہے اسلئے کہ یہ سلامتی کا دین ہے۔ اللہ کیلئے یکسوئی اور اسکے بندوں کیلئے بے لوثی کا دین۔ عدل و انصاف اور مساوات کا دین جسمیں خوبکاری اور حسن سلوک اور فضل و احسان کا دور دورہ ہوتا ہے۔

یہی بات ہے جو قرآن نے دوسرے مقام پر نسبتاً اختصار کے ساتھ اپنے مقصد نزول کو بیان کرتے ہوئے کہی ہے :

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ (بقرہ : ۱۸۵)

دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہدایت کا سامان ہدایت و رہنمائی کی کھلی ہوئی باتیں اور فیصلہ کن چیز۔

'لوگوں کے لئے رہنمائی اور رہنمائی کی کھلی باتیں'، قرآن کا یہ وصف اور خصوصیت بھی، جسے عام طور پر محدود اور تنگ معنوں میں لیا جاتا ہے، اپنے اندر یہی عموم اور وسعت رکھتا ہے،

---

[1] تفسیر المنار : ۶/۳۰۵

Marfat.com

جس کے مضمرات میں دین کی عام اور معروف باتیں ہی نہیں، بلکہ حدود و فرائض اور حلال و حرام کا پورا نظام شامل ہے:

واما قوله هدى للناس فانه يعني رشاد الناس الى سبيل الحق وقصد المنهج واما قوله بينات فانه يعني واضحات من الهدىٰ يعني من البيان الدال على حدود الله و فرائضه وحلاله وحرامه[1]	اللہ تعالیٰ کا قول "ہدی للناس" انسانوں کے لئے ہدایت کا سامان، تو اس کا مطلب ہیکہ یہ (قرآن) لوگونکو حق کے راستے اور صحیح طرز حیات کیطرف رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ کا قول "بینات" تو اسکا مطلب ہے ہدایت و رہنمائی کی کھلی باتیں یعنی وہ بیان و وضاحت جو اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدود کو، اس کے فرائض کو اور اس کے حلال و حرام کو صاف صاف بتادے

جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن ان کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی اپنے سلسلے میں عمومی اور بظاہر سادہ انداز میں اس طرح کی جو صفات و خصوصیات بیان کرتا ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (اسراء: ۹)	یہ قرآن (جملہ معاملات زندگی میں) رہنمائی کرتا ہے اس راستے کی طرف جو سیدھا اور درست ہے۔
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (یٰسٓ: ۶۹)	یہ تو صرف یاد دہانی اور کھولنے والا قرآن ہے (جو زندگی کے تمام معاملات میں انسان کیلئے حق و راستی کو کھول کر پیش کر دیتا ہے)
كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم: ۱)	یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ تم دنیا کے تمام انسانوں کو ہر طرح کی تاریکیوں سے نکال کر (صحیح نظام زندگی کے) اجالے میں لادو۔

---

[1] جامع البیان: ۲/۸۲

وغیرہ بے شمار آیات ، ان کا دائرہ بھی اسی طرح وسیع ہے ۔ اور عام اور معروف مذہبی زندگی میں محصور نہ ہو کر اس کے یہ اوصاف و خصائص پورے نظام زندگی میں انقلاب اور تبدیلی کے نقیب ہیں اور دوسرے تمام طریقہائے زندگی سے یکسو ہو کر پوری انسانی زندگی میں خدائی قانون و شریعت کی بے لاگ پیروی کی دعوت دیتے ہیں ۔

مکمل ضابطۂ حیات

اس کے ساتھ ہی قرآن اپنا ایک وصف یہ بیان کرتا ہے کہ وہ زندگی کا مکمل ضابطہ و دستور عطا کرتا ہے ۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے اندر انسانی زندگی کی تنظیم اور اس سے متعلق جملہ امور و مسائل کے سلسلے میں مکمل اور تفصیلی ہدایات موجود ہیں ۔ مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی دنیائے انسانیت کے سامنے واشگاف انداز میں اس اظہار و اعلان کا حکم ہوا :

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (انعام : ۱۱۴)	کیا میں خدا کو چھوڑ کر کسی اور کے فیصلے کی تلاش میں ہوں جبکہ اس نے تم تک وہ کتاب اتاری ہے جس میں (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) تفصیل ہے ۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے صاحب "المنار" نے بجا طور پر کہا ہے :

انزل الیکم الکتاب مفصلا فیہ کل مایصح بہ الحکم ـــ فانزالہ مشتملا علی الحکم التفصیلی للعقائد والشرائع وغیرھا علیٰ لسان رجل منکم امی مثلکم ھو اکبر دلیل	"انزل الیکم الکتاب مفصلا ، تم تک مفصل کتاب اتاری ، یعنی اسکے اندر ہر وہ چیز موجود ہے جسکے ذریعہ فیصلہ کرنا درست ہو پس اسکا اتارا جانا اس طور پر کہ یہ عقائد اور قوانین وغیرہ جملہ امور سے متعلق تفصیلی فیصلے پر مشتمل ہے ۔ تمہارے ہی درمیان کے ایک آدمی پر جو تمہارے ہی جیسا ان پڑھ ہے سب سے

Marfat.com

واوضح آیة علی انہ من عند اللہ تعالیٰ لا من عند غیرہ [1]

بڑی دلیل اور واضح ترین نشانی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی اور کی طرف سے نہیں۔

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے اپنا یہی وصف بیان کیا ہے:

وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔ (اعراف: ۵۲)

اور یقیناً ہم ان تک ایسی کتاب لے کر آئے ہیں، جس کی ہم نے پوری پوری تفصیل کی ہے، علم کی بنیاد پر، جو ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔

جس کی تشریح میں بھی اسے معاد و معاش کے جملہ مسائل پر حاوی قرار دیا گیا ہے:

ای ولقد جئناھؤلاء الناس بکتاب عظیم الشان، کامل التبیان، وھو القرآن، فصلنا آیاتہ تفصیلا علی علم منا بما یحتاج الیہ المکلفون من العلم والعمل لتزکیۃ انفسھم، وتکمیل فطرھم، وسعادتھم فی معاشھم ومعادھم [2]

یعنی کہ ہم یقیناً ان لوگوں کے لئے ایک عظیم الشان کتاب لے کر آئے ہیں جو بیان و وضاحت میں کامل ہے۔ یہ قرآن ہے جسکی آیتوں کی ہم نے تفصیل کی ہے۔ اس لئے کہ ہم جانتے تھے کہ مکلف قرار دیئے گئے بندوں کو اپنے نفس کے تزکیہ اور اپنی فطرت کی تکمیل کے لئے علم و عمل کے کس سامان کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ وہ معاش و معاد ہر ایک کی ہمہ جہتی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکیں۔

پھر اس تفصیل کی وضاحت کرتے ہوئے کہ اس سے مراد مسائل کی جزئیات و فروعات نہیں ہیں، بلکہ مسائل کی کلی تبیین و توضیح ہے اور اس کے دائرے میں قرآن نے کسی ابہام

---

[1] تفسیر المنار: ۸/۱۰

[2] حوالہ سابق ص ۴۴۱

واشکال کے بغیر زندگی کے حقائق کو پوری طرح کھول کر بیان کر دیا ہے، فرماتے ہیں :

ففی القرآن تفصیل کل	پس قرآن کے اندر ہر چیز کی تفصیل ہے
شیئ نحتاج الیہ فی امر	جس کی کہ ہمیں اپنے دین کے سلسلے میں
دیننا اسہب حیث ینبغی	ضرورت ہے بس یہ ہے کہ جہاں اس نے
الاسہاب، واوجز حیث	ضرورت سمجھی ہے بات خوب پھیل کر کہی
ینبغی الایجاز[1]	ہے اور جہاں اس کا تقاضا تھا ایجاز و
	اختصار سے کام لیا ہے۔

جزئیات و فروعات کی تفصیل کا اہتمام یہ کتاب بالواسطہ کرتی ہے جس کی وضاحت علامہ زمخشریؒ نے ان لفظوں میں کی ہے :

فان قلت کیف کان القرآن	اگر تم کہو کہ قرآن کس طرح "تبیانا لکل شیئ"
تبیانا لکل شیئ، قلت	ہر چیز کی وضاحت ہے (اشارہ ہے آیت کریمہ
المعنی انہ بین کل شیئ	وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ
من امور الدین حیث	شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً، نحل : ۸۹
کان نصا علی بعضہا واحالۃ	جس پر گفتگو آگے آرہی ہے) ..... تو میں کہوں گا
علی السنۃ حیث امر فیہ	کہ اس نے دین سے تعلق رکھنے والے معاملات
باتباع رسول اللہ صلی اللہ	میں ہر چیز کی وضاحت کر دی ہے بعض چیزوں
علیہ وسلم وطاعتہ و	کے سلسلے میں قرآن کے خاص نصوص ہیں اور
قیل وما ینطق عن الہوی،	کچھ چیزوں کو اس نے سنت کی طرف پلٹایا
وحثا علی الاجماع فی قولہ	ہے، جن کے سلسلے میں اس نے رسول اللہ
ویتبع غیر سبیل المومنین	صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کا حکم
ورضی رسول اللہ صلی	دیا ہے اور کہا گیا کہ "وما ینطق عن الہوی"

---

[1] حوالہ مذکور

Marfat.com

اللہ علیہ وسلم لامتہ
واتباع اصحابہ والاقتداء
بآثارھم فی قولہ صلی اللہ
علیہ وسلم اصحابی کا
لنجوم بایھم اقتدیتم
اھتدیتم وقد اجتھدوا
وقاسوا ووطأوا طرق القیاس
والاجتھاد فکانت السنۃ
والاجماع والقیاس والاجتھاد
مستندۃ الی بیان الکتاب
فمن ثمہ کان تبیانا
لکل شیئ [1]

اور وہ (پیغمبر) خواہش نفس سے نہیں بولتا
اس کے ساتھ ہی اجماع امت کی پیروی پر
ابھارا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ویتبع غیر
سبیل المومنین [2]"، اور جو کوئی مسلمانوں
کے راستہ کے علاوہ کی پیروی کریگا"، الخ مزید
برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے
لوگوں سے صحابۂ کرام کی پیروی اور ان کے
نقش قدم پر چلنے کو پسندیدگی کی نگاہ سے
دیکھا۔ ارشاد ہوا کہ میرے صحابہ ستاروں کے
مانند ہیں تم ان میں سے جن کی بھی پیروی کروگے
راہ یاب ہوگے چنانچہ ان حضرات نے قیاس و
اجتہاد سے کام لیا اور قیاس و اجتہاد کی راہیں
ہموار کیں پس سنت، اجماع اور قیاس و

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل : ۱/۶۴۷ - ۶۴۸، کلکتہ ۱۲۷۲ھ

[2] یہ پوری آیت کریمہ اور اس کا ترجمہ ہے :

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ
سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ
نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ
سَآءَتْ مَصِيْرًا

(نساء : ۱۱۵)

اور جو کوئی رسول سے دشمنی کرے، اس کے
بعد کہ اس کے سامنے ہدایت روشن ہو کر آگئی
اور مسلمانوں کے راستے سے ہٹ کر پگڈنڈی
پکڑے تو جس سمت اس نے جانے کا فیصلہ کیا ہم بھی اسی
سمت اسے جانے دیں گے اور (پھر) اسے جہنم میں داخل
کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

جو امت میں حجیت اجماع کی بنیادوں میں سے ایک ہے۔

Marfat.com

اجتہاد سب کا سرا "کتاب کی وضاحت" سے جڑا ہوا ہے۔ اس طرح یہ کتاب (قرآن) ہر چیز کی وضاحت 'تبیانا لکل شیئ' ہے۔

مفسر خازنؒ نے بھی آیت کی تفسیر میں اس نکتے کی وضاحت کی ہے:

تبیانا لکل شیئ یعنی من امور الدین اما بالنص علیہ او بالاحالۃ علی ما یوجب العلم من بیان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین ما فی القرآن من الاحکام والحدود والحلال والحرام وجمیع المامورات والمنہیات واجماع الامۃ فھو ایضا اصل ومفتاح لعلوم الدین [1]

"تبیانا لکل شیئ"، ہر چیز کی وضاحت یعنی دین کے امور کی۔ یا تو براہ راست نص کے ذریعہ یا اس چیز کی طرف راجع کر کے جس سے علم یقینی حاصل ہو سکے، یعنی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیحات اور آپ کے بیانات۔ اس لئے کہ قرآن میں جو احکام، حدود، حلال و حرام، اسی طرح وہ تمام چیزیں جن کا حکم دیا گیا ہے۔ یا ان سے منع کیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے قول و فعل کے ذریعہ) ان سب کی توضیح و تفصیل کا حق ادا کر دیا ہے۔ نیز اجماع امت جو خود بھی علوم دین کی بڑی اصل اور کنجی ہے۔

سورۂ یونس میں بھی ایک جگہ قرآن کی یہی صفت بیان ہوئی ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یہ قرآن ایسا نہ تھا جو گھڑ لیا جائے، اللہ کے علاوہ، بلکہ یہ مصداق ہے، اپنے سے پہلی بشارتوں کا، اور اسکے اندر (جملہ معاملات زندگی کے متعلق) احکام کی تفصیل ہے اس میں کوئی شک نہیں

---

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل: ۴/۹۰، مطبعہ علمیہ، مصر

Marfat.com

(آیت : ۳۷) ہے۔ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

جس کی تفسیر حافظ ابن کثیرؒ نے ان لفظوں میں کی ہے :

ای وبینا الاحکام والحلال والحرام بیانا کافیا شافیا حقا لا مریۃ فیہ من اللہ رب العالمین، کما "تقدم فی حدیث الحارث الاعور عن علی بن ابی طالب فیہ خبر ما قبلکم ونبأ ما بعدکم وفصل ما بینکم"، ای خبر عما سلف وعما یاتی، و حکم فیما بین الناس بالشرع الذی یحبہ اللہ ویرضاہ[1]

یعنی ہم نے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) احکام اور حلال وحرام کی ایسی توضیح و تفصیل کردی ہے کہ جو بالکل کافی شافی ہے۔ نیز یہ کہ یہ قرآن حق ہے، اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، یہ رب العالمین کی طرف سے ہے جیسا کہ حارث اعور کی روایت میں گذرا جسے وہ حضرت علی سے بیان کرتے ہیں کہ "اس کے اندر تم سے پہلے کے واقعات اور بعد کے حالات کی تفصیل اور تمہارے درمیان ہونیوالے جملہ معاملات کا فیصلہ ہے"۔ یعنی کہ اسکے اندر تفصیل ہے ان واقعات کی جو گذر چکے اور جو آئندہ پیش آنیوالے ہیں اور اس کے اندر دنیا کے تمام انسانوں کے درمیان پیش آنیوالے جملہ امور و معاملات کا فیصلہ ہے، اس شریعت کے مطابق جو اللہ کو پسند ہے اور تنہا جسے ہی اب اس کی رضا حاصل ہے۔

سورۂ نحل میں اس کتاب مبین کے متعلق ارشاد ہوا :

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً (آیت : ۸۹)

ہم نے تمہارے اوپر کتاب اتاری ہے جس کے اندر تمام چیزوں کی وضاحت ہے اور جو ہدایت ورحمت ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۴۱۷

Marfat.com

اس کی تشریح میں بھی اسے دنیوی زندگی اور معاش و معاد کے جملہ مسائل کا احاطہ کرنے والا بتایا گیا ہے :

قال ابن مسعود قد بین لنا فی ھذا القرآن کل علم و کل شیئ، وقال مجاھد: کل حلال وحرام وقول ابن مسعود اعم واشمل فان القرآن اشتمل علی کل علم نافع من خبر ما سبق وعلم ما سیاتی وکل حلال وحرام، و ما الناس الیہ محتاجون فی امر دنیاھم ومعاشھم ومعادھم لہ	ابن مسعودؓ نے کہا کہ اللہ نے ہمارے لئے اس قرآن میں ہر علم اور ہر چیز کی وضاحت کر دی ہے۔ مجاہدؒ کا کہنا ہے کہ تمام حلال و حرام کی۔ اور ابن مسعودؓ کا قول زیادہ جامع اور وسعت کا حامل ہے۔ اس لئے کہ قرآن میں ماضی میں جو واقعات گذرے اور مستقبل میں جو احوال پیش آئیں گے ان سب سے متعلق تمام مفید علم موجود ہے۔ اسی طرح تمام حلال و حرام اور تمام چیزیں جن کی اپنی دنیا اور معاش و معاد کے سلسلے میں لوگوں کو ضرورت ہے، وہ اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔

صاحب جلالین نے بھی یہی بات کہی ہے :

(تبیانا) بیان (لکل شیی) یحتاج الیہ الناس من امر الشریعۃ [۲]	(تبیانا) وضاحت (لکل شیئ) ہر چیز کی یعنی کہ ہر اس چیز کی جس کی کہ لوگوں کو ضرورت ہے دین و شریعت کے معاملہ سے۔

دوسرے موقع پر اسے ہمہ جہتی ہدایات کی تعلیم کا ذریعہ بتایا۔ سراپا رحمت ذات باری تعالیٰ نے انسان کو قرآن کا علم عطا کیا۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ اس نے دین و دنیا ہر ایک سے تعلق رکھنے والے جملہ امور و مسائل کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات

---

[۱] حوالہ مذکور ص ۵۸۲

[۲] تفسیر جلالین / ۳۵۸ - طبع جدید

Marfat.com

فراہم کردیں :

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (رحمٰن : ۱-۴)

رحمٰن، جس نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا اور اس کو واضح شریعت کا علم عطا کیا۔

علامہ ابن جریر طبریؒ نے البیان کی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے :

والصواب من القول فی ذلك ان يقال معنى ذلك ان الله علم الانسان ما به الحاجة اليه من امر دينه ودنياه من الحلال والحرام والمعايش والمنطق وغير ذلك مما به الحاجة اليه لان الله جل ثناؤه لم يخصص بخبره ذلك انه علمه البيان بعضا دون بعض بل عم فقال علمه البيان فهو كما عم جل ثناؤه [1]

اس سلسلے میں صحیح بات ہے کہ کہا جائے کہ اسکے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ تمام چیزیں سکھائی ہیں۔ جن کی کہ اسے ضرورت ہے، دین و دنیا کے سلسلہ میں، حلال و حرام معشیت کے طریقوں اور بولیوں سے متعلق، نیز ان کے علاوہ وہ تمام چیزیں جن کی کہ ضرورت ہوتی ہے اس لئے کہ اللہ جل شانہٗ نے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس نے وضاحت کا علم عطا کیا، کسی قسم کی تخصیص نہیں کی ہے کہ اس نے کچھ چیزوں کا علم عطا کیا اور کچھ کا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عام رکھا ہے۔ فرمایا کہ "اس کو ہر طرح کی وضاحت و تشریح کا علم عطا کیا" پس چاہئیے کہ وہ ایسے ہی عام رہے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے اسے عام رکھا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے مقامات پر قرآن نے اپنا یہ وصف ایک سے زائد بار بیان کیا ہے :

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ (یہ کتاب ہے جس کی آیتیں (پہلے تو) مختصر اور

---

[1] ابن جریر : ۲۷/۶۱

فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ
(ہود : ۱)

گٹھی ہوئی رکھی گئیں پھر ان کی بہمہ وجوہ تفصیل کی گئی اس ذات کی طرف سے جو سرتاپا حکمت اور معلومات کا سرچشمہ ہے۔

كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهٗ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ
(فصلت : ۳)

یہ کتاب ہے جس کی آیتوں کی ہر طرح سے تفصیل کی گئی، عربی قرآن، ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔

ان کی تشریح میں بھی قصص و مواعظ ہی نہیں، بلکہ علی الاطلاق احکام و قوانین کی بات کہی گئی ہے۔ صاحب جلالین نے ان دو آیتوں کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے :

بینت بالاحکام والقصص والمواعظ [1]

اس کی آیتوں کی وضاحت کی گئی (جملہ امور سے متعلق) احکام، قوانین، قصص و واقعات اور پند و مواعظ کی باتوں سے۔

اور قرآن ہی پر کیا موقوف اس نے تو اپنے وقت اور حالات کے لئے، توراۃ کا بھی یہی وصف بیان کیا ہے :

ثُمَّ آتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ۔
(انعام : ۱۵۴)

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ان لوگوں پر اپنے احسان کی تکمیل کرتے ہوئے جو خوب کار تھے اور اسکے اندر (دین و دنیا سے متعلق) ہر چیز کی تفصیل تھی اور ہدایت و رحمت تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا یقین حاصل کریں۔

پیمانۂ حق و باطل

دنیا میں ابتدائے آفرینش سے اسلام اور غیر اسلام کی جو جنگ برپا ہے اسلام اور

---

[1] حوالہ سابق صفحات ۲۸۳، ۶۲۹

Marfat.com

جاہلیت کا جو معرکہ بپا ہے اور ہر ایک کا نمائندہ نظام زندگی دوسرے پر اپنا جو غلبہ و تسلط چاہتا ہے، اس پورے معرکہ کی حقیقت دو لفظوں میں بیان کی جا سکتی ہے کہ یہ حق و باطل کی جنگ ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آنے والا دین، جس کا آخری ایڈیشن وہ کامل ضابطۂ حیات ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیائے انسانیت کو ملا، حق ہے، اس سے ہٹ کر انسانوں کے گھڑے ہوئے انکار خدا یا خدا کی ذات میں انحراف و بے اعتدالی ـــــ جسے قرآن کفر و شرک کی دو جامع اصطلاحوں سے یاد کرتا ہے ـــــ پر مبنی جتنے نظامہائے زندگی آج تک پائے گئے یا آئندہ پائے جا سکتے ہیں۔ یہ سب کا سب باطل ہے۔ اپنی دیگر اوصاف و خصوصیات کے علاوہ اس معرکۂ حق و باطل میں اپنی فیصل کن حیثیت کو قرآن بھی اپنا ایک نمایاں صفت قرار دیتا ہے۔ مفسرین کرام نے آیات ذیل میں قرآن کے وصف ۔ فرقان :۔

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (بقرہ : ۱۸۵)	دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہدایت اور ہدایت و رہنمائی کی کھلی ہوئی باتیں۔ اور فیصلہ کن چیز۔
وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ (آل عمران : ۳-۴)	اس نے توراۃ اتاری اور انجیل اس سے پہلے (اپنے وقت کے) تمام انسانوں کیلئے ہدایت بنا کر۔ اور اب فیصلہ کن چیز (قرآن) اتاری۔

کے یہی معنیٰ بیان کئے ہیں :

والفرقان یعنی والفصل بین الحق والباطل [1]	"فرقان" فیصلہ کن چیز۔ یعنی حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن چیز۔
ومفرقا بین الحق والباطل والحلال والحرام [2]	حق کو باطل سے اور حلال کو حرام سے پھاڑ کر الگ کرنے والی چیز۔

---

[1] جامع البیان : ۸۲/۲

[2] تفسیر ابن کثیر : ۲۱۶/۱

Marfat.com

وھوالفارق بین الھدیٰ والضلال، والحق والباطل والغی والرشاد [1]

یہ (قرآن) الگ کردینے والا ہے، ہدایت اور گمراہی کو، حق اور باطل کو اور راست روی اور کج روی کو۔

سورۂ فرقان کا آغاز ہی اس آیت کریمہ سے ہوا :

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ (آیت : ۱)

انتہائی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر "فرقان" یعنی فیصلہ کن چیز اتاری۔

یہاں بھی اس کے یہی معنی بیان کئے گئے ہیں :

ولھذا سماہ ھھنا الفرقان لانہ یفرق بین الحق و الباطل، والھدیٰ و الضلال، والغی والرشاد، والحلال والحرام [2]

اسی وجہ سے اس (قرآن) کو یہاں "فرقان" فیصلہ کن چیز کہا، اس لئے کہ یہ حق و باطل، ہدایت و گمراہی، راست روی اور کج رہی اور حلال و حرام کے درمیان فرق و امتیاز کرتا ہے۔

سورۂ اسراء کی آیات ذیل قرآن کی اس حیثیت کو مزید کھولنے والی ہیں :

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

(آیات : ۸۱، ۸۲)

کہو کہ حق آگیا اور باطل بجھ گیا اور باطل تو بجھنے والا ہی تھا۔ اور ہم قرآن کی صورت میں وہ چیز اتارتے ہیں جو بہمہ وجوہ شفا اور رحمت ہے اہل ایمان کے لئے۔ جبکہ ظالم نافرمانوں کے لئے یہ نقصان پر نقصان ہی میں اضافہ کرے گا۔

---

[1] حوالہ مذکور ص ۳۴۴

[2] حوالہ سابق : ۲/۶۲۳

Marfat.com

جو لوگ اس کتاب کا دامن مضبوطی سے تھامتے ہیں اور اس کے ذریعہ خوف خدا کو اپنا وظیفۂ حیات بنا لیتے ہیں، حق تعالیٰ اس کی برکت سے ان کے اندر ایسی قوت تمیز اور قوتِ فیصلہ عطا کر دیتا ہے جس کے ذریعہ وہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر قدم پر صحیح کو غلط اور حق کو باطل سے ممتاز کر لیتے ہیں اور اپنے جملہ معاملات و مسائل میں ان کے لئے خدا تعالیٰ کی دکھائی ہوئی راہ بالکل واضح اور روشن ہو جاتی ہے جب کہ اس کی برکت سے وہ آخرت کی لازوال کامرانیوں سے بھی ہمکنار ہوں گے :

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا	اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو تو
اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ	وہ تم کو ایک فیصلہ کن چیز سے بہرہ ور کرے گا
عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ	اور تم سے تمہاری کوتاہیوں کو دور
وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝	کرے گا اور تم کو بخشے گا، اور اللہ بڑے
(انفال : ۲۹)	فضل والا ہے۔

مفسر مجاہدؒ نے آیت کریمہ میں لفظ "فرقان" کو دنیا و آخرت دونوں کے لئے حاوی قرار دیا ہے :

فرقانا قال مخرجا فی الدنیا	"فرقانا" فرمایا کہ دنیا و آخرت میں نجات
والآخرۃ [1]	اور خلاصی کا سامان۔

دوسرے مفسر محمد بن اسحاقؒ نے اسے مزید وسعت دی ہے :

فرقانا ای فصلا بین الحق	"فرقانا" یعنی فیصلہ کن چیز حق و باطل
والباطل [2]	کے درمیان۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ نے یہ دل لگتی بات کہی ہے :

فان من اتقی اللہ بفعل	جو کوئی اللہ سے ڈرے گا اس طور پر کہ اسکے

---

[1] جامع البیان : ۹/۱۳۸

[2] حوالہ سابق ص ۱۳۹

Marfat.com

اوامرہ وترک زواجرہ وفق لمعرفۃ الحق من الباطل فکان ذلک سبب نصرہ ونجاتہ ومخرجہ من امور الدنیا وسعادتہ یوم القیامۃ وتکفیر ذنوبہ ..... وسبالنیل ثوب اللہ الجزیل کقولہ تعالیٰ (یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ)[1]

ادامر پر عمل پیرا ہوگا اور اس کی منہیات سے اجتناب کرے گا۔ اسے حق کو باطل سے ممتاز کرنیکی پرکھ عطا ہوگی۔ پس یہ چیز اسکے لئے دنیا کے معاملات سے کامیاب عہدہ برآ ہونے۔ اس کے بچ نکلنے اور اسکی نصرت و کامرانی کا ذریعہ ہوگی۔ جبکہ ساتھ ہی وہ قیامت کے دن خوش بختیوں سے ہمکنار ہوگا اور اسکے گناہوں کو زائل کیا جائیگا۔ نیز یہ چیز اس کے لئے اللہ کے بے پایاں اجر و ثواب کو حاصل کرنیکا ذریعہ بنے گی۔ جیسا کہ فرمایا ہے: اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ گے تو وہ تم کو اپنی رحمت کے دو حصے عطا کرے گا اور تمہارے لئے روشنی کا سامان کرے گا (جس سے تمہارے دنیا و آخرت دونوں کے معاملات روشن ہوجائیں) جسمیں تم چلو گے اور تمہاری بخشش کریگا اور اللہ بڑا بخشنے اور رحم کرنے والا ہے۔

(حدید: ۲۸)

آخرت کے علاوہ معاملات دنیا میں اہل ایمان کو حاصل ہونے والی یہی روشنی ہے جس کا تذکرہ سورۂ انعام میں کیا گیا ہے۔ جب کہ کفر و شرک کے اندھیروں میں پڑے ہوئے لوگ اس سے سرتاسر محروم ہوتے ہیں۔ وسیع تر معاملات زندگی میں اس آخری کتاب کی رہنمائی

---

[1] ابن کثیر: ۲/۳۰۲

Marfat.com

قبول کرنے کے ساتھ اس سلسلے کی بعض اہم ہدایات، ساتھ ہی بعض اصولی تاکیدات کے بعد ارشاد ہوا :

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ	کیا وہ جو مردہ تھا پس ہم نے اسے زندگی عطا
وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ	کی اور اس کے لئے روشنی ٹھہرائی جسے لیکر وہ
فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ	(دنیا میں) لوگوں کے درمیان چلتا ہے اسکے
فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ	مانند ہو جائیگا جو تاریکیوں پر تاریکیوں میں
مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ	پڑا ہو اور اس سے (کبھی) نکلنے والا نہ ہو اسی
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	طرح کافروں کے لئے وہ اعمال کھبھا دیئے
(آیت : ۱۲۲)	گئے ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

اختلافات کا مرجع

کتاب اللہ کا اسی طرح کا ایک وصف قرآن یہ بتاتا ہے کہ وہ انسانی زندگی میں پائی جانے والے اختلافات وتضادات کا ایک ہی مرجع ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی دنیا فکر وعمل کی جس صورت حال سے دوچار ہے اسے ہم ایک لفظ میں بیان کر سکتے ہیں۔ وہ فکر وعمل کے بے شمار دائروں میں اختلافات کا شکار ہے۔ اس طور پر کہ معاملہ کا ہر فریق مدعی ہے کہ حق وصواب کا راستہ اس کے پاس ہے۔ معاملات زندگی میں فیصلے کے لئے اس نے جو اصول متعین کئے ہیں اور ان کی روشنی میں عمل کے لئے اپنے لئے جو راہیں تجویز کی ہیں، اس سے نہ بہتر نہ کوئی فکر ہے اور نہ زندگی کے لئے اس سے اچھی کوئی شاہراہ عمل تجویز کی جا سکتی ہے۔ فکر وعمل کے ان بے شمار مختلف اور متضاد دھاروں میں قرآن اپنے تئیں اس بات کا مدعی ہے کہ حق وصواب کی کسوٹی صرف اس کے پاس ہے۔ فکر ونظر کے دوسرے تمام حلقوں کے دعوے غلط اور بے بنیاد ہیں۔ جہاں یا تو عقل نارسائی کا رفرمائی ہے یا ہدایت ربانی کے چہرے کو انسانی ہاتھوں نے اس طرح دغدار کر رکھا ہے کہ اب اس کی صحیح شناخت مشکل ہے اور یہ پتہ لگانا بالکل ناممکن ہو گیا ہے کہ اس کا کون سا حصہ خدائی مرضیات کا آئینہ دار ہے۔ اور کتنا حصہ وہ ہے جو لوگوں کی خواہشات

Marfat.com

اوران کی دنیوی حرص وآز کا مظہر ہے۔ انسانی زندگی میں اب یہ مقام صرف ہدایت ربانی کے آخری ایڈیشن ـــــ قرآن ـــــ کو حاصل ہے:

تَاللّٰہِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی	قسم اللہ کی ہم نے تم سے پہلے گروہوں کے
اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ	پاس رسول بھیجے تو شیطان نے ان
لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ	کے لئے ان کے اعمال ہی کو کبھاتے رکھا
فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ	سوآج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا	کیلئے دردناک عذاب ہے اور ہم نے تمہارے
عَلَيْكَ الْكِتَابَ اِلَّا	اوپر جو کتاب اتاری ہے تو اسی لئے کہ تم
لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِی	(دنیا کے) لوگوں کے لئے کھول دو (جملہ)
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً	معاملات زندگی سے متعلق تمام) ان چیزوں
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ	کو جن میں ان کا اختلاف ہے اور یہ ہدایت
(نحل: ۶۳: ۶۴)	ورحمت ہے ان کے لئے جو ایمان لائیں۔

کتاب اللہ کی یہ مرجعیت زندگی کے تمام دائروں کے لئے ہے اور کسی تحدید وتخصیص کے بغیر اس کی یہ حیثیت جملہ معاملات زندگی کو محیط ہے۔ مفسر ابن کثیرؒ صراحت کرتے ہیں:

ثم قال تعالیٰ لرسولہ	پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا
انہ انما انزل علیک	کہ یہ کتاب ہم نے تم پر اس لئے اتاری ہے
الکتاب لتبین للناس	تاکہ تم (دنیا کے تمام) انسانوں کے
الذی یختلفون فیہ	سامنے کھول دو (جملہ معاملات زندگی سے
فالقرآن فاصل بین	متعلق) تمام باتوں کو جن میں وہ اختلاف
الناس فی کل ما	کرتے ہیں۔ پس قرآن کی حیثیت قول فیصل
یتنازعون فیہ [1]	کی ہے لوگوں کے درمیان جملہ امور ومسائل
	کے سلسلے میں جن کی بابت ان کے درمیان
	باہم نزاع اور کشمکش ہو۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۵۷۴

یہی بات قرآن نے دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کہی ہے، جہاں اس کتاب کے بجائے براہ راست اس کے بھیجنے والے کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ○ (شوریٰ: ۱۰)	اور جس چیز کے سلسلے میں بھی تمہارا اختلاف ہو، تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (راجع) ہے۔ وہی میرا صاحب ہے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس آیت کریمہ کو بھی علامہ موصوف نے اسی عموم کا حامل قرار دیا ہے:

(وما اختلفتم فیہ فحکمہ الی اللہ) ای مھما اختلفتم فیہ من الامور، وھذا عام فی جمیع الاشیاء (فحکمہ الی اللہ) ای ھو الحاکم فیہ بکتابہ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم کقولہ جل وعلا (فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (ذٰلکم اللہ ربی) ای الحاکم فی کل شیئ، (علیہ توکلت والیہ (انیب) ای (ارجع فی جمیع الامور[1]	اور جس چیز کے سلسلے میں بھی تمہارا اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (راجع) ہے یعنی (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) جن امور ومسائل کے سلسلے میں بھی تمہارا اختلاف ہو۔ یہ بات عام ہے تمام چیزوں کے سلسلے میں (فحکمہ الی اللہ) سو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (راجع) ہے یعنی وہی اس کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے والا ہے۔ اپنی کتاب کے ذریعہ اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعہ، جیسا کہ دوسرے موقع پر، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "سو اگر تمہارا جھگڑا ہو کسی چیز کے سلسلے میں تو اسے پلٹاؤ اللہ اور اس کے رسول کی طرف" (نساء: ۵۹) (ذٰلکم اللہ ربی) وہی میرا صاحب ہے، یعنی وہی حاکم ہے ہر چیز

---

[1] حوالہ سابق: ۴/۱۰۸

کے سلسلے میں۔ (اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف پلٹتا ہوں یعنی جملہ معاملات زندگی کے سلسلے میں (اسی کی طرف) رجوع کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ آیت زیر بحث میں زندگی کے معاملات و مسائل میں خدا تعالیٰ کے مرجع و حکم ہونے کی جو بات کہی گئی ہے، اس کا دائرہ زندگی کی وسیع جہتوں کو محیط ہے۔ اس لئے کہ اس کی نظیر میں علامہ موصوف نے جو آیت کریمہ پیش کی ہے۔ اس کا تعلق زندگی کی تنظیم کے آخری سرے یعنی حکومت و سیاست سے ہے جس میں خدا و رسولؐ کے ساتھ مسلمانوں کو خدا اور رسولؐ کی وفاداری و اطاعت کی شرط کے ساتھ اپنے اصحاب امر، کی مخلصانہ اور بے لوث اطاعت کا حکم دیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ	اے ایمان والو (اپنے تمام معاملات زندگی میں) اللہ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ	اور رسول اور اپنے میں سے 'اصحاب امر' کا کہا مانو۔ پھر اگر
مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ	تمہارا جھگڑا ہو کسی چیز میں تو اسے پلٹاؤ
فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ	اللہ اور رسول کی طرف۔ اگر تم ایمان
كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝	یہی زیادہ بہتر ہے اور انجام کار کے لحاظ
(نساء: ۵۹)	سے زیادہ اچھا ہے۔

اختلافات میں خدا تعالیٰ کو مرجع بنانے کا مطلب ہے کہ اس کی نازل کردہ آخری کتاب کی طرف رجوع کیا جائے جو قیامت تک کے لئے روئے زمین پر اس کی ایک ہی نمائندہ ہے اس کی قولی و عملی تبیین و توضیح حق تعالیٰ نے اپنے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کی ہے۔ اپنی زندگی بھر کتاب اللہ کے بعد ان اختلافات کا مرجع بہ نفس نفیس آپؐ کی ذات گرامی رہی۔ آپ کے بعد یہ کام اس کتاب کی آپؐ کی قولی و عملی تشریحات سے لیا جائے گا جسے سنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے:

(فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ) ای الی کتابہ (والرسول) مدۃ حیاتہ و بعدہ الی سنتہ[1]

پھر اگر تمہارا جھگڑا ہو کسی چیز میں تو اسے پلٹاؤ اللہ کی طرف، یعنی اسکی کتاب کی طرف (اور رسول کی طرف) یعنی اس کی زندگی میں اور اس کے بعد اس کی سنت کیطرف۔

قرآن کی اس مرجعیت کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے جب ہم انسانی زندگی میں اختلاف وتضاد کی ابتداء اور اس کے تاریخی تسلسل کے قرآنی موقف پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں انسانی جماعت فکر وعمل کی ایک ہی شاہراہ پر قائم تھی۔ بعد میں ایسا ہوا کہ مختلف اسباب وعوامل کے تحت لوگوں کے اندر فکر ونظر کے اختلافات رونما ہوئے اور زندگی کے اندر عمل کی راہیں ہر ایک نے الگ الگ قرار دے لیں۔ فکر وعمل کے ان اختلافات کو مٹا کر انہیں جادہ حق پر استوار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر زمانہ میں اپنے انبیاء بھیجے اور انہیں وہ کتابیں دیں جن کے ذریعہ اس خدائی مشن کی تکمیل ہوتی رہی۔ انبیائی تاریخ کے تسلسل میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بنیادی مخاطبین اہل کتاب یہود ونصاریٰ ان اختلافات اور تضادات کا آخری مظہر تھے جنہیں اس گرداب سے نکالنے اور دنیا میں فکر وعمل کی صحیح شاہراہ پر لگانے کے ساتھ آخرت کی ابدی زندگی میں فوز وفلاح سے ہمکنار کرنے کے لئے قرآن کی صورت میں وہ نسخۂ شفا عطا کیا گیا جس سے ان کے ساتھ ہی، قیامت تک کے لئے، پوری دنیائے انسانیت کی تقدیر وابستہ ہوگئی۔ اب رہتی دنیا تک کے لئے انسانی زندگی میں فکر وعمل کے جو اختلافات وتضادات بھی پائے جائیں ان سب کا آخری مرجع ومعول یہی کتاب ہے، جسے چھوڑ کر انسان کبھی راہ حق وصواب سے ہمکنار نہیں ہو سکتا:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ

(ابتداء میں دنیا کے تمام) لوگ ایک گروہ (اور ایک ہی طریقہ پر) تھے (بعد میں اختلاف کا شکار ہوئے) پھر اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوش

---

[1] تفسیر الجلالین / ۱۱۱ طبع جدید

Marfat.com

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

(بقرہ: ۲۱۳)

خبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور ان کے ساتھ کتاب اتاری حق کیساتھ تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے ان تمام معاملات میں جن میں ان کا اختلاف ہے اور یہ جو اختلاف کا شکار ہوئے وہ جنھیں کتاب دی گئی (اہل کتاب یہود و نصاریٰ) تو اسکے بعد کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آئیں آپس کی سرکشی اور دشمنی کی بنا پر۔ تو اب جو لوگ ایمان لائے اللہ نے اس حق کے سلسلے میں جس میں پچھلے لوگ اختلافات کا شکار ہوئے ان کی (راہ صواب کیطرف) رہنمائی کی! اور اللہ جسے چاہتا ہے راہ صواب کیطرف رہنمائی عطا کرتا ہے۔

اب قیامت تک کے لئے قرآن کا دکھایا ہوا یہی راستہ ہے جسے پکڑ کر انسان اپنی زندگی میں فکر و عمل کے اختلافات۔ بچنے کی صورت نکال سکتا ہے:

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ

(انعام: ۱۵۳)

اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا، سو تم اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر نہ لگو جو اس کی اصل شاہراہ سے ہٹا کر تمہیں لے کر دور نکل جائیں۔

مقدمات کا فیصلہ

اس کے ساتھ ہی قرآن نے اپنا یہ وصف و امتیاز بھی واضح کر دیا ہے کہ کسی محدود معنی میں وہ دعوت و تلقین اور وعظ و ارشاد کی کتاب نہیں بلکہ وہ قیامت تک کے لئے انسانوں کے درمیان خدا کی آخری عدالت ہے اور لوگوں کے درمیان ابھرنے والے تمام امور و مسائل اور ان کے

Marfat.com

تمام مقدمات ونزاعات کا فیصلہ اب اسی کے مطابق ہونا ہے۔ ہدایت الٰہی کے اس آخری ایڈیشن کے آجانے کے بعد دوسرے تمام آسمانی صحائف اب منسوخ ہیں۔ ان صحائف کی دیگر خصوصیات کے ساتھ انسانوں کے درمیان "حکم" بننے کی صفت وصلاحیت بھی اب آخری طور پر اس کتاب عزیز کے اندر مرکوز ہوگئی ہے۔ خدائی عدالت اپنی پوری تکمیلی شان کے ساتھ اس کتاب کے اندر جلوہ گر ہے۔ گذشتہ تمام صحف سماویہ کا ست اور نچوڑ اس کتاب کے اندر آگیا ہے اور اب قیامت تک کے لئے تنہا یہی کتاب ہے جو ان کے اندر ہونے والی انسانی تحریفات اور کھرے اور کھوٹے کے امتیاز کا آخری پیمانہ ہے۔ اپنی اس حیثیت میں کتاب اللہ کے سامنے آجانے کے بعد جس طرح کسی خدا بیزار یا اس کی ذات وصفات میں بے اعتدالیوں کے شکار گروہ انسانیت کے لئے اس سے ہٹ کر زندگی کا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا اور اپنے اندر پیدا ہونے والے معاملات ومسائل کا فیصلہ کسی دوسری سمت سے طلب کرنا محض اس کی ہوا پرستی، اور خواہشات نفس کی اندھی پیروی کا آئینہ دار ہے، اسی طرح، اس کتاب کے آجانے کے بعد، توحید ورسالت کے دعویدار کسی گروہ کا اس سے انحراف کا رویہ اپنانا اور اپنے معاملات ومقدمات کا فیصلہ منسوخ صحائف سے طلب کرنا اسی ایک ہی حقیقت کا غماز ہے کہ یہ لوگ جادۂ حق سے ہٹ کر محض اپنی خواہشات ومیلانات کے اسیر ہوکر رہ گئے ہیں۔ آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے ارشاد ہوا کہ اپنے معاملات زندگی میں ان لوگوں کا جو رویہ بھی ہو، حق وصداقت کے اس آخری ایڈیشن کے آجانے کے بعد تمہیں لوگوں کے مقدمات کا جو فیصلہ کرنا ہے، اسی کے مطابق کرنا ہے۔ حق تعالیٰ کا عطا کردہ یہ آخری دستور حیات ہے جس سے قیامت تک کے لئے، جملہ معاملات زندگی میں سرمو انحراف کی گنجائش نہیں۔ زمانۂ نزول قرآن میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ کا حال یہ تھا کہ جس معاملے میں انہیں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ ملنے کی امید ہوتی، وہاں تو وہ آپؐ سے رجوع کرتے، بقیہ معاملات ومقدمات وہ اپنی اپنی کتابوں کی مرجعیت واستناد کا دعویٰ کرتے۔ ان کی اس دوہری پالیسی کو خواہش نفس کا فریب قرار دیتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید ہوئی :

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا

(مائدہ : ۴۸)

اور ہم نے تمہارے اوپر کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ جو مصداق ہے اپنے سے پہلی کتابوں کا اور ان پر نگراں ہے تو اب تم ان کے درمیان فیصلہ کرو۔ اس (کتاب) کے مطابق جسے اللہ نے اتارا ہے اور تمہارے پاس جو حق آگیا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ تم میں سے ہر ایک کیلئے ہم نے ایک شریعت اور طریقہ زندگی ٹھہرایا (سو اب اس آخری شریعت کے بعد پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہیں)۔

مزید فرمایا :

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ

(ایضًا : ۴۹)

اور یہ کہ تم ان کے درمیان فیصلہ کرو اس (کتاب) کے مطابق جسے اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچکر رہو کہ اللہ نے جو تم پر اتارا ہے اسکے کسی حصہ سے باز رکھ کر یہ تمہیں آزمائش میں نہ ڈال دیں۔ پس اگر اب یہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے بدلے ان کو پکڑ لے اور سچ ہے کہ یہ اکثر و بیشتر لوگ نافرمان ہیں۔

فرمایا کہ قرآن کی اس عدالت کو چھوڑ کر یہودیت و نصرانیت کی پناہ پکڑنے کی کوشش اسلام کے بجائے جاہلیت کی بارگاہ میں حاضری کے مرادف ہے۔ بہترین عدالت اللہ کی ہے جس کی تنہا نمائندگی اب یہ قرآن کرتا ہے :

Marfat.com

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ	کیا پس یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور اللہ سے اچھا فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو یقیں رکھیں۔
(ایضا: ۵۰)	

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے اپنی یہ قانونی حیثیت واضح کر دی ہے کہ اب قیامت تک کے لئے لوگوں کے درمیان فیصلہ کا یہ ایک ہی ذریعہ ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝	ہم نے تمہارے اوپر کتاب اتاری ہے حق کے ساتھ تاکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ اس چیز کے ذریعہ جسے اللہ نے تمہیں دکھایا ہے اور تم خیانت کاروں کے حمایتی نہ بنو اور اللہ سے مغفرت کے طالب بنو۔ بیشک اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔
(نساء: ۱۰۵، ۱۰۶)	

صاحب جلالین نے بما اراك الله سے مراد قرآن ہی لئے ہیں:

(لتحكم بين الناس بما اراك الله) اعلمك الله فيه [1]	(تاکہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو اس چیز کے ذریعہ جسے اللہ نے تمہیں دکھایا ہے یعنی جسے اللہ نے تمہیں اس (قرآن) میں بتایا ہے۔

اور بات قرآن ہی کی نہیں ایک خاص دائرے کے اندر سابق آسمانی صحائف کو بھی وہ اسی وصف کا حامل قرار دیتا ہے۔ توراۃ جس کے لفظی معنی ہی قانون اور شریعت[2] کے ہیں، اس کے سلسلے میں قرآن کہتا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى	ہم نے توراۃ اتاری، جس کے اندر (اپنے

---

[1] تفسیر الجلالین / ۱۲۱ طبع جدید

[2] تفسیر المنار: ۳/۱۵۵ - نیز ۶/۳۹۸

وَنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ

(مائدہ : ۴۴)

وقت میں تمام معاملات زندگی سے متعلق) ہدایت اور روشنی تھی۔ اسکے ذریعہ (عرصہ دراز تک) انبیاء جو مطیع فرمان تھے (تمام طرح کے معاملات کے) فیصلے کرتے رہے۔ انلوگوں کیلئے جو بعد میں یہودی بن گئے، اسی طرح (ان کے بعد اس قوم کے) علماء و ربیان (یہ خدمت انجام دیتے رہے) اسلئے کہ انہیں اللہ کی کتاب کا محافظ اور نگراں بنایا گیا تھا اور وہ (دنیا و آخرت ہر جگہ) اس پر گواہ تھے۔

آگے اس کی حاکمانہ حیثیت کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے جسے اسلام نے اپنے ہاں جوں کا توں قبول کرلیا ہے اس تاکید کے ساتھ کہ جو کوئی اس خدائی فیصلہ سے روگردانی کرے وہ سخت بے انصافی کا مجرم ہے :

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(ایضاً : ۴۵)

اور ہم نے ان کے (یہود کے) اوپر اس میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت۔ اسی طرح زخموں کا (برابر سرابر) بدلہ (قصاص) ہے۔ پس جو کوئی اس کا صدقہ کر دے (یعنی اپنے پر کی گئی زیادتی کے یا اس کے کسی حصے کو معاف کردے اور اس سے دست بردار ہوجائے) تو یہ اس کے لئے (اس کے گناہوں کا) کفارہ ہے اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا

Marfat.com

ہے تو یہی لوگ بے انصاف ہیں۔

اسی طرح انجیل اپنے اندر حکمت و موعظت کا غالب پہلو رکھنے کے باوجود، احکام و قوانین سے خالی نہ تھی اس لئے اس کے ماننے والوں کو اپنے معاملات و مقدمات کو اس کے مطابق فیصل کرنے کی تاکید کی گئی :

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(مائدہ : ۴۷)

اور چاہیئے کہ انجیل والے فیصلہ کریں کہ اس کے مطابق جو اللہ نے اس میں اتارا ہے، اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔

توراۃ کی یہ خصوصیت قرآن نے اس سے پہلے ہی بیان کر دی تھی۔ یہود کا حال تھا کہ وہ توراۃ کے احکام سے بچنے اور اپنے لئے رعایتوں کی امید میں آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت کا رخ کرتے تھے۔ اسی پس منظر میں ارشاد ہوا :

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(مائدہ : ۴۳)

اور کیسے وہ تم کو ثالث بناتے ہیں جب کہ ان کے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا فیصلہ صاف موجود ہے۔ پھر اس کے بعد بھی وہ روگردانی کا راستہ اپناتے ہیں اور یہ ایمان رکھنے والے نہیں۔

توراۃ کا یہ وصف کہ وہ ہدایت و روشنی کا سامان "ہدیٰ و نور" ہے، ابھی گذرا، انجیل کا بھی یہ وصف قرآن نے بیان کیا ہے :

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ

ان (نبیوں) کے پیچھے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے توراۃ کا مصداق تھے اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی (اس وقت کے تمام

Marfat.com

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ (مائدہ:۴۶)

معاملات سے متعلق) اور وہ مصداق تھی اپنے سے پہلے کی توراۃ کی اور وہ ہدایت و نصیحت تھی ڈر رکھنے والوں کے لئے۔

ان دونوں پر ہدایت اور نور کے معنی ان دونوں کتابوں کا جامع احکام ہونا ہے:

(ھدی ونور) ھدی من الضلالۃ وبیان للاحکام[1]

(ہدایت اور روشنی) یعنی ہدایت گمراہی سے اور (اپنے وقت کیلئے جملہ معاملات زندگی سے متعلق) احکام قوانین کی وضاحت۔

صاحب "المنار" نے یہی بات مزید وضاحت سے کہی ہے:

اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (مائدہ:۴۴) ....

"ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور روشنی ہے"

ای انا نحن نزلنا التوراۃ علیٰ موسیٰ مشتملۃ علیٰ ھدی فی العقائد والاحکام خرج بہا بنو اسرائیل من وثنیۃ المصریین و ضلالھم، علیٰ نور ابصروا بہ طریق الاستقلال فی امور دینھم ودنیاھم[2]

یعنی ہم نے موسیٰ پر تورات اتاری جس کے اندر عقائد واحکام ہر ایک کی ہدایت موجود تھی جس کے ذریعہ بنی اسرائیل مصریوں کی بت پرستی اور گمراہی سے نکلنے میں کامیاب ہوئے اسی طرح (اس کے ذریعہ) انہیں وہ روشنی حاصل ہوئی جس سے انہوں نے دین ودنیا ہر ایک کے معاملات میں استقلال وثابت قدمی کی راہ دیکھ لی۔

جہاں تک قرآن کا سوال ہے اس نے اپنی یہ خصوصیت روز اول ہی سے واضح کردی تھی:

---

[1] تفسیر الجلالین / ۱۴۴، ۱۴۵ - طبع جدید

[2] تفسیر المنار: ۶ / ۳۱۷

يَتْلُوْ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝ (بنیۃ : ۲، ۳)

(یہ) رسول پاک نوشتوں کی تلاوت کرتا ہے جس میں انتہائی مضبوط احکام ہیں۔

عدل وانصاف کا قیام

قرآن کا آخری نمایاں ترین وصف یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں بے لاگ طریقے پر عدل وانصاف کے قیام کے لئے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت یہ قرار دی ہے کہ وہ رہتی دنیا تک کے لئے عدل وانصاف کی ترازو ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ۝ (شوریٰ : ۱۵)

اللہ ہی ہے جس نے کتاب اتاری حق کے ساتھ اور اسے (انصاف کی) ترازو قرار دیا اور تمہیں کیا پتہ کہ شاید قیامت قریب ہو۔

آیت کریمہ میں "میزان" کے معنی عدل وانصاف کے ہیں۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے:

يقول تعالىٰ ذكره الله الذى انزل هذا الكتاب يعنى القرآن بالحق والميزان يقول وانزل الميزان و هو العدل ليقضى بين الناس بالانصاف ويحكم فيهم بحكم الله الذى امر به فى كتابه [1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اسی کی ذات ہے کہ جس نے یہ کتاب یعنی قرآن اتارا ہے حق کے ساتھ اور میزان۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہ اور اس نے میزان اتارا"، اور یہ عدل ہے تاکہ وہ لوگوں کے درمیان (معاملات کو) انصاف سے چکائے۔ اور ان کے سلسلے میں اللہ کے اس حکم کے مطابق فیصلہ کرے جسکا کہ اس نے اپنی کتاب میں حکم دیا ہے۔

---

[1] جامع البیان : ۲۵/۱۳

Marfat.com

حافظ ابن کثیرؒ بھی "الکتاب" میں قرآن کے ساتھ بقیہ کتب سماویہ کو شامل کرنے کیساتھ "میزان" کی یہی تشریح کرتے ہیں :

(انزل الکتاب بالحق) یعنی الکتب المنزلة من عنده علی انبیائه (والمیزان) وهو العدل والانصاف [1]

"اس نے کتاب اتاری حق کے ساتھ" یعنی وہ تمام کتابیں جو اس کی طرف سے اسکے نبیوں پر اتاری گئیں۔ "اور میزان" اور یہ عدل و انصاف ہے۔

اس صدی کے عظیم مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہٗ "الکتاب" سے مراد قرآن اور "المیزان" کو اس کا بیان قرار دیتے ہیں اور اس کے معنی میزان عدل بتاتے ہیں[2]۔ یہی بات سورۂ رحمٰن میں بڑے وجد انگیز انداز میں کہی گئی ہے۔ جس کا آغاز "قرآن سکھانے" کے عظیم انعام الٰہی سے اور اس تمہیدی سلسلۂ بیان کا خاتمہ دنیا میں میزان کے قیام اور اس کے عملی نمونے پر سختی سے کاربند ہونے کی تلقین پر ہوتا ہے :

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝

(آیات : ۱-۹)

رحمٰن، جس نے قرآن سکھایا، انسان کو پیدا کیا اور اس کو گویائی عطا کی۔ سورج اور چاند ایک اندازے کے پابند ہیں اور ستارے اور درخت سجدہ ریزی کرتے ہیں آسمان کو اس نے بلند کیا اور ایک میزان رکھا (جس سے وہ حکم الٰہی کا پابند ہے) (اسی طرح اس نے دنیا کے نظام کے لئے میزان رکھا اور حکم دیا کہ لوگو) (اس میزان عدل کے مظہر) ترازو میں سرکشی کی راہ نہ اپناؤ۔ ناپ تول کو انصاف سے ٹھیک ٹھیک رکھو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر : ۴ / ۱۱۰ [2] تدبر قرآن : ۶ / ۱۵۷ طبع دوم

Marfat.com

سورۂ رحمٰن انعامات الٰہی کے بیان کی سورہ ہے، جس کا آغاز سراپا رحمت ذات الٰہی کے اس صفت کے اولین مظہر "قرآن کی تعلیم" سے ہوا ہے۔ جس کی عظمت اور اہمیت کے پیش نظر اس کے بیان کو انسان کی پیدائش پر بھی مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد اس 'رحمت' کے مخاطب اول "انسان" کا ذکر ہوا۔ حق تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ سے استفادہ وفیض یاب ہونے کے لئے فہم وادراک اور عقل وشعور کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ان صلاحیتوں کی ترجمان اور مظہر "قوت گویائی" (بیان) کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد کائنات میں برپا اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جن میں سرفہرست سورج اور چاند ہیں جو ایک متعین رفتار اور مدار پر گردش کرتے ہیں جس سے علاوہ ان کی اور منفعتوں کے دنوں اور تاریخوں کے تعین کی عظیم ترین سماجی اور تمدنی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ چاند اور سورج اپنی اس مفوضہ ذمہ داری کی ادائیگی سے خدا تعالیٰ کی تابعداری اور اس کے حضور اپنی معنوی سرفگندگی کا ثبوت پیش کرتے ہیں، تو آسمان کے ستارے اور زمین کے درخت بھی مختلف انداز سے انسانوں کی نفع بخشی کی خدمت انجام دے کر، ستاروں کی متعین رفتار اور ان کا انسانوں کے لئے دلیل راہ کام دینا، درختوں کا انسانی تمدن کی مختلف النوع ضروریات کا پورا کرنا، اسی طرح ان کے سائے کی متعین سمت، خدا کے حضور اپنی تکوینی سجدہ ریزی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح آسمان کی بلندی اور مضبوطی، ساتھ ہی اس کی دوسری خصوصیات زمین پر انسانی وجود کی بقا کی ضامن ہیں۔ کائنات کے اندر اللہ تعالیٰ کے ان عظیم انعامات اور انسانی وجود کے بقا کے ان مادی اہتمامات کی تفصیل کے بعد، ان سب میں بڑھ کر اس کے عظیم ترین "معنوی اہتمام" کی طرف توجہ دلائی جس کے ذریعہ ہی روئے زمین پر حقیقی معنوں میں انسانی وجود کی بقا شرمندۂ معنی ہوتی ہے یعنی میزان، عدل وانصاف کی ترازو "والسماء رفعها ووضع الميزان"، جس کے بغیر اس کائنات کا اخلاقی اور معنوی طور پر اسی طرح درہم برہم ہو جانا یقینی ہے جس طرح کہ مثال کے طور پر اس صورت میں جب کہ اس کائنات سے تکوینی طور پر خدائی حفاظت اور انتظام اٹھ جائے۔ عدل وانصاف کا یہی بے لاگ پیمانہ ہے جس کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے[1]۔ اور جس کے ہمہ گیر تقاضوں کی پوری تفصیل اس

---

[1] تدبر قرآن: ۷/ ۱۳۰

Marfat.com

نے اپنے صفحات میں بیان کی ہے۔ (جیسا کہ سورہ کے آغاز ہی میں اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے) انسانی زندگی میں اس عدل وانصاف کے قیام کا اولین مظہر لوگوں کا باہمی لین دین اور ناپ تول کے معاملہ میں ٹھیک اور درست راستہ پر قائم رہنا ہے۔ کسی بھی انسانی سماج میں عدل وانصاف کے چلن کے ناپنے کا یہ وہ پیمانہ ہے جو صاف بتا دیتا ہے کہ زندگی کے دوسرے معاملات میں اس کے ہاں ان اعلیٰ قدروں کی کتنی آبیاری ہوگی جو سماج ..... اس خاص دائرے میں عدل وانصاف فراہم کرنے سے قاصر ہوگا۔ زندگی کے دوسرے دائروں میں اس کا یہ قصور بدرجۂ اولیٰ نمایاں ہوگا۔[1] حافظ ابن کثیرؒ نے اس مختصر تفسیر میں یہ بات پوری کہدی ہے:

(والسماء رفعها ووضع المیزان) یعنی العدل کما قال تعالیٰ (لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط) و هٰکذا قال ههنا (الا تطغوا فی المیزان) ای خلق السمٰوٰت والارض بالحق والعدل لتکون الاشیاء کلها بالحق والعدل، ولهذا قال تعالیٰ (واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان) ای لا تبخسوا الوزن بل

"آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان (ترازو) رکھا"، یعنی عدل وانصاف جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کیساتھ کتاب اور میزان "پیمانہ"، اتارا تاکہ لوگ (زندگی میں) عدل وانصاف کو قائم کریں اسی طرح یہاں فرمایا کہ (الا تطغوا فی المیزان) "یہ کہ تم میزان 'پیمانہ' میں سرکشی نہ کرو"، یعنی کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ (اس طرح دنیا کی) تمام چیزیں حق وعدل کی آئینہ دار بن جائیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم ناپ تول کو انصاف سے ٹھیک ٹھیک رکھو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو یعنی کہ ناپ تول میں

---

[1] حوالہ سابق

Marfat.com

زنوا بالحق والقسط — ڈنڈی نہ مارو بلکہ حق وانصاف کیساتھ
کماقال تعالیٰ وزنوا — تولو جیسا کہ اللہ نے دوسرے موقع پر فرمایا:
بالقسطاس المستقیم[1] — اور ٹھیک ٹھیک تول سے تولو۔ (وزنوا بالقسطاس المستقیم) 'اسراء:۳۵'

سورۂ حدید میں قرآن حکیم کے علاوہ بقیہ تمام کتب سماویہ کا بھی نمایاں ترین وصف یہی عدل وانصاف بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کے ساتھ کتاب کے ساتھ 'عدل وانصاف'، (میزان) کو اتارا[2] جس کا ابتدائی عملی نمونہ ناپ وتول کا وہ پیمانہ (میزان) ہے جس کے ذریعہ لوگ آپس میں عدل وانصاف کے ساتھ لین دین کرتے اور اس طرح زندگی کے بقیہ تمام امور ومعاملات میں اس کی ضمانت حاصل کرتے ہیں[3] عدل وانصاف کے اس پیمانے کو اتارنے کا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ قرار دیا کہ لوگ جملہ معاملات زندگی میں بے لاگ طریقے پر حق وانصاف کو قائم کریں۔ زندگی کے تمام دائروں سے ظلم وناانصافی کا خاتمہ ہو جائے اور زمین پر ہر جگہ اور ہر سطح پر عدل وانصاف کا بول بالا ہو جائے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ
لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔
(حدید: ۲۵)

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (پیمانہ) اتارا تاکہ لوگ (دنیا میں) عدل وانصاف قائم کریں۔

قرآن کو انسانی زندگی عدل وانصاف کی یہ آبیاری اس قدر عزیز ہے کہ وہ اس کے لئے محض وعظ وتلقین اور تذکیر ونصیحت پر اکتفا کرنے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ اگر مخالف طاقتیں ظلم و ناانصافی کی روش پر اڑی ہوں اور دنیا کے اندر اسی بے انصافی وحق تلفی کا چلن عام کرنے پر

---

[1] ابن کثیر: ۴/۲۷

[2] ابن کثیر: ۴/۳۱۴، تفسیر الجلالین، ۷۲۳ طبع جدید

[3] ابن جریر: ۲۷/۱۲۲

Marfat.com

انہیں اصرار ہو تو اس صورت میں اسلام مسلح جدوجہد کے ذریعہ ان کا سر کچل دینے کی تلقین کرتا ہے بزورِ شمشیر ان کی شوکت کو پامال کر دیا جائے یہاں تک کہ دنیا سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو جائے اور زمین کا چپہ چپہ عدل و انصاف کا کلمہ گو ہو جائے۔ یہی مقصد ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اور میزان کے ساتھ لوہے کو اتارا جس کے اندر علاوہ بے شمار انسانی اور تمدنی فوائد کے خاص طور پر جنگی قوت کی صلاحیت ہے فرمایا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بعثتِ انبیاء کے اہم ترین مقاصد سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی زندگی میں اس کے لازمی مواقع لاکر سچے اہل ایمان کا امتحان کرتا ہے کہ کون لوگ ہیں جو غیب میں رہ کر اور بن دیکھے اس مقدس جنگ میں اللہ کے رسول کا ساتھ دے کر دنیا و آخرت میں اپنی سرخ روئی کا سامان کرتے ہیں۔ اور دوسرے کون ہیں جو اس میدان میں پیچھے رہ کر دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کو اپنا مقدر بناتے ہیں:

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ	اور ہم نے لوہا اتارا جس کے اندر سخت (جنگی)
بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ	قوت ہے (اور اس کے علاوہ) لوگوں کیلئے
لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ	طرح طرح کے فائدے ہیں (تاکہ دنیا کے اندر
مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ	حق و باطل کا معرکہ بپا ہو) اور اللہ پرکھے کہ
بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ	کون ہیں جو اسکی اور اسکے رسولوں کی غیب
(حدید: ۲۵)	میں رہتے ہوئے مدد کرتے ہیں۔ بے شک
	اللہ قوت والا، غلبہ والا ہے۔

اگر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی ہیں جن کی زندگی انبیائی مشن کی تکمیل کا نقطۂ کمال ہے تو آپؐ کی لائی ہوئی کتاب بھی آسمانی صحائف کا آخری ایڈیشن ہے جس نے انسانی زندگی میں عدل و انصاف کی آبیاری اور ظلم و ناانصافی کے خاتمہ کو اپنے اندر آخری طور پر سمو رکھا ہے۔ اب قیامت تک کے لئے دنیا میں عدل و انصاف کا چلن ہونا ہے تو وہ اسی آخری صحیفۂ محمدی کے ذریعہ ممکن ہے، عدل و انصاف کے مضامین اپنی آخری تکمیلی شان کے ساتھ اس میں جلوہ گر ہیں۔ حق و صداقت کا یہ وہ آخری لازوال خزانہ ہے جس سے منہ موڑ کر انسانی زندگی میں ان اعلیٰ قدروں کی آبیاری کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا:

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

(انعام : ۱۱۵)

اور (اب قرآن کی صورت میں) تیرے رب کی بات سچائی اور عدل میں اوج کمال کو پہنچ گئی ہے۔ اسکی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اس آیت کریمہ کا مصداق آخری طور پر یہی قرآن حکیم ہے اور یہ اسی کتاب کے صفحات عالیہ کا بیان ہے جب کہ اس سے پہلے کا سلسلۂ کلام اسی سے متعلق ہے :

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ

(انعام : ۱۱۴)

کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو حکم اور ثالث بنانا چاہوں جب کہ وہی ہے جس نے تم تک (جملہ معاملات زندگی سے متعلق احکام و ہدایات پر مشتمل) تفصیلی کتاب اتاری ہے اور جنہیں (تم سے پہلے) ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے نازل کردہ حق کے ساتھ ہے۔ سو تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

انسانی زندگی کی تنظیم اور اس کے نظم و استحکام کے سلسلے میں جو وسیع ترین تعلیمات قرآن نے دی ہیں اور انسان کی ہمہ جہتی فلاح پر مشتمل جو جامع نظام زندگی وہ عطا کرتا ہے ان سب کا مرکزی نکتہ اسی عدل و انصاف کی آبیاری اور اس کا قیام و استحکام ہے۔ یہی بنیادی محور ہے، جس کے گرد اس کی اجتماعی تعلیمات کا پورا نظام گردش کرتا ہے۔

Marfat.com

شعائرِ اسلام کی گواہی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے چار چیزوں کو شعائرِ اسلام کی اہم ترین دفعات سے شمار کیا ہے۔ گویا کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے خاص طور پر اسلام کا تشخص قائم ہوتا اور اس کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ان کے بغیر مذہب اسلام کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا ہے یعنی قرآن، کعبہ، نبیؐ اور نماز۔[1] اس سلسلے میں جہاں تک نبیؐ اور قرآن کا سوال ہے تو آپ نے دیکھا کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے ان کے اثر و نفوذ کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور کس طرح یہ دونوں کسی خاص حد میں محصور نہ ہو کر پوری انسانی زندگی پر اپنا عمل دخل چاہتے ہیں۔ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح، آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کس طرح کسی خاص دائرے تک محدود نہ ہو کر فکر و نظر کے تمام گوشوں کو متاثر کرتی اور پوری انسانی زندگی کو اپنی لائی ہوئی ہدایات کا تابع بناتی ہے جس کا نقطۂ کمال یہ ہے کہ پورے روئے زمین پر اسلام کا کلمہ بلند ہو جائے، اقصائے عالم پر اسلام کا پھریرا لہرانے لگے، اس طور پر کہ کفر و شرک، باطل ادیان و مذاہب اور خدا بیزاری اور انکار خدا پر مبنی جملہ نظامہائے زندگی کے لئے کہیں سر چھپانے کی جگہ باقی نہ رہے۔ یہی حال قرآن کا ہے کہ وہ فکر و نظر کے کسی خاص گوشے تک محدود نہ ہو کر پوری انسانی زندگی کو اپنا مطمح نظر قرار دیتا، اس کے جملہ مسائل کو اپنا موضوعِ بحث بناتا اور اس کے تمام گوشوں سے متعلق واضح تعلیمات و ہدایات دے کر انسان کو اپنے جملہ امور و مسائل میں مرضیاتِ الٰہی کا پابند بناتا اور پوری دنیا میں ان کے نفاذ اور قیام کا علم بلند کرتا ہے۔

خانۂ کعبہ کی ہمہ جہتی برکات

ان اہم ترین شعائرِ اسلام میں سے بقیہ دو کا معاملہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۷۰

خانۂ کعبہ کو عام طور پر محدود معنوں میں اہل اسلام کا مذہبی اور روحانی مرکز تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن قرآن اس کے سلسلے میں حسبِ ذیل صراحت کرتا ہے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ۔ (مائدہ: ۹۷)

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے محترم گھر کو (دنیا کے) تمام انسانوں کے لئے (ہمہ جہتی) بقار کا ذریعہ بنایا۔

جو اخروی زندگی کی برکتوں کے ساتھ، دنیوی زندگی کی برکتوں کو بھی اسی طرح شامل ہے۔ علامہ راغب اصفہانیؒ نے اس کی یہی تشریح کی ہے:

(قِيَامًا لِّلنَّاسِ) ای قوامالهم يقوم به معاشهم و معادهم۔[1]

(قیاماً للناس) یعنی لوگوں کے لئے (ہمہ جہتی) بقار کا ذریعہ جس کے ذریعہ کہ ان کی معاش و معاد (دنیا و آخرت) دونوں کی بہتری کا سامان ہو سکے۔

قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر کعبۃ اللہ کی دنیوی خیر و برکت کے پہلو کو بار بار ابھارا ہے۔ اسلام سے قبل عربوں میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا عام چلن تھا اور ہر طرف بدامنی اور بے اطمینانی کی فضار تھی۔ چلتے ہوئے قافلے دن دہاڑے لوٹ لئے جاتے تھے اور کسی شخص کے جان و مال کی تحفظ کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ صرف مکہ کے باشندوں کا خانۂ کعبہ کا متولی اور اس کا پروہت ہونے کے سبب، اس صورتِ حال سے استثنار تھا۔ جو اپنی اس حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جہاں چاہتے بے کھٹکے سفر کرتے اور اندرونِ ملک پورے امن اور چین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ قرآن نے باشندگانِ مکہ کو اپنے اس احسان کی یاد ان لفظوں میں دلائی:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ۔ (عنکبوت: ۶۷)

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے (ان کے لئے) امن کا گہوارہ ایک حرم بنایا ہے جب کہ حال یہ ہے کہ (دوسرے) لوگ ان کے آس پاس سے اچک لئے جاتے ہیں۔ کیا پس وہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

---

[1] المفردات فی غریب القرآن / ۴۲۸۔

خانۂ کعبہ کی اس مامونیت نے مکہ کی سرزمین کو ایک بڑی تجارتی منڈی میں تبدیل کر دیا تھا۔ جسکی وجہ سے علاوہ دوسری اشیاء ضرورت کے، اس وادیٔ غیر ذی زرع میں خاص طور پر اشیاء خورد و نوش اور پھلوں کی بہتات رہتی تھی۔ مکہ کے بعض کمزور قبائل کے لوگوں نے قرآن کی دعوت قبول کرنے میں اپنی اس رکاوٹ کا اظہار کیا کہ اگر ہم نے ایسا کیا تو عرب کے طاقت ور قبائل ہمیں نگل جائیں گے، اور اس سرزمین میں ہمارا آزادانہ چلنا پھرنا محال ہو جائے گا۔ قرآن نے کہا کہ یہ کیا عذرِ لنگ ہے جب کہ اس حرم پاک کی بدولت اس پورے شہر کی عظمت و تقدس کا اول روز سے عرب کا بچہ بچہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس کی بنیاد پڑنے سے لے کر آج تک ایک دن کے لئے بھی اس کی حیثیت میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ پھر یہ کیا بات ہے کہ حالتِ کفر میں تو تم امن و چین کے اس شہر میں پورے سکون و اطمینان سے رہو، لیکن اسلام لانے کے بعد تمہاری جان و مال کے تحفظ کی ضمانت نہ رہے[1]۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (قصص: ۵۷)

اور وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے تمہارے ساتھ (اس آخری) ہدایت کی پیروی کی تو ہمیں ہماری سرزمین سے اچک لیا جائے گا۔ کیا ہم نے امن کے گہوارے ایک حرم کو ان کے اختیار میں نہیں دیا جس تک ہر چیز کے پھل سمیٹ کر لائے جاتے ہیں۔ یہ ہمارے پاس سے (ان کیلئے) روزی کا سامان ہے پھر بھی ان کے اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

کعبۃ اللہ کی مرجعیت اور اس کے ذریعہ امن و چین ہونے کے احسانِ عظیم کا ذکر قرآن نے دوسرے مقام پر بھی کیا ہے:

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا۔ (بقرہ: ۱۲۵)

اور یاد کرو جب کہ ہم نے بیت اللہ کو (دنیا کے) تمام لوگوں کے لئے مرجع اور گہوارۂ امن ٹھہرایا۔

---

[1] ابن کثیر: ۳/۳۹۵۔

Marfat.com

اس کی مرجعیّت کا یہ عالم تھا یہ گویا صحرائے عرب کا دل تھا، جس کی طرف لوگ کھنچ کر ہر چہار طرف سے آتے تھے اور امن وچین کی کیفیت یہ تھی کہ آدمی اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھتا تو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، جب کہ عین اس کے پڑوس کے علاقوں میں ہر طرح کی ظلم وزیادتی اور لوٹ مار اور غارت گری کا بازار گرم ہوتا تھا[1]

کعبۃ اللہ کی مامونیت کا یہ فائدہ تو ان کو حضر میں بھی تھا اور سفر کا حال یہ تھا کہ اہل مکّہ اور ان میں بھی خاص طور پر قریش اس کی تولیت وجانشینی کے طفیل، جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام کا سفر بے کھٹکے کرتے اور اپنی تجارت کو دن دونی رات چوگنی فروغ دیتے تھے۔ یہ لوگ نضر بن کنانہ کی اولاد سے تھے۔ اس لئے کوئی شخص ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کرتا تھا[2]۔ یہی نہیں بلکہ جو شخص ان کے ساتھ شامل اور ان کے قافلے میں شریک ہو جاتا تھا اسے بھی لوگ اسی عزت واحترام کا مستحق گردانتے تھے۔ کاروبار اور تجارت کے علاوہ دیگر اسفار کے لئے بھی یہ لوگ اپنی اس حیثیت کا پورا فائدہ اٹھاتے تھے[3]۔ سورۂ قریش میں قرآن نے ان پر اپنے اسی انعام واحسان کا ذکر کر کے، خدا کی خالص بندگی کے لئے ان کے جذبات کو مہمیز دی ہے:

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اِیْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ. فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ. (آیات ۱-۴)

اس لئے کہ ہم نے قریش کے لئے مانوس کیا۔ ان کے لئے مانوس کیا جاڑے اور گرمی کے (تجارتی) سفروں کو۔ تو چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں۔ جس نے کہ انھیں بھوک سے کھلایا اور ڈر سے امان میں رکھا۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ جب قرآن اپنے اس عظیم ترین روحانی مرکز کے سلسلے میں صرف اس کی اخروی حیثیت پر اکتفا نہ کر کے، اس کی دنیوی برکات وفوائد کو اس اہتمام سے بیان کرتا ہے تو کیا زندگی میں دین ودنیا کی تقسیم کی بات اس کے لئے قابلِ تصور بھی ہو سکتی ہے۔

---

[1] تفسیر الجلالین: ۲۶۔ [2] تفسیر الجلالین: ۸۲۲ [3] ابن کثیر: ۵۵۳/۴

Marfat.com

اور پھر کیا اس کے نمائندہ دین اسلام کے نزدیک مذہبیّت و دین داری کا کوئی ایسا نقشہ قابلِ قبول ہوسکتا ہے جس میں مذہب کو معاملاتِ دنیا سے کاٹ کر محض خدا اور بندے تک محدود کر دیا گیا ہو ؟

حجّ بیتُ اللہ کے دنیوی فوائد

اللہ کے اسی گھر کی زیارت و طواف ، اس کے پاس قربانی نیز اسی سلسلے کے دیگر اعمال کی انجام دہی کا نام "حج" ہے جو ایک اہم ترین عبادت اور اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے۔ عرب جاہلیت میں دین براہیمیؑ کے جو نشانات باقی رہ گئے تھے ان میں ایک یہ حج بھی تھا۔ لیکن دوسری چیزوں کی طرح اس کے اندر بھی بہت سی بدعات و خرافات نے رواج پالیا تھا۔ اسلام نے دینِ براہیمی کے تمام بقایا کی اصلاح و تجدید اور انھیں ان کے اصل مقام پر لا کھڑا کرنے کے ساتھ حج کے سلسلے میں بھی بہت سی اصلاحات کیں اور اسے اس کے اصل براہیمیؑ رنگ پر قائم کر دیا۔ جس کے نتیجے میں بہت سی چیزیں جو اسلام کے پہلے اس میں رائج تھیں، ممنوع قرار پائیں اور بہت سی دفعات کا اضافہ کیا گیا۔ عرب جاہلیت میں خرید و فروخت اور تجارت اور کاروبار کا اس موسم میں بڑے پیمانے پر رواج تھا۔ اسلام لانے کے بعد اس سلسلے میں اس کی تجویز کردہ اصلاحات کے پیشِ نظر بہت سے لوگوں کو خیال ہوا کہ بہت سی دوسری ممنوعات کی طرح کہیں یہ خرید و فروخت اور تجارت بھی اس عبادتِ عظمیٰ کی شان کے منافی نہ ہو۔ جس میں ملوث ہو کر ہم اس کے تقدس کو پامال کریں اور گناہ کے مرتکب ہوں۔ اس وقت کے مسلمانوں کا زبانِ قال یا حال سے یہی سوال تھا جس کے جواب میں قرآن شریف کی یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی[1]۔ جس میں بتایا گیا کہ نگاہوں میں خوشنودیٔ رب کے ہمہ وقتی استحضار اور اعمالِ حج کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی کے ساتھ، ضمنی طور پر اس عبادتِ الٰہی کو ادا کرتے ہوئے، دنیوی فائدہ بھی حاصل کر لیا جائے تو چنداں حرج نہیں۔ ان حدود

---

[1] ابن کثیر: ۱/ ۲۳۹ - ۲۴۰ -

Marfat.com

کو ملحوظ رکھتے ہوئے حج کے اندر خرید و فروخت اور کاروبار کی اجازت ہے :

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ (بقرہ : ۱۹۸)

تمہارے لئے کچھ حرج نہیں کہ تم (حج کے سفر میں) اپنے رب کے فضل (روزی) کی تلاش میں لگو۔

اعمالِ حج کی ادائیگی کا یہ موسم جس میں رحمتِ ایزدی خاص طور پر بندوں کی طرف متوجہ اور ان کی بخشش و مغفرت کے لئے بہانے کی تلاش میں ہوتی ہے۔ لیکن بہت سے بدقسمت ہوتے ہیں جنھیں انوار و تجلیاتِ الٰہی کا یہ ہجوم بھی انھیں فکرِ دنیا میں انہماک سے باز نہیں رکھ پاتا۔ چنانچہ ان کی تمام توجہ اور ذہن اسی متاعِ حقیر کی طلب میں لگا ہوتا ہے جب کہ دوسرے وہ خوش نصیب ہوتے ہیں جو اگرچہ اپنی دنیا سے غافل نہیں ہوتے لیکن اصلاً ان کی توجہ فکرِ آخرت پر مرکوز ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بیک وقت دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کی دعا مانگتے ہیں۔ جس کے دائرے کی وسعت کا ذکر اس سے قبل کیا جا چکا ہے کہ دنیا کی بھلائی کے اندر ہر طرح کی راحت و آرائش، عمدہ مکان، کشادہ روزی، آرام دہ سواری وغیرہ سبھی چیزیں شامل ہیں جنھیں عام طور پر دنیا داری کی علامت اور دنیا داروں کی زندگی کا شیوہ قرار دیا جاتا ہے قرآن ایسے لوگوں کو ان کے اعمالِ صالحہ کے موزوں صلہ اور انھیں جلد سے جلد بدلہ چکائے جانے کی خوش خبری دے کر ان کی توصیف و تحسین کرتا نظر آتا ہے :

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ اُولٰۗىِٕكَ

سو جب تم اپنے مناسک ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ (اس سے پہلے) اپنے آباؤ اجداد کی یاد میں لگتے تھے بلکہ اس سے بھی سرگرمی سے اس کی یاد کا اہتمام کرو۔ تو لوگوں میں سے کچھ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائی دے اور آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہ ہوگا۔ اور دوسرے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی سے نواز اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے دور رکھ۔

Marfat.com

لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ (بقرہ: ۲۰۰ - ۲۰۲)

یہی لوگ ہیں جن کے لئے اس کا حصہ ملے گا جو انھوں نے کمایا۔ اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔

دوسرے موقع پر بھی قرآن نے حج بیت اللہ کو دنیا و آخرت کے ہمہ جہتی فوائد کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے۔ آخرت کا فائدہ تو ظاہر ہے، اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی ہے۔ دنیا کا فائدہ یہ کہ قربانی سے پہلے اور اس کے بعد اس کے جانوروں سے آدمی مختلف طرح سے اٹھاتا ہے اسی طرح کاروبار اور تجارت کے غیر معمولی مواقع اس موسم میں اسے حاصل ہوتے ہیں[1]۔ دینِ حنیفی کے مجدد اعظم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں میں حج کے اعلانِ عام کے بعد اس کے انہی ہمہ جہتی فوائد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ (حج: ۲۷ - ۲۸)

اور لوگوں میں اعلان کر و حج کا۔ وہ تم تک آئیں گے پیدل اور (طول مسافت سے) دبلی ہو جانے والی سواریوں پر جو آئیں گی (کثرتِ استعمال سے) گہرے ہو جانے والے راستوں سے۔ تاکہ وہ (لوگ) اپنے لئے (ہمہ جہتی) فوائد کو پہنچیں۔

اور قربانی کے گوشت سے فائدہ اٹھانے کی تو صاف صراحت ہے۔ چنانچہ آگے ہے:

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ (حج: ۲۸ - ۲۹)

اور وہ اللہ کا نام لیں (حج کے) متعین دنوں میں ان جانوروں پر جن کی اللہ نے انھیں روزی دی ہے سو تم کھاؤ ان سے اور خستہ حال محتاج کو کھلاؤ۔ پھر چاہئے کہ وہ اپنی میل کچیل کو دور کریں اور اپنی نذروں کو پوری کریں اور (اللہ کے اس) قدیمی گھر کا طواف کریں۔

---

[1] ابن کثیر: ۳/ ۲۱۶۔

Marfat.com

قربانی کے جانوروں سے مختلف انداز سے فائدہ اٹھانے کی بات آگے بھی کہی گئی ہے:

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔ (حج : ۳۲)

تمہارے لئے ان میں مختلف طرح کے فائدے ہیں (قربانی کے) مقررہ وقت تک۔ پھر ان کا (قربانی کے لئے) آپہنچنا ہے (اللہ کے) قدیمی گھر (اور اس کے آس پاس) تک۔

قربانی کے لیے خاص کیے جانے سے پہلے تو آدمی ایسے جانور سے مختلف انداز سے فائدہ اٹھاتا ہی ہے کہ اس کا دودھ پیتا، اس کے بال اور اون کام میں لیتا، اس پر سواری کرتا اور اس سے نسل کشید کرتا ہے، اس کے بعد بھی جائے قربانی (خانہ کعبہ) تک پہنچنے سے پہلے پہلے حسب ضرورت اس کے دودھ اور سواری کے لئے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے[1] آگے یہی بات ان لفظوں میں کہی گئی ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ (حج : ۳۶)

اور (قربانی کی) اونٹنیوں کو ہم نے شعائر اللہ سے ٹھہرایا ہے۔ تمہارے لئے ان میں بھلائی (فائدے) کی مختلف صورتیں ہیں۔

اس مقام پر بھی اس کی بھلائی اور فائدے کے بیان میں ضرورت کی صورت میں اس سے دودھ اور سواری کا فائدہ اٹھانے کی گنجائش رکھی گئی ہے[2]۔

غور کیجئے کہ خدا تعالیٰ کے حضور فدا کاری و للّٰہیت کے اس آخری مظہر، حج بیت اللہ کے اندر جب اسلام نے آخرت کی بھلائیوں اور منفعتوں کے ساتھ دنیا کی بھلائی اور منفعت کو نظر انداز نہیں کیا ہے تو پھر دین و دنیا کی تقسیم کی بات اس کے لئے کیوں کر قابل قبول ہو سکتی ہے اور اسی سے دینداری اور مذہبیت کا کوئی تصور اس کے لیے کیوں کر گوارا ہو سکتا ہے جس میں اسے دنیا اور معاملاتِ دنیا سے کاٹ کر صرف خدا اور بندے تک محدود کر دیا گیا ہو؟

---

[1] ابن کثیر: ۳/۲۲۰۔ [2] حوالہ سابق: ۲۲۲۔

Marfat.com

نماز

نماز جو اہم ترین شعائرِ اسلام کی آخری دفعہ اور اس کے ارکانِ خمسہ میں اقرار کلمہ کے بعد سرفہرست ہے[1] دین اسلام کا اس کے بغیر کوئی تصور نہیں کہ یہ وہ چیز ہے جسے تنہا کفر و ایمان کے درمیان حدِّ فاصل قرار دیا گیا ہے[2] قرآن وحدیث میں اس کی صرف اسی طرح کی خصوصیات نہیں بیان کی گئی ہیں کہ یہ اللہ کی یاد کو دل میں بسانے کا بہترین ذریعہ ہے[3] نماز کے نقطۂ عروج سجدے کے اندر بندہ اللہ سے حد درجہ قریب ہوجاتا ہے[4] اس حال میں اسے حق تعالیٰ سے وہ قربت ومعیت حاصل ہوتی ہے جس کا کسی دوسری صورت میں تصور نہیں کیا جاسکتا[5] نماز میں بندہ اپنے رب سے راز ونیاز کی کیفیت میں ہوتا ہے[6] اور جب تک وہ نماز میں ہوتا ہے فرشتے اس کے لئے رحمت وسلامتی کی دعائیں کرتے ہوتے ہیں[7] لیکن نماز کی ان اوصاف وخصوصیات کے ساتھ قرآن اس کا دوسرا اہم ترین وصف بھی بیان کرتا ہے:

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ. وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ۔ (عنکبوت: ۴۵)

اور نماز قائم کرو۔ ضرور نماز روکتی ہے بے حیائی اور برائی (کے کاموں) سے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔

---

[1] مشہور حدیث (بنی الاسلام علیٰ خمس الخ) کا مضمون۔ بخاری جلد ۱ کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علیٰ خمس الخ۔ مسلم جلد ۱ کتاب الایمان باب بیان ارکان الاسلام ودعائمہ العظام۔ [2] ترمذی جلد ۲ ابواب الایمان، باب ماجاء فی ترک الصلوٰۃ۔ نیز صحیح مسلم جلد ۱ کتاب الایمان باب اطلاق اسم الکفر علیٰ من ترک الصلوٰۃ۔ [3] طٰہٰ: ۱۴۔ [4] علق: ۱۹۔ [5] مسلم جلد ۱ کتاب الصلوٰۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود۔ [6] بخاری جلد ۱ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب المصلی یناجی ربہ۔ [7] بخاری جلد ۱ کتاب الاذان، باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ۔ مسلم جلد ۱ کتاب المساجد باب فضل الصلاۃ المکتوبۃ فی جماعۃ الخ۔

Marfat.com

جس سے پتہ چلتا ہے کہ نماز کے اندر اس کی بے پناہ روحانی اور معنوی بھلائیوں کے ساتھ، سماج کو بدی اور بے حیائی سے پاک صاف رکھنے کی بھی غیر معمولی صلاحیت ودیعت ہے۔ 'فحشاء' ہر وہ بات یا کام جس کی برائی بڑھی ہوئی اور نمایاں ہو[1] اسی طرح 'منکر' ہر اس عمل کو شامل ہے جس کے برے ہونے کا فیصلہ عقلِ صحیح کر دے، کبھی کبھی اس کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ کرنے میں عقل ٹھٹھکتی ہے تو اس صورت میں شریعت اس کا فیصلہ کر دیتی ہے، [2]

انسانی سماج میں پائی جانے والی تمام طرح کی برائیاں اور خرابیاں، فحشاء و منکر، جن سے باز رکھنے کا نماز ایک موثر ہے، ان کی وسعت و عموم کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی جامع ترین آیتِ کریمہ جو برائی اور بھلائی، خیر و شر کے جملہ مفاہیم کو بدرجۂ اتم محیط ہے[3] اس میں حق تعالیٰ تین اہم ترین باتوں کا حکم دینے کے ساتھ جن تین چیزوں سے منع کرتا ہے ان میں سے ایک بغاوت و سرکشی 'بغی' کو چھوڑ کر دو یہی 'فحشاء' اور 'منکر' ہی ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ۔ (نحل: ۹۰)	ضرور اللہ حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا اور رشتہ داروں کو دینے کا۔ اور منع کرتا ہے بے حیائی برائی اور سرکشی سے۔

اسلامی ریاست کے سربراہ کی ذمہ داریاں کیسی ہمہ جہتی اور ہمہ گیر ہیں، وہ اپنے ماتحت عوام کا بہمہ وجوہ ذمہ دار اور ان کے جملہ دینی و دنیوی مفادات کا نگراں ہوتا ہے،[4] قرآن اسے دو مختصر لفظوں میں بیان کرتا ہے کہ اس کی ذمہ داری ہے کہ زندگی کے تمام دائروں میں شریعت کی قرار دادہ معروفات کا نفاذ عمل میں لائے۔ اسی طرح جملہ معاملاتِ زندگی سے متعلق شریعت

---

[1] الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن / ۳۸۰۔ [2] حوالۂ سابق / ۵۲۵۔ [3] مستدرک حاکم عن ابن مسعودؓ، بحوالہ تفسیر الجلالین / ۳۵۹۔ [4] فالامام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیتہ الخ، بخاری جلد ۲ ۔ کتاب الاحکام، باب قول اللہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول الخ، مسلم جلد ۲ کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامیر العادل وعقوبۃ الجائر الخ

Marfat.com

نے جن چیزوں کو برا، منکر قرار دیا ہے، سماج کے اندر سے وہ انھیں جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکے، قرآن کہتا ہے کہ اسلامی سربراہ حکومت کے اندر یہ قوت و صلاحیت نماز کے قیام ہی سے پیدا ہوتی ہے

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔ (حج : ۴۱)

وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔

نماز کے اندر حق تعالیٰ کے حضور پنج وقتہ پیشی کے ذریعہ انسان اپنے اندر اس کے روبرو مسئولیت اور جواب دہی کا جو احساس پیدا کرتا ہے، اس کی برکت سے وہ اپنی پوری زندگی میں نفس و شیطان کے چنگل سے بالکلیہ نجات حاصل کر لیتا اور اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا پاس و لحاظ رکھنے والا بن جاتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے کو اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم کر لیتے ہیں وہ اپنی پوری زندگی میں نفس و شیطان کے گھیرے میں پڑ کر خواہشاتِ نفس کے اسیر اور خدا اور خلقِ خدا سے بالکل آنکھیں بند کر کے ان کی اندھی پیروی میں لگ جاتے ہیں۔ بے لگام زندگی، ان کا ایک ہی مطمح نظر ہے، اس کے نتیجے میں وہ آزادانہ جدھر چاہتے ہیں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ ایسے کسی شخص کا وجود سماج کے لئے کتنا بڑا بوجھ اور خالص دنیوی نقطۂ نظر سے معاشرہ کے لئے کس قدر تباہ کن ہو سکتا ہے، اس کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے :

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا۔ (مریم : ۵۹)

سو ان کے بعد وہ ناخلف آئے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشات کی پیروی میں لگ گئے، سو جلد ضرور وہ اس سرکشی کے انجام سے دوچار ہونگے

نماز کے ذریعہ انسان کا اللہ تعالیٰ سے جو زندہ اور شعوری تعلق قائم ہوتا ہے، اس کے اثر سے وہ حق تعالیٰ سے وفاداری کے ساتھ اس کے بندوں کے لئے بھی حد درجہ فکر مند ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے بعد اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے بھی وہ اسی طرح بے چین ہوتا ہے۔ اس کی مستقل کوشش ہوتی ہے کہ کس طرح ان کی زیادہ سے زیادہ معاونت کرے اور ان کے کام آئے۔ یہی وجہ ہے کہ جو انسان اس کیفیت سے عاری

Marfat.com

ہے قرآن اس کی نماز کو غفلت اور دکھاوے کی نماز قرار دیتا ہے۔ ایسے شخص کی نماز کس کام کی جو صرف اپنی ذات میں مگن ہو۔ دوسرے بندگانِ خدا کو معمولی استعمال کی چیزیں بھی دینے میں اس کی جان نکلتی ہو۔ قرآن ایسے نمازی کو اللہ تعالیٰ کی سخت ترین وعید کا مستحق گردانتا ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ۔ (ماعون : ۴-۷)

سو تباہی ہے نمازیوں کے لئے۔ جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو محض دکھاوا کرتے ہیں، اور ضرورت کی معمولی چیزوں سے ہاتھ روکتے ہیں۔

نماز چھوڑنے کا لازمی اثر ہے کہ آدمی صرف اپنے مفادات کے لئے جیتا اور بندگانِ خدا سے بالکل آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ قیامت میں جہنم میں داخل کئے جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے کافروں کی زبانی اس کی صراحت موجود ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ۔ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ۔ (مدثّر : ۴۲-۴۴)

تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے آئی۔ وہ کہیں گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔ نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔

نماز چھوڑتا ہی وہ شخص ہے جو دنیا کی زندگی کو اپنا آخری مطمح نظر قرار دے لیتا ہے۔ اس کی ساری جدّوجہد اور تمام تگ و دو اسی کے مفادات کے لئے ہوتی ہے، جنھیں وہ کسی بھی قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس راستے میں دنیا کے دوسرے انسانوں کے حقوق جس طرح بھی پامال ہوں اور ان کے مفادات پر جیسی کچھ ضرب پڑے اور وہ جیسے کچھ مجروح ہوں اور اس کے نتیجے میں انھیں جس قدر زیادتیوں اور بے انصافیوں کا سامنا کرنا پڑے دنیا کے اس بے نمازی حریص کو اس کی کچھ پرواہ نہیں:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ (اعلیٰ : ۱۴-۱۷)

ضرور کامیاب ہوا جس نے پاکی اختیار کی۔ اور اپنے رب کا نام یاد کیا سو نماز پڑھی۔ بات یہ ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالاں کہ آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ دیرپا ہے۔

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجیحِ دنیا کے نقطۂ نظر کا حامل شخص تمرد و سرکشی

Marfat.com

میں اپنی آخری حد کو پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے ہی، دنیا کے اندر بھی اس کے اس رجحان کی تباہ کاریاں کچھ کم نہیں۔ وہ اپنے مفادِ دنیا کی راہ میں کسی رکاوٹ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں وہ اپنی سرکشی کی چکّی میں ہر کس و ناکس کو پیس سکتا ہے:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۔ وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا ۔ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی ۔

سو رہا وہ جس نے سرکشی کی۔ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ تو (ایسوں کا) ٹھکانا بس وہی دوزخ ہے۔

(نازعات : ۳۷-۳۹)

یہی فکرِ آخرت سے غافل سرکش انسان ہے جو خود نماز پڑھتا ہے نہ دوسروں کو نماز پڑھنے دیتا ہے:

کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی۔ اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی ۔ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی ۔ اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی۔ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ۔

ہرگز نہیں (بلکہ بات یہ ہے کہ) انسان سرکشی کرتا ہے۔ اس پر کہ وہ اپنے کو دیکھتا ہے کہ بے نیاز ہو گیا۔ ضرور تیرے رب کی طرف واپس ہونا ہے۔ کیا تم نے دیکھا نہیں اس کو جو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے

(علق : ۶-۱۰)

ایسا ہی شخص جو اپنے آپ میں مگن ہوتا ہے، دنیا میں اکڑتا اور اتراتا پھرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ہدایت الٰہی سے منہ موڑتا اور نماز سے بے نیازی برتتا ہے:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی۔ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۔ ثُمَّ ذَھَبَ اِلٰی اَھْلِہٖ یَتَمَطّٰی ۔

سو نہ اس نے تصدیق کی، نہ نماز پڑھی، بلکہ جھٹلایا اور روگردانی کی۔ پھر چل دیا اپنے بال بچوں میں اکڑتا ہوا۔

(قیامہ : ۳۱-۳۳)

اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں نماز کا اہتمام کرتے ہیں، قرآن کہتا ہے کہ ان کی زندگی کا نقشہ ہی اور ہوتا ہے۔ اس کی بدولت انھیں خدا تعالیٰ سے ربط و تعلق کی جو بے بہا دولت نصیب ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں جنت کی ابدی نعمتوں سے جس طرح وہ شادکام ہوں گے وہ اپنی جگہ، دنیا کے اندر بھی ان کی زندگی بڑی مثالی ہوتی ہے۔ نماز کی برکت سے ان کا وجود انسانی سماج کے لئے سرتاپا رحمت بن جاتا ہے۔ یہ بندگانِ خدا کے حقوق کو ہر

Marfat.com

طرح سے ادا کرنے والے اور ہر شخص عزت و آبرو کے سلسلے میں ان سے امان میں ہوتا ہے اسی طرح یہ امانتدار وعدے کی وفا کرنے والے ہوتے ہیں۔ نماز کے ذریعہ ان کے اندر آخرت کی جوابدہی کا جو زندہ اور پائیدار احساس پیدا ہو جاتا ہے، یہ اس کے لازمی ثمرات ہیں۔ جب کہ اس نعمت سے محروم انسان اس سے بالکل برعکس خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، سورۂ معارج کی آیاتِ ذیل اسی حقیقت کی آئینہ دار ہیں:

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۔ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۔ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۔ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۔ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ

بے شک انسان بڑا بے صبرا پیدا کیا گیا ہے۔ جب اسے برائی چھوئے تو حد درجہ واویلا مچانے والا اور جب اسے بھلائی چھوئے تو نیکی ہاتھ روکنے والا سوائے نمازیوں کے، جو اپنی نماز پر پابندی اختیار کرتے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں متعین حق ہے۔ مانگنے والے کے لئے اور نادار کے لئے اور وہ جو بدلہ کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے عذاب کا ڈر رکھتے ہیں۔ بیشک ان کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے بے فکر نہ ہوا جائے۔ اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں سے اور ان سے جو ان کے ہاتھ کی ملک (باندیاں) ہیں۔ تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ سو جو کوئی اس سے آگے کی خواہش کرے تو یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور پیمان کا لحاظ کرنے والے ہیں۔ اور وہ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نماز کی غیر معمولی نگہداشت کرنے والے ہیں۔ یہ لوگ

Marfat.com

يُحَافِظُوْنَ۔ اُولٰئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ۔ (۱۹-۳۵) جنتوں میں، باعزت ہوں گے۔

نمازی بندوں کے ان اوصافِ عالیہ کے اختتام پر دوبارہ اسی نماز کے اہتمام اور اس کی محافظت کے وصف کو دوہرایا گیا ہے جس کا مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کے اندر زندگی کی یہ اعلیٰ قدریں اسی نماز کا براہِ راست نتیجہ اور لازمی ثمرہ ہیں۔ دوسرے مقام پر بھی تقریباً انہی الفاظ میں نماز کے اندر خشوع اور بہہ وجوہ اس کی حفاظت واہتمام کو ایمان والوں کی امتیازی خصوصیات اور ان کی زندگی کے اندر پائے جانے والے اہم ترین ہمہ جہت اوصاف کے وجود اور ان کی نشوونما کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ دنیا کے اندر لوگوں کے لئے سرتا پا رحمت ہونے کے ساتھ آخرت کی زندگی میں جنت کی ابدی نعمتوں سے شاد کام ہوں گے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

ضرور کامیاب ہوئے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں اور وہ جو فضولیات سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور وہ جو پاکیزگی پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی نگرانی کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے اور ان (باندیوں) کے جو ان کے ہاتھ کی ملکیت ہیں، تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ ہاں جو اس سے آگے کا خواہش مند ہو تو یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور پیمان کا لحاظ رکھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی غیر معمولی نگہداشت رکھنے والے ہیں یہی لوگ ہیں جو وراثت پانے والے ہیں۔ یہ فردوس کی وراثت پائیں گے۔ جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے

(مومنون: ۱-۱۱)

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب اسلام اپنے رکن اول نماز، کی یہ اوصاف وخصوصیات بیان کرتا ہے اور نمازی بندے کی زندگی میں اس کے ان مطلوبہ نتائج کو اس کا لازمی ثمرہ

Marfat.com

تصوّر کرتا ہے تو فی الجملہ انسان اور انسانی زندگی کے سلسلے میں اس کا نقطۂ نظر کیا ہو سکتا ہے۔ جو دین اپنی اہم ترین عبادت کو، جس کے اندر اخبات و تبتّل کا پہلو نمایاں ہے، اس طرح اٹوٹ طور پر معاملاتِ دنیا سے جوڑے ہوئے ہے، تو انسانی زندگی کے اس سے آگے کے موضوعات کے پیش نظر اس کے لئے دین و دنیا کی دوئی کی بات کیوں کر قبول ہو سکتی ہے۔ اور کیا ایسے کسی دین کے سلسلے میں یہ سوچا بھی جا سکتا ہے کہ وہ معاملاتِ دنیا سے کٹ کر عام اور محدود معنوں میں اپنے کو صرف خدا اور بندے تک محدود رکھے۔ اور اس رائج الوقت تصور کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو کہ دین و مذہب انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے۔ دنیا کی زندگی اور اس کے معاملات و مسائل سے اس کا کوئی تعلق ہے، نہ ہونا چاہئے ؟

روزہ اور زکوٰۃ

اسلام کی عباداتِ چہار گانہ میں صرف دو چیزیں باقی رہ جاتی ہیں۔ روزہ اور زکوٰۃ، ان کی دنیوی برکت کے پہلو پر بھی ایک نظر ڈال لینی مناسب ہے۔ زکوٰۃ، جو اسلام میں بندگانِ خدا کی معاشی حاجت روائی کا دوسرا عنوان ہے، اس کی دنیوی برکت کا پہلو اتنا نمایاں ہے کہ اس کی طرف چنداں اشارے کی بھی حاجت محسوس نہیں ہوتی۔ اگر سوال کیا جائے کہ اسلام کیا ہے ؟ تو عملی طور پر اس کا جواب دو عنوانوں میں مرتکز ہو جاتا ہے یعنی خدا کے حقوق کی ادائیگی اور بندگانِ خدا کے حقوق کی پہچان۔ نماز پہلے حق کی ادائیگی کا مظہر ہے اور زکوٰۃ دوسرے کی پہچان کا عنوان انسانی سماج میں ہمیشہ سے دو طرح کے لوگ پائے جاتے رہے ہیں، دولت مند اور مالدار، اور غریب اور نادار۔ معاشی مسئلہ ہمیشہ سے انسان کا اہم ترین مسئلہ رہا ہے۔ غذا، لباس اور رہائش اس کی زندگی کی بنیادی ضروریات ہیں۔ ان کا مناسب انداز سے انتظام نہ ہو تو آدمی منتشر ہو جاتا اور اس کی زندگی ناہمواریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس طرح کی صورتِ حال، صرف دنیا کے نقطۂ نظر سے بھی، کسی سماج کے لئے اطمینان کا باعث نہیں ہوتی۔ اس کے ہوتے ہوئے معاشرے کے صحت مند ارتقاء کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ لوگ جنھیں اللہ نے صاحبِ ثروت بنایا اور مال و دولت سے نوازا ہے وہ ان

Marfat.com

لوگوں کے کام آئیں اوران کی معاشی کفالت کا سامان کریں جو اللہ کی ان نعمتوں میں کم حصہ پائے ہوئے ہیں اور جن کے اپنے وسائل ان کی ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لئے ناکافی ہیں کمزوروں اور ناداروں کے ساتھ یتیموں اور معذوروں وغیرہ کا طبقہ بھی ہر سماج میں ہمیشہ پایا جاتا رہا ہے۔ اس طرح کے لوگوں کے مسائل کے حل کی بھی یہی ایک صورت ہے۔ اسلام میں صدقہ وزکوٰۃ انسان کے اسی اہم ترین مسئلہ کے حل کی بے مثال موثر اور کارگر تدبیر ہے۔

محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر اپنے محبوب مال سے اپنے ہاتھ کو خالی کر کے انسان اپنے اندرون کی صفائی اور تزکیۂ باطن کا سامان کرتا ہے۔ دنیا جس مال و دولت کو سینت سینت کر رکھتی ہے اور جس کے سلسلے میں اسے مشکل ہی سے خیال آتا ہے کہ اپنے مسائل اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے سوا اس میں کسی دوسرے کا حصہ بھی ہو سکتا ہے، بندۂ مومن کا اس مال سے، محض خدا کے حکم کی تعمیل اور اس کی خوشنودی کی خاطر برابر ہاتھ جھاڑتے رہنا، اس کے اندر سے حب دنیا کے جراثیم کو بار بار نکالتا رہتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کی زندگی کا ہر لمحہ فکرِ آخرت کے احساس سے لبریز رہنے لگتا ہے۔ وہ دنیا کی بندگی سے نکل کر صحیح معنوں میں خدا کا بندہ بن جاتا ہے۔ اور صرف اس کی مرضیات کا حصول ہی دن رات کا اس کا وظیفۂ حیات بن جاتا ہے۔ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ جس بندۂ مومن کی یہ کیفیت ہو اس کے اندر زر پرستی، حبِّ دنیا، ریا و نمائش، فخر و غرور اور خود غرضی و نفسانیت کا کوئی شائبہ رہ جائے۔ دنیا کے جابر و متکبر اپنی اکڑفوں کا مظاہرہ اور خدا کے بندوں پر اپنی خدائی کا سکہ جمانے کے لئے جس مال و دولت کو سمیٹ سمیٹ کر رکھتے ہیں، بندۂ مومن اسے راہِ خدا میں خرچ کر کے اس کے بالکل برعکس فروتنی و خاکساری کے جذبات کو پروان چڑھاتا اور بندگانِ خدا کے لئے اس کا وجود سرتاپا رحمت بن جاتا ہے۔ اندرون کی کثافتوں اور باطن کی آلائشوں سے اگر یہ بندۂ خدا پاک و صاف نہیں ہوگا تو پھر اور کس کے سلسلے میں اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ قرآن نے زکوٰۃ و صدقات کی اس روحانی اور معنوی برکت کا تذکرہ بھی نمایاں طور پر کیا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۔
(توبہ : ۱۰۳)

تم ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو۔ جس کے ذریعہ تم انھیں پاک صاف کرو اور ان کے باطن کا میل نکالو۔ اور ان پر دعائیں بھیجو۔

Marfat.com

سرتاپا اخلاص کا مظہر ہے جہاں ریاؤ نمود کے لئے دور دور تک پر مارنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ آدمی رات و دن کا بڑا حصہ بھوک پیاس کی شدت میں بسر کرتا ہے اور اپنی جائز خواہشات کی تکمیل سے باز رہتا ہے۔ لیکن چہرے بشرے کی معمولی علامات کے سوا باقی اس کے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ وہ بہت آسانی کے ساتھ اپنے کو روزہ دار باور کراتے ہوئے اس کی پابندیوں کو توڑ سکتا ہے۔ عام حالات میں اتنے طویل وقفہ میں اس کے لئے کھا، پی لینے اور دوسری بندشوں کو لانگ جانے کی پوری گنجائش ہوتی ہے لیکن بندۂ مومن ان نفسانی اور شہوانی خواہشات سے بہت بلند ہو کر محض خدا کی خوشنودی کے حصول کی خاطر روزے کی تمام پابندیوں کا حق ادا کرتا ہے۔ اس عبادت کا یہی امتیاز ہے جس کے پیش نظر بارگاہِ ایزدی سے اعلان ہوتا ہے دیگر تمام طاعات و عبادات سے الگ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں بطور خاص ہی اس کا بدلہ دوں گا :

كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة عشر امثالها الى سبع مأة ضعف قال الله عز وجل الا الصوم فانه لى و انا اجزى به يدع شهوته وطعامه من اجلى [1]

انسان کے ہر عمل میں بھلائی کو دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سوائے روزے کے۔ اس لئے کہ وہ (خاص) میرے لئے ہے۔ اور میں (خاص طور پر ہی) اس کا بدلہ دوں گا۔ بندہ میری خاطر اپنی جنسی خواہش اور کھانے پینے کو بالکل تج دیتا ہے۔

لیکن اسلام میں روحانیت کی مظہر یہ عظیم ترین عبادت کبھی دنیا اور دنیا کے مسائل سے بالکل غیر متعلق نہیں۔ زباں زد عوام و خواص ہے کہ جس گروہ اور جس طبقے کو دو بیماریاں لگ جائیں دنیا میں کوئی چیز اسے ہلاکت و بربادی کے منہ میں جانے سے بچا نہیں سکتی۔ بطن و فرج۔ یعنی غذا کی انسانی ضرورت میں بیجا تکلفات و تنوعات اور جنسی خواہش کی تکمیل میں حدِّ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ کتاب الصیام، باب فضل الصیام، صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الصوم باب فضل الصوم۔

اعتدال سے تجاوز۔ روزہ انسانی سماج کو ان دونوں ہی مہلک بیماریوں سے نجات دلانے میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جہاں تک غذا کی خواہش کو کم کرنے کا سوال ہے تو اس کے سلسلے میں تو اس کی تاثیر اظہر من الشمس ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ انسان کی جنسی خواہش کو حدِّ اعتدال میں رکھنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ روزہ کی حالت میں دن کے چوبیس گھنٹے کے لمبے وقفے میں اپنی اس جائز خواہش کی تکمیل سے باز رہنے کی مشق کر کے، صرف فرض روزوں کی ادائیگی کی صورت میں بھی، سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں آدمی اس تربیت کا فائدہ اٹھاتا اور اپنی زندگی میں اس کے نمایاں اثرات محسوس کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اگر نفل روزوں کی بھی توفیق ہو جائے تو پھر تو اس کی اس تاثیر میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ روزہ کی بھوک پیاس سے آدمی کو جو جسمانی کمزوری ہوتی ہے اس کی یہ برکت اپنی جگہ ہے کہ اس کے ذریعہ خود بخود آدمی کی شہوانی قوت ٹوٹتی اور اس کی بدولت وہ شیطان کے حملوں کو ناکام بنانے کی بے پناہ قوت اور صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کے نوجوانوں کو خطاب کر کے تاکید فرمائی کہ ان میں سے جو لوگ مالی اور جسمانی لحاظ سے اس کی قوت رکھتے ہیں وہ عقدِ نکاح کر کے اپنی نگاہ اور شرم گاہ کی حفاظت کا سامان کریں۔ اور جن کے اندر اس کی استطاعت نہ ہو وہ کثرت سے نفل روزے رکھیں اس لئے کہ یہ انسان کی شہوانی قوت کو کم کرنے اور اسے قابو میں رکھنے کا بڑا موثر ذریعہ ہے:

یامعشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔ [1]	اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں جو کوئی قوت رکھتا ہو تو چاہیئے کہ شادی کرلے۔ اس لئے کہ یہ نگاہ کو بچانے اور شرم گاہ کو محفوظ رکھنے کا سب سے بہتر اور موثر ذریعہ ہے۔ اور جو ایسا نہ کر سکے تو چاہیئے کہ (نفلی) روزے رکھے اس لئے کہ یہ چیز اس کے لئے اس کی شہوت کو توڑنے کا کام دے گی۔

---

[1] بخاری جلد ۲، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباء فلیصم، مسلم جلد ۱ کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت الیہ نفسہ ووجد مؤنہ الخ

لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی معاشی اہمیت کا پہلو بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ اپنی ان روحانی اور معنوی برکتوں کے ساتھ وہ سماج کے ناداروں اور کمزوروں کے معاشی مسئلہ کا بہترین حل بھی ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو انھیں دیگر ارکانِ اسلام کی تعلیم کی تاکید کے ساتھ زکوٰۃ کی تعلیم میں اس کے اسی پہلو کو نمایاں کیا :

فَاِنْ هم اطاعوالذٰلك فَاعْلمهم ان اللّٰه قد افترض عليهم صدقة فی اموالهم توخذ من اغنيائهم وترد فی فقرائهم [1]

سو اگر وہ تمہاری اس پہلی بات مان لیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان کے مالوں میں ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائیگی اور ان کے غریبوں میں لوٹائی جائے گی۔

روزہ

اسلام کی عباداتِ چہارگانہ میں روزہ کے اندر امتیاز کے بعض وہ پہلو ہیں جس نے اسے خاص طور پر حق تعالیٰ کی نگاہوں میں محبوب بنا دیا ہے۔ نماز کے سلسلے میں آدمی اگر سنن و نوافل کا گھر میں اہتمام بھی کر لے تو فرائض کی ادائیگی کے لئے اس کے لئے پنج وقتہ مسجد کی حاضری ضروری ہے۔ یہ چیز لوگوں کے مشاہدہ میں آئے بغیر نہیں رہ سکتی، جس سے متعلق شخص کے اندر ریاؤ نمود کے خدشے کے سر اٹھا لینے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ صدقہ و زکوٰۃ بھی آدمی کتنا ہی چھپ چھپا کر دے، لوگوں کے علم میں یہ چیز کسی نہ کسی طرح آ ہی جاتی ہے۔ اس صورت میں بھی آدمی کے اندر یہ شرکِ خفی[2] در آنے کا موقع نکال سکتا ہے۔ جہاں تک حج کا سوال ہے تو وہ تو سرتاپا اظہار ہے ہی۔ جس کے لوگوں کے نگاہوں سے اوجھل رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ روزہ ان عباداتِ سہ گانہ کے برعکس

---

[1] بخاری جلد ۱، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ۔ مسلم جلد ۱ کتاب الایمان، باب الدعاء الی الشہادتین وشرائع الاسلام۔ [2] حدیث کے اندر ریا و نمود کو شرکِ خفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ احمد و بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الآداب، باب الریاء والسمعۃ

Marfat.com

حافظ ابن حجرؒ نے حدیث کی شرح میں اسی چیز کو روزے کا اصل مقصود قرار دیا ہے:

وفیہ اشارۃ الیٰ ان المطلوب من الصوم فی الاصل کسر الشھوۃ۔ [1]

اس میں اشارہ ہے کہ روزہ کا اصل مقصود و مطلوب شہوانی قوت کو توڑنا ہے۔

علاوہ ازیں روزہ کے اندر آدمی بھوک پیاس کی شدت کو برداشت کر کے اپنے اندر کارزارِ حیات میں شدائد و محن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ اس کی بدولت وہ زندگی کے اندر بڑی سے بڑی تکلیف کو برداشت اور ناموافق سے ناموافق حالات کو سہنے اور جھیلنے کی قوت پیدا کر لیتا ہے۔ دین و دنیا ہر ایک کے نقطۂ نظر سے انسان کے لئے اس قوت و صلاحیت کی جو قدر و قیمت ہے اس کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔ جس شخص کے اندر ناموافق حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہ ہو، دین کے تقاضے اپنی جگہ، دنیا کے اندر بھی اس سے کسی قابلِ ذکر کارنامے کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ مزید براں روزے کی بھوک پیاس کے ذریعہ بندۂ مومن دوسرے بندگانِ خدا کے بھوک پیاس کے مسئلے کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اپنی اس 'آپ بیتی' کی روشنی میں وہ 'جگ بیتی' کا اندازہ جس بہتر اور محسوس طریقے پر کر سکتا ہے، دوسری صورت میں یہ چیز کسی طرح ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ نتیجہ ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام انسانوں کے دکھ درد کو وہ اپنا دکھ درد اور ان کے مسائل اور پریشانیوں کو اپنا مسئلہ سمجھنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کے مہینے کو 'صبر' اور ہمدردی و غمخواری (مواساۃ) کا مہینہ قرار دیا ہے:

ھو شھر الصبر و الصبر ثوابہ الجنۃ وشھر المواساۃ۔ [2]

یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور ہمدردی و غم خواری کا مہینہ ہے۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ جب اسلام کے مخصوص شعائر اور اس کی اصطلاحی عبادات کے اندر ان کی اخروی اور روحانی برکتوں کے ساتھ آدمی کی بھلائی اور انسان کی مادی زندگی کے لئے اس قدر خیر و برکت کا سامان موجود ہے تو اس کے نظامِ زندگی کے دیگر اجزاء کے اندر یہ چیز کس قدر ملحوظ نہ ہوگی۔ جیسا کہ اس کی کسی قدر تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور آگے آ رہی ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اسلام کے اس آئینے کو دیکھنے کے بعد بھی کسی شخص کے لئے کہنا روا ہوگا کہ مذہب انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے، دنیا کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

---

[1] فتح الباری: ۹/۸۷۔ [2] بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۱ کتاب الصوم، فصلِ ثالث۔

Marfat.com

قرآنی دعائیں

اگر خدا تعالیٰ کے قائم کردہ شعائر اور اس کے حضور خضوع و تذلل کی مظہر عباداتِ چہارگانہ کے بغیر مذہب اسلام کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا، تو اس بارگاہِ عالی میں دعا و مناجات اور اپنی حاجت براری کی درخواست وہ چیز ہے جس کے بغیر حق تعالیٰ کی عبودیت و بندگی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں دعا کو عبادت کا مغز اور اس کا جوہر قرار دیا گیا ہے۔ الدعاء مخ العبادۃ[1]۔ دوسری حدیث میں اس دعا ہی کو نفسِ عبادت الدعاء هو العبادۃ[2] سے تعبیر کیا گیا ہے۔ استدلال میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتِ کریمہ کا حوالہ دیا جس میں حق تعالیٰ نے بندوں سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے، آخر میں جو لوگ اپنے کبر و غرور کی وجہ سے اس سے اعراض کریں انھیں نفسِ عبادت سے مکرنے والا قرار دے کر انھیں جہنم میں داخل ہونے کی وعید سنائی گئی ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۝ (مومن : ۶۰)

اور تیرے رب نے کہا کہ مجھے دعا میں پکارو، میں تمہاری پکار کو سنوں گا۔ ضرور جو لوگ میری عبادت (بندگی) سے منہ پھیرتے ہیں وہ جہنم میں داخل ہوں گے رسوا ہو کر۔

---

[1] ترمذی جلد ۲ ۔ ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ باب ماجاء فی فضل الدعاء۔ قال الترمذی ہٰذا حدیث غریب۔

[2] ترمذی، حوالہ سابق۔ روایت نعمان بن بشیرؓ۔ قال الترمذی ہٰذا حدیث حسن صحیح۔ ایضاً رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح جلد ۱، کتاب الدعوات، فصل ثانی۔

Marfat.com

لیکن قرآن اپنے ماننے والوں کو جس دعا کی تلقین کرتا ہے اس کا تعلق محض خدا اور بندے کے معاملات، سے نہیں ہے۔ جس میں زیادہ سے زیادہ جہنم کے عذاب سے نجات اور دوسری دنیا کی نعمتوں کی طلب کا اظہار ہو۔ دعا کے اس اولین اور اہم ترین پہلو کے ساتھ قرآنی دعاؤں کے مطالعہ سے اس سے وہ بعض گوشے بھی سامنے آتے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی تلقین کرنے والے مذہب اسلام کا دائرۂ عمل کن وسعتوں کا حامل ہے اور اس کا نقشہ زندگی کی کن وسیع جہتوں کو محیط ہے۔ تذلل وزاری کے وہ قیمتی ترین لمحات جن میں بندہ خدا کے حضور اپنی سپردگی اور خود حوالگی کا آخری مظاہرہ کرتا ہے اور نفس وشیطان کے تمام حجابات کو ہٹا کر حق تعالیٰ سے راز ونیاز میں مصروف ہوتا ہے۔ اپنی شبانہ روز زندگی کے ان قیمتی لمحات میں وہ اپنے رب کے حضور اپنی جن آرزؤں اور تمناؤں کا ذکر کرتا ہے اور جن کے حصول کے لئے وہ رحمتِ ایزدی کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں سعی بلیغ سے کام لیا جائے، سوچا نہیں جا سکتا کہ اس خدائے بزرگ وبرتر کے عطا کردہ نظامِ زندگی کا کوئی نقشہ اور کوئی خاکہ راز ونیاز کے ان مضامین کے بغیر مکمل ہو سکے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی میں حق تعالیٰ کے نزدیک اپنے بندوں کا پسندیدہ رویہ کیا ہے۔ وہ ان کے نہاں خانۂ دل کو کن احساسات وجذبات سے معمور دیکھنا چاہتا ہے۔ جس کے نتیجے ہی میں ان کے اندر وہ مطلوبہ سرگرمی پیدا ہو سکتی ہے جو خدا تعالیٰ کو خوش کر سکے اور جس کے بعد کہا جا سکے کہ انسان کے اوپر رب کی عبودیت وبندگی کا جو حق عائد ہوتا تھا وہ ادا کیا جا سکا اور زندگی میں بندوں سے حق تعالیٰ کا جو مطالبہ تھا اسے پورا کر دکھایا گیا۔

فتح ونصرت کی دعا

سورۂ بقرہ کی آخری آیات جس کے غیر معمولی فضائل حدیث میں آئے ہیں۔ ایک حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص اس سورہ کی آخری دو آیات کو دل کی پوری بیداری اور استحضار کے ساتھ، رات میں پڑھ لے تو یہ اس کے لئے بہت کچھ کافی ہیں[1]"

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۴۰۔

Marfat.com

دوسری حدیث میں آپ نے انہی آیات کے سلسلے میں فرمایا کہ "انھیں مجھے (بطورِ خاص) عرشِ الٰہی کے نیچے کے ایک خزانے سے دیا گیا ہے"[1]، اس سورہ کی آخری آیت اہلِ ایمان بندوں کی زبانی اس وجد انگیز دعاء پر مشتمل ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَّسِيْنَا أَوْ	اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں
أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا	یا غلطی کر جائیں۔ اور ہم پر کوئی بوجھ نہ ڈال جیسا
كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا	کہ تو نے اسے ڈالا ان لوگوں پر جو ہم سے پہلے تھے
رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ	اور ہم پر وہ بار نہ ڈال جسے ہم نہ اٹھا سکیں۔ اور
وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ	ہم سے درگزر کر اور ہماری بخشش کر۔ اور ہم پر
مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ	رحم کر۔ تو ہی ہماری بگڑی بنانے والا ہے۔ سو تو
(۲۸۶)	کافروں پر ہمیں غلبہ و نصرت عطا فرما۔

اس دعاء میں بندوں کی زبانی اپنی کوتاہیوں کی معافی اور حق تعالیٰ کی رحمت و مغفرت وغیرہ کی جو طلب پائی جاتی ہے، اس سلسلے میں آخری تمنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اس کا انکار کرنے والوں یا اس کی ذات و صفات میں بے اعتدالیوں کے شکار گروہوں پر بہمہ وجوہ غلبہ و نصرت عطا فرمائے۔ اس ٹکڑے کی تفسیر میں علامہ رشید رضا مصریؒ نے بہت اچھی بات کہی ہے:

"فانصرنا على القوم الكٰفرين) الذين	"فانصرنا علی القوم الکٰفرین"، ہم کو فتح و نصرت عطا
اتخذ وامن دونك اولياء، وجهلوا	فرما کافروں پر، یعنی ان لوگوں پر جنھوں نے تجھے
سنتك فى انفسهم وفى سائر الاشياء	چھوڑ کر دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں۔ اور جو
فاعرضوا عما مددت لهم من الاسباب	ناواقف ہیں تیری ان سنّتوں (طریقوں) سے جو جاری
وجعلو الملائكة والنبيين	ہیں ان کی ذات میں اور دوسری تمام چیزوں کے
ومن دونهم من الارباب	سلسلے میں۔ تو تو نے انھیں جو اسباب و وسائل پھیلا کر

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۴۱۔

Marfat.com

والذين حجبتهم سنتك الكونيه عن الايمان با الالوهية والربوبية انصرنا على الجاحدين والمرتابين منهم بالحجة والبرهان وعلى المعتدين با لسيف والسنان ، و غير ذٰلك من اسباب حماية الحق حتى تختلف باختلاف الزمان [1]

دئے اس کی وجہ سے انھوں نے (تجھ سے) منہ موڑا۔ اور فرشتوں اور نبیوں اور جوان سے بھی کم مرتبہ تھے انھیں رب ٹھہرالیا۔ اور وہ جو کائنات میں جاری تیری سنتوں کو دیکھنے کے باوجود خدا پرستی و رب شناسی سے قاصر رہے۔ تو ہمیں غلبہ و نصرت عطا فرما ان پر جو ان میں منکر اور شک اور تردّد میں مبتلا ہیں حجت و برہان کے ذریعہ سے۔ اور جو سرکش ہیں ان پر تلوار اور تیر کمان کے ذریعہ سے۔ ساتھ ہی دوسرے ان تمام اسباب و وسائل سے جن سے حق کی حمایت ہوتی ہو اور جو حالات و زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

جس کا صاف مطلب ہے کہ ایک بندۂ مومن کے اندرون میں جن کیفیات و احساسات کو موجزن ہونا چاہیئے ان میں اپنی انفرادی زندگی کی کامیابیوں، دوسرے لفظوں میں خدا اور بندے کے درمیان تعلق کو مضبوط کرنے کے علاوہ، اس دین مبین کے بہمہ وجوہ غلبہ و استیلار کے لئے بھی اسے اسی طرح بے چین اور مضطرب رہنا چاہیئے اور اپنی اس آرزو کی تکمیل کی خاطر بھی خدا کے حضور بکثرت دعائیں کرتے رہنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح اپنی کوتاہیوں پر حق تعالیٰ سے معافی اور اس کی رحمت و مغفرت کے حصول کے لئے دعا کا صرف زبانی ورد کافی نہیں۔ دین کے ناآشناؤں پر اس کے بہمہ وجوہ غلبہ و استیلار کا خواب بھی صرف زبانی دعاؤں سے شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کا صریحی تقاضا ہوگا کہ دلیل و برہان کے میدان میں اس دین قویم کے بالمقابل دوسرے جملہ ادیان و مذاہب اور نظامہائے حیات کو بالکل نہتا اور بے زبان کر دیا جائے۔

---

[1] تفسیر المنار : ۳/۱۵۱-۱۵۲۔

Marfat.com

اور جو اس کے بعد بھی اپنی سرکشی و عناد سے باز آنے کے لئے تیار نہ ہوں ان کی قوت کو بزورِ شمشیر توڑ دیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ اس دنیا میں اس دین کی تابعیت میں زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہوں اور اس نظامِ حق کے بالمقابل ان کے لئے اکڑنے اور سر اٹھا کر چلنے کا کوئی موقع نہ رہے۔ دین اسلام کے ماننے والوں کا اس کے تمام مخالفین پر تلوار اور قلم ہر دو پہلو سے مکمل غلبہ و استیلا ان کے لئے جس سخت اور عظیم ترین جد و جہد کا مطالبہ کرتا ہے، دوسرے لفظوں میں اس کے لازمی نتیجے کے طور پر پورے عالم پر اسلام کے ہمہ وجوہ غلبہ و استیلا کے جو ہمہ گیر اور ہمہ جہتی تقاضے ہو سکتے ہیں، ان کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔

وعدے کی تکمیل کی دعا

سورۂ آلِ عمران کی آخری آیات بھی قرآن کے ان مقامات میں سے ہیں جن میں اہلِ ایمان بندوں کی دعا اور بارگاہِ ایزدی سے ان کی قبولیت و استجابت کا ذکر بڑے وجد انگیز انداز میں کیا گیا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آلِ عمران کی ان آخری دس آیات سے خاص لگاؤ تھا۔ رات کے پچھلے پہر تہجد کے وقت آپ اکثر و بیشتر ان آیاتِ کریمہ کی ایک خاص کیفیت کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے[1]

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	ضرور آسمانوں اور زمین کے بنانے میں نشانیاں
لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ،	ہیں سمجھ والوں کے لئے۔ جو کہ اللہ کو یاد کرتے
اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ	ہیں کھڑے اور بیٹھے اور جب کہ وہ اپنے پہلوؤں
قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ	پر (لیٹے) ہوتے ہیں۔ اور وہ غور کرتے ہیں آسمانوں
وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ	اور زمین کے بنانے میں (جس کے بعد وہ بے اختیار
وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ	پکار اٹھتے ہیں کہ) اے ہمارے رب! تو نے یہ
ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ	سب بے کار پیدا نہیں کیا۔ تیری ذات (اس سے)

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔

Marfat.com

فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، رَبَّنَا
اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ
اَخْزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ اَنْصَارٍ، رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا
مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا
وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا
مَعَ الْاَبْرَارِ، رَبَّنَا وَاٰتِنَا
مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ
وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ
لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔

پاک ہے۔ سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب! ضرور تو نے جسے دوزخ میں داخل کیا تو اسے رسوا کیا اور (ایسے) ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اے ہمارے رب! ضرور ہم نے سنا ایک پکارنے والے کو جو پکار لگا رہا تھا ایمان کی یہ کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لائے۔ سوائے ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری کوتاہیوں کا ہم سے ازالہ کر دے۔ اور ہمیں موت نیکوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے رب! اور ہمیں عطا کر وہ کچھ جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبانی۔ اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال۔ ضرور تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا ہے۔

(آل عمران : ۱۹۰ - ۱۹۴)

ان آیات کریمہ میں سمجھ دار (اہلِ ایمان) بندوں کی دعاؤں میں، دوزخ سے نجات لغزشوں اور خطاؤں پر معافی وغیرہ کے علاوہ، آخری دعا رسولوں کی زبانی حق تعالیٰ کے کئے گئے وعدوں کی تکمیل کی مانگی گئی ہے۔ جو اپنے اندر بڑی وسعت اور عموم رکھتی ہے۔ اس لئے کہ یہ آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے علاوہ دنیا و آخرت کے اندر اس کے ہمہ جہتی فضل و انعام کو بھی اسی طرح حاوی ہے جیسا کہ دوسرے موقع پر فرمایا ہے:۔

اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ
بِالْفَحْشَاءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً
مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ ۔ (بقرہ : ۲۶۸)

شیطان تم کو افلاس سے ڈراتا ہے اور بے حیائی و بدکاری کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تم سے اپنی طرف سے بخشش اور انعام کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ کشادگی والا، علم والا ہے۔

دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام حکومت و اقتدار اور سیاسی قوت و شوکت کو

Marfat.com

بھی شامل ہے۔ سورۂ نور میں ایمان اور عمل صالح کی روش پر عمل پیرا اہل ایمان بندوں سے اپنے وعدے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا۔ (آیت : ۵۵)

اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ضرور تمہیں زمین میں اقتدار بخشے گا جیسا کہ اس نے ان لوگوں کو اقتدار بخشا جو ان سے پہلے تھے۔ اور ضرور ان کے لئے ان کے اس دین کو قوت و شوکت عطا کرے گا جسے کہ اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے۔ اور ان کے لئے اب تک کے خوف و ہراس کو امن و چین سے بدل دے گا دریں حالیکہ وہ صرف میری بندگی (عبادت) کر رہے ہوں گے۔ میرے ساتھ کسی دوسری چیز کو ساجھی نہ ٹھہرا رہے ہوں گے۔

قرآن نے پیغمبروں کے سلسلے میں اس وعدۂ الٰہی کا ذکر بھی بار بار فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (مجادلہ : ۲۰ ـ ۲۱)

ہاں جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں یہی ہیں جو ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ ضرور غلبہ میرا ہوگا اور میرے رسولوں کا۔ ہاں اللہ طاقت والا بڑے غلبہ والا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ، وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (صافات : ۱۷۱ ـ ۱۷۳)

ہاں ہماری بات گزر چکی ہے اپنے فرستادہ بندوں (رسولوں) کے لئے۔ ضرور یہی فاتح و سربلند ہوں گے اور ضرور ہمارا لشکر ہی غالب اور بالادست ہوگا۔

ان آیاتِ کریمہ کی روشنی میں آیت زیر بحث کی تفسیر میں بجا طور پر کہا گیا ہے کہ اس سے مراد صرف آخرت کا ثواب نہیں بلکہ دنیا کے اندر اعدائے دین کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعا بھی ہے:

Marfat.com

ربنا و اتنا ما وعدتنا علیٰ رسلك و المو عودهو الثواب) و قیل النصرة علی الاعداء ۔ [1]

(اور اے ہمارے رب! ہمیں عطا کر وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبانی) یہ وعدہ کی گئی چیز (آخرت کا) ثواب اور بدلہ ہے۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اس سے مراد دشمنوں پر فتح و غلبہ ہے۔

بلکہ سچ یہ ہے کہ آیت کی اسی تفسیر کو صحیح اور راجح قرار دیا جانا چاہئے:

ای اعطنا ما وعدتنا من الجزاء الحسن کالنصر فی الدنیا و النعیم فی الاٰخرة [2]

یعنی ہمیں عطا کر وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے یعنی کہ بہترین بدلہ جیسے کہ دنیا میں فتح و نصرت اور آخرت کا انعام و اکرام۔

جیسا کہ مفسرین کے سرخیل علامہ ابن جریر طبریؒ نے کہا ہے:

فتاویل الکلام اذا ربنا اعطنا ما وعدتنا علیٰ السن رسلك انك تعلی کلمتك کلمة الحق بتائیدنا علیٰ من کفر بك وحادك وعبد غیرك وعجل لنا ذٰلك فانا قد علمنا انك لا تخلف میعادك [3]

پس اندریں صورت کلام کی تاویل یہ ہو گی کہ اے ہمارے رب ہمیں عطا کر وہ چیز جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی وعدہ کیا ہے یعنی کہ تو اپنا کلمہ حق کا کلمہ بلند کرے گا ہماری مدد اور تائید سے ان لوگوں پر جنھوں نے تیرا انکار کیا اور تجھ سے دشمنی کی اور تیرے سوا دوسروں کی بندگی کی۔ اور ہمیں تو یہ چیز بہت جلد عطا کر اس لئے کہ ہم کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا ہے۔

عمل سے کٹ کر صرف دعاؤں پر اکتفاء مسلمان معاشرے کے اندر دورِ اضمحلال کی پیداوار

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۱/ ۲۶۰۔ [2] تفسیر المنار: ۴/ ۳۰۴۔
[3] جامع البیان: ۴/ ۱۳۳۔

Marfat.com

ہے۔ ورنہ جس وقت اسلام کے نام لیواؤں کی فکر تازہ اور ان کا اعتقاد زندہ اور شعوری تھا، ان کی یہ دعائیں غیر منقطع طور پر عمل اور جدّ وجہد سے جڑی ہوئی تھیں۔ سوچا جا سکتا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے اپنے راز و نیاز میں بھی حکومت و اقتدار اور اس کے مطلوبہ تقاضوں کو فراموش نہ کر سکیں، ان کے مذہب کو معاملاتِ دنیا سے کاٹ کر خدا اور بندے تک کیوں کر محدود کیا جا سکتا ہے ان کی ان دعاؤں کا تو تقاضا ہے کہ وہ خدا کا نام لیکر اٹھیں اور تا دم آخر اس کے کلمہ کی بلندی کے لیے سرگرم کار رہیں۔ یہاں تک کہ نظامِ باطل اور اس کے حمایتیوں اور سرپرستوں کے لئے کوئی جائے امان نہ رہے۔ دنیا کے اندر اگر انھیں رہنا ہے تو دین حق کے زیرِ نگیں ہو کر رہیں۔ خدا کی سرزمین میں اس سے بغاوت اور سرکشی کی راہ اپنا کر ان کے آزادانہ پھرنے اور سر اٹھا کر چلنے کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔

حکومت و اقتدار کی دعا

مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں پر وہاں کے کافروں اور مشرکوں کی طرف سے مصائب و آلام کے جو پہاڑ توڑے گئے وہ انسانی تاریخ کا انتہائی کرب ناک باب ہے۔ یہ مظالم جب اپنی انتہا کو پہنچ گئے تو مشیتِ ایزدی کا فیصلہ ہوا کہ اسلام کے نام لیواؤں کو اب اس دیار کو خیرباد کہہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ مسلمان آہستہ آہستہ مکہ کو چھوڑ کر مدینے میں پناہ لینے لگے۔ اور آخر وہ وقت بھی آیا جب کہ ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارۂ غیبی ملا کہ اب آپ کو بھی مکہ چھوڑ کر مدینے منتقل ہو جانا چاہیئے۔ مکہ میں پیغمبر اسلامؐ اور آپؐ کے ماننے والے مظلومیت و مقہوریت کی جو زندگی بسر کر رہے تھے، اسے دیکھتے ہوئے، بظاہر حالات، دور دور تک یہ خیال نہ جاتا تھا کہ کبھی وہ وقت بھی آئے گا جب کہ مصائب کے یہ بادل چھٹیں گے اور محکومیت و مغلوبیت کے دور سے نکل کر اسلام کا بول بالا ہو گا اور دنیا کے اندر اس کے غلبہ و نفاذ کی راہیں ہموار ہوں گی۔ انہی حالات میں سورۂ اسراء کی یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مکہ کے ان سخت حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ، خاص طور پر، نماز تہجد کی تاکید کی گئی۔ اس خوش خبری

کے ساتھ کہ بہت جلد آپؐ کی اس مظلومیت کا دور ختم ہونے والا ہے اور آخرت کے علاوہ دنیا کے اندر بھی آپؐ عزت و سربلندی کا وہ مقام ملے گا جو آپ ہی کا حصہ ہوگا:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ، اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ، وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔

نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے لیکر رات کی تاریکی پھیلنے تک اور فجر میں (خاص طور پر) قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔ ضرور فجر کا قرآن پڑھنے میں حاضری ہوتی ہے۔ اور رات میں تہجد پڑھو یہ تمہارے لئے نفل ہے۔ ضرور امید ہے کہ تمہارا رب تم کو اٹھائے گا تعریف کے مقام پر۔ (آیات : ۷۸ - ۷۹)

اس کے ساتھ ہی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے کی باعزت زندگی کی بشارت کے پہلو بپہلو زمین کے اندر غلبہ و اقتدار اور قوتِ قاہرہ کی دعا کی تلقین ہوئی، جس کے ذریعہ دنیا کے اندر بہمہ وجوہ اسلام اور اسلامی نظام زندگی کا غلبہ و نفاذ عمل میں آسکے۔ دشمنانِ دین کی قوت و شوکت اس طرح ٹوٹ جائے کہ اسلام کے بالمقابل ان کے لئے سر اٹھانے کا موقع نہ رہے۔ اسلام کے صحیفۂ ابدی میں شامل کرکے اللہ تعالیٰ نے پیروان نبیؐ کی زبان پر بھی قیامت تک کے لئے اس دعا کو جاری کرکے اس کی مطلوبیت و مقصودیت کا پروانہ عطا کر دیا:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا (آیت : ۸۰)

اور کہہ کہ اے رب مجھے پہنچا عزت کی جگہ اور مجھے نکال عزت کے ساتھ۔ اور تو اپنی طرف سے میرے لئے ایک مددگار قوت ٹھہرا۔

آیت پاک میں 'سلطانًا نصیرًا' کے یہی معنیٰ بیان کئے گئے ہیں:

(و اجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا) قوة تنصرنی بها علیٰ اعدائك [1]

(اور تو اپنی طرف سے میرے لئے ایک مددگار قوت ٹھہرا) یعنی وہ قوت جس کے ذریعہ تو مجھے اپنے دشمنوں پر غلبہ و نصرت عطا کر۔

---

[1] تفسیر الجلالین / ۳۷۵۔

Marfat.com

بعض مفسرین نے اس سے ' دلیل و برہان کی قوت' مراد لی ہے[1]۔ لیکن حسن بصریؒ اور مفسر قتادہؒ کی رائے 'حکومت و اقتدار' ہی کے حق میں ہے :

واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا) قال الحسن البصری فی تفسیرها وعده ربه لینزعن ملك فارس و عز فارس ولیجعلنه له، وملك الروم وعز الروم، وقال قتادة فیها ان نبی اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم علم ان لا طاقة بهٰذا الامر الا بسلطان فسأل سلطانا نصیرا لکتاب اللّٰه، ولحدود اللّٰه، ولفرائض اللّٰه، ولاقامة دین اللّٰه، فان السلطان رحمة من اللّٰه جعله بین اظهر عباده ولولا ذٰلك

' واجعل لی من لدنك سلطانا نصیرا ' اور تو میرے لئے اپنی طرف سے ایک مددگار قوت ٹھہرا، حسن بصری نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ان سے (پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے) ان کے رب نے وعدہ کیا کہ ضرور وہ فارس کی حکومت اور فارس کے شوکت و دبدبہ کو ختم کر دے گا اور اس چیز کو ان کے لئے قرار دے گا۔ اسی طرح روم کی حکومت اور روم کے شوکت و دبدبہ کو ختم کر کے ان کے لئے قرار دے گا۔ اور قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس معاملہ سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اقتدار کی قوت کے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ آپؐ نے ایک مددگار اقتدار کی دعا کی جس کے ذریعہ اللہ کی کتاب، اللہ کے حدود، اللہ کے فرائض یہاں تک کہ اللہ کے (پورے) دین کی اقامت کا حق ادا کیا جائے۔ اس لئے کہ اقتدار اور قوت اللہ تعالیٰ کی ایک (بڑی) رحمت ہے جسے اس نے اپنے بندوں کے بیچ رکھا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳/۵۹۔

Marfat.com

لاغار بعضهم علیٰ بعض فاکل شدیدهم ضعیفهم۔ [1]

تو ان میں سے ایک دوسرے پر دھاوا بولتا رہتا۔ اور ان میں سے جو طاقت ور ہوتا اپنے سے کمزور کو لقمۂ تر بنا لیتا۔

علامہ ابن جریرؒ نے حسن اور قتادہ کی اسی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی ترجیح کے قائل ہیں۔ جس کی مزید تائید میں وہ یوں رقم طراز ہیں:

واختار ابن جریر قول الحسن و قتادۃ وھو الارجح لانہ لا بد مع الحق من قھر لمن عاداہ ومنأواہ ولھٰذا یقول تعالیٰ (لقد ارسلنا رسلنا بالبینات، الیٰ قولہ، وانزلنا الحدید) الایۃ وفی الحدیث؛ ان اللہ لیزع بالسلطان مالا یزع بالقرآن" ای لیمنع بالسلطان عن ارتکاب الفواحش والاثام مالا یمتنع کثیر من الناس بالقرآن وما فیہ من الوعید الاکید و التھدید الشدید وھٰذا

ابن جریر نے حسن اور قتادہ کے قول کو پسند کیا ہے۔ اور یہی زیادہ قابل ترجیح ہے۔ اس لئے کہ حق کے لئے قوت و شوکت ایک ناگزیر چیز ہے جس کے ذریعہ اس کے دشمنوں اور مخالفوں کا قلع قمع کیا جا سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ (سورۂ حدید میں) فرماتا ہے کہ ضرور ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا واضح نشانیاں دے کر۔ تا اور ہم نے لوہا اتارا، الخ، اسی طرح حدیث میں ہے کہ "ضرور اللہ تعالیٰ اقتدار کے ذریعہ ان چیزوں کا سدِّ باب کرتا ہے جن کا کہ وہ قرآن کے ذریعہ سد باب نہیں کرتا یعنی کہ اقتدار کے ذریعہ گناہوں اور بدکاریوں کے ارتکاب کی رکاوٹ کا وہ سامان کرتا ہے کہ بہت سے لوگ قرآن کے ذریعہ ان سے اتنا نہ رک سکیں۔ اسی طرح اقتدار کے اندر لوگوں کو ڈرانے اور ان کی دھمکی کا بھی کڑا اور موثر سامان ہوتا

---

[1] حوالۂ سابق۔

Marfat.com

ھو الواقع۔ [1] ہے۔صورتِ واقعہ سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

قرآن میں سورۂ بقرہ و آلِ عمران اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کی امامتِ عالم سے معزولی اور امتِ مسلمہ کی اس منصب پر بحالی کی سورتیں ہیں۔ اسی پس منظر میں اس امت کو زندگی کے مختلف دائروں سے متعلق تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں۔ سورۂ آلِ عمران میں اس انعامِ عظیم پر امت کو حق تعالیٰ کا شکر گزار ہونے کی تلقین، آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی دعا کے انداز میں ہوئی۔ زبان کا معروف قاعدہ ہے کہ ایسے مواقع پر جملہ خبریہ، انشائیہ سے زیادہ بلیغ اور صیغۂ مضارع میں کہی گئی بات امر کے مقابلے میں کہیں زور و قوت کی حامل ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (آیت: ۲۶)

کہو کہ اے اللہ! حکومت و اقتدار کے (اصل) مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جسے چاہے حکومت سے بے دخل کر دے۔ اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی (کی کنجی) ہے۔ ہاں تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

آیت کریمہ میں اس امت کے حق میں عزت و اقتدار کی بحالی کا آخری نبیؐ کی دعوتِ مستجاب میں جو ذکر ہے، روحانیت و مادیت کے دونوں پہلو اس میں شامل ہیں۔ نبوت اور روحانی و مذہبی پیشوائی کی بنی اسرائیل سے اس امت کی طرف منتقلی اور اس پس منظر میں آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو امتیازات حاصل ہوئے، جو اس سے پہلے کسی کو حاصل نہ تھے، اس کے ساتھ ہی اس اقتدار کی منتقلی میں اللہ تعالیٰ کا یہ انعام بھی شامل تھا کہ اس نے آپؐ کی امت کو اقصائے عالم میں پھیلا دیا، اور آپ کی لائی ہوئی شریعت اور تکمیلی ضابطۂ حیات کو دنیا کے دوسرے تمام مذاہب و ادیان اور نظامہائے زندگی پر غالب و نافذ قرار دیدیا

---

[1] حوالۂ سابق۔

Marfat.com

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے مضمرات پر گفتگو کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے :

وفی ھٰذہ الاٰیۃ تنبیہ وارشاد الیٰ شکر نعمۃ اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم وھٰذہ الامۃ، لان اللہ تعالیٰ حول النبوۃ من بنی اسرائیل الیٰ النبی العربی القرشی الامی المکی خاتم الانبیاء علی الاطلاق، ورسول اللہ الیٰ جمیع الثقلین، الانس والجن الذی جمع اللہ فیہ محاسن من کان قبلہ وخصہ بخصائص لم یعطھا نبیا من الانبیاء ولا رسولا من الرسل فی العلم باللہ وشریعتہ واطلاعہ علی الغیوب الماضیہ والاٰتیہ وکشفہ لہ عن حقائق الاٰخرۃ و نشر امتہ فی الاٰفاق فی مشارق الارض و مغاربھا واظھار دینہ وشرعہ علیٰ سائر الادیان والشرائع، فصلوٰت اللہ وسلامہ علیہ دائما الیٰ یوم الدین

اس آیت کے اندر فہمائش اور رہنمائی ہے کہ اس احسان کا شکر ادا کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس امت پر کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو بنی اسرائیل سے نکال کر نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم تک منتقل کیا جو قریشی، امی، مکہ کے رہنے والے، علی الاطلاق پورے سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی اور تمام انسانوں اور جنوں تک اللہ کے رسول تھے۔ جن کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنے سے پہلے تمام (نبیوں) کی خوبیاں جمع کر دی تھیں۔ نیز آپ کو ان خصوصیات سے آراستہ کیا جنھیں کسی دوسرے نبی یا رسول کو عطا نہیں کیا۔ یہ خصوصیات ہیں اللہ اور اس کی شریعت کے متعلق آپ کو (بڑھا ہوا) علم عطا کیا جانا، آپ کو گزری ہوئی اور آئندہ ہونے والی غیب کی باتوں سے واقف کرنا۔ نیز آپ کے لئے آخرت کے حقائق کو اللہ تعالیٰ کا کھولنا اور آپ کی امت کو پوری دنیا میں مشرق کے ایک کونے سے لیکر مغرب کے دوسرے کونے تک پھیلانا، اور آپ کے دین و شریعت کو دوسرے تمام ادیان و شرائع پر غلبہ عطا کرنا۔ پس اللہ کے درود پر درود اور اس کا سلام ہو آپ پر ہمیشہ ہمیش قیامت تک کے لئے۔ جب تک کہ لیل و نہار کی یہ گردش

Marfat.com

ما تعاقب اللّیل والنّھار۔ [1] قائم ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند دعائیں

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح زندگی کے دوسرے تمام معاملات میں اپنے قول وفعل کے ذریعہ قرآن کے اجمال کی تفصیل کی ہے۔ قرآنی دعاؤں کے اس پہلو کی وضاحت کے سلسلے میں بھی آپؐ نے اس تفصیل کا حق ادا کیا ہے۔ اسلام اور اسلامی نظام زندگی کا کوئی خاکہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا جو اپنے اندر اسلامی اندازِ فکر اور طرزِ عمل کو انتہائی جامع انداز میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ ان دعاؤں میں اگر ایک طرف آپؐ عبودیت وبندگی کے آخری مقام پر نظر آتے اور حق تعالیٰ کے حضور سرتاپا عجز ونیاز دکھائی دیتے ہیں تو ساتھ ہی دنیوی مصالح بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتیں، اپنی دعاؤں میں آپ انھیں بھی اسی طرح یاد رکھتے ہیں۔ حضرت انسؓ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا نقل کرتے ہیں۔ بخاری ومسلم کی متفق علیہ روایت ہے:

اللّٰھم انی اعوذ بك من الھم والحزن والعجز والکسل والبخل والجبن وضلع الدین وغلبۃ الرجال [2]	خدایا! میں تیری پناہ مانگتا ہوں غم وافسردگی سے، کاہلی اور درماندگی سے، بخل اور بزدلی سے، قرض کے بوجھ سے اور اغیار کے غلبہ وتسلط سے۔

اس دعا میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرتاپا اپنی عجز وفروتنی کا اظہار کرتے ہوئے جن بہت سی چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ان میں آخری بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ دوسرے انسانوں کے غلبہ وتسلط سے پناہ میں رکھے۔ جس کے نتیجے میں آدمی دنیا کے اندر مظلومیت ومقہوریت کی زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہو۔ اس کا اپنا ارادہ واختیار اس سے چھن جائے اور

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۵۶۔ [2] بخاری جلد ۲۔ کتاب الدعوات۔ باب التعوذ من غلبۃ الرجال مسلم جلد ۲ کتاب الذکر والدعاء باب الدعوات والتعوذ، ترمذی جلد ۲۔ ابواب الدعوات، باب بلا ترجمہ ص ۱۸۹

Marfat.com

وہ دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارنے کے لئے بے بس ہو۔ اس صورت میں تو خود اس کی جان و مال اور عزت آبرو کی ضمانت چھن جاتی ہے۔ اس کا کہاں موقع باقی رہتا ہے کہ وہ اپنے پسند کردہ نظامِ حیات کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ دنیا کے اندر اس کے غلبہ و نفاذ کا تو سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری انتہائی جامع دعا کے ابتدائی فقرے ہیں:

رب اعنی و لا تعن علیّ؛ وانصرنی و لا تنصر علی و امکر لی ولا تمکر علی وانصرنی علیٰ من بغی علیّ۔ [1]

پروردگار! میری مدد کر، میرے خلاف مدد نہ کر، مجھے فتح و نصرت عطا کر، میرے خلاف فتح و نصرت عطا نہ کر، میرے لئے تدبیر کر، میرے خلاف تدبیر نہ کر، اور مجھے غلبہ و نصرت عطا کر اس کے بالمقابل جو میرے خلاف سر اٹھائے۔

اس وجد انگیز دعا کا آغاز بھی آپؐ نے اعدائے دین کے مقابلے میں اپنی فتح و نصرت کی درخواست سے کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے اندر عبدیت و بندگی کی اعلیٰ ترین مظہر حضور پاکؐ کی ذاتِ بابرکات کے سامنے مطلوبہ دینی زندگی کا جو نقشہ تھا اور جس کی تکمیل اور آبیاری کے لئے آپؐ اپنے مولیٰ کے حضور اکثر و بیشتر دست بدعا ہوتے تھے، اس کا تعلق اخلاقِ ذمیمہ سے نجات، اپنی کمیوں اور کوتاہیوں کی معافی وغیرہ جیسے انفرادی زندگی سے تعلق رکھنے والے امور و معاملات ہی سے نہ تھا، بلکہ ساتھ ہی آپؐ دنیا کے اندر اپنی اور اپنی امت کی عزت و سربلندی کے لئے بھی اسی طرح فکرمند رہتے تھے، اور بارگاہِ ایزدی میں عجز و نیاز کے اپنے لمحات میں یہ چیز آپؐ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتی تھی۔ جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ تھا کہ آپ کے لائے ہوئے دین کو بھی دنیا کے اندر عزت و سربلندی کا مقام ملے چہار دانگِ عالم میں اسلام کا بول بالا ہو۔ اسلامی نظامِ زندگی کے سامنے دنیا کے دوسرے تمام نظامہائے حیات پست اور دبے رہیں اور اسلام کے نام لیواؤں کے سامنے ان کا علم بلند کرنے والوں کی گردن ہمیشہ نیچی رہے۔

---

[1] ترمذی جلد ۲۔ ابواب الدعوات، باب بلا ترجمہ ص ۱۹۴۔

دعا کے اسی طرح کے الفاظ ایک دوسری طویل دعا کے اندر بھی مذکور ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس سے اٹھیں اور اپنے اور اپنے صحابہ کے حق میں یہ دعا نہ کریں:

وانصرنا علیٰ من عادانا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔ [1]	اور ہمیں غلبہ و نصرت عطا فرما ان کے بالمقابل جو ہمارے دشمن ہوں۔ اور ہم پر ان لوگوں کو مسلط نہ کر جو ہم پر ذرا رحم نہ کریں۔

اس سے ہٹ کر بھی عام طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں دین و دنیا کا امتزاج موجود ہوتا تھا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اللّٰھم اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ [2]	خدایا! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا کر، اور آخرت میں بھی بھلائی سے ہم کنار کر۔ اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اسی طرح ایک دوسری وجد انگیز دعا کے الفاظ ہیں:

اللّٰھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری و اصلح لی دنیای التی فیھا معاشی و اصلح لی اٰخرتی التی فیھا معادی۔ [3]	خدایا! میرے لئے میرے دین میں بہتری کا سامان کر جو کہ میرا ایک ہی سہارا ہے۔ نیز میرے لئے میری دنیا کی درستگی کا سامان جس میں کہ میری روزی ہے۔ اور میری آخرت کو بہتر بنا دے جہاں کہ مجھے پلٹ کر جانا ہے۔

---

[1] ترمذی جلد ۲۔ ابواب الدعوات عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب بلا ترجمہ ص ۱۸۸

[2] بخاری جلد ۲۔ کتاب الدعوات، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم آتنا فی الدنیا حسنۃ۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء باللّٰھم آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ الخ

[3] صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الذکر والدعاء، باب فی الادعیہ۔

Marfat.com

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اس امت کے لئے علی الاطلاق اسوہ اور نمونہ ہے۔ اور کسی امتیاز و تخصیص اور انتخاب و استثنار کے بغیر زندگی کے ہر دائرے میں آپ کی پیروی اسی طرح ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں دین کے ساتھ دنیا اور اس کے مصالح کو نظرانداز نہیں کرتے تو افراد امت کی جانب سے یہ چیز نظرانداز کئے جانے کے قابل کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اسلام کی اس ہمہ گیری و ہمہ جہتی کو دیکھتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ مذہب کا تعلق محض خدا اور بندے کے معاملہ سے ہے۔ یا یہ کہ یہ انسان کی پرائیویٹ زندگی تک محدود ہے۔ دنیا کے دوسرے معاملات و مسائل اور زندگی کے وسیع تر تقاضوں سے اسے کچھ سروکار نہیں ؟ ۔

اہلِ ایمان کے اوصاف

مذہبِ اسلام کی انہی بنیادی حقائق واقدار کو اپنے اندر جذب کرنے کے بعد ایک مومن ومسلم کی زندگی کا وہ نقشہ سامنے آتا ہے جس کے امتیازی خدوخال کو قرآن نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قرآن نے مختلف مقامات پر اور جگہ جگہ ان اوصاف وخصوصیات کی تفصیل بیان کی ہے جن سے ایک مسلمان کو لازمی طور پر متصف ہونا چاہیئے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو فکر وعمل کی جس شاہراہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ عام اور محدود معنوں میں 'خدا اور بندے' تک محدود نہ ہو کر وہ وسیع تر امور و مسائل کا احاطہ کرتا اور جملہ معاملاتِ زندگی میں ایک خاص رویہ اور ایک خاص طرزِ زندگی کا انھیں پابند دیکھنا چاہتا ہے۔ سورۂ فرقان میں 'رحمٰن' کے محبوب بندوں کے اوصاف کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس کے اندر صرف یہی نہیں کہ وہ 'توحید' پر عامل، ان کی راتیں یادِ الٰہی میں بسر ہوتی اور وہ اپنی زندگی میں سرتاپا تواضع وخاکساری کا پیکر ہوتے ہیں' بلکہ انفرادی زندگی کی ان خصوصیات کے علاوہ قرآن اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے ان کے یہ اوصاف بھی بیان کرتا ہے کہ وہ اپنی معاشی زندگی میں خاص اصولوں کے پابند ہوتے' انسانی جان کا احترام کرتے اور جھوٹی گواہی کے پاس نہیں پھٹکتے ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا، وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین میں چلتے ہیں نرم چال اور جب جاہل ان کے منہ لگیں تو سلام کہہ کر بات ختم کر لیتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کے لئے رات گزارتے ہیں سجدے کرتے اور کھڑے ہو کر۔ اور جو عرض گزار ہوتے ہیں کہ ہمارے رب! ہم سے

Marfat.com

وَّقِيَامًا، وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ
جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ
غَرَامًا، اِنَّهَا سَآءَتْ
مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا، وَالَّذِيْنَ
اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا
وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ
ذٰلِكَ قَوَامًا، وَالَّذِيْنَ
لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ
اَثَامًا، يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ
مُهَانًا.....ه وَالَّذِيْنَ
لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا
مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا،
وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ
رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا
صُمًّا وَّعُمْيَانًا، وَالَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا

جہنم کے عذاب کو پھیر دے۔ ضرور اس کا عذاب
سخت چمٹنے والا ہے۔ ضرور وہ بہت برا ٹھکانہ
اور رہنے کی جگہ ہے۔ اور وہ کہ جب خرچ کریں
تو نہ حد سے بڑھیں اور نہ تنگی سے کام لیں بلکہ
ان کا معاملہ ان دونوں کے بیچ کا ہوتا ہے۔ اور
وہ کہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے
اور نہ وہ اس جان کو مارتے ہیں جسے اللہ نے
حرام ٹھہرایا ہے سوائے حق کے۔ اور جو کوئی ایسا
کرے تو وہ اس گناہ کے انجام سے دوچار ہوگا۔
اس کے لئے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا
جائے گا۔ اور وہ اس میں ذلیل ہو کر پڑا رہے گا.....
اور وہ کہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے[1] اور جب ان
کا گزر بے فائدہ چیز سے ہوتا ہے تو وہ شریفانہ گزر
جاتے ہیں۔ اور وہ کہ جب ان کو ان کے رب کی
آیتوں کی یاد دہانی کرائی جائے تو وہ ان پر اندھے
بہرے ہو کر گر نہیں پڑتے ہیں۔ (بلکہ ان پر غور و
فکر کا حق ادا کرتے ہیں) اور وہ کہ جو عرض گزار ہوتے
ہیں کہ ہمارے رب! ہمارے لئے ہمارے بیوی
بچوں اور ہمارے خاندانوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک
مرحمت فرما۔ اور (اس طرح) ہمیں پرہیزگاروں
کا پیش رو بنا۔ یہی لوگ ہیں کہ انھیں بالاخانہ

---

[1] مفسر آلوسی نے آیت کی اسی تاویل کو راجح قرار دیا ہے۔ روح المعانی: ۱۹/۵۱۔

Marfat.com

وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ، اُولٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلَامًا ، خَالِدِيْنَ فِيْهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ،

(آیات : ۶۳ - ۷۶)

دیا جائے گا اس کے بدلہ کہ انھوں نے (دنیا میں) صبر سے کام لیا۔ اور یہاں ان پر ہر طرف سے تہنیت وتبریک کی بارش ہوگی۔ یہ اس جگہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی بہتر ہے یہ ٹھکانہ اور یہ رہنے کی جگہ۔

آمدنی کے ساتھ، خرچ میں اعتدال اور میانہ روی، انسان کی معاشی زندگی کی کامیابی کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اسی لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا ہے:

من فقه الرجل۔ رفقه فی معیشته ۔ [1]

آدمی کی سمجھ داری کی علامت ہے کہ وہ اپنی معیشت (میں حزم واحتیاط سے کام لے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا ارشاد ہے:

ما عال من اقتصد ۔ [2]

وہ شخص بدحال نہیں ہو سکتا جو مالیات میں میانہ روی اختیار کرے۔

ان آیات کریمہ میں اہلِ ایمان بندوں کا ایک نمایاں وصف یہی بتایا گیا ہے کہ "وہ نہ توحد درجہ تنگی اور بخل سے کام لیتے ہیں، نہ حد کو پھاندتے ہوئے اپنا ہاتھ بالکل کھلا چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ اپنی مالی زندگی میں ان کا رویہ ان دو انتہاؤں کے بیچ اعتدال اور میانہ روی کا ہوتا ہے"۔ اسی طرح ان لوگوں کا "جھوٹی گواہی کے پاس نہ پھٹکنا"، دیوانی قانون کی اہم ترین دفعہ ہے۔ یہ لوگ "انسانی جان کا احترام کرتے ہیں، جو دنیا کے کسی بھی فوجداری نظام میں سرفہرست ہے" ظاہر ہے رحمٰن کے بندوں کے ان اوصاف کو انفرادی زندگی کے دائرے تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا تعلق لازمی طور پر زندگی کے وسیع تر معاملات سے ہے۔

سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات میں بھی ہمیں اہل ایمان گروہ کے اوصاف کا یہی

---

[1] مسند احمد بن حنبل: ۵ / ۱۹۴ - روایت حضرت ابوالدرداءؓ۔

[2] مسند احمد: ۱ / ۴۴۷۔ روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔

Marfat.com

وسیع دائرہ دیکھنے کو ملتا ہے :

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ، اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ، فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ، اَلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ، (آیات : ۱ - ۱۱)

ضرور کامیاب ہوئے وہ اہلِ ایمان جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ اور جو بے فائدہ چیز سے بے تعلق رہتے ہیں۔ اور جو زکوٰۃ کا اہتمام رکھتے ہیں[1]۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان کے جو ان کے ہاتھ کی ملک (باندیاں) ہیں۔ تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ ہاں جو اس سے آگے کا طلبگار ہو تو یہی حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے پیمان کا پاس رکھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی غیر معمولی طور پر نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ یہی ہیں جو وارث ہونے والے ہیں۔ یہ فردوس کے وارث ہوں گے جس میں ان کا ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

آیاتِ بالا میں اہل ایمان بندوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں، اور جس کے نتیجے میں انھیں آخرت میں جنت الفردوس کی ہمیشہ کی زندگی کی بشارت سنائی گئی ہے، اس میں صرف یہی باتیں نہیں ہیں کہ وہ اپنی نمازوں کا پوری طرح اہتمام کرتے، انھیں ان کے پورے آداب و شرائط کے ساتھ بجالاتے اور ان میں اپنے ظاہر و باطن کے جھکاؤ کا بھرپور لحاظ رکھتے

---

[1] کچھ لوگوں نے اس کے معنیٰ پاکیزگی اختیار کرنے کے بھی لئے ہیں۔ لیکن مفسرین کی اکثریت اس کی وہی تفسیر کرتی ہے جو ہم نے اختیار کی ہے۔ اس پر یہ اعتراض کہ زکوٰۃ کی فرضیت مدینہ میں ہوئی جبکہ یہ آیت مکی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مدینہ میں زکوٰۃ کے نصاب اور اس کی مقدار وغیرہ کا تعین ہوا۔ نفسِ زکوٰۃ مکہ ہی میں واجب تھی۔ اس کی تائید میں قرآن کی دوسری آیتیں موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو، ابن کثیر: ۳/۲۳۸، ۲۳۹۔

Marfat.com

ہیں، اور لغو باتوں اور لغو کاموں سے آخری حد تک دامن کش رہتے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہی ان کی یہ خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں، جس سے دنیا میں کمزور بندگانِ خدا کی حاجت روائی کا سامان ہوتا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں عفت وعصمت کا پیکر ہوتے ہیں۔ اور ان کی جنسی زندگی ایک خاص دائرے کی پابند ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کی امانت وتولیت میں جو چیز اور جو کام بھی آتا ہے وہ اس کی پوری پوری حفاظت کرتے اور اس کا حق ادا کرتے ہیں۔ اور اپنی پوری زندگی میں جس کسی سے جس نوعیت اور حیثیت کا بھی عہد وپیمان کرتے ہیں۔ اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں[1]۔

ظاہر ہے جنت الفردوس کے مستحق اہل ایمان بندوں کے یہ وہ اوصاف وخصوصیات ہیں، جن کا تعلق زندگی کے وسیع تر معاملات سے ہے۔ اور ان پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف یہ کہ وہ اپنی آخرت کو سنوارتے ہیں، بلکہ اس سے دنیا کی زندگی بھی امن وچین کا گہوارہ بنتی اور اس کے پیچیدہ مسائل کے حل کی انتہائی مضبوط ضمانتیں فراہم ہوتی ہیں۔

دوسرے مقامات پر بھی قرآن مومن بندوں کے اوصاف وخصوصیات کا تذکرہ اسی انداز میں کرتا ہے۔ سورۂ معارج میں نمازی انسانوں کے اوصاف میں فرمایا:

إِلَّا الْمُصَلِّينَ، الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ، وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ، لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ، وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ	سوائے ان نمازیوں کے، جو اپنی نماز پر پابندی اختیار کرنے والے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں متعین حق ہے مانگنے والے اور نادار کے لئے۔ اور وہ جو بدلہ کے دن کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں۔ ضرور ان

---

[1] اس آیت کی تفسیر میں صاحب کشاف نے کہا ہے: ویحتمل العموم فی کل ما ائتمنوا علیہ وعوھدوا من جھۃ اللہ تعالیٰ ومن جھۃ الخلق۔ (اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ عام ہو ان تمام چیزوں کے لئے جن کا کہ انھیں امین بنایا گیا، یا ان سے عہد لیا گیا، اللہ کی طرف سے یا بندوں کی طرف سے)، الکشاف: ۹۱۸/۲۔ ہم نے یہی تفسیر اختیار کی ہے۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُوْنَ، اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ، اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ، فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ، وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَآئِمُوْنَ، وَالَّذِيْنَ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ، اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ۔ (آیات : ۲۵ ۔ ۳۵)

کے رب کا عذاب بے فکر رہنے کی چیز نہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت رکھنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے اور ان کے جو ان کے ہاتھ کی ملک (باندیاں) ہیں۔ سو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ ہاں جو اس سے آگے کا طلب گار ہو تو یہی ہیں جو حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے پیمان کا پاس رکھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نماز کی غیر معمولی طور پر نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو جنتوں میں ہوں گے اور ان پر عزت و اکرام کی بارش ہوگی۔

ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کے وفادار نمازی بندوں کے جن اوصاف و خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے، ان کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ ان کی خصوصیت صرف یہی نہیں بتائی گئی ہے کہ یہ نمازوں کی پابندی کرتے اور اپنے رب کے عذاب کا ڈر رکھتے ہیں، بلکہ ساتھ ہی ان کی یہ صفات بھی بتائی گئی ہیں کہ کمزور بندگان خدا کی معاشی کفالت کا سامان کرتے ہیں، ان کے مال میں سماج کے غریب اور نادار طبقے کا مستقل حصہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی جنسی زندگی میں ایک خاص حد کے پابند ہوتے ہیں، جس کے ذریعہ لوگوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت ملتی اور دنیا امن و امان کا گہوارہ بنتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا یہ وصف یہاں بھی نمایاں کیا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہر طرح کی امانتوں اور معاہدوں کی پابندی کرتے ہیں۔ مزید براں وہ معاملات میں ٹھیک ٹھیک گواہیاں دیتے اور اپنی کہی ہوئی بات پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ جب کہ یہ وہ چیز ہے جس کی بدولت سماج میں لوگوں کو اپنے حقوق کے تحفظ کی ضمانت ملتی ہے بلاشبہ سوسائٹی عدل و انصاف کے اعتبار سے بالکل دیوالیہ ہو جائے اگر لوگ گواہیوں کے معاملہ میں احتیاط و دیانت کا

Marfat.com

دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں اور اپنی بات پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لئے آمادہ نہ ہوں۔ نمازی بندوں کی انفرادی خصوصیات کے علاوہ اجتماعی زندگی سے تعلق رکھنے والے ان کے ان اوصاف کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے ؟ -

سورۂ ذاریات میں متقی بندوں کے اوصاف کے بیان میں بھی ہمیں یہی وسعت و عموم نظر آتا ہے۔ دنیا میں اللہ سے ڈر کر زندگی بسر کرنے والے یہ لوگ اپنے جن اوصاف کے نتیجے میں جنت کے ابدی انعام کے مستحق قرار پائیں گے۔ اس کی تفصیل میں ان کی اس طرح کی خصوصیتوں کے ساتھ کہ حق تعالیٰ سے ان کا تعلق انتہائی مضبوط اور گہرا تھا کہ شب بیداری اور نالۂ نیم شبی ان کی زندگی کا مستقل معمول بن گیا تھا۔ رات کے سکون اور فرصت کے لمحات جس میں غافل انسان خراٹے کی نیندیں لے رہے ہوتے یا دوسرے رنگ رلیوں میں مصروف ہوتے ہیں، خوف خدا سے سرشار یہ بندے یہ وقت اپنے محبوب سے راز و نیاز میں بسر کرتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ ان لوگوں کو جنت کا ابدی انعام صرف خدا سے اس تعلق کی بنیاد پر نہیں ملا، بلکہ خدا تعالیٰ سے ربط و تعلق کے ساتھ اس کے بندوں کے لئے فکرمندی اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے نتیجے میں وہ اس کے مستحق قرار پائے۔ چنانچہ آخر میں ان کا وصف یہ بتایا جو اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ ان کے مال میں غریبوں اور بے سہاروں کا مستقل حصہ ہوتا ہے :

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ، اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ، كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ، وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ، وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ -

ضرور پرہیزگار لوگ باغوں اور چشموں کے بیچ ہوں گے وہ شادکام ہو رہے ہوں گے اس سے جو ان کا رب انھیں عطا کرے گا۔ ضرور وہ اس سے پہلے خوب کار تھے۔ رات میں وہ بہت کم محو خواب ہوتے۔ اور بھور کے وقتوں میں اپنے لئے بخشش کے طلب گار ہوتے۔ اور ان کے مالوں میں حق ہوتا ہے مانگنے والے اور نادار کے لئے۔

(آیات : ۱۵ - ۱۹)

کیا خدا تعالیٰ سے تعلق کے ساتھ بندگان خدا کے حقوق کی ادائیگی کی اس صراحت کے بعد، ان تعلیمات کے نمائندہ مذہب اسلام کے تئیں اس طرح کے کسی خیال کو حق بجانب قرار دیا جا سکتا

Marfat.com

ہے کہ اس کا تعلق صرف خدا اور بندے کے معاملات سے ہے۔ دنیا اور اس کے امور و مسائل سے اسے کچھ سروکار نہیں ؟۔

سورۂ آل عمران میں بھی اللہ سے ڈر کر زندگی گزارنے والے بندوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، جس میں خدا سے پہلے بندوں کے حقوق کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ اپنے گناہوں پر شرمساری اور حق تعالیٰ سے اُن کی معافی سے پہلے ان کی یہ خصوصیات بیان کی گئی ہیں کہ خوشی اور تکلیف ہر حال میں وہ بندگان پر اپنا مال خرچ کرتے، اور اپنی پوری زندگی میں عفو و درگزر کی روش پر عمل پیرا ہوتے ہیں :

...لِلْمُتَّقِيْنَ، الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ، وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ، اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ ۔ (آیات : ۱۳۴ - ۱۳۶)

ان پرہیزگاروں کے لئے، جو خرچ کرتے ہیں آرام اور تکلیف (ہر حال) میں۔ اور غصہ کو پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ (ایسے) خوب کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ وہ کہ جب وہ کوئی بُرائی کریں یا اپنے اوپر ظلم کریں تو انھیں اللہ یاد آجائے سو وہ اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کرسکتا ہے۔ اور وہ اپنے کئے پر اصرار نہ کریں۔ دریں حالیکہ انھیں (اپنے قصوروار ہونے کا) خوب پتہ ہو۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے۔ اور وہ باغات جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی خوب بدلہ ہے ایسی کارکردگی والوں کا۔

دوسرے موقع پر بھی ان متقی بندوں کے یہی اوصاف بیان کئے گئے ہیں جن میں دو چیزیں ان کا صابر اور صادق ہونا، خاص طور پر قابل غور ہیں۔ جن کے اندر، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے ہے، انفرادی و اجتماعی زندگی کے وسیع معاملات شامل ہیں :

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ، اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ، اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ۔

(آل عمران : ۱۵ - ۱۷)

جو لوگ (دنیا میں اللہ سے) ڈر کر رہے ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور پاک جوڑے اور اللہ کی طرف سے خوشنودی۔ اور ایسے بندے اللہ کی نظر میں ہیں۔ یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارے رب ! ہم ضرور ایمان لائے سو تو ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا اسی طرح (بندگیٔ رب پر) جمنے والے (قول و عمل کے) سچے، فرماں بردار (خدا کے لئے)، مال خرچ کرنے والے اور بھور کے وقتوں میں (اپنے گناہوں کی) معافی چاہنے والے ہوتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ بقرہ میں اللہ سے ڈر کر رہنے والے، اپنے ایمان میں سچے اور نیکی اور بھلائی کی روش پر عمل پیرا بندوں کے اوصاف کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جس میں ایمانیات میں گہرائی اور کمزور بندگان خدا کی حاجت روائی و خبر گیری کے علاوہ دیگر خصوصیات کے ساتھ ہماری گفتگو میں ان کا ایک وصف خاص طور پر توجہ کا مستحق ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ لوگ تنگی، پریشانی بیماری، تکلیف اور مصیبت ہر حال میں صبر و استقامت کا پیکر، اور حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے ہیں۔ نیز یہ کہ میدان جنگ کے اندر بھی ان کا یہی وصف اور شعار ہوتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے محبوب بندوں کا دائرہ عمل مسجد و محراب تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ ان کا میدانِ کار معرکۂ کارزار تک بھی اسی طرح وسیع ہوتا ہے۔ یہ اپنی پوری زندگی اسلام اور اس کے مقاصد کے لئے کفن بردوش ہو کر بسر کرتے ہیں۔ خدا کا دین جب مطالبہ کرتا ہے وہ میدانِ جنگ کی طرف مردانہ وار لپکتے ہیں۔ اور وہاں بے مثال پامردی و استقامت کا مظاہرہ کر کے شجاعت و بہادری کا جوہر دکھاتے ہیں :

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

نیکی تو ان کی ہے جو ایمان لائیں اللہ پر، آخرت

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ
الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ
عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَ
السَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ
فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ (آیت : ۱۷۷)

کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر۔
اور وہ جو مال خرچ کریں اس کی محبت کے
باوجود رشتہ داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر،
مسافر پر اور مانگنے والوں پر اور گردنیں چھڑانے
میں اور وہ جو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اور
اپنے عہد و پیمان کو پورا کرنے والے جب کہ وہ عہد و
پیمان باندھیں۔ اور جمنے والے سختی میں اور تکلیف
میں اور جنگ کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں
اور یہی لوگ ہیں جو (اللہ سے) ڈر کر رہنے والے
ہیں۔

دوسرے موقع پر آخری کتاب پر ایمان رکھنے والے سمجھ دار بندوں کے بھی اسی طرح کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، جو علاوہ اور باتوں کے انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں خدا اور بندوں سے کئے گئے عہد و پیمان کا پاس کرتے، بندگانِ خدا کی حاجت روائی کا سامان کرتے اور راہِ حق میں پیش آنے والی ہر طرح کی مشکلات اور پریشانیوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کے کردار کی بلندی و وسعت کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے جنت کی خوش خبری کا پروانہ عطا ہوا۔ ارشاد ہوا:

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ،
اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا
يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ، وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ
مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ،
وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ
وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

یاد دہانی تو بس سمجھ والے حاصل کرتے ہیں۔ یہ
لوگ ہیں جو اللہ سے باندھے گئے عہد و پیمان کو
پورا کرتے ہیں اور وعدے کو توڑتے نہیں ہیں۔
اور یہ لوگ اس چیز کو جوڑتے ہیں جسے اللہ نے حکم
دیا ہے کہ اسے جوڑا جائے اور اپنے رب سے
ڈرتے ہیں اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور
وہ جنھوں نے (راہِ حق میں پیش آنے والی) مشکلات

Marfat.com

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ، جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ، سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ (رعد : ۱۹-۲۴)

کا مقابلہ کیا اور اس میں سے خرچ کیا جو ہم نے انھیں روزی دی کھلے اور چھپے اور جو برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے (پرلے) گھر کا (اچھا) انجام ہے۔ ہمیشگی کے باغات جن میں یہ داخلہ پائیں گے ساتھ ہی ان کے آباؤ اجداد، اہل وعیال اور خاندان کے وہ لوگ جو نیکوکار ہوں گے۔ ہر ہر دروازے سے فرشتے ان پر داخل ہوں گے کہ سلامی ہو تم پر کہ تم (دنیا میں مشکلات کے باوجود راہ حق پر) جمے رہے سو کیا ہی بہترین ہے (اس پرلے) گھر کا یہ انجام۔

یہ گویا پوری زندگی میں رب کی راہ پر چلنے کا ان کے لئے خدائی اعلان ہے۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد خدا کے باغیوں اور سرکشوں کے نقشۂ زندگی کو پیش کیا گیا ہے جو اس کے عین برعکس ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ۔ (رعد : ۲۵)

اور وہ جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اسے مضبوط باندھے جانے کے بعد اور اس چیز کو کاٹتے ہیں جسے اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے جوڑا جائے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی ہیں جن کے لئے پھٹکار اور (دوسری دنیا کا) برا گھر ہے۔

سورۂ توبہ میں سچے اہل ایمان کے سلسلے میں قرآن کے اس اعلان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے ایک خاص طرح کا معاہدہ ہو چکا ہے اور اللہ نے جنت کے عوض ان کی جان و مال کو خرید لیا ہے، یہ ان کے مالک نہیں رہے، بلکہ جہاں اللہ کا حکم ہوگا انھیں جان و مال کی قربانی پیش کرنی ہوگی، چنانچہ ان کی کیفیت ہے کہ راہ خدا میں پوری بے جگری کے ساتھ لڑتے ہیں، جس میں وہ خدا کے دشمنوں کو مارتے ہیں اور اس لڑائی میں وہ مارے بھی جاتے ہیں، اس کے بعد زندگی کے اندر ان کے امتیازی اوصاف کا ذکر بڑے وجد انگیز انداز میں گیا گیا ہے :

Marfat.com

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ السَّاجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

(اللہ کی طرف) پلٹنے والے داس کی، بندگی کرنے والے داس کی، حمد کے ترانے گانے والے روزہ دار، رکوع وسجدہ کرنے والے بھلائی کا حکم دینے والے، برائی سے منع کرنے والے، اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدوں کی نگہداشت رکھنے والے، اور (ایسے) ایمان والوں کو (اچھے انجام کی) خوش خبری سنادو۔

(آیت : ۱۱۲)

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خشوع وخضوع اور خدا سے تعلق کی مظہر صفات کے ساتھ آخر میں ان کا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگی میں بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے منع کرنے والے ہوتے ہیں، جس کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں :

(اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) وهم مع ذٰلك ينفعون خلق الله ويرشدونهم الى طاعة الله بامرهم بالمعروف ونهيهم عن المنكر مع العلم بما ينبغي فعله ويجب تركه وهو حفظ حدود الله في تحليله وتحريمه علما وعملا فقاموا لعبادة الحق

(بھلائی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے) اس کا مطلب ہے کہ یہ لوگ بھلائی کا حکم دے کر اور برائی سے منع کرکے دوسری باتوں کے علاوہ (خاص طور پر) خلقِ خدا کی نفع رسانی کا سامان کرتے ہیں اور اللہ کی اطاعت وبندگی کے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ اس طور پر کہ انھیں پوری واقفیت ہوتی ہے کہ کس کام کو کیا جانا چاہئے اور کس چیز کو چھوڑنا ضروری ہے۔ اور یہ ہے اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدود کی نگہداشت کہ اس نے کس چیز کو حلال کیا ہے اور کن کو حرام گردانا ہے۔ اس طرح کہ آدمی

و نصح الخلق ولهذا قال (و بشر المؤمنين) لان الايمان يشمل هذا كله والسعادة كل السعادة لمن اتصف به[1]

اس سے اچھی طرح واقف ہو اور اسے عملاً برت کر بھی دکھائے۔ پس اس طرح یہ لوگ حق تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور خلق خدا کی نصح و خیر خواہی دونوں کا حق ادا کرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: (ایسے) اہلِ ایمان کو خوش خبری سنا دو، اس لئے کہ ایمان کے اندر یہ تمام ہی باتیں شامل ہیں۔ اور خوش بختی پر خوش بختی ہے ان کے لئے جو ان سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔

اس سلسلے کا ان لوگوں کا دوسرا وصف یہ بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کی نگہداشت کرنے والے ہیں۔ (و الحافظون لحدود اللہ)، جس کا دائرہ جملہ معاملاتِ زندگی کو محیط ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں قرآن کے دوسرے نظائر پر نظر ڈالنی ہوگی جن میں ان 'حدود اللہ' کی نشاں دہی اور ان کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں بیوی سے جنسی تعلق کے بعض موانع کی تفصیل کے بعد فرمایا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ (آیت: ۱۸۷)

یہ اللہ کی ٹھہرائی حدیں ہیں سو تم ان کے پاس نہ پھٹکو۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ ڈر کر رہیں۔

اسی سورہ میں آگے نکاح و طلاق کے بعض اہم معاملات کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں سو تم

---

[1] ابن کثیر: ۲/ ۳۹۲۔

Marfat.com

تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (آیت: ۲۲۹)

انھیں نہ پھاندو۔ اور جو کوئی اللہ کی حدوں کو توڑے تو یہی لوگ اپنے سے دشمنی کرنے والے ہیں۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔ (آیت: ۲۳۰)

یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں جنھیں وہ کھول کر بیان کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں۔

دوسرے موقع پر معاشرتی زندگی کے اسی اہم ترین مسئلہ، طلاق، کی بعض مزید جزئیات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ (طلاق: ۱)

یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کی حدوں کو توڑے تو اس نے اپنے سے دشمنی کی۔

سورۂ نساء میں وراثت کی جزئیات کی تفصیل پیش کرنے کے بعد تاکید کی گئی:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ (آیات: ۱۳-۱۴)

یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے کہے پر چلے اسے وہ ان باغوں میں داخلہ دے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی ٹھہرائی ہوئی حدوں کو توڑے تو اسے وہ داخل کرے گا دوزخ میں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا۔

دوسرے موقع پر کفارۂ ظہار کی وضاحت کے بعد فرمایا:

Marfat.com

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (مجادلہ: ۴) اور یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

فہم قرآن کا اہم ترین اصول ہے کہ قرآن کی وضاحت اس کے دوسرے نظائر کی روشنی میں کی جائے، اس لئے کہ "القرآن یفسر بعضہ بعضا"۔[1] (قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی تفصیل وتشریح کرتا ہے)۔ اس روشنی میں ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ قرآن اہل ایمان کے اوصاف میں جب ان کی یہ صفت بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنی زندگی میں اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدوں کی نگہداشت کرنے والے ہوتے ہیں تو اس کا دائرہ کس قدر وسیع ہوتا ہے اور کس طرح یہ چیز کسی خاص دائرے میں محصور نہ ہوکر جملہ معاملاتِ زندگی کو اپنے احاطے میں لیتی اور اس کے اہم ترین امور ومسائل کو شامل ہوتی ہے

اسی سورہ میں دوسرے موقع پر اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کے اوصاف وخصوصیات کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَّاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (توبہ: ۷۱)

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے کہے پر چلتے ہیں یہی لوگ ہیں کہ اللہ جلد انھیں اپنی رحمت سے نوازے گا۔ ہاں اللہ بڑی شوکت والا، حکمت والا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں خدا تعالیٰ کی رحمت کی بشارت سے نوازے جانے والے جن مومن مردوں اور عورتوں کا تذکرہ ہے، ان کے اوصاف کے بیان میں ان کی نمازوں کے اہتمام کے ساتھ، ان

---

[1] الکشاف للزمخشری: ۱/۶۳۲۔ کلکتہ، تفسیر المنار: ۶/۳۹۸، التکمیل فی اصول التاویل للفراہی ۶۸/۔ الدائرۃ الحمیدیہ ومکتبتہا ۱۳۸۸ھ۔ نیز علم اصول الفقہ للخلاف/۲۱۹۔ دارالقلم کویت، ۱۹۸۳ء۔

Marfat.com

کی طرف سے ادائیگیٔ زکوٰۃ کی پابندی کا بھی تذکرہ ہے، جو اسلام میں کمزور بندگانِ خدا اور اسلامی ریاست کی معاشی ضروریات کی تکمیل کا سب سے جامع اور اہم ترین عنوان ہے۔ اسی طرح ان کا ایک وصف یہ بتایا ہے کہ یہ لوگ بھلائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے منع کرتے ہیں، حافظ ابن کثیر کے حوالہ سے جس کی تشریح ابھی اوپر گزری کہ اس کے اندر جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی ٹھہرائی ہوئی حدود اور اس کے حلال و حرام کا پاس و لحاظ شامل ہے۔ آگے اس کی مزید وضاحت کر دی کہ یہ لوگ کسی قید و شرط کے بغیر جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ زندگی کے انفرادی اور اجتماعی جملہ امور و معاملات میں یہ اسی راستے کے پابند ہوتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے دکھایا ہے۔ صرف عبادات ہی نہیں بلکہ ان کی معاشرت، ان کا اخلاق، معیشت، تمدن، سیاست ہر ایک اسی دائرے کا پابند ہوتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے کھینچا ہے۔ اور ان تمام ہی معاملات میں یہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے پر کاربند ہوتے ہیں۔

سورۂ شوریٰ میں اہل ایمان بندوں کے اوصاف کے دائرے نے مزید وسعت اختیار کر لی ہے۔ ایمان کے تقاضوں کو صحیح طور پر پورا کرنے اور اپنے خدا پر سچے معنوں میں بھروسہ کرنے والے لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

... لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى	...ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں اور
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ، وَالَّذِيْنَ	اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور جو
يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ	بچتے ہیں بڑے گناہوں اور بے حیائی کے
وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا	کاموں سے اور جب انھیں غصہ آتا ہے
غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ،	تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور وہ جنھوں نے
وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ	اپنے رب کی پکار پر لبیک کہا اور نماز قائم
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ	کی اور ان کا معاملہ باہم مشورے کا ہے اور
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ	جو ہم نے انھیں روزی دی ہے اس میں
يُنْفِقُوْنَ، وَالَّذِيْنَ اِذَآ	سے یہ خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ کہ جب انھیں
اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ	ظلم و تعدی کا سامنا ہو تو وہ اس کا مردانہ وار

Marfat.com

يَنْتَصِرُوْنَ۔ (آیات: ۳۶-۳۹) مقابلہ کرتے ہیں۔

ان آیاتِ کریمہ میں ان اہل ایمان بندوں کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں اس میں ان کی نکوکاری، اخلاقِ کریمانہ اور نماز وزکوٰۃ کے اہتمام کے علاوہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی پیروی اختیار کرتے ہیں[1]۔ ان کا دوسرا وصف یہ ہے کہ یہ اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ اور بات صرف چھوٹے موٹے امور و مسائل کی نہیں بلکہ صلح و جنگ اور ملکی اور قومی نوعیت کے مسائل بھی اس میں اسی طرح بلکہ مقدم طور پر شامل ہیں۔ چنانچہ دوسرے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں سے مشورہ کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کا تعلق خاص طور پر جنگی صورتِ حال سے ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیتِ ذیل غزوۂ بدر اور جنگِ احد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہی گئی ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ	سو تم ان سے درگزر کرو۔ (ان کی کوتاہیوں
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ	کے لئے اللہ سے) معافی طلب کرو اور
وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ	(پیش آمدہ) معاملہ میں ان سے مشورہ
فَإِذَا عَزَمْتَ	کرو۔ (اس کے نتیجے میں) تم جس بات کا
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔	تہیہ کرو تو پھر اللہ کے بھروسہ پر (آگے

(آیت: ۱۵۹) بڑھتے) رہو۔

ان دونوں ہی جنگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابۂ کرامؓ سے مشورہ لیا تھا۔ دوسرے غزوات کے موقع پر بھی آپؐ نے ان سے مشورہ کیا۔ آپؐ کا معمول تھا کہ دیگر امور و مسائل کے علاوہ جنگی معاملات میں آپؐ خاص طور پر حضراتِ صحابہ سے مشورہ کرتے تھے۔

---

[1] حافظ ابن کثیرؒ نے اس ٹکڑے کی یہی تفسیر کی ہے: (والذین استجابوا لربھم) ای اتبعوا رسلہ، واطاعوا امرہ واجتنبوا زجرہ۔ (یہ لوگ رسولوں (کے دکھائے ہوئے راستے) کی پیروی کرتے ہیں۔ (جملہ معاملاتِ زندگی میں) اللہ کے اوامر کو اختیار کرتے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتے ہیں)۔ ابن کثیر: ۴/۱۱۸۔

اور بسا اوقات ان کے مشوروں پر ہی پیش قدمی کا فیصلہ فرماتے تھے۔[1] اس سلسلے کا ان کا آخری نمایاں وصف یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ظلم وجبر کے خلاف سینہ سپر ہوتے ہیں۔ ظلم وتعدی کے مقابلہ میں یہ لوگ عاجزی اور مسکنت کا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ اجتماعی طور پر پوری قوت کے ساتھ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ عفو ودرگزر سے کام لیتے ہیں، لیکن مجبوری اور بے بسی سے نہیں بلکہ مقابلہ کی پوری قوت رکھتے ہوئے عزیمت کی راہ پر چل کر ایسا کرتے ہیں:

و الذین اذا اصابھم	"اور وہ کہ جب انھیں ظلم وتعدی کا سامنا
البغی ھم ینتصرون)	ہو تو وہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں"؛
ای فیھم قوۃ الانتصار	اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ ان کے اوپر
فمن ظلمھم و اعتدیٰ	ظلم وزیادتی کا ہاتھ بڑھائیں ان کے اندر
علیھم لیسوا بالعاجزین	ان کے مقابلہ کی پوری قوت اور صلاحیت
و لا الاذلین بل	ہے۔ وہ مجبور وبے بس اور بالکل درماندہ
یقدرون علی الانتقام	نہیں ہیں۔ بلکہ جو کوئی ان کے خلاف چڑھائی
ممن بغیٰ علیھم	کرے وہ اس سے بدلہ لینے کی پوری اہلیت
و ان کانوا مع	رکھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ جب (دشمن)
ھذا اذا قدروا	ان کی مٹھی میں آجائے تو وہ اسے معاف
عفوا۔[2]	کردیں۔

سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان مردوں اور عورتوں کی مطلوبہ اوصاف وخصوصیات کا ایک جامع مرقع پیش کیا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ	"ضرور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، ایمان
وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ	والے مرد ایمان والی عورتیں، فرماں بردار
وَالْقَانِتِیْنَ وَالْقَانِتَاتِ	مرد اور فرماں بردار عورتیں (قول وعمل کے

---

[1] ابن کثیر: ۱/۴۲۰۔ [2] حوالۂ سابق: ۴/۱۱۸۔

Marfat.com

وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ — سچے مرد اور (قول و عمل کی) سچی عورتیں
وَالصَّابِرِيْنَ وَالصَّابِرَاتِ — اور (اللہ کے راستے میں) ثابت قدم رہنے
وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ — والے مرد اور (اللہ کے راستے میں) ثابت
وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ — قدم رہنے والی عورتیں اور (اللہ کے لئے)
وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصَّآئِمَاتِ — جھکنے والے مرد اور (اللہ کے لئے) جھکنے
وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ — والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور
وَالْحَافِظَاتِ وَ — صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے
الذَّاكِرِيْنَ — والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور
اللّٰهَ كَثِيْرًا — اپنی شرمگاہوں کی نگرانی رکھنے والے مرد
وَالذَّاكِرَاتِ — اور ایسی ہی عورتیں اور اللہ کو بہت زیادہ
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ — یاد کرنے والے مرد اور ایسی ہی عورتیں
مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا — اللہ نے ان کے لئے بخشش اور بڑے
عَظِيْمًا ۔ (۳۵) — اجر و ثواب کا وعدہ کر رکھا ہے ۔

یہاں مومن بندوں کے ان اوصاف عالیہ میں دو چیزیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں ان کا سچا[1] ہونا اور صفتِ صبر[2] سے متصف ہونا۔ والصادقین والصادقات ، والصابرین والصابرات قرآن کی رو سے ان اوصاف کا غالب استعمال زندگی کے انفرادی معاملات و مسائل سے زیادہ اسلامی اجتماعیت کے اہم ترین گوشے جہاد و قتال اور اس کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے سے ہے ۔ صدق کا مطلب ہے کہ آدمی زبان سے جس بات کا اقرار کرے ، اپنے عمل سے اسے سچ کر دکھائے ۔ یہاں تک کہ اس راستے میں اسے اپنی سب سے قیمتی متاع 'جان' کا نذرانہ پیش کرنے میں بھی کچھ تامل نہ ہو۔ اسی سورہ میں اس سے پہلے غزوۂ احزاب کی نقشہ کشی کرتے ہوئے جس کا دوسرا نام غزوۂ خندق ہے ، جس میں تمام دشمنِ اسلام قبائل کی مشترکہ قوت مدینہ کے مسلمانوں پر آخری کاری ضرب لگانے کے لئے میدان میں نکل آئی تھی ۔ کفار و مشرکین کے علاوہ تمام یہودی قبائل بھی اس میں شامل ہو گئے تھے ۔ اور منافقین کی جماعتیں بھی ان کے ساتھ تھیں ۔ قرآن

نے اسی جان کی بازی لگانے کو اہل ایمان کی سچائی کی کسوٹی قرار دیا۔ فرمایا:

وَلَمَّا رَأَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا، مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ، لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

اور جب اہل ایمان جماعت نے (دشمن کے) جتھوں پر جھپٹتے دیکھے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ یہی وہ چیز ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کر رکھا تھا۔ اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا۔ اور اس چیز نے جو کیا تو ان کے ایمان و سپردگی ہی میں اضافہ کیا۔ اہل ایمان میں وہ جیالے ہیں جنھوں نے اس چیز کو سچ کر دکھایا جس پر انھوں نے اللہ سے عہد باندھا تھا۔ سو ان میں کچھ ہیں جو اپنی گردنیں کٹا چکے اور دوسرے ہیں جو اس کے انتظار میں ہیں اور ان کے ارادے میں کمزوری نہیں آئی۔ (یہ اس لئے) تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور منافقوں کو سزا دے اگر چاہے یا (وہ توبہ کریں) اور وہ ان کی توبہ کو قبول کرے ضرور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ (۲۲ - ۲۴)

دوسرے موقع پر نفاق زدہ مسلمانوں کے سلسلے میں، جن کا حال تھا کہ راہِ خدا میں جنگ کے لئے اپنی بے چینی کا اظہار کرتے ان کی زبانیں خشک ہوتیں، لیکن اس کا صاف اور صریح حکم آجانے کے بعد ان پر موت کی غشی طاری ہو جاتی، فرمایا کہ صرف زبان سے نہیں بلکہ جان لڑا کر اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرنا چاہئے:

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ، فرماں برداری اور بھلائی کی بات (ہی
فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ بہتر ہے) سو جس وقت معاملہ ٹھن جائے
صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ اس وقت اگر یہ اللہ کے تئیں اپنے سچے
خَيْرًا لَّهُمْ ۔ [1] ہونے کا ثبوت دے سکیں تو ان کے

(محمد: ۲۱) لئے بہت بہتر ہو۔

یہی حال آیتِ بالا میں اہلِ ایمان کی دوسری مطلوبہ صفت 'صبر' کا ہے کہ اس کا تعلق بھی انفرادی زندگی سے زیادہ اجتماعیت کے اسی گوشے جہاد و قتال سے ہے۔ سورۂ انفال میں غزوۂ بدر کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مسلمانوں اور کافروں کی جنگی صلاحیت کا موازنہ ان الفاظ میں کیا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ اے نبی مومنوں کو جوش دلاؤ جنگ کے
عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ لئے۔ اگر تم میں سے بیس جمنے والے
عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا (صابر) ہوں گے تو وہ دو سو پر بھاری
مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ ہوں گے۔ اور اگر تم میں سے سو (ایسے)
يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ ہوں گے تو وہ جنھوں نے کفر کیا ان کے ہزار
كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا پر بھاری ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ وہ لوگ
يَفْقَهُوْنَ ۔ (۶۵) ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

آگے مسلمانوں کے اندر آجانے والی کمزوری اور ان کے سابقہ عزم و ارادے میں پیدا ہو جانے والی کمی کے باعث اس تناسب میں تخفیف کرتے ہوئے بھی اہلِ ایمان بندوں کی اسی صفت کا حوالہ دیا:

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کر دیا اس لئے
اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ کہ اسے پتہ ہے کہ (اب) تمہارے اندر

---

[1] نیز ملاحظہ ہو، توبہ: ۴۳ اور عنکبوت ۳۔

مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔

(۶۶)

کمزوری آگئی ہے۔ سو (اب) اگر تم میں سو جمنے والے (صابر) ہوں گے تو وہ دوسو پر بھاری ہوں گے۔ اور اگر تم میں سے ایک ہزار ایسے ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر بھاری ہوں گے اور اللہ ایسے ہی جمنے والے (صابروں) کے ساتھ ہے۔

اسی سورہ میں اس سے پہلے اہل ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے نزدیک 'صبر' کا غالب استعمال جہاد و قتال ہی کے لئے ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔

(۴۵-۴۶)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہارا (دشمن) جماعت سے مقابلہ ہو تو پامردی دکھاؤ اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کے کہے پر چلو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ تم کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے اور (لڑائی میں) جمے رہو۔ ضرور اللہ ایسے جمنے والوں (صابروں) کے ساتھ ہے۔

دوسرے مقام پر بھی غزوۂ بدر پر تبصرہ کرتے ہوئے بالکل اسی سیاق میں مسلمانوں کی صفت 'صبر' کا اعادہ فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ

اور یاد کرو جب کہ تم اہل ایمان جماعت سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے بس نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار

Marfat.com

مِنَ الْمَلَآئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ، بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلَآئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۔

(آل عمران : ۱۲۴ - ۱۲۵)

کہ تمہاری مدد کرے۔ ہاں اگر تم (لڑائی میں) جمو (صبر کرو) اور (اللہ سے) ڈرتے رہو (جس کے نتیجے میں) یہ (فرشتے) تم تک فی الفور پہنچیں تو یہ اپنی جگہ (مزید) تمہارا رب تمہاری پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کرے گا جو (اسی کام کے لئے) نشان زدہ ہوں گے۔

سورہ کے آخر میں مسلمانوں کو جنگ کے لئے تیار رہنے کی تاکید کرتے ہوئے بھی ان کو اسی 'صبر' کی تلقین کی گئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (۲۰۰)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو (لڑائی میں) جمو (صبر اختیار کرو) اور ایک دوسرے پر بڑھ کر جمو اور سرحدوں پر ڈٹے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم بامراد ہو۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۷ میں صدق و صبر کی اس حقیقت کو یکجا بیان کر دیا گیا ہے:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔

اور جمنے والے (صبر کرنے والے) سختی میں، تکلیف میں اور جنگ کے وقت یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو ڈرنے والے ہیں۔

اس کتاب میں بار بار اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اسلام میں جہاد و قتال کا مقصد ہے کہ خدا کے اس آخری دین کے راستے کی تمام رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے ختم کیا جائے۔

لہ نیز ملاحظہ ہو، سورہ بقرہ، آیات ۱۵۵، ۲۴۹، ۲۵۰ - آل عمران: ۱۷، ۱۴۲، ۱۴۶ - نحل: ۱۱۰، محمد: ۳۱ وغیرہ۔

Marfat.com

یہاں تک کہ روئے زمین پر اس دین حق کے سوا بقیہ تمام مذاہب وادیان اور باطل نظامہائے زندگی کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہے۔ کیا مومن کی ان مطلوبہ صفات اور اہلِ ایمان کے اس نقشۂ زندگی کو دیکھنے کے بعد بھی کسی سمجھ دار شخص کے لئے مذہبِ اسلام کے سلسلے میں اس طرح کا خیال کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ اس کا تعلق صرف خدا اور بندے کے معاملہ سے ہے، دنیا کے معاملات اور اس کے امور و مسائل سے اسے سروکار نہیں ؟

Marfat.com

تصوّرِ مذہب

معروف دینی اصطلاحات کے آئینے میں

ہر عقیدہ و مسلک اور نظام فکر و عمل کے اندر کچھ مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں جن سے اس کا تشخص قائم ہوتا اور اس کے مزاج اور حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔ مذہب اسلام کی بھی کچھ خاص اصطلاحات ہیں جن کے بغیر اس کا کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ایمان، عملِ صالح، عبادت، تقویٰ، احسان، خشوع، توکل، صبر وغیرہ وہ مصطلحات ہیں جو مرضیاتِ الٰہی کے اس آخری ایڈیشن 'اسلام' کا ناگزیر جزء ہیں جن کو زیرِ بحث لائے بغیر اس دین قویم پر گفتگو و بحث کا آغاز نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیا ان معروفِ دینی اصطلاحات کا دائرہ زندگی کے کسی خاص گوشے تک محدود ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہ کیا ان کا تعلق صرف زندگی کے نجی اور انفرادی دائرے سے ہے، اس کے بقیہ امور و مسائل اور زندگی کے اجتماعی معاملات سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مذہب کو انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ قرار دینے اور زندگی کے اجتماعی امور و مسائل سے اسے بے دخل کرنے کے شور و غوغا میں جس طرح دنیا کے دوسرے ادیان و مذاہب کے ساتھ اسلام کو بھی لوگوں نے اسی صفت میں شامل سمجھا، مذہب کے خلاف اس زبردست پروپگنڈے میں ان اسلامی اصطلاحات کے سلسلے میں بھی یہی خیال باور کر لیا گیا ہو۔ لیکن جس طرح مذہب کے تئیں اس رائج الوقت محدود تصور سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں اور اس کا دامن اس سے بری ہے، اس کی نمائندہ یہ اصطلاحات بھی اس طرح کے کسی تصور سے قطعی ناآشنا، اور اسلام کا دستور اساسی، قرآن، اس سے بالکلیہ اپنی برأت کا اعلان کرتا ہے۔

Marfat.com

ایمان اور عملِ صالح

ایمان اور عملِ صالح دین کا نقطۂ آغاز اور ساتھ ہی ایک طرح سے اس کی پوری حقیقت کا ترجمان ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے ایک سے زیادہ مقامات پر اسے اختیار کرنے والوں کو جنت کی خوش خبری سنائی ہے :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ (بقرہ : ۸۲)

اور وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہی جنت والے ہیں جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ (تغابن : ۹)

اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور نیک عمل کرے تو وہ اس سے اس کی کوتاہیوں کو زائل کرے گا اور اسے داخلہ دے گا ان باغات میں جس کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ یہی بڑی کامیابی ہے ۔

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۔ (طلاق : ۱۱)

اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور نیک عمل کرے تو وہ اسے داخلہ دے گا ان باغوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ نے اس کے لئے کیا ہی بہترین روزی کا سامان کیا ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۔

ضرور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کی ضیافت میں جنت کے اعلیٰ ترین درجے ہوں گے ۔ یہ ان میں ہمیشہ

Marfat.com

خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۔ (کہف : ۱۰۷ - ۱۰۸)

ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان سے کبھی ہٹنا نہ چاہیں گے۔

لیکن کیا اس ایمان کا مطلب محض کچھ غیبی حقائق کو مان لینا ہے، جس کا اس دنیا کی زندگی اور اس کے امور و مسائل سے کچھ تعلق نہ ہو۔ قرآن کے مطلوبہ ایمان کا نقشہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ جس کا مطالبہ ہے کہ آدمی اپنی پوری زندگی میں دین کے جملہ مقتضیات پر عمل پیرا ہونے کے لئے کمربستہ ہو۔ یہاں تک کہ اس راستے میں اسے اپنا گھر بار چھوڑنے، یہی نہیں بلکہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے میں بھی کچھ تامل نہ ہو۔ سورۂ آل عمران کے آخر میں سمجھ دار (اولوالالباب) بندوں کے ایمان کے اعلان کے ساتھ ان کی دلی کیفیات کی ترجمانی اس وجد انگیز انداز میں کی گئی ہے:

رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ، رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادِ ۔ (۱۹۳ - ۱۹۴)

اے ہمارے رب ہم نے سنا ایک پکار لگانے والے کو جو پکار لگا رہا تھا ایمان کی کہ لوگو اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب تو تو ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہم سے ہماری کوتاہیوں کو زائل کر دے اور ہماری موت نیکوں کے ساتھ ہو۔ اے ہمارے رب اور ہمیں عطا کر وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبانی اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ ہونے دے۔ ضرور تو وعدے کے خلاف نہیں کرتا ہے۔

اس کے جواب میں قرآن نے ایمان کے اس اقرار کے جو تقاضے بتائے ہیں اس سے

Marfat.com

پتہ چلتا ہے کہ اس کے مطلوبہ ایمان کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ جس کے اندر اپنی پوری زندگی میں دین کے تقاضوں پر عمل کے ساتھ اس کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دینا ضروری ہے۔ آخرت کی کامیابی انہی کا حصہ ہوگی جنھیں اللہ کے راستے میں مارنے اور مرنے میں کچھ دریغ نہ ہو۔ اور دین حق کے غلبہ و نفاذ اور دنیا کے اندر پائی جانے والی باطل اور طاغوتی قوتوں کا سر کچلنے کے لئے وہ ہر وقت کمر بستہ ہوں :

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ: اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ، (۱۹۵)

تو ان کے رب نے ان کی پکار پر لبیک کہا کہ میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک ہی جنس سے ہو سو جن لوگوں نے وطن کو خیر باد کہا۔ اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستہ میں ستائے گئے اور وہ لڑے اور مارے گئے تو میں ضرور ان سے ان کی کوتاہیوں کو زائل کروں گا اور انھیں داخلہ دوں گا ان باغوں میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ اللہ کے پاس سے بدلہ ہوگا اور اللہ کے پاس بہترین بدلہ ہے۔

دوسرے موقع پر بھی قرآن نے سچے ایمان اور اس کے حاملین کی یہی صفت قرار دی کہ اللہ کے دین کو غالب اور سربلند کرنے کے لئے اپنی جان اور مال سے جہاد ان کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے۔ مہاجرین اور انصار کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا :

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا اور وہ جنھوں نے ہجرت اختیار کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اور وہ جنھوں نے

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ رِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ (انفال : ۷۴)

(ان مہاجرین کو) پناہ دی اور (ان کی ہر طرح سے) مدد کی، یہی سچے ایمان والے ہیں۔ ان کے لئے معافی اور بہترین روزی (کا وعدہ) ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ (حجرات : ۱۵)

ایمان والے تو بس وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر انھیں کچھ تردد نہ رہے اور وہ جہاد کریں اللہ کے راستے میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

ایک اور مقام پر ایمان کی حقیقت یہ بتائی کہ آدمی کسی شرط اور کسی تحفظ کے بغیر اپنی پوری زندگی میں خدا اور رسول کی اطاعت کا قلادہ گردن میں ڈال لے۔ اور دین کے بقیہ مطالبات کو پورا کرنے کے ساتھ اس کے لئے میدانِ جنگ میں اترنے میں اسے کچھ ہچکچاہٹ نہ ہو۔ سچے ایمان کا یہ ایسا بدیہی تقاضہ ہے جس کے بغیر اس کی کوئی تصویر مکمل نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوا:

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ

ایمان والوں کا کہنا تو بس یہ ہوتا ہے جب انھیں بلایا جائے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کرے، کہ وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ اور جو کوئی مان کر رہے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اللہ کا ڈر رکھے اور اس (کی نافرمانی) سے بچ کر رہے تو یہی لوگ ہیں جو بامراد ہیں۔ اور انھوں نے

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ، وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ، قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۔

(نور : ۵۱ - ۵۴)

قسمیں پر قسمیں کھائیں اللہ کی کہ (اے نبیؐ) اگر تم انھیں حکم دو گے تو وہ (جنگ کے لئے) ضرور نکلیں گے۔ کہو کہ قسمیں کھا کر بات نہ بناؤ۔ بھلی طرح مان کر دو تو یہ بہتر ہے۔ ضرور اللہ کو پتہ ہے جو تم کرتے ہو۔ کہو کہ بات مانو اللہ کی اور بات مانو رسول کی۔ سو اگر یہ روگردانی کریں تو اس پر (پیغمبر پر) تو اس کی ذمہ داری ہے جس کا بوجھ اس پر رکھا گیا ہے۔ اور ان پر اسی کی ذمہ داری ہے جس کا بوجھ ان پر رکھا گیا ہے۔ اور اگر تم اس کی (نبی کی) بات مانو گے تو راہ یاب ہو گے۔ اور رسول پر تو بس کھلے طور پر پہنچا دینا ہے۔

بدر کے موقع پر مال غنیمت کی تقسیم میں بشری تقاضے سے مسلمانوں کے اندر باہم کچھ رنجشیں ہو گئیں۔ اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے قرآن نے دل کی کدورتوں کو نکالنے کے ساتھ خدا اور رسولؐ کی بے لاگ اطاعت کا حکم دیا اور بعد میں اس سلسلے کی دوسری تدبیریں بتائیں جن سے دنیا کی محبت ختم ہو اور دوسری تمام چیزوں سے آزاد ہو کر خالص اللہ کی رضا پیدا ہو۔ قرآن ان دونوں ہی باتوں کو سچے ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کا مطلوبہ ایمان انسان کا پرائیویٹ معاملہ نہیں، بلکہ صلح و جنگ کے اہم ترین اجتماعی امور و مسائل بھی اس کے دائرے میں اسی طرح شامل ہیں:

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا

(اے نبیؐ) لوگ تم سے جنگ میں ہاتھ آنے والے مال (انفال) کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دو کہ جنگ میں ہاتھ لگنے والے مال

Marfat.com

ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ،
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ
اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ
قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ
اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ،
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ،
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا
لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
كَرِيْمٌ۔

(انفال: ۱-۴)

(انفال) اللہ اور رسول کے ہیں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے معاملہ کو درست کرو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اگر تم ایمان والے ہو۔ ایمان والے تو بس وہ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جائے تو ان کے دل ہل جائیں اور جب ان کے اوپر اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو یہ چیز ان کے ایمان میں اضافے کا موجب ہو۔ اور یہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے انھیں روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو دراصل ایمان والے ہیں۔ ان کے لئے ان کے رب کے پاس (بلند) درجات اور (گناہوں) کی معافی اور بہترین روزی ہے

سود اجتماعی زندگی کی کتنی بڑی لعنت ہے۔ جس کے جنگل میں پھنس کر آج کی متمدن دنیا بھی کراہ رہی ہے۔ اس کی نحوست سے عالمی معیشت خطرے میں اور دنیا کے کمزور انسانوں کی زندگی اجیرن ہے۔ قرآن اس لعنت سے اپنے کو دور رکھنے کو ایمان کا صریحی تقاضا بتاتا ہے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

(بقرہ: ۲۷۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور جو بچا کھچا سود رہ گیا ہے اس سے ہاتھ اٹھا لو اگر تم (سچے معنوں میں) ایمان رکھتے ہو۔

Marfat.com

دوسرے موقع پر قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمان خواتین سے ایمان کی بیعت لیتے ہوئے اس کی جن دفعات کی نشاندہی کی ہے، اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے مطلوبہ تصور ایمان کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔ جس کے اندر انفرادی زندگی کے اعمال کی انجام دہی کے ساتھ، اجتماعی زندگی کی اہم ترین دفعات بھی شامل ہیں۔ ارشاد ہوا :

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ	اے نبیؐ جب تمہارے پاس اہل ایمان
الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَلَّا	عورتیں آئیں تم سے بیعت کرنے کے لئے
يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا	اس بات پر کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز
وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ	کو ساجھی نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی
وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا	اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو جان
يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ	سے ماریں گی اور نہ وہ (بدکاری کا) کوئی
بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ	تہمت باندھ کر لائیں گی اسے گڑھتے ہوئے
وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ	اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بیچ اور نہ وہ
فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ	کسی بھلائی کے کام میں تمہاری نافرمانی
لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ	کریں گی تو تم ان سے بیعت کرو اور اللہ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ	سے ان کے لئے گناہوں کی معافی چاہو۔
رَّحِيْمٌ ۔	ضرور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے

(ممتحنہ : ۱۲) والا ہے۔

قرآن کی ان تصریحات کی روشنی میں صاحب 'نظام القرآن' کی ایمان کی مطلوبہ کیفیت اور قرآن کی نظر میں مومن کی مطلوبہ تصویر کی یہ تفسیر آبِ زر سے لکھی جانے کے قابل ہے :

فالمومن من امن	پس مومن وہ ہے جو ایمان لائے اللہ
باللہ و الائہ	پر اور اس کی قدرتوں اور نشانیوں پر
و اٰیاتہ و اذعن	اور اس کے احکام کو بے چون وچرا مانے
لاحکامہ و سلم	اور اس کے سامنے بالکلیہ سر تسلیم خم کر دے

Marfat.com

له کلیة فملئ بالرضا
لکلما قضی فکما ان
الایمان للعقل
هدی ونور فکذٰلك
هو للقلب صلاح و
طهور فیفیض علی
الرأی والارادة
معا ویحیط با
العلوم والاعمال
جمیعا، فالمومن فی اصطلاح
القرآن هو الحابد
للّٰه الذی حقق عبودیته
بالایقان لآیاته
والاذعان لاحکامه
محبته ورضی۔ [1]

پس پروردگار کا جو فیصلہ ہو اس پر وہ
پوری طرح راضی اور مطمئن ہو۔ پس اگر
ایمان ایک طرف عقل کے لئے رہنمائی کا
سامان اور روشنی کا ذریعہ ہے تو دوسری
طرف دل کی پاکی اور اس کی بہتری کا وسیلہ۔
پس اس کا اثر رائے اور ارادے دونوں
پر بیک وقت پڑتا ہے۔ اور تمام علوم اور
جملہ اعمال کو اپنے دائرے میں لے لیتا
ہے۔ پس قرآن کی اصطلاح میں مومن
وہ ہے جو (بہمہ وجوہ) اللہ کی بندگی کرنے
والا (عابد) ہے۔ جو اپنی بندگی (عبودیت)
کو پوری طرح سچ کر دکھائے۔ اس طور پر
کہ اسے اسکی آیتوں پر گہرا یقین ہو۔ اور (جملہ معاملات
زندگی سے متعلق) وہ اس کے احکام کے لیے پوری
طرح سرفگندہ ہو۔ اور اس میں (اللہ کی) محبت اور
(اس کی) خوشنودی کی دوگونہ کیفیت شامل ہو۔

عملِ صالح

یہی حال 'عمل صالح' کا ہے جو قرآن کی نظر میں وسیع تر معاملاتِ زندگی کو حاوی ہے۔ قرآن کا 'عمل صالح'، ہمارے ہاں مروجہ 'نیک کام'، یا نیکی اور بھلائی کے کام، کے مرادف نہیں، بلکہ اس کے اندر انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام کام اور ان دونوں سے تعلق رکھنے والے جملہ فرائض و واجبات شامل ہیں۔ اسلام کے اجتماعی مقاصد کی اہم ترین دفعہ ہے کہ دنیا

---

[1] تفسیر سورۃ العصر: ۱۰۔ مطبوعہ فیض عام علی گڑھ سنہ ۱۳۲۶ھ۔

Marfat.com

کے اندر بے لاگ طریقے پر عدل وانصاف قائم ہو۔ اور ظلم وناانصافی کی جملہ صورتوں کا خاتمہ عمل میں آئے۔ قرآن اپنے ماننے والوں کو اس عدل وانصاف کے قیام کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کی تلقین کرتا ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اٹھ کھڑے
کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ	ہو اللہ کے واسطے حق وانصاف کی
شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ	گواہی دینے والے بن کر۔ اور کسی قوم کی
شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا	دشمنی تم کو اس کا قصوروار نہ بننے دے کہ
تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ	تم عدل وانصاف سے ہٹ جاؤ۔ عدل و
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا	انصاف سے کام لو یہی خوفِ خدا سے
اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا	قریب تر بات ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔
تَعْمَلُوْنَ۔ (مائدہ: ۸)	ضرور اللہ کو پتہ ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔

آگے اس فریضے کی ادائیگی کو 'عمل صالح' قرار دے کر قرآن انھیں 'بڑے بدلے' کی بشارت دیتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے ان سے جو
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ	ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے
مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ، وَالَّذِیْنَ	لئے معافی اور بڑا بدلہ ہے۔ اور وہ جنھوں
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ	نے کفر کا راستہ اپنایا اور ہماری آیتوں کو
اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۔ (مائدہ: ۹-۱۰)	جھٹلایا یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔

سورۂ نحل کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو وہ اہم ترین تعلیمات دی ہیں جو انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے وسیع ترین دائروں کا احاطہ کرتی ہیں، عدل وانصاف کا اہتمام، ظلم و تعدی سے اجتناب اور انفرادی واجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں عہد وپیمان کی پابندی وغیرہ:

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ	ضرور اللہ حکم دیتا ہے عدل وانصاف اور
وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی	احسان وخوب کاری کا اور رشتہ داروں

Marfat.com

الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ
الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ
وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ، وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ
اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَ لَا
تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ
تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ
اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ
اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ،
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ
نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ
بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا
تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ
دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ
اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ
اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ
وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ، وَلَا تَتَّخِذُوْٓا
اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ
فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ
وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ

کو دینے کا اور روکتا ہے بے حیائی،
برائی اور بغاوت و سرکشی سے وہ تم کو
نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل
کرو۔ اور اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرو
جب تم اسے باندھو اور قسموں کو نہ توڑو
ان کے مضبوط اقرار کے بعد جب کہ تم نے
اپنے اوپر اللہ کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ ضرور
اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم اس
عورت کی طرح نہ ہو جس نے اپنے سوت
کو مضبوط کاتنے کے بعد اسے توڑ کر ٹکڑے
ٹکڑے کر ڈالا۔ تم اپنی قسموں کو باہم فتنہ و
فساد کا ذریعہ ٹھہراتے ہو تاکہ ایک جماعت
دوسری جماعت سے زیادہ فائدہ والی
بن جائے۔ اس کے ذریعہ تو بس اللہ تمہیں
آزمانا چاہتا ہے۔ اور ضرور قیامت کے
دن وہ تمہارے لئے کھول دے گا اس
چیز کو جس کے سلسلے میں تم باہم جھگڑتے
تھے۔ اور تم اپنی قسموں کو باہم فتنہ و فساد
کا ذریعہ نہ ٹھہراؤ کہ اس کے نتیجے میں پاؤں
پھسل جائے جب کہ وہ جم چکا تھا اور
تم برے انجام کا مزہ چکھو اس وجہ سے
کہ تم نے اللہ کے راستے سے روکا اور تمہارے
لئے بڑا عذاب ہو۔ اور چھوٹی قیمت کے

Marfat.com

عَظِيْمٌ، وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَّلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (آیات : ۹۰-۹۶)

بدلہ اللہ کے عہد کا سودا نہ کرو۔ ضرور وہ چیز جو اللہ کے پاس ہے تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم جاننا چاہو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور ہم ضرور انھیں جو (دنیا میں اللہ کے راستے پر) جمے رہے ان کا بدلہ چکائیں گے ان کی بہترین کارکردگی کے باعث جس پر وہ کاربند تھے۔

قرآن ان جملہ تعلیمات و ہدایات کو 'صالح عمل' میں شامل قرار دیتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا 'عملِ صالح' کا تصور کتنا وسیع ہے اور کس طرح وہ زندگی کے کسی خاص دائرے میں محدود نہ ہو کر اس کے وسیع تر امور و معاملات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کے فوراً بعد فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (نحل: ۹۷)

جو کوئی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہو تو ہم اس کے لئے ضرور بہترین زندگی گزارنے کا سامان کریں گے۔ اور ہم ایسوں کو ضرور بدلہ چکائیں گے اس بہترین کارگردگی کا جس پر وہ عمل پیرا رہے۔

بار بار اشارہ کیا جا چکا ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے دینی زندگی کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اپنی پوری زندگی میں حتی المقدور دین کے تقاضوں پر عمل کے ساتھ، اس کے غلبہ و نفاذ کے لئے اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کیا جائے۔ اس راستے میں آدمی کا ہر قدم اور معمولی رقم کا خرچ کرنا بھی اللہ کے ہاں غیر معمولی اجر و ثواب کا حامل ہے۔ قرآن اہل ایمان گروہ کی اس اجتماعی کوشش کو بھی 'عملِ صالح' شمار کرتا ہے۔ مدینہ کے کمزور مسلمانوں کو جو راہِ خدا میں جہاد اور

Marfat.com

اپنا مال خرچ کرنے سے کتراتے تھے، اس کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد ہوا:

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ، وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

(توبہ: ۱۲۰-۱۲۱)

مدینہ والوں اور جو ان کے اردگرد بدو ہیں ان کے لئے زیبا نہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول سے پیچھے رہ جائیں اور اس کی جان کے مقابلہ میں انھیں اپنی جانیں زیادہ عزیز ہوں۔ اس لئے کہ انھیں اللہ کے راستے میں جو کوئی پیاس، تھکن اور کمزوری لاحق ہوتی ہے، اسی طرح وہ جس کسی مہم پر نکلتے ہیں جس سے کافروں کا قافیہ تنگ ہو اور دشمن پر وہ جو کامیابی بھی حاصل کرتے ہیں تو اس کے بدلے ان کے لئے نیک عمل (عمل صالح) لکھا جاتا ہے ضرور اللہ (ایسے) خوب کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ (اس راستے میں) جو کوئی چھوٹی یا بڑی چیز بھی خرچ کرتے ہیں تو یہ ان کے لئے لکھ لی جاتی ہے تاکہ اللہ انھیں بدلہ دے اس بہترین کارکردگی کا جو یہ انجام دیتے رہے۔

سورۂ فتح کے اندر عمل صالح، کا یہ پہلو مزید ابھرا ہوا ہے۔ جہاں فتح مکہ کی بشارت کے ساتھ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے جانے والے دین حق کی اسی طرح دنیا کے تمام مسالک و مذاہب اور نظامہائے زندگی کے بالمقابل ہمہ جہتی غلبہ و استیلاء کی بات کہی گئی ہے۔ اس کے بعد اصحابِ رسولؐ کی وہ خصوصیات بتائی گئی ہیں، جن کی بدولت اس دین حق کے اس طرح غلبہ کی راہ ہموار ہوگی۔ جس کا نمایاں ترین پہلو یہ ہے کہ یہ لوگ کافروں یعنی خدا کے دشمنوں اور باغیوں کے

Marfat.com

مقابلے میں انتہا درجہ سخت اور شمشیر بے نیام ہوں گے۔ اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے جب تک کہ ان کی قوت و شوکت کو توڑ کر دین حق کے مقابلے میں انھیں بالکل بے دست و پا نہ کر دیں گے۔ اس کے لازمی تقاضے کے طور پر وہ اپنے بھائیوں کے لئے اسی قدر نرم اور سرتاپا لینت و رحمت ہوں گے۔ اس کے بعد ان کے تعلق باللہ کی گہری داخلی کیفیت کا بیان ہے جس کے نتیجے ہی میں ان کے اندر باطل کے لئے سینہ سپر ہونے کی یہ قوت و صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور دین حق کے اس چمن زار انسانیت کی سرسبزی و شادابی روز افزوں ترقی پذیر ہوتی ہے۔ قرآن ان کی ان جملہ کیفیات کو 'عمل صالح' سے تعبیر کرتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ	محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ
وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ	ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس
عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ	میں سرتاپا مہر و محبت، تم انھیں دیکھو گے
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ	رکوع و سجدہ کرتے (اس کے ذریعہ)
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا	وہ اللہ کی عنایت اور اس کی رضا کے
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ	طلب گار ہوتے ہیں۔ سجدے کے
اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ	نشان سے ان کے چہروں میں ایک
فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ	خاص چمک ہوتی ہے۔ یہ ان کی مثال
فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ	ہے تورات میں اور یہ ان کی مثال ہے
اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ	انجیل میں اس کھیتی کی طرح جس نے اپنا
فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى	انکھوا نکالا پھر اس میں کچھ طاقت آئی
عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ	پھر وہ موٹا ہوا پھر وہ پوری طرح جم کر
الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ	تیار ہو گیا۔ جسے دیکھ کر کسان مگن ہوتے
بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ	ہیں تاکہ ان (پیروانِ رسول) کے ذریعہ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اللہ کافروں کا قافیہ تنگ کرے۔ اللہ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	نے وعدہ کر رکھا ہے ان میں سب سے

مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (آیت : ۲۹)

جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے معافی کا اور بڑے بدلہ کا۔

دوسرے موقع پر آلات جہاد کی تیاری کو 'عمل صالح' سے تعبیر فرمایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سلسلے میں فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ، اَنِ اعْمَلْ سَابِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

اور ہاں ہم نے داؤد کو اپنے خاص انعام سے نوازا تھا یہ کہ اے پہاڑو جھک جاؤ اس کے ساتھ اور ساتھ ہی چڑیاں بھی (اور اس کے ساتھ مل کر رب کی حمد کے ترانے گاؤ) اسی طرح ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کیا (یہ کہتے ہوئے) کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور (مضبوطی کے لئے) حلقہ چھوٹے چھوٹے رکھو اور اے (داؤد اور ان کی قوم کے) لوگو! نیک عمل کرو۔ ضرور میں دیکھنے والا ہوں جو تم کرتے ہو۔ (سبا : ۱۰-۱۱)

اسلام کی نظر میں ظلم انتہائی ناپسندیدہ اور مبغوض ہے۔ اور جس طرح کسی پر ظلم اور دست درازی کرنا گناہ ہے، اس کا سہنا اور ظالم کے مقابلہ میں نرم چارہ بننا بھی اس سے کم گناہ نہیں۔ اسی لئے وہ اپنے ماننے والوں کو ظلم کا مقابلہ کرنے اور اس کے بالمقابل سینہ سپر ہونے کی تلقین کرتا ہے قرآن اہل ایمان بندوں کی اس کوشش کو بھی 'عمل صالح' قرار دیتا ہے:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا

سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کیا اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور جلد ان لوگوں کو جنھوں نے

Marfat.com

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۔ (شعراء : ۲۲۷)

ظلم کیا معلوم ہو جائے گا کہ وہ اپنے لئے کونسا ٹھکانا پاتے ہیں۔

دنیا میں انسان کی گمراہی کا ایک سبب خواہشاتِ نفس کا غلبہ اور ان کی بے قید اطاعت ہے۔ انہی کے دباؤ سے آدمی دنیا میں آزاد اور بے لگام زندگی بسر کرنے کے لئے شرک و بت پرستی کا راستہ اپناتا، یا وہ فلسفے ایجاد کرتا ہے جو خدا سے بے نیاز کر کے اس کے لئے اباحی زندگی کا لائسنس دے سکیں۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے 'عمل صالح' کا حق آدمی اسی وقت ادا کر سکتا ہے جب کہ وہ اس راستے کو چھوڑ کر اپنی پوری زندگی میں بندگیٔ رب کی راہ پر لگ جائے۔ انبیاء کے ناخلف جانشینوں کے ذکر کے بعد فرمایا :

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ، اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۔ (مریم : ۵۹ - ۶۰)

سو ان (نبیوں) کے بعد وہ ناخلف جانشین ہوئے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور خواہشاتِ نفس کے غلام بن گئے تو جلد وہ اس گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں گے۔ سوائے اس کے جو (اللہ کی طرف) پلٹے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو یہ لوگ ہیں جنھیں جنت میں داخلہ ملے گا۔ اور ان کے انعام و اکرام میں ذرا کمی نہ ہو گی۔

اپنی پوری زندگی میں کفار و مشرکین خدا سے بغاوت و سرکشی کی جس روش پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اس کے برعکس اقرارِ خدا کی بنیاد پر زندگی بسر کرنا، یہی چیز 'عمل صالح' ہے کہ خدا کی مرضی سے ہٹ کر آدمی کا ایک قدم نہ اٹھنے پائے۔ جہنم میں کافروں کی زبانی قرآن نے اس حقیقت کا اعلان ان لفظوں میں کرایا :

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ

اور وہ جنھوں نے کفر کیا ان کے لئے جہنم کی آگ ہو گی ان کا کام تمام نہیں کیا

Marfat.com

فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ، وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَا اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ۔

جائے گا جو وہ موت کی نیند سو جائیں اور نہ ان سے اس کے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا۔ اسی طرح ہم ہر کافر کو بدلہ دیتے ہیں۔ اور وہ اس میں چیخیں گے کہ ہمارے رب! ہمیں (اس سے) نکال دے تو ہم نیک عمل کریں گے اس کے برعکس جو ہم (پہلے) کرتے رہے تھے۔

(فاطر: ۳۶ - ۳۷)

اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں آدمی خدا اور رسولؐ کے آگے جھک جائے اور ان کی رضا کے حق میں اپنی مرضی سے بالکلیہ دست بردار ہو جائے، اس کا نام 'عملِ صالح' ہے، جس پر قرآن روزِ جزا دوہرے اجر کی بشارت سناتا ہے۔ ازواج مطہراتؓ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا۔

اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے لئے فرماں برداری اختیار کرے اور نیک عمل کرے تو ہم اس کا بدلہ دوبار دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے۔

(احزاب: ۳۱)

سورۂ طلاق میں معاشرتی زندگی کی اہم ترین تعلیمات کی تفصیل کے بعد ارشاد ہوا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا، رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ

سو اللہ سے ڈرو اے سمجھ والو جو ایمان لائے ہو ضرور اللہ نے تم تک ایک یاد دہانی (کرنے والا) اتارا ہے۔ یعنی رسول جو تم پر اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے جو حقائق کو کھولنے والی ہیں تاکہ وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اور جو کوئی

Marfat.com

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ ایمان لائے اللہ پر اور نیک عمل کرے
بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ وہ اسے داخلہ دے گا ان باغوں میں جن
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی ان میں
خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا قَدْ وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے
اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا۔ اس کے لئے کیا ہی بہترین روزی کا
(طلاق : ۱۰-۱۱) سامان کیا۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے نقطۂ نظر سے 'عمل صالح' کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان دوسری باتوں کے علاوہ خاص طور پر معاشرتی زندگی کے اہم ترین دائرے میں خدائی احکام و مرضیات پر عمل کرنے والا اور ان سے سرمو تجاوز و انحراف کا مرتکب نہ ہو۔

اس کے علاوہ قرآن نے دین کے مختلف تقاضوں کی نشان دہی کر کے بھی 'عمل صالح' کی حقیقت کو اجاگر کیا ہے۔ ایک موقع پر 'سود' کی نابرکتی کو واضح کر کے اس سے بچنے کو 'عمل صالح' سے تعبیر فرمایا:

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي اللہ سود کو گھٹاتا اور صدقہ و خیرات کو بڑھاتا
الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ ہے اور اللہ ہر بڑے ناشکرے گنہ گار
كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ، اِنَّ الَّذِيْنَ کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو لوگ ایمان
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لائے اور نیک عمل کئے اور نماز قائم کی
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اور زکوٰۃ دی ان کے لئے ان کے رب کے
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ پاس ان کا بدلہ ہو گا۔ اور نہ ان پر کوئی
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ ڈر ہو گا اور نہ وہ کسی غم سے دوچار ہوں گے
(بقرہ : ۲۷۶-۲۷۷)

گزر چکا ہے کہ شرک و بت پرستی کوئی مجرد عقیدہ نہیں، بلکہ زندگی میں اس کا اثر نوع بہ نوع گمراہیوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن نے شرک کے بیان میں اس کی تفصیل کی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ اللہ ہرگز معاف نہیں کر سکتا کہ اس کے

Marfat.com

بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ
بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا
بَعِيْدًا ۝ اِنْ يَّدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا
وَّاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا
شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ لَّعَنَهُ
اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ
مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا
مَّفْرُوْضًا ۝ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ
وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ
فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ
اللّٰهِ وَمَنْ
يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ
وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ فَقَدْ
خَسِرَ خُسْرَانًا
مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ
وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا
يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ
اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اُولٰٓئِكَ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ

ساتھ کسی کو ساجھی ٹھہرایا جائے۔ اس
کے علاوہ وہ سب کچھ معاف کر سکتا
ہے جس کے لئے چاہے۔ اور جو کوئی
اللہ کے ساتھ (کسی کو) ساجھی ٹھہرائے
تو وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ اسے
(اللہ کو) چھوڑ کر یہ جو پکارتے ہیں تو
دیویوں کو اور یہ جو پکارتے ہیں تو سرکش
شیطان کو جس پر اللہ کی پھٹکار پڑ چکی
ہے۔ گو کہ وہ (شیطان) کہہ چکا ہے کہ
ضرور میں تیرے بندوں سے ایک
متعین حصہ لیکر رہوں گا۔ اور ضرور میں
انھیں گمراہ کروں گا اور ضرور میں انھیں
آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور میں انھیں
حکم دوں گا تو وہ ضرور (اپنے) چوپایوں
کے کان کاٹیں گے۔ اور میں انھیں
ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بناوٹ
کو بدلیں گے۔ اور جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر
شیطان کو اپنا دوست بنائے تو اس نے
کھلے طور پر اپنا گھاٹا کیا۔ وہ انھیں (طرح
طرح سے) ڈراتا ہے اور انھیں آرزوؤں
کے جال میں پھنساتا ہے۔ اور وہ جو
کچھ انھیں ڈراتا ہے وہ دھوکہ ہی دھوکہ
ہے۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے

Marfat.com

وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا۔ (نساء : ۱۱۶-۱۲۱)

اور وہ اس سے ہٹ کر کوئی دوسری جائے پناہ نہ پا سکیں گے۔

فرمایا کہ شیطان کے بہکاوے کی ان جملہ صورتوں سے بچ کر ہی آدمی زندگی میں 'عملِ صالح' کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اس کے متصلاً بعد ارشاد ہوا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔ (نساء : ۱۲۲)

اور وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو انھیں جلد ہم داخلہ دیں گے ان باغات میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں سدا بھر کے لئے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے ضرور پورا ہونے والا۔ اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے

دوسرے موقع پر واضح کر دیا کہ دنیا میں خدا کو بڑا اور اس کا کہا مان کر زندگی بسر کرنے کے جتنے تقاضے ہیں وہ سب 'عمل صالح' میں شامل ہیں۔ 'عملِ صالح' کی روش اپنانے کا مطلب ہے کہ آدمی اپنے کو بالکلیہ بندگیٔ رب کے راستے پر ڈال دے۔ انبیاء سابقین کی پوری جماعت کو خطاب کر کے فرمایا:

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ، وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ، فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ

ہاں یہ تمہاری امت ہے ایک جماعت اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری ہی بندگی (عبادت) کرو۔ لیکن ہوا یہ کہ انھوں نے اپنے معاملہ کو اپنے بیچ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جب کہ سب پلٹ کر ہمارے ہاں آنے والے ہیں۔ سو جو کوئی نیک عمل کرے دریں حالیکہ وہ ایمان والا ہو تو اس کی محنت کی ناقدری کا ذرا سوال نہیں۔

Marfat.com

كَاتِبُوْنَ ۔ (انبیاء: ۹۲-۹۴) اور ہم ضرور اسے لکھنے والے ہیں۔

سورۂ رعد میں آخری پیغمبرؐ پر ایمان لانے والے سمجھ دار انسانوں کے ان اوصاف کا بیان ہے جن کا تعلق پوری زندگی اور اس کے وسیع معاملات سے ہے:

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ، اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ، وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ، وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔

یاددہانی تو بس سمجھ والے حاصل کرتے ہیں۔ وہ جو اللہ سے باندھے گئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پیمان کو توڑتے نہیں ہیں۔ اور وہ جو جوڑتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے حکم دیا ہے کہ اسے جوڑا جائے اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کی خوشنودی کے حصول کی خاطر (اپنی پوری زندگی میں) استقامت کا ثبوت دیتے ہیں اور وہ جنھوں نے نماز قائم کی۔ اور ہم نے جو انھیں روزی دی ہے اس میں سے خرچ کیا چھپے اور کھلے ہر طرح سے اور وہ برائی کو بھلائی سے ٹالتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن کے لئے (دوسرے) گھر کا (بہترین) انجام ہے۔ (آیات: ۱۹-۲۲)

آگے ان لوگوں کے بہتر انجام کی مزید تفصیل کے بعد منکرین دعوت کے اوصاف کا ذکر ہے جن کا تعلق پوری زندگی میں ان کے بدترین کردار اور شر و فساد سے ہے۔ اس کے بعد قرآن ہدایت و ضلالت کے سلسلے میں سنتِ الٰہی کو بیان کرنے کے بعد اہل ایمان کی مدح و توصیف کرتا ہے اور ان کی زندگی کی مذکورہ جملہ خصوصیات کو 'عمل صالح' سے تعبیر کرتا ہے:

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَ يَهْدِىْ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ، اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ، اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنَ مَاٰبٍ، (رعد : ۲۷-۲۹)

کہو کہ ہاں اللہ جسے چاہتا ہے راہ سے بھٹکاتا ہے اور اپنی طرف راستہ بتاتا ہے اسے جو (اس کی طرف) جھکتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے طمانیت حاصل کرتے ہیں سن لو دلوں کی طمانیت تو اللہ کی یاد ہی میں ہے۔ وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے مبارکباد ی اور بہترین جائے قرار ہے۔

دین کے تقاضوں پر عمل اور اس کے احکام و ہدایات کی بے لاگ پیروی کے ساتھ، قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کی طرف لوگوں کو بلانا اور پھر اس کے جملہ تقاضوں سے عہدہ برآ ہونا بھی 'عمل صالح' کے اندر اسی طرح شامل ہے۔ دنیا میں دعوتِ دین کا فریضہ اپنی تکمیلی صورت میں آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔ یہاں تک کہ پورے گروہِ انبیاء میں آپ کو خاص طور پر 'داعی' کے خطاب سے نوازا گیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا، وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ (احزاب: ۴۵-۴۶)

اے نبیؐ ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ کی طرف بلانے والا اس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

جس کا مطلب ہے کہ اپنی پوری پیغمبرانہ زندگی میں آپؐ کو جن مسائل اور جن مراحل سے گزرنا پڑا وہ سب اسی دعوتِ دین کا لازمی اور صریحی تقاضا تھیں۔ مکہ میں جس طرح آپؐ کو ستایا اور طائف میں پتھروں سے نوازا گیا۔ آگے مدنی زندگی میں بدر و حنین کے جو معرکے پیش آئے وہ سب اسی دعوت الی اللہ کے مختلف مدارج تھے۔ یہاں تک کہ اسلام کا بول بالا ہوا اور سرزمینِ عرب سے کفر و شرک کا نام و نشان مٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ ذمہ داری قرآن نے اس امت

Marfat.com

کی قرار دی ہے کہ وہ قیامت تک کے لئے روئے زمین پر 'دعوت الی الخیر، کا فریضہ انجام دے گی۔ جب کہ اسی کا دوسرا نام بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے منع کرنا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(آل عمران : ۱۰۴)

اور چاہئے کہ تم میں ایک جماعت ان لوگوں کی ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں اور نیکی (معروف) کا حکم دیں اور بدی (منکر) سے منع کریں۔ اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

(آل عمران : ۱۱۰)

تم بہترین جماعت ہو جو تمام انسانوں کے لئے نکالی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو اور (ان سب کا اصل الاصول ہے کہ) تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

خیر کی طرف بلانا، بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے منع کرنا، اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جس کے اندر جیسا کہ گزر چکا ہے، فرد کی اصلاح سے لے کر پورے معاشرے یہاں تک کہ ریاست کو خدائی احکام و مرضیات کا پابند بنانا سب شامل ہے۔ قرآن 'دعوت الی اللہ، کی اس پوری جدوجہد کو 'عمل صالح، سے تعبیر کرتا ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

(فصلت : ۳۳)

اور اس شخص سے بھلی بات اور کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ ہاں میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔

دوسرے موقع پر قرآن نے اس کے لئے حق اور صبر کی ایک دوسرے کو نصیحت 'تواصی بالحق والصبر، کی اصطلاح استعمال کی ہے اور اسے 'عملِ صالح، کا صریحی تقاضا بتایا ہے سورۂ عصر، جس کے بارے میں امام شافعیؒ نے بجا طور پر کہا ہے کہ اگر لوگ صرف اسی سورہ پر غور و فکر کا

Marfat.com

حق ادا کر سکیں اور اس کے مطابق اپنے کو ڈھال لیں تو وہ ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے کافی ہو[1]، کی آیات ہیں:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ	زمانہ گواہ ہے۔ ضرور انسان گھاٹے
لَفِیْ خُسْرٍ ، اِلَّا الَّذِیْنَ	میں ہے۔ سوائے ان کے جو ایمان
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	لائیں اور نیک عمل کریں اور آپس
وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا	میں ایک دوسرے کو حق کی تلقین کریں
بِالصَّبْرِ۔	اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی
(آیات: ۱-۳)	تلقین کریں۔

'عمل صالح' سے اس کے تعلق اور ان کے باہمی ربط پر جو گفتگو حضرت فراہیؒ نے کی ہے، کہیں اور شاید اس کی نظیر نہ مل سکے۔ ہم 'عمل صالح' کی اس بحث کو بھی انہی کے الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

فقد تبین لنا ان	اس سے ہمارے لئے واضح ہوا کہ 'تواصی'
التواصی یتفرع	(ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین) 'عملِ
من عمل الصالحات	صالح' کا ایک حصہ ہے جس طرح کہ 'عملِ
کما ان عمل الصلحٰت	صالح' 'ایمان' سے پھوٹ کر نکلا ہے'
یتفرع من الایمان	اس لئے کہ حق جس کی نگاہوں میں کھب
فان من زین	جائے اور وہ اس پر عمل پیرا ہو گا اور
الیہ الحق وعمل	اس کے لئے جمے گا تو اس کے تئیں اس
بہ وصبر لہٗ	کا علم بڑھتا جائے گا۔ اور اس کے لئے
ازداد بہ علما	اس کی محبت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔
ولہٗ حبا وعلیہ	اسی طرح اس پر اس کا جوش و غضب

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۴۷، روح المعانی: ۳۰/۲۲۷۔

Marfat.com

غضبا و افرغ جهدہٗ
لحمایتہ فلا یمکنہ
ان یری الحق مخذولا
و لا مضاعا و الباطل
عائثا فی عباد اللہ
فمثلہ کمثل بطل
شجاع یحرض اخوانہ
علی ان یحاموا
عن الحقیقۃ و
یصبروا علی
البأس و ھذا
التحریض لیس
الاجزء من حمایتہٖ
فکذالک ھٰھنا
التواصی جزء من
العمل الصالح
وذکرہ اللہ
تعالیٰ علیٰ سبیل
التفصیل و التوضیح
وقد مر ان العمل
الصالح ھو حفظ
السلم و التمدن
فیلزمہ التواصی

فراواں ہوتا جائے گا اور وہ اس کی حفاظت
وبقاء کی خاطر اپنی پوری قوت انڈیل
دے گا۔ پھر یہ اس سے کسی طرح نہ ہو
سکے گا کہ وہ حق کو رسوا اور ضائع ہوتا دیکھے
جب کہ باطل کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے
بندوں کے درمیان دندناتا پھرے۔
تو اس کی مثال اس سرفروش بہادر
کی سی ہوگی جو اپنے بھائیوں کو مہمیز کرے
کہ وہ (اپنی) عزت و ناموس کا دفاع
کریں اور اس کی خاطر لڑائی اور جنگ پر
ثابت قدمی دکھائیں۔ اس کا یہ مہمیز
کرنا اس کے سوا کیا ہے کہ وہ اس مدافعت
کا ایک حصہ ہے۔ پس یہی معاملہ
یہاں 'تواصی' (ایک دوسرے کو حق
وصبر کی تلقین کرنے) کا ہے کہ وہ عملِ
صالح' کا ایک حصہ ہے۔ اور اس کا ذکر
(یہاں) اللہ تعالیٰ نے بطور تفصیل و
توضیح کے کیا ہے۔ اور یہ بات گزر چکی
ہے کہ 'عملِ صالح' صلح و آشتی 'سلم'
اور تمدن کی حفاظت سے عبارت ہے۔
پس اس کا لازمی تقاضا ہے کہ جو چیز
حق ہے اس کی ایک دوسرے کو تلقین
(تواصی) کی جائے اور اس پر ثابت قدمی

Marfat.com

بما هو الحق و
الاستقامة علیه
و هٰذا مثل ما
قال ؛ و تعاونوا
علی البر و التقوٰی ؛
فالبر هو الحق
و التقوٰی هی الصبرای
تثبیت النفس علی
الخیر فی مواقع
الزلة ۔ [1]

اختیار کی جائے۔ اور یہ ویسے ہی ہے
جیساکہ فرمایا ہے کہ: 'تعاونوا علی
البر والتقوٰی'؛ اور تم ایک دوسرے
کے ساتھ نیکی (بر) اور تقوے کے کام
میں تعاون کرو۔ 'بر' (نیکی) کا مطلب
یہاں ہے حق، اور 'تقوٰی' کے معنی ہیں
صبر۔ دوسرے لفظوں میں بھلائی کے
کام میں اپنے کو ثابت قدم رکھنا،
خاص طور پر ان جگہوں میں جہاں
پھسلنے کے امکانات زیادہ ہوں۔

آگے وہ اس 'تواصی بالحق' کا حق ادا کرنے کے لئے 'خلافت' کے قیام کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ جس سے 'عملِ صالح' کی تفسیر میں ایک بالکل نئی جہت سامنے آتی ہے۔ امام موصوف کی اس معرکۃ الآراء بحث کے الفاظ ہیں:

فان الایمان جماع
العقائد و العمل
الصالح جماع الشرائع
والتواصی کمال
فضل اللہ تعالیٰ بہ
هٰذه الامة لا
سیما الائمة لما
اوجب علیهم

اس لئے کہ 'ایمان' عقائد کا عنوان
ہے اور 'عملِ صالح' قوانین و شرائع کا
عنوان ہے۔ اور 'تواصی' (ایک دوسرے
کو حق و صبر کی تلقین) ایک امتیازی چیز
ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس امت
کو سرفراز فرمایا ہے خاص طور پر (اس
کے) ائمہ اور سربراہوں کو اس لئے کہ
اس نے ان کے اوپر 'بھلائی' کا حکم دینے

---

[1] تفسیر سورہ العصر / ۱۹۔

الامر بالمعروف والنهی
عن المنکر والتعاون
بالبر وبذلك جمع
شملهم وجعلهم اخوانا
وجنبهم عن التفرق
والشقاق ولم یزل
یسمو امر هذه الامة
متی قامت علی هذه
القاعدة کما تری
فی اوائل الخلافة
حتی انشقت عصاهم
وقد فصل الله تعالی
هذه الفریضة فی
قوله: "یاایها الذین
اٰمنوا اتقوا الله
حق تقاته ولا
تموتن الا وانتم
مسلمون" (ای
مذعنون للاطاعة)
واعتصموا بحبل الله
جمیعا ولا تفرقوا واذکروا
نعمة الله علیکم
اذ کنتم اعداء فالف

اور برائی سے منع کرنے اور نیکی کے
کام میں ایک دوسرے کے ساتھ
تعاون کرنے کو لازمی قرار دیا ہے۔
اور اس طرح اس نے ان کے شیرازے
کو جمع کیا اور انھیں بھائی بھائی بنایا
اور انھیں تفرق وانتشار اور دشمنی اور
پھوٹ سے دور رہنے کی راہ بتائی
اور اس امت کا معاملہ برابر بڑھتا اور
چڑھتا رہا جب تک کہ وہ اس قاعدہ
پر استوار رہی۔ جیسا کہ تم خلافت کے
ابتدائی ادوار میں دیکھتے ہو۔ یہاں تک
کہ (بعد میں) ان کی مجتمع قوت ٹکڑے
ٹکڑے ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے (امت
کے) اس فریضہ کو اپنے اس فرمان میں
پوری تفصیل سے واضح کر دیا ہے۔
"اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو
جیسا کہ اس سے ڈرنا چاہئے اور تمہیں
جو موت آئے تو اسی حال میں کہ تم مسلمان
ہو یعنی اطاعت کے لئے سرفگندہ ہو۔ اور
تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے
تھام لو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو اور یاد
کرو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو جب
کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن

Marfat.com

بين قلوبكم فاصبحتم
بنعمته اخوانا و
كنتم على شفا حفرة
من النار فانقذكم
منها، كذٰلك يبين
الله اٰياته لعلكم
تهتدون ، و لتكن
منكم امة يدعون
الى الخير و يامرون
بالمعروف و ينهون
عن المنكر و اولئك
هم المفلحون ، ولا
تكونوا كالذين
تفرقوا و اختلفوا
من بعد ما جاءهم
البينات و اولئك
لهم عذاب عظيم"
الى قوله تعالى:
كنتم خير امة
اخرجت للناس
تامرون بالمعروف
وتنهون عن المنكر
وتومنون بالله"

تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو باہم
ملا دیا تو اس کے احسان سے تم بھائی
بھائی ہو گئے اور تم (دنیا و آخرت دونوں
کے اعتبار سے) آگ کے گڑھے کے
کنارے پر تھے۔ سو اس نے تم کو اس
سے بچایا، اسی طرح اللہ تمہارے لئے
اپنی آیتوں کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ
تم راہ یاب ہو۔ اور چاہیئے کہ تم میں سے
ایک جماعت لوگوں کی ہو جو بھلائی کی طرف
بلائیں اور نیکی کا حکم دیں اور بدی سے
منع کریں اور یہی لوگ ہیں جو کامیاب
ہیں۔ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو چند
در چند ٹکڑیوں میں بٹ گئے اور اختلاف
و انتشار کا شکار ہو گئے اس کے پیچھے کہ
ان کے پاس کھلی ہوئی نشانیاں آئیں اور
یہی ہیں کہ ان کے لئے بڑا عذاب ہے
اللہ تعالیٰ کے اس فرمان تک کہ: "تم
بہترین امت ہو جو نکالی گئی ہے (دنیا
کے) تمام انسانوں کے لئے۔ تم بھلائی
کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے
ہو اور (یہ اس لئے کہ تم) اللہ پر ایمان
رکھتے ہو" تو یہ ایک بڑا فرض ہے جو
اس امت پر عائد ہوتا ہے اور اس سلسلے

Marfat.com

فكان هذا فرضا
عظيما على هذه
الامة وفى ذالك
ايات اخر ،
ولا يخفى ان
الله تعالى جعل
ذمة الامر و
النهى على امراء
الامة وائمتهم
كما تفهم من
قوله ، ولتكن
منكم امة "
ولكنه تعالى
جعل التواصى
فرضا عاما فدلنا
على اصل الامر
وهو ان المومنين
غير موفين بذمتهم
حتى ان يعملوا
الصالحات ثم
يساعد بعضهم
بعضا فى اداء
الحقوق الواجبة

میں دوسری آیتیں بھی ہیں۔ یہ بات پوشیدہ
نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (بھلائی کا) حکم
دینے اور (برائی سے) منع کرنے کی
ذمہ داری امت کے امراء اور ان کے
ائمہ پر ڈالی ہے۔ جیسا کہ تم اللہ تعالیٰ
کے ارشاد میں "ولتکن منکم امۃ"
(اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت
ہو) کے الفاظ سے سمجھ سکتے ہو۔ لیکن
اللہ تعالیٰ نے 'تواصی' (ایک دوسرے
کو حق وصبر کی تلقین) کو ایک عمومی فرض
قرار دیا جس سے ہمیں اس معاملہ کا اصل
سرا ہاتھ آتا ہے اور وہ یہ کہ اہلِ ایمان
جماعت اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں
ہو سکتی تا آنکہ وہ بھلائی کے کاموں (عملِ
صالحات) کا اہتمام کرے۔ پھر ان پر جو
حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی ادائیگی کے
لئے ہر شخص دوسرے کا ہاتھ بٹائے اور
اس راہ میں ثابت قدمی واستقلال کے
دامن کو مضبوط تھامے رہے خاص طور
پر ان مواقع میں جہاں قدم جادۂ حق
سے پھسلنے کے امکانات زیادہ ہوں۔ ان
حقوق کی بتمام وکمال ادائیگی خلافت اور
سیاسی نظام کے قیام کے بعد ہی ممکن

Marfat.com

عليهم والاستقامة عندما يزل اقدامهم ولا يستتب ادا ۶ الحقوق الا بعد اقامة الخلافة والسياسة ولا يتم التثبت عليه الا بعد الاذعان لها [1]

ہے۔ اور اس چیز کے لئے پائیداری اور بقاء اسی وقت تک نصیب رہ سکتی ہے جب تک کہ (مسلمان امت کی) گردنیں اس کے لئے پوری طرح جھکی رہیں یہی نہیں بلکہ گردن کے ساتھ لوگوں کے دل بھی اس کے لئے اسی طرح جھکے ہوئے ہوں۔

عملِ خیر

عمل صالح ہی کا دوسرا نام 'عملِ خیر' (نیکی اور بھلائی کا کام) ہے، قرآن کے مطالعہ سے اس کا بھی یہی وسیع تصور ہمارے سامنے آتا ہے۔ دنیا کے اندر کسی اجتماعیت کی بھلائی اور بہتری کا تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کے اندر خاص طور پر اپنے کمزور طبقات اور کمزور عناصر کی معاشی کفالت اور خبر گیری کا اہتمام نہ ہو۔ قرآن خلقِ خدا کی اس بہبودی اور اس کے لئے فکرمندی کو 'عملِ خیر' (بھلائی کا کام) بتاتا ہے:

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ

لوگ (اے نبیؐ) تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ کہو کہ تم جو بھی بھلائی کی چیز خرچ کرو تو وہ ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو گے

---

[1] تفسیر سورۃ العصر/ ۶، ۷۔ نامور محقق اور عالم دین علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی 'عمل صالح' کے دائرے کو بہت وسیع مانا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: 'عمل صالح' کا مفہوم بہت وسیع ہے اس کے اندر انسانی اعمال خیر کے تمام جزئیات داخل ہیں۔ سیرۃ النبی ۵/ ۷۔ طبع یازدہم۔

فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔(بقرہ : ۲۱۵) تو اللہ اس کا علم رکھنے والا ہے۔

یہی بات دوسرے موقع پر مزید زور و قوت سے کہی گئی جہاں سماج کے کمزور عناصر کے حقوق کی نگہداشت اور ان کے مفادات کے تحفظ کی تاکید کے ساتھ خاص طور پر یتیموں اور بے سہاروں کو عدل و انصاف فراہم کرنے کی خاطر مسلمانوں کو اٹھ کھڑے ہونے کی تاکید کی گئی:

وَ یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی	اور وہ تم سے (اے نبیؐ) مسئلہ پوچھتے
النِّسَاءِ قُلِ اللّٰہُ	ہیں عورتوں کے سلسلے میں۔ کہو کہ
یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَمَا	اللہ تمہیں مسئلہ بتاتا ہے ان کے
یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتَابِ	سلسلے میں۔ اور وہ بھی یاد رکھو جو تم پر
فِیْ یَتَامَی النِّسَاءِ الّٰتِیْ	پڑھا جاتا رہا ہے ان عورتوں کے یتیم
لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ	بچوں کے سلسلے میں جنھیں تم وہ (مہر
لَھُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ	وغیرہ) نہیں دیتے ہو جو ان کے
تَنْکِحُوْھُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ	لئے فرض ٹھہرایا گیا ہے۔ نیز انھیں
مِنَ الْوِلْدَانِ	نکاح میں لینے سے کتراتے ہو۔ اور
وَ اَنْ تَقُوْمُوْا	دبے اور کچلے ہوئے بچوں کے سلسلے
لِلْیَتَامٰی بِالْقِسْطِ	میں بھی (اللہ کے حکم کو یاد رکھو) اور
وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ	یہ کہ تم یتیموں کے لئے حق و انصاف
خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ	کی خاطر اٹھ کھڑے ہو۔ اور تم بھلائی
کَانَ بِہٖ عَلِیْمًا۔	کا جو کام بھی کرو گے تو اللہ ضرور اس
(نساء : ۱۲۷)	کا علم رکھنے والا ہے۔

گزر چکا ہے کہ اسلام میں بھلائی (معروف) کا حکم دینا اور برائی (منکر) سے منع کرنا پورے نظامِ زندگی کی تبدیلی کے مرادف ہے۔ قرآن اصلاحِ امم کے اس انقلابی عمل کو بھی 'عملِ خیر' میں شامل قرار دیتا ہے۔ حق پرست اہلِ کتاب کے سلسلے میں فرمایا:

لَیْسُوْا سَوَاءً مِنْ اَھْلِ	اہل کتاب سب برابر نہیں ہیں۔ ان میں

الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ، يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ، وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ۔

(آلِ عمران : ۱۱۳-۱۱۵)

ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو حق پر قائم ہے۔ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں رات کے وقتوں میں اور یہ سجدوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ یہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی ہیں جو نیکوکاروں میں ہیں اور یہ بھلائی کا جو کام بھی کریں گے تو ان کی اس پر ناقدری نہ ہوگی۔ اور اللہ خوب جاننے والا ہے ڈر کر رہنے والوں کو۔

آگے قرآن راہ خدا میں جان و مال سے جہاد کو 'عمل خیر' کا لازمی تقاضا بتاتا ہے جس کے نتیجے میں دنیا کے دوسرے تمام ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی کا بہمہ وجوہ غلبہ و استیلاء ہو جائے۔ قیامت تک کے لئے امتِ مسلمہ پر دنیائے انسانیت کے روبرو 'شہادت حق' کی جو ذمہ داری سپرد ہے، کہ اس دین حق کے بالمقابل دنیا کے دوسرے تمام افکار و ادیان بالکل ماند پڑ جائیں اور اس کے راستے میں ان کی طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ باقی نہ رہے، جان و مال کی قربانی کے بغیر اس کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو رکوع کرو، سجدے کرو، اپنے رب کی عبادت (بندگی) کرو اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم بامراد

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

(حج : ۷۷-۷۸)

ہو۔ اور اللہ کے راستے میں جان و مال سے) جہاد کرو جیسا کہ اس جہاد کا حق۔ اس نے تم کو منتخب کیا ہے اور تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ (مضبوط تھام لو) اپنے باپ ابراہیم کے طریقے کو۔ جنھوں نے تمہارا نام مسلمان (فرماں بردار) رکھا اس سے پہلے بھی اور اس (کتاب) میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم (دنیا کے) تمام انسانوں پر (دین حق کے) گواہ بنو۔ سو تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوط پکڑ لو۔ وہی تمہارا کارساز ہے۔ سو کیا ہی بہترین کارساز ہے وہ اور کیا ہی بہترین مددگار ہے۔

اقوامِ عالم پر حق کی گواہی، پیش کرنے کے سلسلے میں لفظ 'جہاد' کے استعمال سے امکان تھا کہ معاملہ زبان و قلم اور اس حد تک اس مہم کے مالی تقاضوں کی ادائیگی تک محدود رہے۔ دوسرے موقع پر صراحت کر دی کہ اس فریضے کی ادائیگی میں قتال اور جنگ بھی شامل ہے اور زبان و قلم کا جہاد کافی نہ ہوگا تو دنیا کی طاغوتی قوتوں کا سر کچلنے کے لئے تلوار کی طاقت کو بھی استعمال کرنا پڑے گا۔ یہاں تک کہ خدا اور بندوں کے درمیان سے ان انسان نما شیطانوں کا واسطہ ہٹ جائے۔ اور دنیا و آخرت کی ابدی فلاح کو پا لینے کی راہ میں عام انسان کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ نہ رہے۔ سورۂ مزمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مخصوص صحابہ کرام کے لئے نمازِ تہجد کے سابقہ کورس میں تخفیف کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ

ضرور تمہارے رب کو پتہ ہے کہ تم رات

Marfat.com

اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَ
نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ
مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ
وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ
وَالنَّهَارَ عَلِمَ اَنْ
لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ
فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ
الْقُرْاٰنِ عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ
مِنْكُمْ مَّرْضٰی وَاٰخَرُوْنَ
یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ
یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ
وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ
وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا
الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ
قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا
لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ
تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ
خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا وَّ
اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ +

کی دو تہائی، اس کے نصف اور اس
کی تہائی کے قریب کھڑے ہوتے ہو۔
ساتھ ہی ان لوگوں کی ایک جماعت
بھی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور اللہ
رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے اس
کو پتہ تھا کہ تم اسے نبھا نہ سکو گے تو وہ
(اپنی بخشش کے ساتھ) تم پر متوجہ ہوا۔ سو
(اب) تم قرآن اتنا پڑھو جو آسانی سے
ہو سکے۔ اس کو پتہ تھا کہ ضرور تم میں
ہوں گے بیمار لوگ، دوسرے وہ جو
زمین میں پھرتے ہوں گے اللہ کے
فضل کی تلاش میں لگے ہوئے۔ دوسرے
وہ جو اللہ کے راستے میں جنگ کرنے
والے ہوں گے۔ سو اب تم اس (قرآن)
سے پڑھو وہ جو آسانی سے ہو سکے۔ اور
نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کے لیے
بہترین قرضے کی پیشکش کرو۔ اور تم اپنے لئے
بھلائی کا جو کام بھی آگے بڑھاؤ گے
تو اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے کہ وہ اس
سے بھی بھلا اور بڑا ہو گا بدلہ میں۔ اور
اللہ سے گناہوں کی معافی چاہو ضرور
اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے

(آیت : ۲۰)

Marfat.com

صَالحین

نیک کام 'عمل صالح' اور 'بھلے کام' (عمل خیر) کی طرح قرآن کا 'نیکوں' 'صالحین' کا تصور بھی اسی طرح بہت وسیع ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر خدائی مرضیات میں اپنے کو لگانے والا کوئی دوسرا گروہ اب تک ہوا نہ آئندہ ہو سکتا ہے۔ جنھوں نے نہ صرف اپنی پوری زندگی میں دین کے تقاضوں پر عمل کیا، بلکہ دنیا کے اندر حق کا بول بالا کرنے کے لئے جان توڑ کوششیں کیں اور اس مقصد کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگا دی اور بڑے سے بڑے خطرات کا انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ انھوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں باطل سے پنجہ آزمائی اور حق و باطل کی کشمکش اور معرکہ آرائی میں گزار دیں۔ وہ دنیا میں صرف ایک مقصد کے لئے جیئے کہ روئے زمین پر توحید کا علم بلند ہو اور نظام کفر و شرک کا کہیں نام و نشان نہ رہے۔ قرآن ان کی اس پوری جد و جہد کی ترجمانی اسی ایک لفظ 'صالحین' سے کرتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے مقدس زمرہ میں، حق و باطل کی کشمکش کے پس منظر میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے جن کی پوری زندگی حق کے لئے قربانیوں اور طاغوت کے لئے چیلنج سے عبارت ہے۔ قرآن آپ کی اس جد و جہد کے بدلے آخرت میں آپ کو 'صالحین' کا سرخیل قرار دیتا ہے:

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ۔ (بقرہ : ۱۳۰)	اور ہاں ہم نے اس کو منتخب قرار دیا دنیا میں اور آخرت میں وہ ضرور نیکو کاروں (صالحین) میں ہوگا۔
وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ۔ (نحل : ۱۲۲)	اور ہم نے اسے بھلائی دی دنیا میں اور وہ ضرور آخرت میں نیکو کاروں (صالحین) میں ہوگا۔
وَآتَيْنَاهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ	اور ہم نے اس کو اس کا بدلہ دیا دنیا میں اور آخرت میں وہ ضرور نیکو کاروں

Marfat.com

الصَّالِحِيْنَ۔ (عنکبوت : ۲۷) (صالحین) میں ہوگا۔

خانوادۂ ابراہیمیؑ کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بھی یہی بات فرمائی:

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ، وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ، وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ، وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

(انعام : ۸۴-۸۷)

اور ہم نے اسے (ابراہیمؑ کو) اسحاقؑ اور یعقوبؑ دیئے۔ ہر ایک کو ہم نے راہ یاب کیا اور نوحؑ جسے ہم نے اس سے پہلے راہ یاب کیا تھا۔ اور اسی (ابراہیمؑ) کے خانوادے سے داؤدؑ وسلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ بھی ہیں۔ اور اسی طرح ہم خوب کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔ یہی حال زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کا ہے۔ یہ سب نیکوکاروں میں سے ہیں۔ اور اسمٰعیلؑ اور یسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے دنیا والوں پر بڑا بنایا۔ اسی طرح ہم نے ان کے آبائی سلسلے اور ان کے خانوادوں اور ان کے بھائیوں میں سے (انبیاء اٹھائے) اور انھیں منتخب ٹھہرایا اور ٹھیک راستے کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

دوسرے موقع پر بعض اور ناموں کے اضافے کے ساتھ فرمایا:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ

اور یاد کرو ایوبؑ کو جب کہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف لگ

Marfat.com

اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ،	گئی ہے اور تو سب سے بڑا رحم کرنے
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا	والا ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا سن لی
مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ	سو ہم نے چھانٹ دیا جو اس کے ساتھ تکلیف
اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ	لگ گئی تھی۔ اور ہم نے اسے اس کے اہل و
مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ	عیال (پھر سے) دے دیئے اور ان
عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى	کے ساتھ انھیں جیسے مزید۔ اپنی طرف
لِلْعٰبِدِيْنَ ، وَ	سے بطور مہربانی اور بندگی کرنے والوں
اِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ	(عابدوں) کے لئے یاد دہانی کے لئے
وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ	اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ
الصّٰبِرِيْنَ ، وَاَدْخَلْنٰهُمْ	سب (اللہ کے راستے پر) جمنے والے
فِيْ رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ	تھے۔ اور ہم نے انھیں (بطور خاص)
مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔	اپنی رحمت میں داخل کیا۔ اور یہ ضرور
(انبیاء : ۸۳-۸۶)	نیکوکاروں (صالحین) میں تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ان کا بے پناہ صبر و برداشت ہے۔ جب 'صابرین' کی فہرست میں ان کا شمار کرنا ضروری ہے تو لازم ہے کہ 'صالحین' کے زمرہ میں بھی انھیں شامل قرار دیا جائے۔[1]

'معروف' کا حکم دینا اور 'منکر' سے منع کرنا، معلوم ہو چکا ہے کہ یہ پوری انسانی زندگی میں خدائی مرضیات کو نافذ کرنے کا عنوان ہے۔ قرآن اس فریضے کی انجام دہی کرنے والوں کو 'صالحین' میں شمار کرتا ہے۔ حق پرست اہلِ کتاب کے سلسلے میں آلِ عمران کی یہ آیت ایک سے زائد بار گزر چکی ہے:

لَيْسُوْا سَوَاءً مِّنْ اَهْلِ	سب اہلِ کتاب برابر نہیں ہیں۔ ان

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: انبیاء: ۷۲، ۷۵، صافات: ۱۰۰، ۱۱۲ وغیرہ۔

Marfat.com

الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ، يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَاُولٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِيْنَ۔

(آیات : ۱۱۳ - ۱۱۴)

میں ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں رات کے وقتوں میں اور یہ سجدوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ یہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور نیکی (معروف) کا حکم دیتے ہیں اور بدی (منکر) سے منع کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکاروں (صالحین) میں ہیں۔

دوسرے موقع پر قرآن راہِ خدا پر جمنے اور اس کے سلسلے میں تمام طرح کی داخلی و خارجی رکاوٹوں کا مردانہ وار مقابلہ کرنے والوں کو 'صالحین' قرار دیتا ہے۔ سورۂ عنکبوت کا آغاز ہی 'ایمان' کے اقرار کے بعد اس راستے میں چند در چند آزمائشوں کے اعلان سے ہوتا ہے:

الٓمّٓ، اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔

(آیات : ۱-۲)

الٓمٓ، کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ انھیں چھوڑ دیا جائے گا (صرف) یہ کہہ دینے پر کہ ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا۔ جب کہ ہاں ہم آزما چکے ہیں ان لوگوں کو جو ان سے پہلے تھے۔ تو اللہ ضرور پرکھ کر رہے گا جو سچائی پر ہیں اور وہ ضرور پرکھ کر رہے گا جھوٹ پر چلنے والوں کو۔

علامہ زمخشریؒ نے اس فتنہ اور آزمائش کی یہ جامع تشریح کی ہے:

والفتنة الامتحان بشدائد — 'فتنہ' کے معنی ہیں سخت مصیبتوں اور

Marfat.com

التكليف من مفارقة الاوطان ومجاهدة الاعداء وسائر الطاعات الشاقة وهجر الشهوات واللذات والفقر والقحط وانواع المصائب في الانفس والاموال وبمصابرة الكفار على اذاهم وكيدهم وضرارهم [1]

پریشانیوں کے ذریعہ آزمائش، جیسے کہ وطن کی جدائی، دشمنوں کے ساتھ جہاد نیز طاعت وبندگی کے دوسرے تمام کام جو انسان پر شاق گزرتے ہیں۔ اسی طرح مثلاً اپنی خواہشات اور من پسند چیزوں سے دست برداری، نیز افلاس قحط سالی اور جان ومال میں تکلیف اور مصیبت کی مختلف صورتیں نیز کفار کی ایذا رسانی، ان کی تدبیروں اور چالوں اور ان کی ایذا رسانیوں کے بالمقابل جمنا اور ان کا ڈٹ کر پوری بے جگری کے ساتھ مقابلہ کرنا۔

آگے جو لوگ اس سلسلے میں ہر طرح کی داخلی اور خارجی رکاوٹوں کا بے جگری کے ساتھ مقابلہ کریں، قرآن انھیں 'ایمان' اور 'عمل صالح' کی روش پر عمل پیرا بتاتا اور روز جزاء انھیں بہترین اجر کی خوش خبری سناتا ہے:

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ

اور جو کوئی مجاہدہ کرے گا تو بس وہ اپنی ذات کے لئے مجاہدہ کرے گا ضرور اللہ بے نیاز ہے دنیا والوں سے۔ اور وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ضرور ہم ان سے ان کی کوتاہیوں کو زائل کریں گے اور ہم ضرور انھیں بدلہ دیں گے

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/ ۱۰۶۹، ۱۰۷۰ - کلکتہ۔

Marfat.com

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ - (آیات : ۶-۷) ان بہترین کاموں کا جو یہ کرتے رہے تھے۔

آیت کریمہ میں جس 'مجاہدہ' کا ذکر ہے اس میں نفس وشیطان کے اکساؤں کے خلاف، کمربستہ ہونے کے ساتھ دشمنانِ دین کے ساتھ مقابلہ اور صف آرائی بھی اسی طرح شامل ہے[1] دین کے یہ دشمن کبھی آدمی کے ملک وقوم کے لوگ ہوتے ہیں اور کبھی اس کا خاندان اور اس کے قریب ترین اعزہ، یہاں تک کہ اس کے ماں باپ۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ دین کے ان مخالفین کی پرواہ نہ کرکے ان کے مقابلے میں پوری ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہیں اور اپنی پوری زندگی خدا کی مرضی سے ہٹ کر قدم اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوں، یہی لوگ 'صالحین' ہیں جنھیں آخرت میں اسی طرح کے نیکوکاروں 'صالحین' کی معیت نصیب ہوگی:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَّاِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ، وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ۔

(عنکبوت : ۸-۹)

اور ہم نے انسان کو تاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھے برتاؤ کی۔ اور اگر وہ تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ساجھی ٹھہرائے اس چیز کو جس کا تجھے کچھ پتہ نہیں تو تو ان کی بات مت مان۔ تم سب کو میری ہی طرف پلٹنا ہے تو ضرور میں تمہیں خبردار کروں گا اس سے جو تم کرتے رہے تھے۔ ہاں وہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ہم انھیں نیکوکاروں (صالحین) میں داخل کریں گے۔

جو لوگ اپنی پوری زندگی میں خدا کے راستے پر ڈٹنے اور اس سلسلے میں ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرنے اور مخالفتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، قرآن ایسے لوگوں کو 'نفاق' کے

---

[1] مفسر طبریؒ نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے: ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه يقول ومن جاهد عدوه من المشركين فانما يجاهد لنفسه الخ، جامع البیان: ۲۰/۸۴۔

Marfat.com

مہلک مرض میں گرفتار رہتا ہے، جس کا اس کے مطلوبہ 'صالحین' کے تصور سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ آگے فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ، وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ۔

(عنکبوت : ۱۰-۱۱)

اور لوگوں میں سے کچھ ہیں جو کہتے تو ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر لیکن جب انھیں ستایا جاتا ہے اللہ (کے راستے) میں تو وہ انسانوں کی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح ٹھہرا لیتے ہیں۔ ہاں اگر تیرے رب کی طرف سے کوئی مدد آجائے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہاں ہم تو تمہارے ساتھ تھے۔ کیا اللہ کو اچھی طرح پتہ نہیں ہے اس کا جو لوگوں کے دلوں میں ہے۔ اور اللہ ضرور پرکھ کر رہے گا ان کو جو ایمان لائے اور وہ ضرور پرکھ کر رہے گا نفاق زدوں کو۔

عبادت اور عابدین

اسلامی نظامِ زندگی کے سرنامہ 'عبادت' پر اس سے پہلے تفصیل سے بحث گزر چکی ہے۔ کہ وہ پوری انسانی زندگی میں خدائے واحد کی بلاشرکتِ غیرے اور غیر مشروط پرستش و اطاعت کا عنوان ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دین میں جملہ معاملاتِ زندگی کی نسبت سے جو بات جس اہمیت اور جس ترتیب سے کہی گئی ہے، اسے اسی اہمیت اور ترتیب سے ادا کیا جائے اور زندگی کا کوئی قدم خدا تعالیٰ کی مرضی سے ہٹ کر نہ اٹھے۔ خدا کی عبادت کے ساتھ اس کے عبادت گزاروں 'عابدون' کا بھی قرآن نے یہی نقشہ پیش کیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں گروہِ انبیاء کے سرخیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو پوری جمعیتِ انسانی کا امام و مقتدا بنائے جانے کا ذکر بڑے

Marfat.com

پرکیف انداز میں کیا گیا ہے:

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمَاتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (بقرہ : ۱۲۴)

اور یاد کرو جب کہ ابراہیمؑ کو اس کے رب نے آزمایا چند باتوں میں سو اس نے انھیں پورا کر دکھایا۔ فرمایا کہ ضرور میں تجھے لوگوں کا پیشوا ٹھہرانے والا ہوں۔

آگے اپنے چہیتے صاحب زادے حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ اپنی پوری زندگی میں حق تعالیٰ کا مطیع فرمان ہونے کی دعا کا ذکر ہے، مزید برآں یہ دردمندانہ عرض داشت کہ آئندہ اللہ تعالیٰ اس خانوادے سے ایسی امت برپا کرے جو رہتی دنیا تک کے لئے روئے زمین پر حق تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کا علم بلند کر دے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ (بقرہ : ۱۲۸)

اے ہمارے رب! اور ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار بنا اور ہمارے خانوادے سے اپنی ایک فرماں بردار امت برپا کر۔ اور ہم کو ہماری عبادت کی جگہوں کو دکھا دے اور ہم پر (اپنی بخشش کے ساتھ) رجوع ہو ضرور تو بڑا رجوع ہونے والا، رحم کرنے والا ہے۔

اس میں آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا بھی شامل تھی جنھوں نے اپنے زمانے میں قیصر وکسریٰ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اعلان کر دیا کہ اب قیامت تک کے لئے کسی قیصر یا کسی کسریٰ کے سر اٹھانے کے لئے کوئی موقع نہیں رہے گا:[1]

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ

اے ہمارے رب! اور ان کے بیچ انہی میں سے ایک رسول اٹھا جو ان پر

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

Marfat.com

عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (آیت : ۱۲۹)

تیری آیتوں کی تلاوت کرے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ ضرور تو بڑے غلبہ والا، حکمت والا ہے۔

یہاں تک کہ خدا کے حضور سرفگندگی اور اپنی پوری زندگی میں اس کی بے لاگ اطاعت پورے خانوادۂ ابراہیمی کا امتیازی نشان بن گئی:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يَا بَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ، اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ.....

یاد کرو جب کہ اس سے (ابراہیمؑ سے) اس کے رب نے کہا کہ مطیع فرمان ہو جاؤ تو اس نے کہا کہ میں نے سر جھکا دیا رب العالمین کے لئے۔ اور اسی بات کی تاکید کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی کہ اے میرے بیٹو! ضرور اللہ نے چن دیا ہے تمہارے لئے دین کو سو تمہیں جو موت آئے تو اسی حال میں کہ تم فرماں بردار (مسلم) ہو۔ آیا تم (اے اہل کتاب) موجود تھے جب کہ یعقوبؑ کو موت آئی جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد تم کس چیز کی بندگی (عبادت) کرو گے؟ انھوں نے کہا کہ ہم تمہارے معبود اور تمہارے باپ دادوں ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی بندگی (عبادت) کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اس کے مطیع فرمان ہیں..... (اے مسلمانو!)

Marfat.com

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ (بقرہ : ۱۳۱ - ۱۳۶)

کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو اتاری گئی ہم تک اور جو اتاری گئی ابراہیمؑ اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اس کی اولاد تک اور اس چیز پر جو دی گئی موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو ساتھ ہی اس پر جو دی گئی (دوسرے تمام) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان کے بیچ کوئی امتیاز نہیں کرتے۔ اور ہم اس (اللہ) کے مطیع فرمان ہیں۔

معلوم ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے اسلام کی صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر یہودیت و نصرانیت کی الگ پگڈنڈیاں بنالی تھیں۔ جب کہ مسلمانوں کی طرح ان کے جدامجد سیدنا ابراہیمؑ کو اس سے دور دور تک کوئی تعلق نہ تھا۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (بقرہ : ۱۳۵)

اور انھوں (اہل کتاب) نے کہا کہ تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو راہ پر ہو جاؤ گے کہو نہیں بلکہ ابراہیمؑ کا طریقہ ہی (برحق) ہے۔ جو یکسو تھا اور جو شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔

سیدنا ابراہیمؑ نے اسلام کی جو سیدھی اور سچی شاہراہ دکھائی تھی اس کا مطلب تھا کہ ایمان کی جملہ دفعات اور آخری نبی سمیت اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاکر اپنی پوری زندگی کو حق تعالیٰ کی بندگی و اطاعت میں لگا دیا جائے۔ اور اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں اس کی رضا سے سرمو انحراف نہ ہونے پائے۔ قرآن نے کہا کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اپنے روایتی پندار سے دست بردار ہو کر اگر اس طریقے کو اپنانے کے لئے آمادہ ہوں، جبھی انھیں راہ یابی نصیب ہو سکتی ہے:

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ

سو اگر یہ (اہل کتاب) ایمان لائیں جیسے

Marfat.com

بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ (بقرہ : ۱۳۷)

کہ تم ایمان لائے ہو تو یہ راہ یاب ہیں۔ اور اگر یہ روگردانی کریں تو بس یہ لڑائی جھگڑے میں ہیں۔ سو ان کی طرف سے اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اور وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔

آگے فرمایا کہ یہی خدا کا رنگ 'صبغۃ اللہ' ہے۔ اور جو لوگ اپنے کو اس رنگ میں پوری طرح رنگ لیں، وہی دراصل خدا کے عبادت گزار 'عابدون' اور اس کی طاعت و بندگی کا حق ادا کرنے والے ہیں:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔ (آیت : ۱۳۸)

اللہ کے رنگ (میں رنگ جاؤ)۔ اور اللہ سے اچھا رنگ اور کس کا ہو سکتا ہے۔ اور (کہو کہ) ہم اس کے عبادت گزار ہیں۔

حضراتِ انبیاء علیہم السلام نہ صرف اپنی پوری زندگی میں خدا کے دین پر عمل بلکہ اپنے اپنے دائرے میں اس کے قیام و نفاذ کے علم بردار ہوتے ہیں۔ جس کے لئے انھیں بسا اوقات نظامِ باطل سے پنجہ آزمائی اور اکثر و بیشتر ان کی پوری زندگی اس سے کشمکش اور معرکہ آرائی میں بسر ہو جاتی ہے۔ پورے گروہِ انبیاء میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس سلسلے میں بھی ایک خاص امتیاز کے حامل ہیں، جن کی پوری زندگی اس راہ میں آزمائشوں اور قربانیوں سے عبارت ہے۔ یہاں تک کہ اس جرم کی پاداش میں انھیں جیتے جی آگ کے الاؤ میں جھونک دیا گیا سورۂ انبیاء میں قرآن نے ان کی اس ابتلاء کی داستان کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی سلسلے میں آپ کے علاوہ حضرت لوطؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا بھی بیان ہے، اپنی زندگی میں دینِ حق کے لئے جن کی جدوجہد اور بے مثال استقامت ایک معلوم حقیقت ہے۔ قرآن رشد و ہدایت کے ان اماموں اور صبر و عزیمت کے ان پہاڑوں کو 'عابدین' قرار دیتا ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِمْ

اور ہم نے انھیں پیشوا ٹھہرایا جو ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے۔ اور ہم نے

فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔

(انبیاء: ۷۳)

ان تک وحی کی بھلائی کے کاموں کی انجام دہی کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی۔ اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔

قرآن نے 'حدود اللہ' کا لفظ جن وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے اس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔ جس کے اندر انفرادی و اجتماعی زندگی کے اہم ترین گوشے شامل ہیں معروف کا حکم دینے اور منکر سے منع کرنے کے دائروں کی وسعت کا حال بھی معلوم ہے۔ قرآن سچے اہل ایمان کے بیان میں ان کا وصف عبادت گزار 'عابدون' بتاتا ہے تو اس کی تفصیل کرتے ہوئے ان کی زندگی کے ان اہم ابواب کا بھی اضافہ کرتا ہے:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

(توبہ: ۱۱۲)

(اللہ کی طرف) پلٹنے والے (اس کی) عبادت کرنے والے (اس کی) حمد بیان کرنے والے، روزے رکھنے والے رکوع کرنے والے، سجدے کرنے والے بھلائی (معروف) کا حکم دینے والے برائی (منکر) سے منع کرنے والے، اور اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) حدوں کی نگہداشت کرنے والے۔ اور (اے نبیؐ) ایسے ایمان والوں کو تم خوش خبری سنا دو۔

خشوع اور خاشعین

مسلمان کے اندر اللہ کی یاد اور اس کی بزرگ و برتر ذات کے استحضار سے دل میں جھکاؤ اور نرمی پیدا ہو، دینی زندگی کا یہ وہ نکتہ ہے جسے اس کا اول و آخر کہا جا سکتا ہے۔ کسی

Marfat.com

بھی صاحبِ ایمان کے دل میں یہ کیفیت جتنی گہری اور مضبوط ہوگی، اسی نسبت سے وہ دین کے تقاضوں اور اس کے مطالبات پورا کرنے کے لئے آمادہ ہوگا۔ مدینہ کے اندر کچھ مسلمانوں میں اس کیفیت کی کمی دیکھ کر اسے اپنے اندر تازہ اور بیدار کرنے کا حکم ہوا:

اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔

کیا وقت نہیں آیا ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں کہ ان کے دلوں میں جھکاؤ (خشوع) پیدا ہو اللہ کی یاددہانی اور اس حق کے لئے جو (ان تک) اترا ہے۔ اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہوں جنھیں اس سے پہلے کتاب دی گئی تو ان پر مدت دراز ہوگئی تو ان کے دل سخت ہوگئے۔ اور ان میں سے بہتیرے نافرمان ہیں۔

(حدید: ۱۶)

آگے دل کے اس جھکاؤ کا جو نتیجہ اور عملی زندگی میں اس کا جو مظاہرہ مذکور ہوا وہ یہ کہ اہلِ ایمان زیادہ سے زیادہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کو بہترین قرض (قرضِ حسن) دینے والے بنیں، جس کا غالب استعمال اللہ کے دین کے لئے جہاد اور اس کی تیاری کے لئے اپنا مال خرچ کرنے سے ہے:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ۔

ضرور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ جنھوں نے اللہ کو قرض دیا بہترین قرض (قرضِ حسن) تو یہ انھیں دوچند کرکے واپس کیا جائے گا۔ اور ان کے لئے عزت کا بدلہ ہے۔

(حدید: ۱۸)

سورۂ حدید کا مرکزی موضوع اللہ کے دین کے لئے جان و مال سے جہاد کے لئے مسلمانوں کو ترغیب دلانا ہے۔ اس سورہ میں بار بار اللہ کے راستے میں خرچ کرنے (انفاق فی سبیل اللہ)

Marfat.com

کی جو بات کہی گئی ہے اس کا زیادہ تر رجحان اسی طرف سے ہے۔ اس کے ساتھ ہی خدا کے دین کے لئے 'جنگ' (قتال) کو ایمان کا صریحی تقاضا قرار دے کر، قرآن نے ایمان کا دعوی کرنے والوں سے، ان دو مطالبات کا ذکر اس سورہ میں بڑی تفصیل سے کیا ہے:

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَکُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْہِ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَاَنْفَقُوْا لَھُمْ اَجْرٌ کَبِیْرٌ، وَمَا لَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّکُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ، وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس چیز میں سے جس کا اللہ نے تمہیں مختار بنایا ہے۔ سو جو لوگ تم میں سے ایمان لائیں اور (راہِ خدا میں) خرچ کریں ان کے لئے بڑا بدلہ ہے۔ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے ہو جب کہ رسول تم کو آواز دے رہا ہے کہ (اس کے راستے میں خرچ کر کے) تم اپنے رب پر ایمان کا ثبوت دو۔ اور (اس سے پہلے وہ تم سے (اس کا) عہد لے چکا ہے اگر تم ماننے والے ہو۔ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے جو تم اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو جب کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی وراثت ہے۔ تم میں سے برابر نہیں ہو سکتے وہ جنھوں نے خرچ کیا فتح (مکہ) سے پہلے اور جنگ کی۔ ان لوگوں کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنھوں نے اس کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی۔ گو کہ اللہ نے ہر ایک سے بہترین (اجر) کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اور اللہ خوب

Marfat.com

خَبِیْرٌ۔ (حدید : ۷ - ۱۰) پتہ رکھنے والا ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔

یہ آیتیں صاف بتاتی ہیں کہ باطل سے برسرِ پیکار اور شرک و کفر کی قوتوں سے پنجہ آزمائی کی صورت میں مسلمان معاشرے کو جن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جہاد و قتال کی تیاری کمزور ابنائے معاشرہ کی کفالت اور گھر سے بے گھر ہو جانے والوں کی آبادکاری وغیرہ ان سب کے سلسلے میں انفاق فی سبیل اللہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اور یہی چیز ہے جس کے ذریعہ ان تمام محاذوں پر کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے جو آگے اسے قرآن اللہ کو 'قرض حسن' دینے سے تعبیر کرتا ہے جسے وہ قیامت کے روز دوگنا، چوگنا کر کے اپنے ایسے مخلص بندوں کو واپس کرے گا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ وَلَہٗ اَجْرٌ کَرِیْمٌ۔ (حدید : ۱۱)

کون ہے جو اللہ کو قرض دے بہترین قرض (قرض حسن) پس وہ اسے دوچند کر کے لوٹائے اور اس کے لئے عزت کا بدلہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں 'قرضِ حسن' کا لفظ خاص طور پر ہماری توجہ کا طالب ہے۔ اس لئے کہ قرآن کے دوسرے نظائر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا غالب استعمال راہِ خدا میں جنگ کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے ہے۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ، مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُطُ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ (آیات : ۲۴۴ - ۲۴۵)

اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ اور جان لو کہ اللہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ کون ہے وہ جو اللہ کو قرض دے بہترین قرض (قرض حسن) پھر وہ اسے بہت بہت گنا کر کے اسے لوٹائے۔ اور اللہ (روزی کو) سکیڑتا اور (اسے) پھیلاتا ہے۔ اور اسی کی طرف تم سب لوگ لوٹائے جاؤ گے۔

Marfat.com

دوسرے موقع پر بنی اسرائیل کو خطاب کر کے رسولوں کی بہمہ وجوہ مدد و اعانت کے عہد کے بعد اللہ کو 'قرضِ حسن' دینے کی بات کہی گئی ہے۔ جس کا واضح اشارہ دشمنانِ دین سے جہاد و قتال کی طرف ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔ (مائدہ : ۱۲)

اور ہاں اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں سے بارہ نگراں اٹھائے اور اللہ نے کہا کہ ضرور میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ دی اور تم میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی پشتیبانی کی اور اللہ کو قرض دیا بہترین قرض۔ (اگر تم نے ایسا کیا) تو میں ضرور تم سے زائل کروں گا تمہاری کوتاہیوں کو اور تم کو داخلہ دوں گا ان باغات میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ سو جو کوئی تم میں سے اس کے بعد انکار کرے تو ضرور وہ ٹھیک راستے سے بھٹک گیا۔

سورۂ مزمل کی آخری آیت سے بھی یہی حقیقت نمایاں ہوتی ہے جہاں 'قرضِ حسن' کا ذکر 'قتال فی سبیل اللہ' کے بعد ہے۔ بعثت کے ابتدائی زمانے میں کارِ نبوت کے بوجھ کو اٹھانے کے قابل بنانے کے لئے، رات کے بڑے وقفے میں، نوافل کی ادائیگی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض قرار دی گئی تھی۔ جس میں آپؐ کی اتباع کے شائق بہت سے حضراتِ صحابہؓ بھی آپؐ کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے۔ کچھ دنوں بعد 'قیام لیل' کے اس کورس میں تخفیف ہوئی تو اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ ضرور تیرے رب کو پتہ ہے کہ تم رات کے

Marfat.com

تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ
اللَّیْلِ وَ نِصْفَہٗ وَ ثُلُثَہٗ
وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ
وَ اللّٰہُ یُقَدِّرُ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ
عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ
فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَأُوْا مَا
تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ،
عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ
مَّرْضٰی وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ
فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ
مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاٰخَرُوْنَ
یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
فَاقْرَأُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ وَ
اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّكٰوۃَ
وَ اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا
حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا
لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَیْرٍ
تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ
ھُوَ خَیْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا
وَّ اسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ
غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

دو تہائی، اس کے نصف اور اس کے
تہائی کے قریب کھڑے ہوتے ہو۔
ساتھ ہی ان لوگوں کی ایک جماعت بھی
جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور اللہ کو
رات اور دن کا اندازہ ہے۔ اسے پتہ
تھا کہ تم اسے نبھا نہ سکو گے سو وہ (اپنی
بخشش کے ساتھ) تم پر متوجہ ہوا تو اب اتنا
ہی قرآن پڑھو جو آسانی سے کر سکو۔ اس
کو پتہ تھا کہ تم میں کچھ بیمار ہو سکتے ہیں۔
دوسرے وہ جو زمین میں چلتے پھرتے
ہیں اللہ کی روزی تلاش کرتے ہوئے۔
دوسرے وہ ہوں گے جو اللہ کے راستے
میں جنگ کرتے ہوں گے۔ سو اب
تم اس سے (قرآن سے) اتنا ہی پڑھو
جتنا تم آسانی سے کر سکو۔ اور نماز قائم
کرو اور زکوۃ دو اور اللہ کو قرض دو
بہترین قرض۔ اور بھلائی کی جو چیز تم
اپنے آگے بڑھاؤ گے اللہ کے ہاں اسے
اس سے بہت بہتر اور زیادہ بڑی پاؤ گے
بدلہ میں۔ اور اللہ سے اپنے گناہوں
کی معافی چاہو۔ ضرور اللہ بڑا بخشنے والا
رحم کرنے والا ہے

(آیت : ۲۰)

حضراتِ انبیاء علیہم السلام اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام دائروں میں دین کے

Marfat.com

تقاضوں پر عمل کے ساتھ روئے زمین پر اس کے غلبہ ونفاذ کی جیسی کوشش کرتے ہیں وہ اظہر من الشمس ہے۔ جس کی تفصیل سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ دنیا کے اندر اللہ کے دین ہی کی خاطر جیتے اور اسی کے لئے مرتے ہیں اور اپنی پوری عمر عزیز وہ باطل سے کشمکش اور اس سے پنجہ آزمائی میں گزار دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ حق غالب ہوتا ہے ورنہ پھر ان کی قوم ہلاک کر دی جاتی اور صفحۂ ہستی سے اس کا نام ونشان مٹا دیا جاتا ہے۔ قرآن ان حضرات گرامی کی زندگی کی اس پوری جدوجہد کا عنوان 'خشوع' قرار دیتا ہے۔ سورۂ انبیاء میں حضرات لوط، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، اسماعیل، ادریس، ذوالکفل، ذوالنون، زکریا اور یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس مجاہدانہ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے بعد فرمایا:

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسَارِعُوْنَ	ہاں وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر بھلائی
فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُوْنَنَا	کے کاموں میں حصہ لینے والے تھے۔ اور
رَغَبًا وَّرَهَبًا وَّكَانُوْا	ہمیں پکارتے تھے امید سے اور ڈر سے
لَنَا خَاشِعِيْنَ ۔	اور وہ ہمارے لئے پستی (خشوع) اختیار
(آیت : ۹۰)	کرنے والے تھے۔

دل کے اندر اللہ تعالیٰ کے لئے اس تذلل اور جھکاؤ کو پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ جس میں بندۂ مومن اپنے کو ہر طرف سے کاٹ کر اللہ کے لئے یکسو کر لیتا ہے۔ لیکن اس باطنی کیفیت کے ساتھ نماز کی ادائیگی زندگی کے دوسرے دائروں میں بھی اپنے محسوس اثرات دکھاتی ہے۔ اور اہل ایمان کے نقشۂ حیات کو وہ یکسر تبدیل کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کے اندر جو اوصاف وخصوصیات پیدا ہوتی ہیں، ان میں دوسری چیزوں کے علاوہ ایک خاص بات یہ ہوتی ہے کہ وہ انفرادی واجتماعی زندگی کے جملہ امور ومعاملات میں عہد وپیمان کی پابندی اور اپنے ذمہ سپرد امانتوں اور ذمہ داریوں کو نبھانے والے ہوتے ہیں۔ قرآن ان کی زندگی کی اس پوری کایا پلٹ کو نماز کے ذریعہ ان کے اندر پیدا ہو جانے والے اسی 'خشوع وتذلل' کا براہ راست تقاضا قرار دیتا ہے۔ سچے اہل ایمان کے نقشۂ زندگی کی یہ تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، اَلَّذِيْنَ	ہاں بامراد ہیں ایمان والے۔ جو اپنی نماز

هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ، وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ، اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ، فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ ، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ، وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ، اَلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ۔

میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ (اسی کا نتیجہ ہے) جو وہ بے فائدہ چیز سے دور رہتے ہیں۔ اور یہی ہیں جو زکوٰۃ پر عمل پیرا ہونے والے ہیں۔ اور یہی ہیں جو اپنی شرمگاہوں کی نگرانی کرنے والے ہیں، سوائے اپنی بیویوں سے اور ان (باندیوں) سے جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں تو (اس پر) ان پر کچھ ملامت نہیں ہے۔ سو جو کوئی اس سے آگے کا طلب گار ہو تو یہی لوگ ہیں جو حد کو پھاندنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے پیمان کی نگہداشت رکھنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں پر کڑی نظر رکھنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ورثہ پانے والے ہیں یہ (جنت) فردوس کا ورثہ پائیں گے جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(مومنون : ۱-۱۱)

تقویٰ اور احسان

اسلام کے نقطۂ نظر سے دین داری کے یہ دو مدارج ہیں، جن کے حصول کی ہر مسلمان دل سے تمنا رکھتا تھا اور جن تک رسائی کو بجا طور پر دینی زندگی کا نقطۂ کمال تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر اسلام کی ان دو مصطلحات کے سلسلے میں ذہنوں میں جو تصور بیٹھا ہوا ہے وہ ان کی حقیقی تصویر کی بہت دھندلی عکاسی کرتا ہے اور ان کا ابھرا ہوا پہلو نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے۔ تقویٰ کا نام سنتے ہی بالعموم ذہن ایک خاص طرح کی وضع قطع اور جسم و لباس

کی مخصوص ہیئت کی طرف جاتا ہے۔ بات بہت آگے بڑھتی ہے تو اس کے اثر کو حلال و حرام کے معروف دائروں تک وسیع کر لیا جاتا ہے کہ آدمی ان کے سلسلے میں احتیاط و تورع کی روش پر عمل پیرا ہو۔ جیسا کہ حدیث شریف میں کہا گیا ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا باس بہ حذرا لما بہ الباس۔ [1]

بندہ اس درجہ کو نہیں پہنچتا کہ وہ متقیوں میں شامل ہو سکے جب تک کہ وہ اس چیز سے دامن بچانے کے لیے جس میں کوئی کھٹک ہو اس چیز کو بھی نہ چھوڑ دے جس میں کہ کوئی کھٹک نہ ہو۔

اسی طرح 'احسان' کے سلسلے میں بھی بات عام طور پر اس حدیثِ نبوی سے آگے نہیں بڑھتی کہ

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ [2]

یہ کہ تم اللہ کی بندگی (عبادت) کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو۔ سو اگر تم اسے نہیں دیکھتے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔

دین میں طاعت و عبادت کے ان مخصوص دائروں کی اہمیت مسلّم، اس کے نظام میں انھیں مرکزی حیثیت حاصل اور ان کی اولیّت اور اقدمیّت پر کوئی کلام نہیں، لیکن قرآن نے دین کی ان معرکۃ الآرا مصطلحات کے کچھ دوسرے محل بھی متعین کئے ہیں، جن کا حق ادا کرنے اور ان اصطلاحات کا اپنے کو مصداق بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے دوسرے مختلف دائروں کا بھی اسی طرح لحاظ کیا جائے اور انفرادی زندگی سے آگے ان کے اجتماعی تقاضوں سے بھی اسی طرح عہدہ برآ ہوا جائے۔ قرآن کے نزدیک تقویٰ اور احسان کا ایک اہم ترین دائرہ یہ ہے کہ دین کے دشمنوں سے جنگ کی جائے۔ اور جب کبھی وہ آمادۂ جنگ ہوں اور اپنی طرف سے اس

---

[1] ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب الورع والتقویٰ۔

[2] بخاری جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان الخ، مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان۔

Marfat.com

کی پہل کریں تو ان کا اسی طرح جواب دیا جائے۔ عرب کے اندر چند مہینوں کی زمانۂ قدیم سے حرمت کی روایت قائم چلی آتی تھی، جن میں وہ عام طور پر جنگ اور قتل و خونریزی سے پرہیز کرتے تھے[1]۔ اسلام نے بھی ابتدا میں اپنے ہاں ان کی اس روایت کو جوں کی توں باقی رکھا۔ ان محترم مہینوں کے اندر دشمنوں کے اوپر ہاتھ اٹھانے کو اسی صورت میں جائز قرار دیا جب کہ ان کی طرف سے اس کی پہل ہو۔ اس معرکے کو سر کرنے کے لئے جان کے ساتھ مال کی قربانی بھی ضروری تھی۔ چنانچہ ساتھ ہی اس کا حکم بھی ہوا۔ اور اس سے پہلو تہی دنیا و آخرت کی ہلاکت سے تعبیر فرمایا۔ قرآن نے جان و مال کی اس دوہری بازی کو تقویٰ اور احسان کا نام دیا۔ ارشاد ہوا:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ، فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ، وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔

(بقرہ: ۱۹۴-۱۹۵)

محترم مہینہ محترم مہینے کے بدلے اسی طرح دوسری تمام محترم ٹھہرائی ہوئی چیزوں کا بدلہ برابر سرابر ہے۔ سو جو کوئی تم پر چڑھائی کرے تو تم بھی اس کے خلاف کارروائی کر سکتے ہو اس کے بقدر جتنا وہ کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ایسے ہی ڈرنے والوں (متقیوں) کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور (ہاتھ روک کر) اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور خوب کاری کرو ضرور اللہ ایسے ہی خوب کاروں (محسنوں) کو دوست رکھتا ہے۔

دشمن کے ساتھ یہ معرکہ آرائی کیسی شدید تھی اس کا صحیح اندازہ اس کے پورے پس منظر کو

---

[1] یہ چار مہینے تھے:۔ ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، جن کی حرمت کو اسلام نے بھی ابتدا میں اسی طرح باقی رکھا۔ البتہ انسانی جان کی حرمت کی مطلق اہم اخلاقی اور قانونی تعلیمات کے آجانے کے بعد ان کی اتنی اہمیت نہ رہی

Marfat.com

سامنے رکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ، وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ، فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ، وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔

اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے آمادۂ جنگ ہوں۔ البتہ اپنے سے چڑھائی نہ کرو۔ ضرور اللہ ایسے چڑھائی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور انھیں جان سے مارو جہاں کہیں پاؤ اور نکالو ان کو وہاں سے جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا اور فتنہ پردازی (جس میں یہ اب تک ملوث رہے) اس قتل و خونریزی سے زیادہ سنگین ہے۔ اور ان سے لڑائی مت چھیڑو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ یہ خود اس میں تم سے لڑائی نہ چھیڑیں سو اگر یہ تم سے لڑائی کریں تو انھیں جان سے مارو۔ کافروں کا بدلہ ایسا ہی چاہئے ہاں اگر یہ باز آجائیں (تو تم بھی ہاتھ روک لو) کہ اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہ جائے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ سو اگر یہ باز رہیں تو ہاتھ اٹھانا بس ظالموں پر رہے گا۔

(بقرہ: ۱۹۰-۱۹۳)

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے تقویٰ اور احسان کا ذکر انہی معنوں میں کیا ہے۔ غزوۂ احد میں راہِ خدا میں کام آنے والوں کے اللہ کی جناب میں بلند درجات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا

جو اللہ کے راستے میں مارے گئے تم انھیں

Marfat.com

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ، فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتَاھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ، یَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

(آلِ عمران: ۱۶۹ - ۱۷۱)

مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ، اپنے رب کے پاس روزی پاتے ہیں۔ شاداں ہیں اس انعام پر جس سے اللہ نے انھیں نوازا ہے۔ ساتھ ہی وہ خوشیاں مناتے ہیں۔ (اپنے) ان (قریبی) لوگوں کیلئے جو ان سے نہیں ملے ہیں اور ان سے پیچھے ہیں اس بات کی کہ ان کے لیے بھی کوئی ڈر ہے اور نہ یہ غمگین ہوں گے۔ یہ خوشیاں مناتے ہیں اللہ کے انعام اور اس کی مہربانی کی اور اس کی کہ اللہ ایمان والوں کے اجر کو رائیگاں نہیں کرتا۔

معلوم ہے کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ایک معمولی چوک کے نتیجے میں وقتی ہزیمت کا شکار ہو کر کافی بڑا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ ان کے چیدہ افراد کی ایک قابلِ لحاظ تعداد اس جنگ میں کام آگئی تھی اور بقیہ افراد زخموں سے لہولہان اور چور چور تھے۔ ہر چند کہ اس غزوے میں مسلمانوں کی وقتی شکست بعد میں فتح سے تبدیل ہو گئی تھی، لیکن اس سے انھیں جو چرکہ لگا تھا وہ غیر معمولی تھا۔ اور مشرکینِ مکہ کا حال تھا کہ وہ جنگ میں اپنی کامیابی پر پھولے نہیں سما رہے تھے۔ واپسی میں ان کی طرف سے مختلف ذرائع سے یہ بات سامنے آئی کہ اچھا موقع کھو دیا گیا۔ مسلمانوں کو اس وقت جو صدمہ پہنچا تھا، کچھ اور دباؤ بڑھا کر ان کا کام ہمیشہ کے لئے تمام کر دیا جا سکتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے وقت کے وقت مسلمانوں کو ان کے تعاقب کا حکم دیا کہ مبادا کفار کے دل میں خیال آئے کہ مسلمانوں کی قوت ٹوٹ گئی اور اب ان کے اندر مقابلے کی ہمت نہیں رہی۔ چنانچہ ان کا پیچھا کیا گیا اور مسلمانوں نے انھیں 'حمراء الاسد' پر جا لیا۔ یہاں تک کہ آخر کار انھیں اگلے سال مبارزت کا عزم دکھا کر جان چھڑانی پڑی[1] اس موقع پر جن پیکرِ اخلاص مسلمانوں نے احد کا صدمہ اٹھانے

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۲۸۔

Marfat.com

کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پکار پر لبیک کہا، آگے ان کی مدح و توصیف کرتے ہوئے قرآن نے انھیں تقویٰ اور احسان کے اوصاف سے متصف گردانا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے تقویٰ اور احسان کا تعلق جس طرح عبادت کے اخلاص اور معاملات میں احتیاط سے ہے، میدانِ جنگ اور دشمنانِ دین سے مبارزت و پنجہ آزمائی سے بھی ان کا اسی طرح اٹوٹ طور پر تعلق ہے:

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَ	جن لوگوں نے لبیک کہا اللہ اور رسول
الرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَھُمُ	کی پکار پر بعد ازاں کہ انھیں سخت چرکہ
الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَ	لگا۔ (ایسا کرکے) جن لوگوں نے احسان
اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔	کی روش اختیار کی اور تقوے کی راہ اپنائی
(آل عمران: ۱۷۱)	ان کے لئے بڑا بدلہ ہے۔

خاندان کی خیر و صلاح پر پورے معاشرے بلکہ ملک و قوم کی فلاح کا انحصار ہے اس مقصد کی خاطر اسلام نے اس کے مرکزی نقطے یعنی بیوی کے ساتھ عدل و انصاف کی بڑی تاکید کی ہے۔ اور ناخوشی اور ناگواری کی صورتوں میں بھی اس کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نرمی و مسامحت اور کشادہ ظرفی کا رویہ اپنانے کی تلقین کی ہے۔ عورت کے ساتھ نااتفاقی اور بے انصافی کی ایک غالب امکانی صورت تعددِ ازواج میں پیش آتی ہے، جب کہ مرد کے حبالۂ عقد میں ایک سے زیادہ بیویاں ہوں۔ اس صورت میں سوائے اس غیر اختیاری میلانِ طبع کے جو قانونی طور پر ایک ہی سطح اور نسبت کے چند افراد میں کسی ایک یا کچھ سے آدمی کو بالکل اضطراری طور پر ہوتا ہے، جس میں کچھ بیوی ہی کا خصوص نہیں بلکہ اپنے دوسرے قریب ترین اعزّہ اور متعلقین یہاں تک کہ اپنی اولاد کے سلسلے میں بھی بعینہٖ یہی صورت پیش آسکتی اور آتی ہے، قرآن نے بیوی کے ساتھ ہر طرح سے مساوی برتاؤ اور یکساں حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے۔ معاشرتی زندگی سے متعلق اس اہم ترین حکمِ شریعت کو بھی قرآن 'تقویٰ اور احسان' کے دائرے میں شامل قرار دیتا ہے:

وَ اِنِ امْرَاَۃٌ خَافَتْ مِنْ	اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے

Marfat.com

بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ
اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا
اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا
وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَّاُحْضِرَتِ
الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ
تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
خَبِيْرًا ۝ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا
اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ
وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا
تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا
كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا
وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔

(نساء: ۱۲۸-۱۲۹)

زیادتی یا بے رخی کی اندیشہ مند ہو تو ان
دونوں کے لئے کیا ہی اچھا ہے کہ اپنے
درمیان صلح صفائی کرلیں۔ اور صلح صفائی
زیادہ بہتر ہے۔ اور انسان کے جی میں
تنگی موجود پڑی ہے۔ اور اگر تم (ایسا
کرکے) احسان کا راستہ اپناؤ اور تقوے
کی راہ اختیار کرو تو اللہ ضرور پتہ رکھنے
والا ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔ اور تم
عورتوں کے بیچ (بہمہ وجوہ) انصاف
نہیں کرسکتے، گو تم ایسا چاہو تو (ایک کی
طرف) بالکل نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو
بالکل ادھر میں چھوڑ دو۔ اور اگر تم اصلاحِ
حال کی روش اپناؤ اور تقویٰ کے راستے
پر چلو تو ضرور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے
والا ہے۔

شہادت اور گواہی کی انسانی زندگی میں جو اہمیت ہے اس سے کون نہیں واقف ہے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے وسیع تر معاملات اس سے متعلق ہوتے اور بندگانِ خدا کے حقوق کی ادائیگی کا بڑی حد تک اس پر انحصار ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن نے اس کا حکم بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ
بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ
اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے بیچ
گواہی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت
آجائے وصیت کے موقع پر دو آدمیوں کی
ہے جو تم میں سے انصاف والے ہوں۔

Marfat.com

اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ
اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ
فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ
مُصِيْبَةُ الْمَوْتِ
تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ
الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللّٰهِ
اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ
بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ
ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ
شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّا
اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ
فَاِنْ عُثِرَ عَلٰى
اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ
اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ
يَقُوْمَانِ مَقَامَهُمَا
مِنَ الَّذِيْنَ
اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ
الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمَانِ
بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ
اَحَقُّ مِنْ
شَهَادَتِهِمَا
وَمَا اعْتَدَيْنَآ
اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ

یا (بصورت مجبوری) دو دوسرے
تمہارے علاوہ میں سے ہوں۔ اگر تم
زمین میں رختِ سفر باندھے پھر رہے
ہو پس (اچانک) تم کو موت کی مصیبت
کا سامنا ہو جائے تو تم ان دونوں آدمیوں
کو روکو گے نماز کے بعد سو وہ (اپنی گواہی
پر) قسم کھائیں گے اللہ کی (یہ کہتے ہوئے
کہ) اگر تم کو شک ہے (تو خوب سمجھ لو
کہ ہم بالکل بے لوث ہیں) ہم اس
(ذمہ داری) کے عوض میں کسی قیمت
کے طلب گار نہیں خواہ وہ (متعلق شخص)
رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور ہم اللہ کی
گواہی کو چھپا نہیں سکتے۔ ایسے میں
تو ہم ضرور گناہ گاروں میں ہوں گے
پھر اگر پتہ لگے کہ یہ (اپنی گواہی میں جھوٹ
کر کے) کسی گناہ کے حق دار ہوئے ہیں
تو دو دوسرے ان کی جگہ پر کھڑے
ہوں گے۔ ان لوگوں میں سے جو
پچھلوں کے مقابلے میں (گواہی کے)
زیادہ حق دار قرار پائے ہیں تو یہ اللہ
کی قسم کھائیں گے (یہ کہتے ہوئے) کہ
ضرور ہماری گواہی دو پچھلوں کی گواہی
سے زیادہ مبنی برحق اور برسرانصاف ہے

Marfat.com

الظّٰلِمِیْنَ۔ اور ہم ذرا زیادتی کے مرتکب نہیں ہوئے
(مائدہ:۱۰۶-۱۰۷) ہیں ایسا کر کے تو ہم ضرور ظالموں میں ہوں گے

آگے قرآن کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کا متقی بننا چاہتا ہے تو اس کے لئے گواہی کے اس معاملے میں ٹھیک ٹھیک حق و انصاف کے راستے پر قائم رہنا ضروری ہے۔ شہادت کے مذکورہ طریقے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔
(مائدہ : ۱۰۸)

یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ تم گواہی کو لاؤ اس کی مطلوبہ صورت میں بصورت دیگر لوگوں کو یہ اندیشہ رہے گا کہ کہیں قسموں کے بعد قسمیں مسترد نہ کر دی جائیں۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور بات سنو۔ اور اللہ نافرمانوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔

موجودہ دور کی طرح اسلام نے عدل کو انفرادی و اجتماعی کے خانوں میں نہیں بانٹا ہے کہ عدل اجتماعی۔ (Social justice) تو مطلوب ہو اور عدل انفرادی زیرِ بحث کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں اور ہے تو کس درجہ میں ہے۔ اسلام علی الاطلاق 'عدل' کا قائل ہے اور کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر زندگی کے تمام دائروں میں اس کی حکم رانی دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سلسلے میں وہ دوست دشمن کی بھی کسی تفریق کا روادار نہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام دائروں میں، خاندان، قبیلے اور معاشرے سے لے کر قومی، ملکی یہاں تک کہ بین الاقوامی سطح تک، بے لاگ انداز میں عدل و انصاف کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہا جائے اور مخالفت اور دشمنی کے بڑے سے بڑے اشتعال کے باوجود قدم اس جادۂ مستقیم سے نہ ہٹنے پائے، یہی چیز 'تقویٰ' ہے اور اس کا حق ادا کرنے کی صورت ہی میں آدمی اپنے کو اللہ کا متقی بندہ کہنے کا مستحق بنا سکتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے

Marfat.com

قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (مائدہ : ۸)

کھڑے ہونے والے بن جاؤ حق و انصاف کی گواہی دیتے ہوئے۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس کا قصوروار نہ بننے دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ (ہر حال میں اور بہمہ وجوہ) عدل وانصاف سے کام لو۔ یہی تقوے سے زیادہ قریب تر ہے۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ ضرور اللہ پتہ رکھنے والا ہے اس کا جو تم کرتے ہو

دین کے دشمنوں سے مقابلہ ہو تو آدمی آہنی عزم کا مظاہرہ کرے اور میدانِ جنگ میں پوری بے جگری کے ساتھ داد شجاعت دے، جو لوگ دین کے اس اجتماعی تقاضے کا حق ادا کر سکیں قرآن کے مطابق یہی لوگ ہیں جنھیں 'متقیوں' کا خطاب زیب دیتا ہے۔ دوسرے موقع پر فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (توبہ : ۱۲۳)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جنگ کرو ان کافروں سے جو تم سے قریب ہیں اور چاہیئے کہ وہ تم میں سختی پائیں۔ اور جان لو کہ اللہ ایسے ہی ڈرنے والوں (متقیوں) کے ساتھ ہے۔

صبر وصدق کے سلسلے میں اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ زندگی کے دوسرے معاملات کی طرح ان کا تعلق خاص طور پر میدانِ جہاد سے بھی ہے کہ آدمی دشمن سے مقابلے میں پامردی واستقلال کا انتہائی مظاہرہ کرے اور زبان سے اپنے کو دین کے لئے وقف کرنے کا اس نے جو عہد کیا ہے اسے عملاً سچ کر دکھائے۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کا 'متقی بندہ' بننے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر علاوہ اور باتوں کے یہ دو صفتیں بھی پائی جائیں۔ چند روزہ زندگی کے مال واسباب پر ریجھ کر راہِ حق سے منہ موڑنے اور اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں کے کردار کے برعکس اوصاف کے حاملین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

Marfat.com

قُلْ أَأُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ
ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا
عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ
وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِا
لْعِبَادِ ۝ اَلَّذِيْنَ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝
الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ
وَالْقٰنِتِيْنَ
وَالْمُنْفِقِيْنَ وَ
الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِا
لْاَسْحَارِ ۔

(آلِ عمران : ۱۵۔ ۱۷)

(اے نبیؐ) کہو کہ لوگو کیا تم کو پتہ بتاؤں اس (دنیا اور متاعِ دنیا) سے بہت اچھی چیز کا۔ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کے لئے پاک صاف بیویاں ہوں گی اور (ان سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی۔ اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ضرور ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا (یہی ہیں) صبر اختیار کرنے والے، صدق پر عمل پیرا، (اللہ کے لئے) جھکنے والے (راہِ خدا میں) مال خرچ کرنے والے اور سحر کے وقتوں میں توبہ و استغفار میں مصروف رہنے والے۔

واضح رہے کہ اس سے پہلے معرکۂ کارزار ہی کی بات چل رہی ہے۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں اور کافروں کے دو متضاد کردار وں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ
فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ
تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ضرور تمہارے لئے نشانی تھی دو جماعتوں میں جن کی آپس میں ٹکر ہوئی۔ ایک جماعت (اہلِ ایمان کی) اللہ کے

Marfat.com

رَاُخْرٰی کَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ وَاللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۔ (آلِ عمران : ۱۳)

راستے میں لڑ رہی تھی اور دوسری (جماعت) کافروں کی (جو شیطان کے لئے جنگ کر رہی تھی) یہ انھیں (اہلِ ایمان کو) دیکھتے تھے اپنا بالکل دوگنا سر کی آنکھوں سے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی مدد سے مضبوط کرتا ہے۔ ضرور اس کے اندر نشانی ہے آنکھ والوں کے لئے۔

ماحول جنگ کا پیدا ہو جائے اور دشمن شرافت و انسانیت کی تمام حدوں کو توڑتے ہوئے ایک پر ایک اشتعال انگیزی کا سامان کرتا جائے اور فریق مخالف بالکل ہی کمزور اور بے بس نہ ہو بلکہ مقابلے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو، ایسے موقع پر ضبط و تحمل کا دامن تھامتے ہوئے لڑائی سے ہاتھ کو روکے رکھنا، یہ وہ نازک صورت ہے جس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے روایتی دین داری کبھی کفایت نہیں کر سکتی۔ بڑے بڑے دین داروں کے قدم ایسے موقع پر پھسل جانے کا امکان ہوتا ہے۔ اس آزمائشی صورتِ حال سے کامیاب نکلنے کے لئے انفرادی کے بجائے اجتماعی تقویٰ درکار ہوتا ہے، جس کے لئے مذہبیت و دین داری کا وسیع تصور اپنانے کی ضرورت ہے۔ سنہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کو اسی طرح کی صورتِ حال کا سامنا تھا۔ جب کہ مشرکینِ مکہ حق و انصاف کی تو کجا، شرافت و انسانیت یہاں تک کہ خود اپنی مسلّمہ روایات کو پامال کرتے ہوئے پیغمبرِ امنؐ کی سربراہی میں مسلمانوں کی غیر مسلح جماعت کو عمرے کی سعادت حاصل کرنے سے روکنے پر تلے ہوئے تھے۔ عرب کی پوری تاریخ میں اس کی کوئی نظیر موجود نہ تھی کہ خانۂ کعبہ کا حج و طواف اور وہاں قربانی گزرانے والے کسی غیر مسلح اور پرامن قافلے کو کبھی روکا گیا ہو۔ مسلمان اپنے مرکز مدینہ سے دور ہونے کے باوجود چودہ سو کی تعداد میں تھے اور نیام میں سہی تلواریں ان کے ساتھ تھیں اور اللہ کی طرف سے فتح و نصرت کا وعدہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ البتہ حکمتِ الٰہی مختلف مصالح کے پیشِ نظر کفار کو ابھی کچھ مزید مہلت دینا چاہتی تھی۔ جس کا تقاضا تھا کہ مسلمان جنگ سے ہاتھ روکے رکھیں اور کفار و مشرکین کی طرف سے اس جاہلی حمیت کے مظاہرے کے باوجود وقار و تحمل کا دامن ہاتھ

Marfat.com

سے نہ چھوڑیں۔ قرآن نے کفار کے مقابلے میں اہلِ ایمان جماعت کی اس کیفیت کو تقوے کی روش سے تعبیر فرمایا:

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	یاد کرو جب کہ ان لوگوں نے جنھوں نے
فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ	کفر کیا اپنے دلوں میں حمیت (پچ)
حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ	جاہلیت کی حمیت (پچ) بسائی، سو اللہ
اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی رَسُوْلِهٖ	نے اپنی سکینت اور اطمینان اتارا اپنے
وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَ	رسول پر اور ایمان والوں پر اور انھیں
اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی	تقوے کی بات کا پابند بنایا اور وہ تھے بھی
وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا	اس کے سب سے زیادہ سزاوار اور
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔	اہل۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے
(فتح : ۲۶)	والا ہے۔

معروف کا حکم دینے اور منکر سے منع کرنے کی وسعت کا دائرہ معلوم ہے۔ جس کے اندر پورے دین اور پوری شریعت پر عمل ہی نہیں بلکہ بس بھر اس کی اقامت اور نفاذ بھی اسی طرح شامل ہے۔ قرآن کا کہنا ہے کہ جو گروہ اس فریضۂ منصبی کو ادا کرے وہی دراصل خوفِ خدا (تقویٰ) کی راہ پر ہے۔ حق پرست اہلِ کتاب کے سلسلے میں قرآن کی اس آیت کا حوالہ اس سے پہلے گزر چکا ہے:

لَیْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ	سب اہل کتاب برابر نہیں ہیں۔ ان میں
الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ	ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو (حق
یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ	پر) قائم ہیں۔ یہ اللہ کی آیتوں کی تلاوت
وَهُمْ یَسْجُدُوْنَ، یُؤْمِنُوْنَ	کرتے ہیں رات کے وقتوں میں اور سجدوں
بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ	میں پڑے ہوتے ہیں۔ یہ ایمان رکھتے
وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور
وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ	نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے منع
یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ	کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں

Marfat.com

أُولٰئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ۔

(آلِ عمران : ۱۱۳ - ۱۱۵)

ایک دوسرے پر سبقت دکھاتے ہیں۔ اور یہی لوگ نیکوکاروں میں ہیں۔ اور یہ بھلائی کا جو کام بھی کریں گے اس پر ان کی ناقدری نہ ہوگی۔ اور اللہ خوب جانتا ہے ایسے متقی لوگوں کو۔

دوسرے موقع پر یہ بات مزید کھل کر کہی گئی ہے۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ اگر وہ جنت کی ابدی کامیابی سے ہمکنار ہونا چاہتے ہیں تو انھیں بے لاگ انداز میں ایمان اور تقوے کی روش اختیار کرنی ہوگی:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ۔

(مائدہ : ۶۵)

اور اگر (یہ) اہل کتاب ایمان لائیں اور تقوے کی روش اپنائیں تو ہم ضرور ان سے ان کی کوتاہیوں کو زائل کریں اور ضرور انھیں داخلہ دیں نعمت بھری باغات میں۔

آگے اس کا تقاضا بتایا کہ وہ کسی تحفظ اور تجزیہ و تقسیم کے بغیر توراۃ و انجیل کے احکام پر کاربند ہوں۔ جس کے لازمی نتیجے کے طور پر انھیں آخری خدائی کتاب کی بتمام و کمال پیروی کرنی ضروری ہوگی جو اپنی ان پیش رو کتابوں کا مصداق اور ان کا آخری تکمیلی ایڈیشن ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ

اور اگر یہ لوگ (بہمہ وجوہ) توراۃ و انجیل کے تقاضے پورے کریں ساتھ ہی اس چیز کے جو (اب) ان تک ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے تو وہ ضرور کھائیں اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں تلے سے۔ ان میں ایک جماعت راہِ اعتدال پر ہے۔ (بقیہ) بہتیرے تو بہت

Marfat.com

مَا يَعْمَلُوْنَ۔ (مائدہ: ۶۶) برا ہے یہ جو یہ کرتے رہے ہیں۔

تقوے ہی کی طرح 'احسان' کو بھی قرآن نے اپنی پوری زندگی میں خدائی مرضیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کے مرادف بتایا ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے قارون دنیا میں خدا بیزاری اور اللہ سے سرکشی و بغاوت کا نشان ہے۔ جو زندگی کے تمام دائروں میں خدا سے انحراف کی روش پر عمل پیرا تھا۔ اس روش کو چھوڑ کر زندگی کے تمام دائروں میں جب اس سے خدا پرستی اور اس کے احکام و مرضیات کی بے لاگ پیروی کا مطالبہ ہوا تو اس کا عنوان قرآن نے بھی 'احسان' قرار دیا۔ بغاوت و سرکشی کے اس پتلے کو نصیحت کی گئی کہ:

وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (قصص: ۷۷)

اور (اے قارون) اللہ نے تجھے جو دے رکھا ہے اس میں آخرت کے طالب بنو اور دنیا سے اپنے (حقیر) حصہ کو نہ بھولو۔ اور احسان کی روش اپناؤ جیسا کہ اللہ نے تم پر احسان کی بارش کی ہے۔ اور زمین میں فتنہ و فساد کے آرزو مند نہ ہو۔ ضرور اللہ پسند نہیں کرتا فساد پھیلانے والوں کو۔

گزر چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام اپنی پوری زندگی میں دین پر عمل کے ساتھ دنیا کے اندر بہمہ وجوہ اس کا غلبہ و نفاذ بھی ہوتا ہے۔ جس کے لئے وہ وعظ و تلقین اور تبلیغ و نصیحت کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس مقصد کی خاطر اسی طریقۂ کار کو اپنانے کی تلقین کی گئی۔ تلوار اور زور و زبردستی کے اسلام کے دشمنوں اور معاندوں کے گڑھے ہوئے الزامات کے عین برعکس آپ نے مثبت اور پرامن دعوتی جدوجہد کا جو شاندار ریکارڈ قائم کیا وہ انسانی تاریخ کا ایک انتہائی درخشاں باب ہے۔ اس مہم میں آپؐ اور آپؐ کے جاں نثاروں کو جو تلوار نیام سے نکالنی پڑی تو بالکل اضطراری جب کہ مخالفین نے افہام و تفہیم کے تمام دروازے بند کر دیئے اور پرلے درجے کے عناد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے۔ اور اس سلسلے میں بھی ان کے ساتھ آخری حد تک رعایت کرنے اور

Marfat.com

تا بحد امکان صبر و ضبط کا دامن مضبوط تھامے رہنے کی تلقین کی گئی۔ پیغمبرِ اسلامؐ کی اس تمام جدّوجہد کو قرآن نے ' دعوت الی اللہ' کا نام دیا۔ اور اس راہ میں انفرادی ربط اور بحث و گفتگو سے لے کر اس میں نزاع و تکرار اور اس سے آگے میدانِ جنگ اور تلوار کے تمام مراحل کا عنوان 'تقویٰ اور احسان' قرار پایا۔ ارشاد ہوا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِا
لْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ
وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ
اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ
اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ
سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِا
لْمُهْتَدِیْنَ، وَاِنْ عَاقَبْتُمْ
فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا
عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَ لَئِنْ
صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ
لِّلصّٰبِرِیْنَ، وَ اصْبِرْ
وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِا
للّٰهِ وَ لَا تَحْزَنْ
عَلَیْهِمْ وَ لَا تَكُ فِیْ
ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ،
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا
وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

(نحل : ۱۲۵ - ۱۲۸)

اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ حکمت اور بھلی نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث و مباحثہ بھی کرو تو اس طریقے سے جو بہتر سے بہتر ہو۔ ضرور تمہارے رب کو خوب پتہ ہے اس کا جو اس کے راستے سے بھٹکا ہے اور وہ خوب جاننے والا ہے راہ یافتوں کو۔ اور اگر تم (دشمن سے) بدلہ لو تو اسی کے بقدر بدلہ لو جتنی کہ تم پر زیادتی کی گئی ہے۔ اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت بہتر ہے۔ اور (اے نبیؐ) تم صبر کرو اور تمہارا صبر کرنا تو اللہ کی مدد ہی سے ہو سکتا ہے اور تم ان کی روش سے افسردہ نہ ہو اور ذرا تنگی میں نہ پڑو ان چالوں سے جو یہ چلتے ہیں۔ ضرور اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو (ایسا کر کے) تقوے کی روش اپنائیں اور ان کے جو (اس طرح سے) احسان کی راہ پر عمل پیرا ہوں۔

Marfat.com

صبر و توکّل

صبر و توکل بھی اسلامی نظامِ زندگی کی دو ایسی اصطلاحیں ہیں جن کے بغیر اس کی کوئی تصویر مکمل نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ وہ بول ہیں جو پورے اسلامی معاشرے میں زبان زدِ عوام و خواص ہیں اور کسی مسلمان کے بارے میں سوچا نہیں جا سکتا کہ اس کے کان ان سے نا آشنا ہوں لیکن یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ اغیار ہی نہیں بہت سے اپنے بھی ان کے واقعی مفہوم اور ان کے صحیح موقع و محل سے بڑی حد تک نا آشنا ہیں۔ اسلامی فلسفۂ حیات کی نمائندہ دوسری بہت سی اصطلاحات کی طرح 'صبر و توکل' کے سلسلے میں بھی ذہن عام طور پر اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ آدمی اپنی انفرادی زندگی میں ہمت و پامردی کا ثبوت دے اور بے صبری و ناتوانی کا مظاہرہ کر کے حالات کے سامنے سپر انداز نہ ہو جائے۔ جب کہ اسلام کا مرجعِ اول قرآن ان کی جو تصویر پیش کرتا اور ان کے جو تقاضے بیان کرتا ہے، اس کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے، جس کے اندر انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی کے امور و مسائل بھی اسی طرح شامل ہیں۔ زندگی کے ان تمام شعبوں میں جب تک آدمی صبر و توکل کے تقاضے پورے نہ کرے، نہیں کہا جا سکتا کہ ان اعلیٰ اوصاف سے اس نے اپنے کو متصف کر لیا اور قرآن ان اعلیٰ قدروں کو اپنانے اور اپنے اندر ان کی آبیاری کرنے کی جو بار بار تلقین کرتا اور ان کی اہمیت و عظمت کو نمایاں کرتا ہے۔ اس کے تقاضوں کی ادائیگی کا حق ادا کر دیا گیا۔ اجتماعی زندگی کا نازک ترین لمحہ وہ ہوتا ہے جب کہ آدمی کو کسی مستقبل کے بغیر اللہ کے دین کی راہ میں اپنے گھر بار کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ قوم و وطن کو چھوڑ کر غربت کی زندگی دوسرے لوگ بھی اختیار کرتے ہیں۔ خاص طور پر آج کی دنیا میں تو یہ ایک معمول کی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ لیکن آج اکثر و بیشتر آدمی اپنا گھر بار بہتر مستقبل کی تلاش بلکہ زیادہ تر اس کی ضمانت پر چھوڑتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وطن کو چھوڑ کر بظاہر غربت کی زندگی اختیار کرنے والوں میں خاصی بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو محض سیر و تفریح کی خاطر یہاں سے وہاں اور اس ملک سے دوسرے ملک گھومتے پھرتے ہیں اور جن کی فارغ البالی اور خوش حالی سے بس بھر اپنا حصہ وصولنے کی خاطر دنیا کا ہر خطہ انھیں خوش آمدید کہنے کو بے قرار اور زندگی کی تمام راحتوں اور

Marfat.com

سہولتوں اور بسا اوقات عیش وطرب اور نشاط وشادمانی کے تمام سامانوں کے ساتھ، مضطربانہ ان کے انتظار میں ہوتا ہے۔ شاید یہی وہ لوگ ہوں جن کے بارے میں بزرگ سعدی بہت پہلے کہہ گیا ہے

متنعم بکوہ ودشت وبیاباں غریب نیست ہر جاکہ رفت خیمہ زدو بارگاہ ساخت

لیکن اسلام میں جس چیز کا نام گھر بار سے دوری 'ہجرت' ہے اس کا رنگ اس سے بالکل جداگانہ ہے یہاں آدمی خدا کی راہ میں اپنے ماضی کو ویران کر کے بالکل نامعلوم مستقبل کے اندھیروں میں خود کو ڈالتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ جو لوگ عرصۂ دراز تک ظلم وستم کی چکی میں پسنے کے بعد دین کے اس اجتماعی مطالبہ پر لبیک کہتے ہوئے اپنا گھر بار چھوڑنے پر آمادہ ہوں اور آئندہ زندگی کے خطرات کو پوری خندہ پیشانی کے ساتھ انگیز کر سکیں، یہی لوگ ہیں جو 'صبر وتوکل' کے راستے پر گامزن ہیں:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ، اَلَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔

(نحل: ۴۱ - ۴۲)

اور وہ لوگ جنھوں نے اللہ (کے راستے) میں گھر بار چھوڑا اس کے پیچھے کہ ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے ہم انھیں ضرور دنیا میں بہترین جگہ پر جمائیں گے۔ اور آخرت کا بدلہ زیادہ بڑا ہے۔ اگر یہ لوگ سمجھیں. یہی لوگ ہیں جنھوں نے صبر کی راہ اپنائی اور یہ اپنے رب پر بھروسہ (توکل) کرنے والے ہیں۔

سورۂ عنکبوت کا آغاز ہی راہ خدا میں آزمائشوں کے لئے تیار رہنے کے مضمون سے ہوا ہے آگے اس سلسلے میں انبیائی تاریخ کے مختلف نمونوں کو پیش کرنے کے بعد اہل ایمان بندوں کو خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ انھیں ہر حال میں بندگیٔ رب کی روش پر قائم اور اپنی پوری زندگی خدائی احکام و ہدایات کے تحت بسر کرنی چاہئے اور اس سلسلے میں کسی بڑی سے بڑی رکاوٹ کو آڑے نہیں آنے دینا چاہئے۔ یہاں تک کہ اگر قوم وقبیلے کے لوگ اس راستے میں دشواریاں کھڑی کریں تو اس بندھن کو بھی اسی طرح بے جھجک کاٹ دینا چاہئے۔ اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے۔ اگر اپنے قوم ووطن میں بندگیٔ رب کے تقاضوں پر عمل کے مواقع باقی نہ رہ جائیں تو آدمی کو جہاں کہیں اس کے امکانات

Marfat.com

نظر آئیں وہاں کے لئے رختِ سفر باندھ لینا چاہیئے۔ فرمایا کہ یہی ایمان اور عمل صالح، کی مطلوبہ روش ہے اور اسی پر عمل پیرا ہو کر آدمی صبر و توکل کے تقاضے پورے کر سکتا ہے:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا	اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری
اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ	زمین پھیلی ہوئی ہے سو تم (جہاں رہ کر
فَاعْبُدُوْنِ، كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ	بھی ہو) ہاں بس میری ہی بندگی (عبادت)
الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ،	کرو۔ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا	پھر تم ہم ہی تک پلٹائے جاؤ گے۔ اور وہ
الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ	لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ہم
مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا	انھیں ضرور جنت میں بالاخانوں میں
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	بسائیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی
الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا	ہوں گی یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔
نِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ، الَّذِيْنَ	کام کرنے والوں کا یہ بدلہ کیا ہی اچھا ہے۔
صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ	یہی لوگ ہیں جنھوں نے صبر کی راہ اپنائی
(عنکبوت: ۵۶-۵۹)	اور یہ اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں۔

یہ بات کہ اس مقام پر زمین کی کشادگی کا حوالہ دے کر راہِ خدا میں گھر بار چھوڑ دینے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس کی وضاحت سورۂ نساء کی آیتِ ذیل سے ہوتی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ	ضرور وہ لوگ جن کی فرشتے جان نکالیں گے
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ	درں حالیکہ وہ (سرزمین کفر میں رہ کر)
قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا	اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے ہوں گے
مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا	وہ ان سے کہیں گے کہ تم کس حال میں
اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً	پڑے رہ گئے وہ کہیں گے ہم زمین میں
فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ	دبائے ہوئے تھے۔ وہ کہیں گے کیا اللہ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ	کی زمین پھیلی ہوئی نہ تھی کہ تم اس میں

Marfat.com

مَصِيْرًا، اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ
مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا،
فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ
اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا۔

گھر بار چھوڑ کر جا رہتے۔ تو یہی لوگ ہیں
جن کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اور وہ کیا ہی بری
پلٹنے کی جگہ ہے۔ سوائے ان کچلے ہوئے
مردوں، عورتوں اور بچوں کے، جو نہ اپنے
لئے کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ انھیں کوئی
راہ سجھائی دیتی ہے۔ تو یہ لوگ ہیں
کہ پوری امید ہے کہ اللہ ان سے درگزر
کرے۔ اور اللہ بڑا درگزر کرنے والا،
بخشنے والا ہے۔

(آیات : ۹۷-۹۹)

آگے اس کی مزید ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّ
سَعَةً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ
بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ
الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى
اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا۔

اور جو کوئی اللہ کے راستے میں گھر بار
چھوڑے اسے زمین میں بڑی سر چھپانے
کی جگہ اور کشادگی ملے گی اور جو کوئی اپنے
گھر سے نکلے اللہ اور اس کے رسول کی
طرف ہجرت کے ارادے سے پھر وہ
موت کی لپیٹ میں آجائے تو ضرور اللہ
پر اس کا بدلہ ثابت ہو چکا۔ اور اللہ بڑا
بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

(آیت : ۱۰۰)

لیکن اس سے بھی آگے کا مرحلہ ہے کہ آدمی اس راستے میں اپنی سب سے قیمتی متاع، متاعِ حیات، کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے تیار ہو اور خدا کے دین کو غالب اور کفر و شرک کی قوتوں کو پسپا کرنے لئے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں اتر آئے۔ قرآن کے مطابق یہی مقام ہے جہاں صحیح معنوں میں مومن کے 'صبر' کا امتحان ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تمہاری

Marfat.com

إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا — کسی (دشمن) جماعت سے مڈبھیڑ ہو
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ — تو تم ثابت قدمی دکھاؤ اور اللہ کو بہت
تُفْلِحُونَ، وَأَطِيعُوا اللّٰهَ — زیادہ یاد کرو تاکہ تم کامیابی سے ہمکنار
وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا — ہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں
فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ — برداری کرو اور باہم لڑو جھگڑو نہیں
رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّٰهَ — کہ پھر تم ہار جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے
مَعَ الصَّابِرِينَ۔ — اور صبر کا راستہ اپناؤ۔ ضرور اللہ صبر کرنے
(انفال : ۴۵-۴۶) — والوں کے ساتھ ہے۔

دوسرے موقع پر حضرت طالوت اور ان کے مخلص ساتھیوں کی زبانی قرآن نے اس حقیقت کا اعلان ان لفظوں میں کرایا:

قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ — انھوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب!
عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ — ہمارے اوپر صبر کے دہانے کھول دے
أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى — اور ہمارے قدموں کو جما دے۔ اور
الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ — کافر قوم کے بالمقابل ہمیں فتح و نصرت
(بقرہ : ۲۵۰) — سے ہم کنار کر۔

انہی کی زبانی اس سے پہلے یہ اہم حقیقت بھی واضح کی گئی:

كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ — کتنی ہی چھوٹی ٹولیاں بڑے جتھوں پر
فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ — غالب آگئیں اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ
مَعَ الصَّابِرِينَ (بقرہ : ۲۴۹) — صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس کے علاوہ قرآن نے یہ حقیقت بار بار دہرائی ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں اخلاص کے ساتھ دین کا راستہ اپنائیں گے، انھیں دوسری قربانیوں کے ساتھ ایک مرحلے پر متاعِ حیات کی قربانی بھی پیش کرنی پڑے گی۔ اور اس کے بعد ہی انھیں بارگاہِ ربّ العزت سے 'صبر' کا پروانہ مل سکے گا:

Marfat.com

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ، اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

اور ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کسی قدر ڈر، بھوک، مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دو۔ یہی لوگ ہیں کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہاں ہم تو بس اللہ کے لئے ہیں اور ہم ضرور اسی تک پلٹنے والے ہیں۔

(بقرہ : ۱۵۵-۱۵۶)

جان کی کمی تفسیر اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے خود کر دی ہے کہ اس سے مراد راہِ خدا میں مارا جانا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (بقرہ : ۱۵۴)

اور تم ان کے لئے نہ کہو۔ جو اللہ کے راستے میں مارے جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم سمجھتے نہیں ہو۔

دوسرے موقع پر یہی بات بدیں الفاظ کہی گئی ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

ضرور تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور جانوں کے سلسلے میں اور تم ضرور سنو گے ان لوگوں کی طرف سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان کی طرف سے جنھوں نے شرک کی راہ اپنائی ہے بہت زیادہ تکلیف کی چیز۔ لیکن اگر تم صبر کرو اور تقوے کے راستے پر چلو تو ہاں یہ بڑے عزم کی باتوں سے ہے۔

(آلِ عمران : ۱۸۶)

قرآن کے نقطۂ نظر سے صابر کون لوگ ہیں؟ وہ جو راہِ خدا میں جان و مال سے جہاد کریں۔ سورۂ محمدؐ میں فرمایا:

Marfat.com

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ

اور ہم ضرور تم کو پرکھیں گے یہاں تک کہ ہم پتہ لگالیں تم میں سے (راہِ خدا میں جان و مال سے) جہاد کرنے والوں اور (اس طرح) صبر اختیار کرنے والوں کو۔ اور یہاں تک کہ ہم پتہ لگالیں تمہارے احوال کا۔ (آیت : ۳۱)

اس موقع پر جہاد جان و مال دونوں کی قربانی کو شامل ہے اس لئے کہ اس کے آگے اور پیچھے قتال و جنگ کا مضمون چل رہا ہے۔ اس سے پہلے کمزور مسلمانوں کی کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاَوْلٰى لَهُمْ طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔

اور (بہت سے) وہ جو ایمان (کا دعویٰ) رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ کیوں نہیں کوئی سورۃ (جنگ کی) اترتی۔ سو جب صاف حکم کی سورہ اترتی ہے اور اس میں جنگ کا بیان ہوتا ہے تو تم دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ وہ تم کو تکیں گے (پتھرائی) نگاہ سے جیسے کہ کسی شخص پر موت کی غشی طاری ہو۔ سو ان کے لئے تباہی ہے۔ فرمانبرداری اور بھلی بات (یہی بہتر ہے)۔ سو جب معاملہ (جنگ) ٹھن جائے پس یہ اللہ سے اپنے سچے ہونے کا ثبوت دیں تو یہ ان کے لئے بہت بہتر ہو۔ (محمد : ۲۰-۲۱)

اسی طرح آگے مخلص مسلمانوں کو جوش دلاتے ہوئے کہا گیا:

Marfat.com

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ۔ (محمد : ۳۵)

سو تم کمزوری محسوس نہ کرو اور (لوگوں کو) صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی سب پر غالب اور فتح مند ہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور وہ ہرگز تم سے تمہارے اعمال میں کوئی کمی نہ کرے گا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں بار بار گزر چکا ہے کہ اپنی پوری زندگی میں دین پر عمل کے ساتھ زمین پر اس کے غلبہ و نفاذ کے لئے وہ اپنا سب کچھ داؤں پر لگا دیتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی تمام صبح شام اسی فکر میں گزارتے ہیں۔ وہ اسی کی نیند سوتے ہیں اور اسی کی نیند جاگتے ہیں۔ قرآن ان کی اس تمام جد و جہد کا عنوان 'صبر' قرار دیتا ہے۔ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ۔ (احقاف : ۳۵)

سو (اے نبیؐ) تم صبر کی راہ پر جمے رہو جیسا کہ (تم سے پہلے) صاحبِ عزیمت رسول صبر کے راستے پر جمے رہے ہیں اور تم ان (کافروں اور مشرکوں) کے لئے جلدی نہ مچاؤ۔

اسی طرح دوسرے موقع پر فرمایا:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ، اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

اور (اے نبیؐ) تم صبر کرو اور تمہارا صبر کرنا تو بس اللہ ہی کی مدد سے ہو سکتا ہے اور تم ان (کافروں اور مشرکوں) پر ذرا غم نہ کھاؤ۔ اور جو یہ تدبیریں کرتے ہیں۔ اس سے ذرا تنگی میں نہ پڑو۔ ضرور اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو (ایسا کر کے) اس کا تقویٰ اختیار کریں اور ان کے جو

Marfat.com

(نحل : ۱۲۷ - ۱۲۸) (اس طرح) احسان کی روش پر چلنے والے ہو۔

یہی حال اس سلسلے کی دوسری اصطلاح 'توکل' کا ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے اس کا تعلق نجی اور انفرادی زندگی سے زیادہ دین کے اجتماعی تقاضوں کی بجاآوری اور اس کے امور و مسائل سے ہے۔ اسلام کی تاریخ میں غزوۂ بدر پہلا موقع ہے جب دین حق نے نظام باطل کو میدانِ جنگ میں للکارا۔ اس نازک موقع پر مسلمان جماعت کو حبل رسی کو مضبوط تھامے رہنے کی تلقین کی گئی وہ یہی اللہ پر بھروسہ یعنی 'توکل' تھا۔ حق و باطل کے اس فیصل کن معرکے کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ، اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

(آلِ عمران : ۱۲۱ - ۱۲۲)

اور (اے نبیؐ یاد کرو) جب کہ تم اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر نکلے اہل ایمان کو مختلف جنگی پوزیشنوں پر تعینات کرتے ہوئے اور اللہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ جب کہ تم میں سے دو جماعتوں (بنو سلمہ و بنو حارثہ) نے ارادہ کیا کہ قدم پیچھے ہٹا لیں درں حالیکہ اللہ ان کی مدد کرنے والا تھا۔ اور ایمان والے تو بس اللہ ہی پر بھروسہ (توکل) کرتے ہیں۔

بات آچکی ہے کہ غزوۂ احد کے موقع پر ایک معمولی چوک کے نتیجے میں مسلمانوں کو بڑا سخت صدمہ اٹھانا پڑا تھا۔ دشمنِ اسلام منافقین کے لئے اس صورتِ حال نے زبانِ طعن دراز کرنے کا بڑا موقع فراہم کر دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کی دل شکستگی اور ان کے درمیان افتراق اندازی کی پوری مہم چلا دی۔ مخلص اہلِ ایمان کو ان کی روش سے بچنے کی تلقین کی گئی اور ترغیب دلائی گئی کہ مسلمان کو موت سے ڈرنے کا کوئی جواز نہیں راہ خدا میں مارا گیا تو کیا ہوا۔ آخر منزل تو ہر ایک کی وہی ہے۔ یہ تو خوش نصیبی! اکا حصہ ہے کہ

انھیں چار پائیوں پر سپیر رگڑ کر جان دینے کے بجائے میدانِ جنگ میں دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے :

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ، وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ، وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنھوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے سلسلے میں کہا جب وہ زمین میں نکلے یا جنگ کے لئے کمربستہ ہوئے کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو یہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔ انجام کار اللہ اسے ان کے دلوں میں پچھتاوا بنا کر رکھ دیتا ہے۔ ورنہ اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور وہ خوب دیکھنے والا ہے اسے جو تم کرتے ہو۔ اور اگر تم اللہ کے راستے میں قتل کئے جاؤ یا اپنی موت مر جاؤ تو اللہ کی طرف سے (ملنے والی) بخشش اور رحمت اس سے بہت بہتر ہے جو دوسرے لوگ سینت سینت کر رکھتے ہیں۔ اور اگر تم اپنی موت مرو یا قتل کئے جاؤ تو ضرور تم اللہ ہی کی طرف اکٹھا کئے جاؤ گے۔

(آلِ عمران : ۱۵۶ - ۱۵۸)

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مخلص اہل ایمان کی قلعہ بندی کو آپؐ پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کے ہوتے ہوئے آپؐ کو مذبذب اور نفاق زدہ لوگوں کی کچھ پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مخلصین کو اعتماد میں لے کر آپؐ بڑے سے بڑا اقدام کر سکتے ہیں۔ اللہ پر توکل، کی شاہ کلید کو البتہ مضبوط پکڑے رہنا چاہیئے۔ فتح و شکست سب اسی کے

Marfat.com

ہاتھ میں ہے۔ اس کی مدد ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتی:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ، اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

(آلِ عمران: ۱۵۹-۱۶۰)

سو محض اللہ کی مہربانی سے تم ان کے لئے اس قدر نرم ہو (جس سے تم پر جان نچھاور کی جاتی ہے)۔ ورنہ اگر تم سخت مزاج، سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے گرد سے چھٹ جاتے سو تم ان سے درگزر کرو اور ان کے لئے (اللہ سے) مغفرت کے طلب گار ہو اور ان سے معاملات میں مشورہ کرو۔ پس (اس کے بعد) جب تم (کسی بات کا) پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ (توکل) کرو (اور آگے بڑھو) ضرور اللہ پسند کرتا ہے توکل (بھروسہ) کرنے والوں کو۔ اگر اللہ تمہاری مدد کرنا چاہے تو پھر تمہارے اوپر کوئی غلبہ پانے والا نہیں۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے اور ایمان والوں کو چاہئے کہ بس اللہ ہی پر توکل (بھروسہ) کریں۔

دوسری جگہ اس طرح کے مواقع پر منافقین[1] کے دوہرے کردار کی نشاں دہی کرتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کچھ پراوہ نہ کرتے ہوئے اللہ کے بھروسے (توکل) پر آگے بڑھتے رہنے کی تلقین کی گئی:

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵۲۹۔

Marfat.com

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔

(النساء : ۸۱)

اور وہ کہتے ہیں کہ فرماں برداری کے سوا دوسری کیا بات ہے لیکن جوں ہی وہ تمہارے پاس سے نکل کر باہر جاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت اس کے بالکل برعکس جس کا وہ زبان سے اظہار کرتی ہے سازشوں میں لگ جاتی ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو یہ سازشیں کرتے ہیں۔ سو تم ان سے منہ پھیر لو اور اللہ پر بھروسہ (توکل) کرو۔ اور بھروسے کے لئے اللہ کافی ہے۔

واضح رہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل، دشمن سے مقابلہ اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینے ہی سے ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے کا سلسلۂ بیان جہاد و قتال ہی سے متعلق ہے:

فَلْيُقَاتِلْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا، وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ

پس چاہئے کہ اللہ کے راستے میں جنگ کریں وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کے مقابلے میں آخرت کا سودا چاہتے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ کے راستے میں جنگ کرے پس وہ مارا جائے یا فتح مند ہو تو ہم ضرور اسے جلد بڑا بدلہ دیں گے اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے راستے میں جنگ نہیں کرتے ہو اور ان کچلے ہوئے مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہمیں

Marfat.com

اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۱۔ (نساء : ۷۴-۷۵)

نکال لے اس بستی سے جس کے لوگ ظالم اور بے انصاف ہیں۔ اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مدد کرنے والا ٹھہرا۔

غرضیکہ صبر ہو یا توکل، قرآن کے نقطۂ نظر سے ان دونوں ہی کا تعلق مومن کی نجی اور انفرادی زندگی سے زیادہ دین کے اجتماعی مطالبات اور اس کے وسیع تر تقاضوں سے ہے۔ یہی وجہ ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام باطل کے خلاف اپنے اعلانِ جنگ اور دینِ حق کو دنیا کے جملہ ادیان و مذاہب اور نظامہائے حیات پر غالب کرنے کے سلسلے میں ان دو ہتھیاروں کو مضبوط تھامے ہوتے اور ہر ہر قدم پر ان کا حوالہ دیتے ہیں۔ دشمنانِ دین کی مخالفتوں اور ان کی طرح طرح کی شرارتوں کے جواب میں حضرات انبیاءؑ کی بڑی جماعت کی طرف سے قرآن نے ان کا ایک ہی جواب نقل کیا:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ، وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى

ان سے ان کے رسولوں نے کہا کہ ہم تو بس تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں البتہ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔ اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی دلیل لے کر آئیں سوائے اللہ کے حکم کے اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ ایمان والے بھروسہ (توکل) کریں۔ اور ہمیں کیا ہو گیا ہے جو ہم اللہ پر بھروسہ (توکل) نہ کریں جب کہ اس نے ہمارے لئے ہمارے راستے صاف دکھا دیئے اور ہم ضرور تم جو ہمیں تکلیفیں دیتے ہو

اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ۔	اس پر صبر کریں گے اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ (توکل) کرنے والے بھروسہ (توکل) کریں ۔
(ابراہیم : ۱۱ - ۱۲)	

اسلامی نظامِ زندگی کی یہ زباں زد معروف اصطلاحات صاف بتاتی ہیں کہ اسلام جس مذہب سے عبارت ہے اور مذہبیت و دین داری کے جس تصور کا علم بردار ہے، اس کا تعلق صرف خدا اور بندے کے معاملے سے نہیں۔ بلکہ دنیاوی زندگی کے اہم ترین معاملات اور اس کے پھیلے ہوئے امور و مسائل سے بھی اس کا رشتہ گہرے طور پر جڑا ہوا ہے۔ وہ صرف عقائد و عبادات کا دین نہیں، بلکہ معیشت، معاشرت، سیاست، تمدن، صلح و جنگ وغیرہ تمام چیزیں اس کے دائرے میں شامل ہیں۔ وہ ان میں سے ہر ایک سے بحث کرتا اور ان کے سلسلے میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کا سامان فراہم کرتا ہے۔ پس وہ انسان کا پرائیویٹ معاملہ نہیں۔ بلکہ اس کی پوری زندگی کا دین ہے۔ جس کا اصرار ہے کہ اسے پوری انسانیت کا دین مانا جائے اور پوری دنیا پر تنہا اسی کی حکمرانی ہو۔ دوسرے ادیان و مذاہب اور نظامہائے حیات اگر رہیں تو اس کی محکومی اور تابعیت میں رہیں۔ رہنمائی اور مرجعیت تنہا اس کی تسلیم کی جائے اور دنیا کے غالب نظام کی حیثیت تنہا اسے حاصل ہو۔

Marfat.com

قرآن مجید کی مکی سورتوں کے مضامین

اسلامی تصور مذہب کی تشریح و تفصیل میں اب تک ہم کسی تخصیص و تحدید کے بغیر قرآن کی مکی اور مدنی سورتوں سے استدلال کرتے رہے ہیں جس کا صاف مطلب ہے کہ اسلام، نزول قرآن کے اول دن سے مذہب کے وسیع تصور کا علمبردار اور علی الاطلاق جملہ معاملات زندگی میں خدائی مرضیات کے نفاذ کی وکالت کرتا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں اصول فطرت کی رعایت سے بتدریج ارتقاء اور موقع و محل کی مناسبت کو تو ضرور ملحوظ رکھا گیا، چنانچہ دین کی نعمت عظمیٰ کی تکمیل نزولِ قرآن کی تیئیس ۲۳ سالہ مدت کے ساتھ ہوئی۔ تیرہ سال مکہ کے اور دس سالہ مدنی زندگی کے بعد آخری شریعت اپنے نقطۂ کمال کو پہنچی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ادوار میں فرق صرف اجمال اور تفصیل یا دوسرے لفظوں میں متن اور اس کی تشریح کا ہے۔ ورنہ تصور دین مکی زندگی میں بھی ویسا ہی ہمہ گیر اور ہمہ جہت تھا جیسا کہ وہ بعد میں مدینہ میں پوری طرح ابھر کر سامنے آیا۔

آج بہت سے پڑھے لکھے لوگوں کو جن میں اغیار ہی نہیں بہت سے اپنے بھی شریک ہیں، یہ غلط فہمی لاحق ہے کہ اسلام کا اجتماعی رخ مدنی زندگی کی پیداوار ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ اسلام کے دستور اساسی۔ قرآن۔ میں اجتماعیات کے باب کا اضافہ اس وقت ہوا جبکہ مسلمانوں کو ریاست کی آزادانہ فضا میسّر ہو چکی تھی۔ یہی زمانہ تھا جب اسلام کے ماننے والے زندگی کے اجتماعی امور و مسائل سے آشنا ہوئے۔ اس سے پہلے کے تیرہ سالہ مکی دور میں نبیؐ اور پیروان نبیؐ کی دینی زندگی عقائد و عبادات اور مسلمہ معروفات تک محدود تھی۔ مکہ کے اندر قرآن کے جتنے حصے نازل ہوئے ان کا تعلق صاف طور پر انسان کی پرائیویٹ زندگی اور مذہب کے محدود تصور سے ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ ان ممالک اور علاقوں میں جہاں کے حالات اسلامی تاریخ کے مکی دور سے مشابہ ہیں، اسلام کے نام لیواؤں کو مذہب کے اسی

محدود دائرہ کا پابند ہونا چاہیئے۔ دین کے اجتماعی پہلو اور مذہب کے وسیع تصور کی نسبت سے زبان بند رکھی جائے تا آنکہ دست غیب نمودار ہو۔ فضل خداوندی جوش میں آئے اور ریاست وسلطنت کے انعام کا تاج مسلمان امت کے سر پر رکھ دیا جائے۔ اس سے پہلے مذہب کے وسیع اور انقلابی تصور کی بات کرنا بے وقت کا راگ الاپنا اور بسا اوقات اپنے کو قبل از وقت خطرات اور ہلاکتوں کے منہ میں ڈال دینے کے مرادف ہے۔

لیکن یہ محض ایک سفسطہ اور صریح مغالطہ ہے جو کتاب اللہ کو سمجھ کر نہ پڑھنے کا نتیجہ ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ مدینہ کے اندر قرآن کے صفحات میں دین کا جو اجتماعی رُخ سامنے آیا اور مذہب کے وسیع تصور کی جو نمود ہوئی، اس کی بنیاد مکی زندگی میں پڑ چکی تھی اور قرآن کی مکی سورتوں میں اس کی اساس استوار کر دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے جو امت کے علماء نے صراحت کی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی و مدنی کی کسی تخصیص کے بغیر اپنی پوری زندگی میں جملہ معاملات و مسائل کے سلسلے میں جو فیصلے بھی کئے اور انفرادی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ سے لے کر اس کے بڑے سے بڑے مسائل سے آپ جس طرح عہدہ برآ ہوئے ان سب کی بنیادیں، مکی و مدنی کے کسی فرق و امتیاز کے بغیر، قرآن حکیم کے اندر موجود تھیں۔ حضرت امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے:۔

کل ماحکم بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فھو مما فھمہ من القرآن [1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) جو فیصلے بھی کئے وہ سب نتیجہ تھے اس کا جو آپ نے (کسی تحدید و تخصیص کے بغیر) قرآن سے سمجھا تھا۔

جس کا مطلب ہے کہ قرآن کے منصوصات سے آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں انفرادی و اجتماعی زندگی سے متعلق جو احکام و فرامین دیئے اور جو فیصلے بھی صادر کئے یہاں تک کہ وسیع اسلامی سلطنت کا کاروبار جس طرح چلایا، ان سب کا ماخذ مکی و مدنی کی کسی تخصیص کے بغیر کتاب اللہ میں موجود تھا۔ قرآن کی مدنی سورتوں میں اسلام کا اجتماعی پہلو اور اس کا وسیع و ہمہ گیر تصور پوری طرح نمایاں ہے۔ یہی حقیقت قرآن کی مکی سورتوں کے اندر بھی جلوہ گر ہے۔

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/۳۶۳، طبع جدید۔ نیز: الاتقان: ۲/۱۲۶۔ مطبعہ ازہر، مصر، طبعہ ثانیہ ۱۹۲۵ء

Marfat.com

فرق صرف اجمال اور تفصیل اور متن اور اس کی تشریح کا ہے۔ ورنہ ایک ہی تصویر ہے جو مکی اور مدنی ہر دو آئینوں سے ابھرتی ہے۔ ذیل میں ہم اسی نقطۂ نظر سے خاص طور پر مکی سورتوں کا مطالعہ کریں گے اور ان کے اندر زندگی کے وسیع معاملات و مسائل سے متعلق پائی جانے والی تعلیمات کو قدرے تفصیل سے پیش کریں گے، جنہیں مذہب کے انقلابی اور ہمہ گیر اور ہمہ جہتی تصور کے خانہ ہی میں فٹ کیا جاسکتا ہے۔

سورۂ انعام اور سورۂ اعراف

سورۂ انعام کے مکی ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ صحیح ترین روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ پوری سورۃ مکہ میں بیک دفعہ نازل ہوئی۔ جبکہ آپؐ سفر میں تھے اور حالت یہ تھی کہ فرشتوں کی عظیم جماعتیں زمین سے آسمان تک پرے پر پرے جمائے ہوئے تھیں[1]۔ مصحف کی موجودہ ترتیب میں اس کے بعد سورۂ اعراف ہے جس کے مکی ہونے میں بھی کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اگر ہم صرف انہی دونوں سورتوں کے مضامین پر غور کرلیں تو یہ حقیقت مبرہن ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام کا دینداری اور مذہبیت کا تصور مکہ کے اندر بھی ویسا ہی وسیع اور ہمہ گیر تھا جیسا کہ بعد کی مدنی زندگی کے اندر اس کا تکمیلی طور پر ظہور ہوا۔ یہاں تک کہ شریعت کے قانونی نظام کی تفصیلات کی تفہیم کا باب بھی اسی زمانہ میں کھل چکا تھا۔ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ دنیا کے ہر نظام فکر و عمل کی طرح شرک و بت پرستی بھی اپنا ایک مستقل نظام رکھتی ہے اور پوری انسانی زندگی پر اپنے محسوس اثرات مرتب کرتی ہے۔ اس فلسفۂ زندگی نے عرب کے سادہ لوح عوام کو محض بعض رسوم و بدعات اور سماجی خرافات و توہمات کے دام ہی میں گرفتار نہیں کر رکھا تھا جس کے نتیجے میں یہ لوگ اپنی کھیتیوں اور مویشیوں کا ایک حصہ اپنے معبودان باطل کے لئے خاص کر دیتے تھے۔ بہت سے جانور تھے جن کا کھانا کچھ لوگوں کے لئے تو جائز تھا اور کچھ کے لئے ناجائز، اسی طرح ان کی سواری کو بھی وہ اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے۔ اسی طرح حلال و حرام کے سلسلے میں یہ لوگ اور بھی طرح طرح کی بے اعتدالیوں کے شکار تھے جن کی اصلاح کی گئی، قرآن نے بتایا کہ ان کی

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۲۲۔

حیات اجتماعی کا یہ سانحہ بھی ان کی اسی بت پرستی کا کرشمہ ہے کہ یہ اپنے ہی جگر گوشوں کو پوری بے دردی کے ساتھ لقمۂ اجل بنا ڈالتے ہیں[1] اس کے بعد قرآن نے آخری تکمیلی شریعت کی حلال و حرام کردہ چیزوں کی جو تفصیل بیان کی ہے اس نے حیات اجتماعی کے وسیع ترین دائروں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ چنانچہ ذہنی اور فکری تطہیر کے ساتھ دیوانی اور فوجداری قانون کی اہم ترین دفعات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل ہیں:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ
عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّلَا تَقْتُلُوْٓا
اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا
الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ
اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ
فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى
وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ
وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝
وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا

(اے نبیؐ لوگوں سے) کہو کہ آؤ میں پڑھ کر بتاؤں کہ تم پر تمہارے رب نے کن چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو ساجھی نہ ٹھہراؤ۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اور اپنی اولاد کو جان سے نہ مارو افلاس کے ڈر سے۔ ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے حق کے۔ یہ ہے جس کی اس نے تم کو تلقین کی ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے جو بہتر سے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ کی عمر کو پہنچ جائے (تو اس کا مال اس کے حوالہ کردو)۔ اور ناپ اور تول کو پورا پورا کرو انصاف کے ساتھ۔ ہم کسی جان پر بس اس کی طاقت بھر ہی بوجھ ڈالتے ہیں اور جب تم بولو تو ٹھیک بولو خواہ متعلق شخص رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اور اللہ سے ٹھہرائے ہوئے عہد کو

---

[1] انعام: ۱۳۶ تا ۱۵۰۔ نیز آیات: ۱۱۹ - ۱۲۱۔

Marfat.com

فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

(انعام : ۱۵۱-۱۵۳)

پورا کرو۔ یہ ہے جس کی اس نے تم کو تلقین کی ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔ اور یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم (ٹھیک ٹھیک) اس کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں کو نہ پکڑو جو تم کو اس کے (اللہ کے) راستہ سے ہٹا کر جدا جدا ٹولیوں میں کر دیں۔ یہ ہے جس کی اس نے تم کو تلقین کی ہے۔ تاکہ تم (دنیا میں اس سے) ڈر کر رہو۔

سورۂ اسراء جو جمہور مفسرین کے نزدیک پوری کی پوری مکی ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے[1]، اور جیسا کہ روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے مضامین سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ ہجرت نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی[2]، اس کے اندر سورۂ انعام کی مذکورہ وسیع معاملات زندگی سے تعلق رکھنے والی آیات کی مزید تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مکہ کے اندر اسلام کا دستور اساسی۔ قرآن۔ لوگوں کے

---

[1] آلوسی: روح المعانی: ۱۵/۲۔ صاحب جلالین نے اس سورہ کو مکی مانتے ہوئے اس کی آیات ۲۶، ۳۲، ۵۷ اور ۷۳ تا ۸۰ کو مدنی قرار دیا ہے۔ تفسیر الجلالین: ۳۶۴/۱ جبکہ صاحب روح المعانی نے اس پر بعض اور آیتوں کا اضافہ کیا ہے، روح المعانی، حوالہ سابق۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس سلسلے کی تمام روایتیں جن کی بنیاد پر انھیں مدنی کہا گیا ہے، سند کے اعتبار سے کمزور اور تناقض کا شکار ہیں جیسا کہ خود سیوطی نے 'اسباب النزول' میں آیات ۲۶، ۳، ۷ اور ۶ کے تحت اسکی صراحت کی ہے۔ لباب النقول فی اسباب النزول علیٰ ہامش الجلالین/۵۱۲، ۵۱۳، ۵۲۰ تا ۵۲۲۔ طبع جدید۔ حافظ ابن کثیرؒ نے آیت ۲۶ کے تحت اسکی تفصیل کی ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ۳۶/۳۔ سیوطیؒ نے آیت مذکور کے تحت اسی کا حوالہ دیا ہے۔ یہاں سورۂ اسراء کی آیات زیر بحث میں صرف آیت ۳۲ ہے جسے صاحب جلالین نے، جیسا کہ حوالہ گزرا، مدنی بتایا ہے۔ لیکن اس آیت کا مدنی قرار دینا عجیب ہے۔ اس لئے کہ مکہ کے اندر زنا کی حرمت اس کے علاوہ دوسری متعدد آیات سے ثابت ہے۔ سورۂ انعام کی مذکورہ آیات میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ نیز فرقان: ۶۸۔ مومنون: ۵-۷ اور معارج: ۲۹-۳۱ وغیرہ میں بھی اس کی حرمت کا بیان موجود ہے جنہیں تمام مفسرین مکی سورتیں تسلیم کرتے ہیں۔

[2] ابن کثیر: ۲۲/۳، ۵۸، مصر ۱۹۳۷ء

سامنے مذہبیت و دینداری کا جو تصور پیش کر رہا تھا، اس کا دائرہ کس قدر پھیلا ہوا تھا۔ اور کس طرح اس کے اندر حیات اجتماعی کے مختلف و متنوع پہلوؤں سے متعلق تعلیمات و ہدایات شامل تھیں۔ سورۂ اسراء کی ان آیات کو بجا طور پر آئندہ مدینہ میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست کا اولین منشور[1] کہا گیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ	اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ لوگو! اگر
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ	تم بندگی (عبادت) کرو تو بس اس کی اور ماں
عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ	باپ کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ اگر تمہارے
كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا	پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں کے
تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا	دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انھیں
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ	اُف نہ کہو نہ انھیں جھڑکو بلکہ ان سے شریفانہ
مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا	بات کہو۔ اور ان کے لئے مہر بھرے اطاعت
كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝	کے بازو جھکا دو اور دعا کرو کہ پروردگار!
وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ	ان پر مہربانی کر جیسا کہ انھوں نے (سراپا مہر و
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝	محبت بن کر) بچپن میں میری پرورش کی ..... اور
..... وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ	رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین کو اور مسافر
خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ	کو اور بے لگام فضول خرچی میں نہ پڑو ..... اور
وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝	اپنی اولاد کو جان سے نہ مارو فاقہ کے ڈر سے
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ	ہم انھیں روزی دیں گے اور تمہیں تو دیتے ہی
فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝	ہیں۔ ان کا جان سے مارنا بڑی غلطی ہے۔
وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ	اور بدکاری کے پاس نہ بھٹکو یہ کھلی بے حیائی
حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ	اور بہت برا راستہ ہے۔ اور اس جان کو قتل
مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا	نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے سوائے
فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ	حق کے اور جو کوئی قتل کیا جائے نشانۂ ظلم

[1] تفہیم القرآن: ۲/۵۸۵، دہلی، طبع ہفتم

مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ
اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ
اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ
الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝ وَاَوْفُوا
الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ
الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ
تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ
مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝
كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ
رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝

(اسراء: ۲۳-۳۸)

ہو کر تو ہم نے اس کے ولی کے لئے (قصاص کا)
اختیار رکھا ہے سو وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے
ضرور اس کی مدد ہونی ہے۔ اور تم یتیم کے
مال کے پاس نہ جاؤ سوائے اس طریقہ کے
جو بہتر سے بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی سمجھ کی
عمر کو پہونچ جائے (تو اس کا مال اس کے
حوالہ کردو) اور عہد کو پورا کرو۔ ضرور عہد کی
پرسش ہونی ہے۔ اور ناپ کو پورا کرو جب
تم ناپو۔ اور ٹھیک تول تولو۔ یہی زیادہ اچھا
اور انجام کار کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔
اور زبان سے وہ بات نہ نکالو جس کا تمہیں
ٹھیک پتہ نہ ہو۔ ضرور کان، آنکھ اور دل
ان میں ہر ایک کی بابت پرسش ہونی ہے۔
اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ ہرگز (ایسا کر کے)
تم زمین میں دراڑ نہ ڈال دو گے اور لمبائی میں
پہاڑوں کی برابری پر نہ پہنچ جاؤ گے۔ یہ تمام
چیزیں جو (سب کی سب) بری ہیں تیرے
رب کے نزدیک بہت ناپسندیدہ ہیں۔

سورۂ فرقان (آیات ۶۳ تا ۷۶) میں بھی اہل ایمان کی مطلوبہ اوصاف و خصوصیات کے بیان میں سہلیں اسلام کے اسی وسیع تصور مذہب کی صدا گونجتی دکھائی دیتی ہے[1] جس کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔

---

[1] سورۂ فرقان جمہور مفسرین کے نزدیک پوری مکی ہے۔ روح المعانی: ۱۸/۲۳۰۔ جلالین میں اس کی تین آیات ۶۸، ۶۹، ۷۰۔ جن میں زنا اور قتل نفس کی حرمت کا مضمون ہے، انھیں مدنی کہا گیا ہے۔ تفسیر الجلالین ۴۷۰/۔ لیکن اس کے شان نزول میں سیوطی نے صراحت کی ہے کہ اس کا تعلق مکی دور سے ہے۔ لباب النقول فی اسباب النزول (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اصولی ہدایات

عقائد وعبادات اور احکام ومعاملات سے متعلق وسیع تعلیمات کے علاوہ ان سورتوں کے اندر ہمیں وہ اصولی ہدایات ملتی ہیں جو انسان کو اپنی پوری زندگی میں اللہ کے لئے یکسو ہوجانے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ ذہنی وفکری یکسوئی کے ساتھ مکمل عملی یکسوئی یہاں تک کہ جملہ معاملات حیات میں صرف اللہ کی مرجعیت قائم ہوجائے اور انفرادی واجتماعی تمام امور ومسائل میں اس کی علی الاطلاق حاکمیت تسلیم کرلی جائے۔

اللہ کی حاکمیت

اس سلسلے میں ان دو سورتوں کا اہم ترین مطالبہ یہی ہے کہ قرآن کی صورت میں آخری تکمیلی شریعت کے آجانے کے بعد انفرادی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے مسئلے سے لے کر اجتماعیت کے بڑے سے بڑے مسائل تک اللہ اور اس کی نازل کردہ کتاب سے ہٹ کر نظر کسی اور طرف اٹھنے نہ پائے۔ قرآن کے آجانے کے بعد زندگی کے تمام معاملات کا فیصلہ اللہ کی ایک ہی بارگاہ سے ہوگا۔ قرآن کے اجمال کی تفصیل اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول وعمل سے کریں گے اور کسی بھی انسان کے لئے جو فوز وفلاح کا طالب اور جسے اپنی صحیح حیثیت کا شعور ہو اس دائرے کا لانگنا جائز نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس کتاب کے اندر اصولی طور پر جملہ معاملات زندگی کی تفصیل موجود ہے۔ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف طور پر اعلان کردینے کا حکم ہوا۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ	کیا پس میں اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت چاہوں
الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ	جبکہ اس نے تم تک کتاب (قرآن) اتارا ہے (جملہ
مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ	معاملات زندگی سے متعلق تفصیل کے ساتھ) اور
الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ	وہ لوگ جنہیں ہم نے (اس سے پہلے) کتاب

(بقیہ صفحہ گزشتہ) علی ہامش الجلالین/۶۰۶۔ روایات سے ہٹ کر بھی ان آیتوں کا مدنی قرار دینا کچھ وزن دار نہیں۔ اس لئے کہ یہ مضمون جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے، دوسری متفق علیہ مکی سورتوں اور آیتوں میں مذکور ہے۔

مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ (انعام : ۱۱۴)

دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق کیساتھ اتارا گیا ہے۔ سو تم ہرگز ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

دنیا و آخرت میں انسان کی فلاح کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں کہ وہ اپنی پوری زندگی میں راستی اور انصاف کے راستے پر لگ جائے۔ اس کا مسئلہ اپنے اللہ کے ساتھ سچا ہو اور دنیا کے دوسرے انسانوں کے ساتھ وہ اسی سچائی کے راستے پر عمل کرنے والا ہو۔ کفر و شرک کی روش سے بچ کر وہ اپنے آپ کو ظلم و ناانصافی سے بچا لے اور دوسرے تمام بندگان خدا کے ساتھ ظلم و ناانصافی سے دامن کش رہے اور بے لاگ طریقے پر عدل و انصاف کی روش پر گامزن ہو۔ آگے فرمایا کہ کتاب اللہ ان ہر دو پہلوؤں سے آخری طور پر نقطۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے جس سے آگے کی کسی چیز کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس ضروری ہے کہ اسے مضبوط پکڑ کر اپنی پوری زندگی میں اس کے اتارنے والے کی بالا دستی تسلیم کر لی جائے نیز یہ کہ اس سے ہٹ کر دین و دنیا کے کسی معاملے میں دوسرے انسانوں کی پیروی نہ اختیار کی جائے۔ جن کا کل اثاثہ حیات اور فکر و نظر کا تمامتر سرمایہ محض ظن و گمان ہے، اسی پر ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ (آیات : ۱۱۵-۱۱۶)

اور تیرے رب کی بات نقطۂ کمال کو پہنچی ہوئی ہے سچائی اور انصاف میں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ اور وہ بڑا سننے والا، جاننے والا ہے۔ اور اگر تم زمین والوں میں اکثریت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ یہ تو محض ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور محض اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں۔

یہی بات دوسرے موقع پر مزید صراحت سے کہی گئی ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے جس دائرے میں بھی تمہارے اندر کوئی اختلاف برپا ہو، چاہیے کہ اس کے فیصلے کے لئے اللہ

Marfat.com

کی طرف پلٹا جائے۔ زندگی کے تمام معاملات میں بلا شرکت غیرے صرف اسی کا حکم چلنا چاہیئے۔ زندگی کے چھوٹے بڑے ہر مسئلہ میں اس کا فیصلہ آخری اور اس کی مرضی ہر ایک پر مقدم ہے۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ (شوریٰ: ۱۰)

اور (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) جس کسی چیز میں بھی تمہارا باہم اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے۔ یہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔

جملہ معاملاتِ زندگی میں قرآن کی پیروی

اس کے ساتھ ہی ان سورتوں میں دو ٹوک لفظوں میں یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ قرآن کی صورت میں آخری مکمل نظام زندگی کے آجانے کے بعد آدمی کے لئے اپنی پوری زندگی میں اس کے راستے سے ہٹ کر کسی دوسرے طریقے کے اپنانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں اب اسی کتاب کو فیصل ماننا ہوگا۔ عقائد و عبادات سے لے کر اخلاق و معاملات معاشرت و معیشت، تہذیب و تمدن، سیاست و حکومت کے تمام میدانوں میں اس کی دکھائی ہوئی روشنی ہی قابل اعتماد اور خدا و رسول کی بارگاہ میں قابل قبول ہوگی۔ اس سے ہٹ کر یا اس سے کٹ کر جس پگڈنڈی کو بھی آدمی پکڑے گا۔ وہ دنیا و آخرت ہر ایک میں اسے تباہی کے کھڈ میں گراتے گی اور اس کے لئے ہمہ جہتی نقصان اور خسارے کی موجب ہوگی۔ سورۂ اعراف کی ابتداء ہی میں فرمایا:

اِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ (آیت: ۳)

پیروی کرو (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) اس چیز (قرآن) کی جو تم تک تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ اور اسے چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کے پیچھے نہ چلو۔ تم بہت کم دھیان دیتے ہو۔

آخرت سے پہلے دنیا کے اندر بھی اس روش کا انجام کچھ اچھا نہیں۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد ارشاد ہوا:

وَكَمْ مِنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

(آیات: ۴-۵)

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تباہ کر دیا سو ان پر ہمارا عذاب آیا رات کے وقت یا جبکہ اس کے لوگ قیلولہ میں تھے۔ سو جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کی پکار اس کے سوا دوسری نہ رہی کہ وہ چلاتے رہے کہ ہاں ہم ضرور ظلم کے راستہ پر چلنے والے تھے۔

دوسرے مواقع پر بھی قرآن دنیا کے تمام انسانوں کو اسی کی تاکید کرتا نظر آتا ہے کہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات اور جملہ امور و مسائل میں کسی تحدید و تخصیص کے بغیر اس کے دکھائے ہوئے راستے کی پیروی کی جائے۔ اس طریقے کو چھوڑ کر دوسری دنیا سے پہلے اس دنیا کے اندر بھی آدمی اپنے کو عذاب الٰہی کی گرفت سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا:

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

(زمر: ۵۵)

اور پیروی کرو (جملہ معاملات زندگی سے متعلق) اس بہترین چیز (قرآن) کی جو تم تک تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے اس سے پہلے کہ تم تک عذاب آئے اچانک اور تم کو کچھ پتہ نہ ہو۔

ہر طرح کے گناہوں سے اجتناب

ایک بات ان سوتوں میں یہ بھی کہی گئی ہے کہ آدمی کو اپنی پوری زندگی میں ہر طرح کے گناہوں سے بچ کر رہنا ضروری ہے یہ اسی کا دوسرا رخ ہے۔ دین کیا ہے؟ دو چیزوں کا مجموعہ، اللہ کے اوامر کی پابندی اور اس کی منہیات سے اجتناب۔ اللہ نے جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے آدمی اپنی پوری زندگی میں ان پر عمل پیرا ہو اور جن چیزوں سے اس نے منع کیا ہے زندگی کی آخری سانس تک ان سے

Marfat.com

پوری طرح دامن کش رہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی پسندیدہ طریقۂ زندگی ہے جس کی پیروی کر کے آدمی دنیا و آخرت کی نعمتوں سے اپنے کو مالا مال کر سکتا ہے۔ ان اوامر و نواہی کی تفصیل اس سے پہلے کسی قدر گزری سورۂ انعام میں منہیات کے سلسلے میں یہ اصولی ہدایت مذکور ہوئی:

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ۝ (انعام: ۱۲۰)

اور چھوڑ دو ظاہری اور باطنی ہر طرح کے گناہ۔ ضرور جو لوگ گناہ کی کمائی کرتے ہیں انہیں جلد بدلہ ملیگا اس چیز کا جس کا یہ ارتکاب کرتے رہے ہیں۔

یہ آیت کریمہ شریعت کی بیان کردہ جملہ قسم کی برائیوں اور گناہوں کو حاوی ہے۔ اس کی تفسیر میں سلف سے بہت سے اقوال مروی ہیں۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس سے ہر وہ برائی اور گناہ مراد ہے جو چھپے یا کھلے کیا جائے۔ انہی سے دوسری روایت ہے کہ اس سے مراد ہر وہ (برا) کام ہے جس کے کرنے کی آدمی دل میں نیت اور ارادہ کرے۔ قتادہ کہتے ہیں اس سے مراد گناہ اور برائی کے کام ہیں خواہ وہ چھپے ہوں یا کھلے، تھوڑے ہوں یا زیادہ۔ سدیؒ کہتے ہیں کہ ظاہر الاثم وباطنہ' میں ظاہر اثم (ظاہر گناہ) سے مراد ہے جھنڈے دار (ذوات الرایات) پیشہ والیوں کے ساتھ زنا اور اس کے باطن سے مراد ہے دوست کی ہوئی، ساتھی بنائی ہوئی اور آشنائی والی عورتوں کے ساتھ اس فعل بد کا ارتکاب۔ عکرمہؒ کا کہنا ہے کہ ظاہر اثم (ظاہر گناہ) سے مراد محرمات کے ساتھ نکاح ہے یعنی وہ قریب ترین رشتے جنہیں شریعت نے رشتۂ ازدواج میں لانا حرام ٹھہرایا ہے مفسرین عظام کے ان جملہ اقوال کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ:

والصحيح ان الآية عامة في ذلك كله وهي كقوله تعالى (قل انما حرم ربي الفواحش منها وما بطن) الآية [1]

صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت ان تمام ہی چیزوں کے سلسلے میں عام ہے۔ اور یہ بالکل وہی بات ہے جو دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس طرح کہی ہے کہ: (اے نبیؐ) کہہ دو کہ میرے رب نے تو بس بدکاری و بے حیائی کی تمام

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۶۸۔

Marfat.com

باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ وہ کھلی (ظاہری) ہوں یا چھپی (باطنی) الخ

سورۂ اعراف میں بدی اور بے حیائی کے ان کاموں میں چند دوسری دفعات کا اضافہ ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (اعراف: ۳۳)

(اے نبیؐ) کہہ دو کہ میرے رب نے تو بس بدی و بے حیائی کی تمام باتوں کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ ساجھی ٹھہراؤ اس چیز کو جس کے لیے اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ پر کہو وہ بات جسے تم جانتے نہیں ہو۔

آیت بالا کی طرح اس آیت کریمہ نے بھی کھلے اور چھپے بدی اور بے حیائی کے کاموں میں ہر طرح کی برائیوں اور بداطواریوں کا احاطہ کرلیا ہے۔ اس کے بعد اس میں علی الاطلاق گناہ (اثم) کے بعد حق کے بغیر بغاوت و سرکشی 'البغی بغیر الحق' کی دفعہ کا اضافہ ہے۔ جس کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ نے کہا ہے:

البغی لا یستعمل الا فی الاقدام علی الغیر نفسا او مالا او عرضا و ایضا قد یراد بالبغی الخروج علی سلطان الوقت [1]

'بغی' کا استعمال کسی دوسرے شخص پر دست درازی کے لئے ہی ہوتا ہے خواہ یہ دست درازی اس کی جان پر ہو یا مال پر یا عزت و آبرو پر۔ نیز بسا اوقات 'بغی' سے مراد بادشاہ وقت کے خلاف بغاوت (اور اس کے اقتدار کو ختم کرنا) ہوتا ہے۔

جس کا مطلب ہے کہ مکہ کے اندر مسلمانوں کو جو تعلیمات دی گئیں، ان میں ان کے لئے بعد کے مراحل میں پیش آنے والے حکومت و سیاست کے نازک ترین مسائل کی تعلیم و تربیت کا سامان بھی موجود تھا۔

---

[1] مفاتیح الغیب: ۴/۲۰۸۔

عدل وقسط کا حکم

اگر سوال کیا جائے کہ زندگی کی وہ اعلیٰ ترین قدر کیا ہے جو دنیائے انسانیت کو امن واطمینان کا گہوارہ بناتی اور جس کی بدولت آدمی دنیا وآخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہوتا ہے، تو اس کا ایک جواب ہے کہ آدمی اپنی پوری زندگی میں عدل وقسط کی روش پر گامزن ہو جائے اور اس کا کوئی قدم اس جادۂ مستقیم سے ہٹنے نہ پائے۔ آسمانی شریعتوں کی اس شاہ کلید کا حکم بھی ہمیں اسی سورہ میں مل جاتا ہے:

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ (اعراف: ۲۹)

(اے نبیؐ) کہہ دو کہ میرے رب نے مجھے حق وانصاف (قسط) کا حکم دیا ہے۔ اور اس کا کہ تم سب ہر نماز کے وقت اپنا رُخ (اللہ کے لئے) سیدھا کرو۔ اور اس کو پکارو اطاعت کو اس کے لئے خاص کرتے ہوئے جیسا کہ اس نے تم کو شروع میں پیدا کیا ویسا ہی تم پلٹو گے۔

عدل وقسط کا یہ حکم اپنے اندر کتنی وسعت اور عموم رکھتا ہے، اس کے لئے ہم صرف ان آیتوں اور ان کا ترجمہ نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، جن میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے:

۱- یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ فِی الْكِتَابِ فِیْ یَتَامَى النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ

اور (اے نبیؐ) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں مسئلہ پوچھتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ ان کے سلسلے میں تم کو مسئلہ بتاتا ہے۔ ساتھ ہی اسے بھی یاد رکھو جو تم پر کتاب میں ان عورتوں کے یتیم بچوں کے سلسلے میں پڑھا جاتا رہا ہے جنہیں تم وہ (مہر وغیرہ) نہیں دیتے ہو جو ان کے لئے فرض رکھا گیا ہے۔ نیز

Marfat.com

وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ۝
(نساء: ۱۲۷)

تم کتراتے ہو اس سے کہ انہیں اپنے نکاح میں لاؤ، اور کچلے ہوئے بچوں کے سلسلے میں اور یہ کہ تم یتیموں کے لئے حق و انصاف (قسط) دلانے کے لئے اٹھ کھڑے ہو۔ اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو گے تو اللہ کو اس کا خوب پتہ ہے۔

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝
(نساء: ۱۳۵)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اٹھ کھڑے ہونے والے بن جاؤ حق و انصاف (قسط) دلانے کو، اللہ کے لئے گواہی دینے والے بن کر، خواہ یہ (گواہی) تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو۔ متعلق شخص جو بھی مالدار یا محتاج ہو تو اللہ ان میں ہر ایک کا سب میں بڑھ کر خیال رکھنے والا ہے۔ سو تم خواہش نفس کی پیروی نہ کرو جس سے کہ عدل و انصاف سے کترا جاؤ۔ اور اگر تم زبان پھیرو اور (حق سے) منہ موڑو گے تو ضرور اللہ خبر رکھنے والا ہے اس کی جو تم کرتے ہو۔

اسی طرح سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے بنو حق و انصاف (قسط) کی گواہی دیتے ہوئے۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس کا قصوروار نہ بننے دے کہ تم عدل و

Marfat.com

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

(آیت : ۸)

انصاف سے کام نہ لو۔ (ہر حال میں) عدل وانصاف سے کام لو۔ یہی خوف خدا سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو۔ ضرور اللہ پتہ رکھنے والا ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

(آیت : ۴۲)

جھوٹ کے لئے ہر وقت کان کھڑا رکھنے والے، نمبری حرام کھانے والے سو (اے نبیؐ) اگر یہ لوگ تمہارے پاس آئیں تو تم جو چاہو ان کے درمیان فیصلہ کر دو یا ان سے رخ پھیر لو اور اگر تم ان سے رخ پھیر لو تو ہرگز یہ تمہارا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے۔ لیکن اگر تم فیصلہ کرو تو ان کے درمیان حق وانصاف (قسط) کے ساتھ فیصلہ کرو۔ ضرور اللہ حق وانصاف سے کام لینے والوں کو پسند کرتا ہے۔

زندگی میں جاری اس عدل وقسط کا نمایاں ترین مظہر ناپ تول کے پیمانے ہیں کہ ان میں کسی قسم کے کھوٹ اور کمی کو روا نہ رکھا جائے۔ جو لوگ روپیے دو روپیے کے معاملہ میں اس انصاف کو نبھا نہ سکیں۔ اس سے بڑے معاملات میں ان سے اس کی کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ قرآن زندگی میں عدل وقسط کی کارفرمائی کا حکم دیتے ہوئے خاص اس دائرے کی نشاندہی کو بھی ضروری خیال کرتا ہے سورۂ انعام کی حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو: ۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی وَبِعَهْدِ اللّٰهِ

اور ناپ اور تول کو پورا کرو انصاف (قسط) سے۔ ہم ہر جان پر بس اس کی طاقت بھر ہی بوجھ ڈالتے ہیں۔ اور جب تم بات کہو تو عدل وانصاف سے کام لو خواہ معاملہ رشتہ داری کا

Marfat.com

اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَّعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهِ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝

اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

کیوں نہ ہو۔ اور اللہ سے ٹھہرائے ہوئے عہد کو پورا کرو۔ یہ ہے جس کی اس نے تم کو تلقین کی ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔ (آیت: ۱۵۲)

رسول کی نصرت

بار بار بات سامنے آچکی ہے کہ اللہ کے رسول دنیا میں صرف اس لیے نہیں آتے کہ وہ اپنے طور پر دین کے احکام اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو لیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کی اہم ترین ذمہ داری بلکہ اصل مقصد بعثت یہ ہوتا ہے کہ دنیا کے اندر اللہ کے دین کی حکمرانی قائم ہو اور تمام انسان اپنے پسندیدہ نظام ہائے زندگی سے دستبردار ہو کر الٰہی شریعت کے رنگ میں رنگ جائیں اور اپنے جملہ امور و مسائل میں خدا اور رسول کی مرضی کو آخری مرجع کی حیثیت سے تسلیم کر لیں۔ اس کام کے لیے حضرات انبیاء علیہم السلام کو اکثر و بیشتر مخالفتوں اور مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی دور میں نظام باطل حق کے مقابلہ میں آسانی کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح عالمگیر دائمی مکمل شریعت لے کر مبعوث ہوئے، دنیا کے اندر نظام باطل کی طرف سے آپؐ کو مخالفتوں اور مزاحمتوں کا مقابلہ بھی اسی نسبت سے کرنا پڑا جس کے لیے ضروری تھا کہ جو لوگ آپؐ پر ایمان لائیں، وہ اللہ کے دین کے لیے دوسری قربانیوں کے ساتھ، آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے نصرت و مدد کے لیے بھی اسی طرح سے تیار ہوں۔ یہاں تک کہ اس راستے میں انہیں اپنی جان کا بھی نذرانہ پیش کرنے میں کچھ تامل نہ ہو۔ سورۂ اعراف میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے تکمیلی مشن اور اس کی اہم ترین دفعات کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نبیؐ کی بعثت کے بعد رحمت ایزدی اب انہیں کا مقدر بنے گی جو سود و زیاں کے فریب سے بالکل آزاد ہو کر پوری بے جگری کے ساتھ اس کا ساتھ دیں گے اور آزمائش کے سخت سے سخت ترین موقع پر بھی ان کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہ آئے گی۔

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

سو ضرور میں اس (رحمت) کو لکھوں گا ان لوگوں کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے

Marfat.com

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(اعراف: ۱۵۷)

ہیں۔ یہی ہیں جو (آخری) رسول امی نبیؐ کی (جملہ معاملات زندگی میں) پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں تورات وانجیل میں لکھا پاتے ہیں جو انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ جو ان کے لئے پاک وصاف چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور گندی اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔ اور ان کے اوپر سے ان کے بوجھ کو اتارتا ہے اور جو بیڑیاں ان کے اوپر تھیں (انھیں کاٹتا ہے) سو (اب) جو لوگ اس پر ایمان لائیں، اس کی پشیبانی کریں، اس کی مدد کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنی مراد کو پہنچے ہیں۔

رسول کی نصرت کا یہ وعدہ کسی خاص جماعت یا کسی خاص دور کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ یہ مطالبہ دنیا کے تمام انسانوں سے ہے اور قیامت تک کے لئے اس کی ضرورت اور اس کا تسلسل اسی طرح قائم ہے۔ چنانچہ اس کے معاً بعد فرمایا:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ

(اے نبیؐ) کہہ دو کہ اے (دنیا کے تمام) لوگو میں (قیامت تک کے لئے) اللہ کا رسول ہوں تم تمام کے تمام تک، وہ جس کے لئے کہ تمام آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ سو تم سب ایمان لاؤ

Marfat.com

بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ ۝ (اعراف:۱۵۸)

اللہ پر اور اس کے رسولِ امی پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اس کی باتوں پر۔ اور (جملہ معاملات زندگی میں) اس کی پیروی کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

قرآن کی دوسری مکی سورتوں کے اندر بھی ہمیں مضامین کی یہی وسعت اور تصورِ دین کی یہی ہمہ گیری اور ہمہ جہتی دیکھنے کو ملتی ہے۔

عدل وانصاف

معلوم ہے کہ اسلام پوری انسانی زندگی میں کسی تحدید و تخصیص کے بغیر عدل وانصاف کا علمبردار ہے۔ ظلم و ناانصافی کی ہر صورت کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام معاملات میں وہ انصاف کی روش پر قائم رہیں۔ اور ان کا کوئی قدم اس سے ہٹ کر نہ اٹھنے پائے۔ مکہ کے اندر قرآن نے اسلام کے اس حکم کو ایک سے زاید بار دہرایا ہے۔ سورۂ نحل کی آیت کریمہ کو قرآن کی جامع ترین آیت قرار دیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ (آیت:۹۰)

ضرور اللہ حکم دیتا ہے عدل وانصاف کا اور احسان کا اور رشتہ دار کو دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی و بدکاری اور برائی اور سرکشی سے۔ وہ تم کو نصیحت کرتا ہے۔ تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔

دوسرے موقع پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

فَلِذٰلِکَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنْ کِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ

سو اس لئے سو (اے نبیؐ) تم (اختلاف کی راہیں نکالنے والوں کو) بلاؤ (سیدھے دین کی طرف) اور (اس پر) جم جاؤ جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور تم ان کی خواہشات کی پیروی نہ

Marfat.com

لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ۔ (شوریٰ: ۱۵)

کروا اور کہو کہ میں ایمان رکھتا ہوں ہر اس کتاب پر جو اللہ نے اتاری ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف سے کام لوں۔

ایک اور جگہ مثال کے ذریعہ یہی حقیقت واضح فرمائی ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (نحل: ۷۶)

اور اللہ نے مثال بیان کی دو آدمیوں کی جن میں سے ایک گونگا ہے جس کے بس کا کچھ نہیں جو اپنے آقا پر بالکل بوجھ ہے۔ جہاں کہیں وہ اسے لگائے وہ کچھ بھلا کر کے نہ دے سکے کیا ایسا ایک شخص اور دوسرا وہ برابر ہو سکتے ہیں جو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ اور وہ سیدھے راستے پر قائم ہے۔

ظلم کا مقابلہ

زمین میں عدل و انصاف کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا تا آنکہ اس پر سے ہر طرح کی ناانصافی اور ظلم و زیادتی کا خاتمہ عمل میں نہ آئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں وہ زیادتیوں اور ناانصافیوں کے مقابلہ میں مضبوط چٹان بن کر کھڑے ہو جائیں۔ مکہ کے اندر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جا چکی تھی۔ اور اسے ایمان اور عمل صالح کا ناگزیر جز قرار دیا گیا۔ اس کو اللہ کے ذکر کے دائمی عمل کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا گیا جس سے قرآن کی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے:

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ

سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور اللہ کو یاد کریں بہت زیادہ اور وہ مقابلہ کے لئے سینہ سپر ہو جائیں اس کے پیچھے کہ انھیں

مَاظُلِمُوْا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝
(شعراء: ۲۲۷)

ظلم کا نشانہ بنایا گیا۔ اور ضرور جلد پتہ لگ جائے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کی راہ اپنائی کہ وہ کیسی پلٹیاں کھاتے ہیں۔

دوسرے موقع پر اس کی مزید تفصیل کی گئی اور اسے مسلمانوں کے ناگزیر وصف کی حیثیت سے بیان کیا گیا اور آخر میں صراحت کر دی گئی کہ ظالم کے خلاف سینہ سپر ہونا شریعت کے عین منشا کے مطابق ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝
وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝
وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝
(شوریٰ: ۳۹-۴۱)

اور وہ کہ جب انہیں بغاوت و سرکشی کا سامنا ہو تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ برائی کے بقدر ہی ہے۔ سو جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح حال کی روش اپنائے تو اس کا بدلہ اللہ پر ہے۔ ضرور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہاں جو اپنے پر ظلم و ستم کے پیچھے انتقام لیں تو یہ لوگ ہیں کہ ان پر زجر و توبیخ کا کوئی موقع نہیں ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ آیت کریمہ والذین اذا اصابہم ... ینتصرون" کے ترجمہ "اور وہ لوگ کہ جب ہووے ان پر چڑھائی، تو وہ بدلہ لیتے ہیں" کے بعد اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی کافروں سے جہاد کرتے ہیں[1]" جس سے اس بدلہ لینے کی وسعت اور اس کے پھیلاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔

عہد و امانت اور شہادت کا پاس و لحاظ

عہد و پیمان کا پاس و لحاظ اور پوری زندگی میں امانت و دیانت کی روش اختیار کرنا ایک وسیع عمل ہے۔ انفرادی و اجتماعی زندگی کے جملہ معاملات میں انسان خدا اور بندوں کو گواہ بنا کر جو عہد و پیمان باندھے، اس کی پوری پوری حفاظت کرے، اسی طرح وہ جس رتبے اور جس حیثیت کا ہو، اور اس کی نسبت

[1] تفسیر موضح القرآن ۸۰۵/۲، تاج کمپنی، لاہور

Marfat.com

سے اس کے پاس خدا اور بندگان خدا کی طرف سے جو امانتیں بھی سپرد کی جائیں، وہ ان کی حفاظت کرنے والا اور ان کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کرنے والا ہو، زندگی کے اندر یہ بات پیدا ہو جائے تو پورا انسانی معاشرہ امن و اطمینان کا گہوارہ بن جائے۔ خاص طور پر آج کی خیانت و بد عہدی کی ماری ہوئی دنیا کے تو دن لوٹ آئیں۔ مکہ کے اندر اہل ایمان بندوں کو یہ تلقین کی گئی کہ اپنے کو ان اوصاف عالیہ سے آراستہ کریں اور ان کی ایک نمایاں خوبی یہ ہو کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝ (مومنون: ۸)

اور وہ جو اپنی (ہر طرح کی) امانتوں اور اپنے (تمام طرح کے) عہد و پیمان کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہیں۔

اسی طرح کی دوسری چیز 'شہادت اور گواہی' ہے جس سے انتہائی وسیع پیمانے پر بندگان خدا کے حقوق وابستہ ہیں۔ معاشرہ کے اندر کسی بھی انسان کو عدل و انصاف ملنے کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے پاس شہادت اور گواہی کی امانت ہے وہ اسے ہر قیمت پر ٹھیک ٹھیک ادا کریں، اور اس کے سلسلے میں کسی قسم کی خیانت اور جانب داری اور طرف داری سے دامن کش رہیں۔ ورنہ اگر گواہیاں مشتبہ اور مشکوک ہو جائیں اور ان کے سلسلے میں حق و انصاف کی امان اٹھ جائے، جیسا کہ آج ہمارے زمانہ کا عام چلن ہے، تو عدلیہ کا پورا نظام اپنی جگہ دھرا کا دھرا رہ جائے، قانون کے پلندے اپنی معنویت یکسر کھو بیٹھیں اور پورا سماج مظالم اور ناانصافیوں سے کراہنے لگے۔ مکہ کی زندگی ہی میں مسلمانوں کو اس اعلیٰ وصف سے بھی آراستگی کی ضمانت دے دی گئی تھی۔ دوسرے موقع پر اہل ایمان بندوں کے مذکورہ وصف پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُوْنَ ۝ (معارج: ۳۲)

اور وہ جو اپنی (ہر طرح کی) امانتوں اور اپنے (ہر طرح کے) عہد و پیمان کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہیں اور وہ جو اپنی گواہیوں پر ثابت قدم رہنے والے ہیں۔

ناپ تول کی درستگی

کسی بھی معاشرے کے عدل و انصاف کی روش پر عمل پیرا ہونے اور ظلم و ناانصافی سے

پاک ہونے کا اہم ترین پیمانہ ہے کہ اس کے ہاں خرید و فروخت میں ناپ تول کے پیمانے درست ہوں یہ وہ پیمانہ ہے جو ٹھیک ٹھیک بتا دیتا ہے کہ سماج کے اندر حق و انصاف کا کیسا کچھ چلن ہے، اور اگر اس کے اندر بگاڑ اور فساد ہے تو وہ کس درجہ اور کس نوعیت کا ہے۔ ناپ تول کا عمل افراد کا نجی معاملہ نہیں بلکہ اجتماعی زندگی کا وہ تھرمامیٹر ہے جو صاف طور پر پتہ دیتا ہے کہ اس سے وابستہ افراد اخلاقی امراض کا کس درجہ شکار ہیں اور فکری اور عملی بیماری یا صحت کے لحاظ سے انہیں کس درجہ پر رکھا جانا چاہیئے۔ یقیناً جو سماج روپئے دو روپئے کی چیزوں میں امانت و دیانت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہو۔ اس سے زندگی کے دوسرے اہم اور بڑے معاملات میں اس طرح کی کوئی توقع وابستہ نہیں کی جا سکتی۔ معیشت کو آج کی متمدن دنیا میں کسی بھی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے جس کے مضبوط اور صحت مند ہونے کی واحد علامت اس کے بازار کے ناپ تول کی درستگی ہے۔

قرآن نے اپنے ماننے والوں کو مکہ کی زندگی ہی میں اجتماعیت کے اس اہم نکتے سے واقف کرا دیا تھا۔ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو دنیا و آخرت کی تباہی کا مستحق گردانا گیا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ	تباہی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے
اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝	وہ کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا پورا
وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ	لیں۔ اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو کم
يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ	کر دیں۔ کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ یہ اٹھائے
اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ	جائیں گے ایک بڑے دن کے لئے۔ جس دن کہ
يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (مطففین)	لوگ رب العالمین کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

سورۂ رحمٰن کو مصحف کے بعض نسخوں میں مدنی لکھا ہے لیکن صاحب جلالین نے صراحت کی ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے[1]

---

[1] تفسیر الجلالین ۷۰۸/۲ طبع جدید۔ البتہ اس کی ایک آیت ۲۹ کو مصنف نے مدنی بتایا ہے۔ لیکن حضرت جابر کی اس روایت سے اس کی تردید ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض صحابہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے سامنے پوری سورۂ رحمٰن شروع سے آخر تک پڑھی، 'فقرأ عليهم سورة الرحمٰن من اولها الى آخرها'۔ جس پر ان کی مسلسل خاموشی پر آپ نے جنوں کا حوالہ دیا کہ جب میں نے ان کے سامنے یہ سورۃ پڑھی تو 'فبأي آلاء ربكما تكذبان' کے ہر ٹکڑے پر ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ 'پروردگار ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے، سو تمام تعریف تیرے لئے ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اس کے اندر نظامِ کائنات میں قائم میزان عدل کا حوالہ دے کر، تول کی ترازو کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھنے کی تاکید کی:

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝

(آیات: ۷-۹)

اور آسمان کو اس (رحمٰن) نے بلند کیا اور اس کے لئے میزان (عدل) ٹھہرائی۔ تاکہ (اسی کے مطابق) تم بھی میزان میں سرکشی نہ کرو۔ اور تول کو ٹھیک ٹھیک رکھو انصاف سے۔ اور ترازو میں ڈنڈی نہ مارو۔

اس کے علاوہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کے اس اجتماعی مرض دور رہنے کا حکم دیا۔ سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں آپ کی یہ دعوت تفصیل سے مذکور ہے[1]۔ جبکہ یہ دونوں ہی سورتیں مکی ہیں۔

غلاموں کی آزادی

کمزور اور دبے ہوئے طبقات کی حالت کو بہتر بنانے کا آج کے زمانہ میں کیسا کچھ چرچا ہے۔ اسی کے اثر سے غریبی اور فقر و فاقہ کے ازالہ اور بلا لحاظ رنگ و نسل سماج کے طبقات کو آزادی و مساوات کے حقوق کی فراہمی کا نعرہ، دنیا کے ہر خطے اور ہر علاقے سے بلند ہو رہا ہے۔ اور اس کے لئے حکومت و سیاست کے ایوانوں سے جنگی سطح پر کوششیں کی جا رہی ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں غلاموں سے بڑھ کر انسانیت کا کوئی طبقہ پچھڑا اور دبا ہوا نہیں رہا۔ جس کی گردن کو اس نعمت سے آزاد کرانے کی خاطر زیادہ نہیں ابھی پچاس برس پہلے دنیا کے سب سے بڑے اجتماعی ادارہ 'لیگ آف نیشنز' کی طرف سے 'غلامی کے خاتمہ' کی قراردادوں پر قراردادیں منظور کی گئیں۔ اسلام کے دستور اساسی۔ قرآن نے اپنی تاریخ کے مکی دور کے ابتدائی ایام ہی میں اس پسماندہ طبقۂ انسانیت کی آزادی کی تحریک کا آغاز کر دیا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۶۹۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکہ میں یک دفعہ نازل ہوئی اور اسی طرح اسکی تلاوت کی جاتی رہی۔

[1] اعراف: ۸۵، شعراء: ۱۸۱-۱۸۳۔

Marfat.com

تھا۔ سورۂ بلد قرآن کی اولین ابتدائی مکی سورتوں میں سے ہے جس کے اندر غلام کی آزادی کے اس حکم کو یتیموں اور مسکینوں کی خبر گیری کے ساتھ جوڑ کر بیان کیا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ عمل کتنا محبوب ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ (آیات: ۱۱-۱۶)

سو اس نے گھاٹی میں قدم نہ رکھا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ گھاٹی کیا ہے۔ یہ گردن کا چھڑانا (غلام کا آزاد کرنا) ہے۔ اور بھوک کے دن میں کھانا کھلانا، یتیم کو جو رشتہ دار ہے اور مسکین کو جو زمین سے لگا پڑا ہے۔

قتلِ اولاد کی ممانعت

مختلف سن و سال کے لوگوں کے مفادات کی حفاظت اور ان کے حقوق کی رعایت و نگہداشت کا جیسا کچھ چرچا اس زمانے میں ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی رہا ہو۔ اسی نسبت سے مختلف عمر کے لوگوں کے لئے الگ الگ سال منائے جاتے ہیں۔ عورتوں اور بچوں کا سال منایا جا چکا۔ ہمارے اس سال (۱۹۸۰ء) کو نوجوانوں کا سال کہا جا رہا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب کے معاشرے میں مختلف طبقات پر ظلم و ناانصافی کی جو بے شمار صورتیں رائج تھیں، ان کی ایک بدترین صورت 'قتلِ اولاد' تھی جس کے نتیجے میں والدین بسا اوقات فقر و فاقہ کے ڈر سے اپنے جگر گوشوں کو اپنے ہی ہاتھوں سے موت کی نیند سلا دیتے تھے۔ اس سلسلے کی بدترین صورت وہ تھی جس میں معصوم لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ عرب سماج میں مختلف حیثیتوں سے عورت جس ظلم و ستم اور ناانصافیوں کا شکار تھی معصوم بچیاں اس کا اولین نشانہ تھیں۔ لوٹ مار، جاہل عرب قبائل کا معروف ذریعۂ آمدنی تھا۔ زبان آوری، مدح و ہجو اور لسانی مبارزت ان کا امتیازی وطیرہ تھا۔ عورت ان دونوں ہی معاملات میں فطری طور پر مردوں سے پیچھے تھی۔ اس کے علاوہ ان کی جاہلانہ الفت و حمیت کے لئے بڑا بار تھا کہ کوئی ان کا داماد بنے اور انہیں 'خسر' بننے کی ذلت سے دوچار ہونا پڑے۔ ان گوناگوں اسباب سے ان کے لئے بیچاری لڑکی ایک ایسا بوجھ تھی، جس کا اٹھانا کسی طرح انہیں گوارہ نہ تھا۔ اس

Marfat.com

صورت حال نے ان کی سخت دلی اور قساوت قلبی کو اس درجہ بڑھا دیا تھا کہ وہ اپنی ان معصوم لختہائے جگر کو زندہ درگور کرنے میں بھی کچھ تامل نہ کرتے تھے۔ آج کے دور میں اگر بچوں کی خوراک، ان کی عمدہ صحت اور مناسب تعلیم و تربیت، اجتماعیت کا اہم ترین مسئلہ ہے جس کے لئے حکومت کے ادارے براہِ راست حرکت میں آتے، بلکہ اس سے بڑھ کر بین الاقوامی سطح پر یہ چیزیں معرض بحث میں لائی جاتیں اور ان کے لئے بین المللی سطح پر کوششیں کی جاتی ہیں، تو پھر بھلا اس محروم اور دوسروں کے رحم و کرم پر منحصر طبقۂ انسانیت کے حق زیست کی بحالی کو مدنیت و اجتماعیت کے مسائل میں سرفہرست کیوں نہ رکھا جائے گا۔ یہ مکہ ہی کی سنگلاخ سرزمین تھی جس میں قرآن نے ظلم و استبداد کی اس بدترین صورت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ اس نے قتل اولاد سے مطلقاً منع کیا ہے۔ لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کے خلاف اس نے یہ تہدید کی:

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ (تکویر: ۸-۹)

اور جب زندہ درگور کی جانے والی سے پوچھا جائے گا۔ کس گناہ پر اسے جان سے مارا گیا

کمزور طبقات کی رعایت

سماج کے غریب، کمزور اور مجبور و معذور (Disabled) عناصر کی فلاح و بہبود کا بھی اس زمانہ میں بڑا چرچا ہے۔ حکومتوں نے اپنے دستوروں میں اس کی واضح ضمانتیں فراہم کی ہیں۔ کسی بھی ملک کی معاشی پالیسی کا یہ اہم ترین حصہ، بلکہ صحیح تر لفظوں میں اسے پورے ملکی نظام کی ریڑھ کی ہڈی تصور کیا جاتا ہے۔ فلاحی ریاست کے مطلوبہ تصور کا یہ ناگزیر حصہ ہے اور بڑی حد تک یہی وہ چیز ہے جسے کسی حکومت کی کامیابی و ناکامی کا سب سے بڑا پیمانہ باور کیا جاتا ہے۔ اسی کے نام پر جمہوری حکومتیں ملکی عوام کو اپنے اعتماد میں لیتی ہیں، آمریت و ملوکیت کی نمائندہ حکومتوں کی پالیسی اور پروگراموں میں بھی اسے سرفہرست رکھا جاتا ہے۔ عملی طور پر اس میں کامیابی کس حد تک ہوتی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ، لیکن نظری طور پر زندگی کے اجتماعی امور و مسائل میں اس کی اہمیت واقدمیت آج کے دور میں مسلم ہے۔ اسلام کی تاریخ میں آج سے چودہ سو سال پہلے، مکہ کے اندر دعوت اسلامی کے بالکل ابتدائی مراحل ہیں، کمزور طبقات کی ہمہ جہتی فلاح کو آج کے مقابلہ میں بھی بڑھ چڑھ

Marfat.com

(لیل : ۸-۱۰) کے لئے اس کا راستہ آسان کر دیں گے۔

بہت سے لوگ اپنے مزاج اور طبیعت سے صرف اپنی ذات کے لئے جینے کے عادی ہوتے ہیں۔ کمزور اور غریب انسانوں پر مال خرچ کرنا ان کی عادت ثانیہ ہوتی ہے۔ قرآن نے کہا کہ صرف اس عمل سے اس حکم خداوندی کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خدا سے صحیح تعلق استوار کر کے، پوری انسانی برادری کو خدا کا کنبہ سمجھتے ہوئے بالکل بے لاگ طریقے پر اس کی رضا اور خوشنودی کی خاطر، کمزور بندگان خدا کے کام آیا جائے۔ یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو آدمی یتیموں مسکینوں کو صرف دے دلا دینے پر ہی اکتفا نہیں کرے گا۔ بلکہ انہیں اپنے برابر کا انسان سمجھ کر معاملہ کرے گا اور ان کے ساتھ عزت و تکریم کا وہ رویہ اپنائے گا جس کی دوسری صورت میں توقع نہیں کی جا سکتی۔ پھر یہ کہ وہ اپنے طور پر ان کی خبر گیری کر دینے ہی سے مطمئن نہیں ہو جائے گا بلکہ ہمہ وقت ان کی حاجت روائی اور فلاح کے لئے فکر مند ہو گا۔ اس کی شبانہ روز زندگی کا معمول ہو گا کہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کار خیر کی طرف متوجہ کرے۔ وہ اپنے طور پر ان کی حاجت روائی کا سامان کرے گا ہی ساتھ ہی اس کے لئے ہر طرح سے رائے عامہ کو ہموار کرنے میں بھی وہ ہر وقت کمر بستہ ہو گا۔ عرب کے برخود غلط مال داروں کو جو خدا و آخرت سے غافل تھے قرآن نے جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ (فجر : ۱۷-۲۰)

ہرگز نہیں۔ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ نہ غریب کے کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو شوق دلاتے ہو۔ اور تم میراث کو کھا جاتے ہو حرام طریقے سے اور مال سے بہت زیادہ محبت کرتے ہو۔

یہاں تک کہ اس مقصد کی خاطر قرآن نے ایک پوری سورہ وقف کر دی۔ قرآن نے ایسے شخص کو، جس کے دل میں سماج کے یتیموں اور کمزوروں کے لئے درد نہ اٹھے، حقیقت دین سے غافل اور اس کے اہم ترین رکن روز جزاء کا منکر بتایا۔ معلوم ہے کہ عرب کے لوگ، دین براہیمی میں بگاڑ پیدا کر لینے کے باوجود، اس کی دوسری بہت سی چیزوں کی طرح، نماز سے بھی بالکلیہ دستبردار نہیں ہوئے تھے دوسرے موقع پر قرآن نے اس کی صراحت کی ہے۔ (انفال : ۳۵) لیکن روایتی دیندار اور نمازی

Marfat.com

جن کے ہاں ایسے کمزور بندگان خدا کے لئے کام آنے کا کوئی خانہ نہ ہو، قرآن نے انہیں صحیح معنوں میں خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی کی طلب کے جذبہ سے یکسر عاری محض ریاکار اور دکھاوے کا نمازی قرار دیا۔ جو صرف اپنے لئے جینے کے عادی ہوتے ہیں۔ معمولی سے معمولی ذریعہ سے بھی دوسرے انسانوں کے کام آنے میں بھی ان کو تکلیف ہوتی ہے اور دل کسی کے دکھ درد کے احساس وشعور سے بھی عاری ہوتے ہیں:

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝	آیا تم نے دیکھا اسے جو روز جزا کا منکر ہے
فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝	یہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔ اور غریب
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝	کے کھلانے پر شوق نہیں دلاتا ہے۔ سو تباہی
فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ	ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل
هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝	ہیں۔ یہی ہیں جو محض دکھاوے کے لئے یہ کام
الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ	کرتے ہیں۔ اور ضرورت کی چھوٹی چھوٹی
الْمَاعُوْنَ ۝ (ماعون: ۱-۷)	چیزوں سے ہاتھ روکتے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہوا:

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا	سو رہا یتیم تو اسے نہ ستاؤ۔ اور رہا مانگنے
السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (ضحیٰ: ۹-۱۰)	والا تو اسے نہ جھڑکو۔

دوزخ کا ایندھن بننے والے کافروں کی زبانی بھی اسی حقیقت کا اعلان ہوا۔ مدثر کا یہ

لے نماز میں ریاکاری کے مضمون کو دیکھ کر بہت سے لوگوں نے اس پورے ٹکڑے کو مدنی مان لیا ہے۔ مصحف کے بعض نسخوں میں بھی یہی لکھا ہے اور صاحب جلالین نے بھی ایک روایت اسی کی لکھی ہے۔ تفسیر الجلالین/۸۲۳۔ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورہ پوری مکی ہے، روح المعانی: تفسیر جزء عم/ ۲۴۱۔ جبکہ حافظ ابن کثیر ان آیتوں کا مصداق منافقین کو قرار دیتے ہوئے پوری سورہ کو مکی مانتے ہیں، تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۵۴، ۵۵۵۔ صاحب تدبر قرآن بھی اس پوری سورہ کو مکی قرار دیتے ہیں۔ تدبر قرآن: ۸/۵۸۱-۵۸۶۔ مذکورہ بالا منافقین کا اشکال اس تفسیر سے خود بخود ختم ہو جاتا ہے جسے ہم نے اوپر اختیار کیا ہے۔ دوسرے مفسرین کے اقوال کی توجیہ یہی کی جا سکتی ہے کہ مدنی دور میں جو منافقین

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

مضمون سورہ ماعون سے کس قدر مشابہ ہے:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ہ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ہ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ہ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ہ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ہ (مدثر: ۴۲-۴۶)

کون سی چیز تمہیں دوزخ میں لے گئی۔ وہ کہیں گے ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔ اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور کھیل ٹھٹھے کرنے والوں کے ساتھ ہم بھی کھیل ٹھٹھوں میں لگے رہتے تھے۔ اور ہم قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے۔

سورۂ ذاریات میں اللہ سے ڈر کر رہنے والے بندوں کے اوصاف میں ان کی شب زندہ داری اور سحر خیزی کے بعد، ان کی نمایاں ترین خوبی یہی بیان ہوئی

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ہ (آیت: ۱۹)

اور ان کے مالوں میں متعین حصہ ہے مانگنے والے اور نادار کے لئے۔

سورہ دہر کو مصحف کے کچھ نسخوں میں مدنی لکھا ہے۔ صاحب جلالین نے بھی اسے مکی یا مدنی دونوں لکھ دیا ہے[1] لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ پوری سورہ مکی ہے[2] اس کے اندر بھی جنت کا انعام پانے والے نیک بندوں کی خصوصیات میں فرمایا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ہ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ہ (آیات: ۸-۹)

اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی چاہ کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو۔ ہم تمہیں محض اللہ کی رضا کی خاطر کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کسی بدلے اور کسی شکر گزاری کے طالب نہیں ہیں۔

(حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ابھرے ان پر بھی اس کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے۔ ورنہ قرآن کی مکی سورتوں کا دامن اتنا تنگ نہیں ہے۔

[1] تفسیر الجلالین/ ۷۸۱۔ طبع جدید [2] روح المعانی: ۲۹/ ۱۵۰۔ حافظ ابن کثیرؒ بھی اس سورہ کو مکی مانتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۵۲۔ صاحب تدبر قرآن بھی اس پوری سورہ کو مکی بتاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جو اس پوری سورہ یا اس کی کچھ آیتوں کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ تدبر قرآن، ۸/ ۹۹۔ طبع اوّل۔

Marfat.com

کراہمیت دی گئی۔ معاشی کفالت کے ساتھ، سماجی سطح پران کی ہر طرح سے خبر گیری اوران کے جملہ حقوق کی رعایت وتحفظ کو، اسلام کے ماننے والوں کی دنیا ہی نہیں، آخرت کی فلاح سے براہ راست وابستہ کر دیا گیا۔

عمّ پارے کی سورتیں عام طور پر مکّی دور کے بالکل ابتدائی زمانہ کی ہیں۔ ان کے اندر ہمیں یہ مضمون کافی ابھرا ہوا دکھائی دیتا ہے اور کمزوروں اور ناداروں کی نسبت سے اصولی طور پر ان میں وہ پوری بات کہہ دی گئی ہے، جس کی بعد میں مدنی سورتوں میں تکمیل ہوئی۔ اس مرحلہ میں قرآن نے دین کی حقیقت ہی یہ بتائی کہ آدمی اللہ سے ڈر کر رہے، غیب کی حقیقتوں پر ایمان لائے اور مستحق بندگان خدا پر اپنا مال خرچ کرے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۝

(لیل: ۵-۷)

سو جو کوئی (مال) دے اور (اللہ سے) ڈرے اور (غیب کی) بھلی باتوں کی تصدیق کرے تو ہم آسانی کے انجام کے لئے اس کی راہ آسان کر دیں گے۔

آگے متقی بندے کی پہچان ہی یہ بتائی کہ وہ دنیا کی محبت اور طبعی حرص وآز کی آلائش سے اپنے کو پاک وصاف کرنے کے لئے غریبوں، کمزوروں پر اپنا مال خرچ کرے:

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۝ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ۝

(آیات: ۱۷-۱۸)

اور ضرور جلد اس (دوزخ) سے بچا لیا جائے گا۔ (اللہ سے) بہت ڈر کر رہنے والا جو اپنا مال خرچ کرتا ہے اپنے لئے پاکی حاصل کرنے کو۔

اس کے برعکس بخل کا راستہ اپنانے اور محض اپنے مفادات کا بندہ بن کر جینے والوں کو قرآن نے خدا کا باغی اور غیب کی حقیقتوں کا منکر بتایا اور اسی کے مطابق انہیں برے انجام کی وعید سنائی:

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ۝

اور رہا وہ جو بخل کرے اور (اللہ سے) بے نیازی دکھائے اور (غیب کی) بھلی باتوں کو جھٹلائے تو ہم ضرور جلد تنگی کے انجام

Marfat.com

آیت کریمہ میں یتیم کے ساتھ قیدی کا جوڑ بڑا معنیٰ خیز ہے جو اس بات کا صاف اشارہ ہے کہ جرائم وغیرہ میں ماخوذ جیل کے عام قیدیوں سے آگے بہت جلد کفار و مشرکین میدان جنگ میں شکست کھا کر تمہارے ہاتھ قیدی ہوں گے اور یتیموں اور کمزوروں کی طرح یہ بھی اسی طرح تمہاری ہمدردی کے مستحق ہوں گے۔[1]

دعوت الی اللہ

اسلام اپنی عین فطرت میں تبلیغی اور اشاعتی دین ہے۔ اس لئے کہ یہ اس اللہ کا نازل کردہ ہے جو اس پوری کائنات اور انسان کا خالق ہے۔ پوری انسانیت کی دنیا و آخرت کی فلاح اس سے وابستہ ہے کہ وہ اس مالک الکل کے احکام پر چلے اور اپنے جملہ معاملات زندگی میں اس کی مرضی سے سرمو تجاوز نہ کرے۔ اس کا صاف تقاضہ ہے کہ اس دین کا تخاطب کسی ایک طبقہ، گروہ اور کسی خاص زمانے کے لوگوں تک محدود نہ رہے بلکہ پوری انسانیت کو اس کا مخاطب قرار دیا جائے۔ اور جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں اس کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے۔ زندگی کی دوئی اور دین و دنیا کی تقسیم اسلام کے لئے قابل قبول نہیں، اس کی تفصیل آپ کے سامنے آچکی ہے، اس صورت میں اسلام کی دعوت اور اس کے راستے پر عمل کا صاف مطلب ہے کہ آدمی دوسرے تمام من پسند ادیان اور نظامہائے زندگی سے دستبردار ہو کر اپنے کو اس دین حنیف کے حوالہ کر دے۔ اور اپنی پوری زندگی اور اس کے جملہ امور و مسائل میں اس کے دکھائے ہوئے طریقے سے ہٹ کر اس کے لئے کسی دوسری سمت دیکھنے کا خیال بھی دل میں باقی نہ رہ جائے۔ دعوت اسلامی کا یہ انقلابی حکم بھی مکہ کی زندگی ہی میں مسلمانوں کو دیا جا چکا تھا۔

---

[1] مکی سورت میں غالباً قیدی کے مضمون کے اشکال سے بچنے کے لئے کچھ بزرگوں نے اسیر سے مراد غلام لئے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۵۵ لیکن یہ بات کچھ زیادہ وزن دار نہیں معلوم ہوتی۔ اسیر کے عام اور معروف معنیٰ 'قیدی' ہی کے ہیں۔ قرآن کے نظائر سے بھی اسی کی تصدیق ہوتی ہے۔ وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُهُمْ (بقرہ، ۸۵) اور زیادہ تر بزرگوں نے اس کے یہی معنیٰ مراد بھی لئے ہیں۔ الکشاف: ۲/۱۵۵۹-۱۵۶۰، روح المعانی: ۲۹/۱۵۵-۱۵۶- وغیرہ

Marfat.com

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝

(فصلت: ۳۳-۳۴)

اور اس شخص سے بہتر بات اور کس شخص کی ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) بلائے اللہ کی طرف اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں۔ تم (برائی کو) دفع کرو اس (بھلائی) سے جو اس سے بدرجہا بہتر ہو۔ پھر ساتھ ہی تم دیکھو گے کہ وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے۔ گویا کہ وہ (تمہارا) گہرا دوست اور ساتھی ہے۔

اپنے موروثی دین اور پسندیدہ نظام زندگی سے دستبردار ہونا کچھ آسان نہیں۔ اس لیے اس راستے میں رکاوٹوں اور مخالفتوں کا پیش آنا یقینی ہے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ آدمی اللہ کا نام لے اور لوگ جوق در جوق اس کے حلقہ بگوش ہوتے چلے جائیں۔ بلکہ اسے لازماً دشمنیوں اور مزاحمتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر مشکلات اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہو۔ اور وہ پوری پامردی اور استقلال کے ساتھ ان مصائب کو جھیلنے کے لیے آمادہ ہو۔ چنانچہ اس کے معاً بعد ارشاد فرمایا:

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝

(آیت: ۳۵)

یہ چیز تو بس انہیں کے حصہ میں آتی ہے جو (مشکلات و مصائب پر) صبر کریں اور یہ چیز تو بس اسی کے حصہ میں آتی ہے جو بڑے نصیب والا ہو۔

دوسرے موقع پر آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے امام کی حیثیت سے اس کی حکمت عملی اور اس کے صحیح منہاج کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ

اپنے رب کے راستہ کی طرف بلاؤ حکمت کے ساتھ اور بھلی نصیحت کے ساتھ۔ اور ان سے بحث کرو تو اس طریقہ سے جو بہتر سے بہتر ہو

Marfat.com

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ (نحل: ۱۲۵)

ضرور تیرا رب خوب جاننے والا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹکا ہے اور وہ خوب جاننے والا ہے راہ یافتوں کو۔

"سبیل رب" سے مراد پورا اسلام[1] اور پورا دین[2] ہے، اس کی طرف بلانے کا مطلب ہے کہ جو لوگ اس کام میں آئیں کشتیاں جلا کر آئیں۔ اور اس کے لئے پوری طرح یکسو ہوں۔ وہ ہر طرف سے کٹ کر اپنے کو اس سانچے میں ڈھال لیں۔ اور اس رنگ کے سوا ان کے اوپر کوئی دوسرا رنگ باقی نہ رہے۔ ظاہر ہے اللہ کے راستے کی یہ دعوت بے ضرر اور بے خطر نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے مزاحمت اور کشمکش کا پیش آنا یقینی ہے۔ چنانچہ آگے اس کے آداب اور کشمکش کی صورت میں اہل ایمان کے رویہ کی وضاحت فرمائی۔ یہاں جمع کے صیغہ سے خطاب ظاہر کرتا ہے کہ اوپر (اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ) میں واحد کے صیغہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب امت کے سربراہ کی حیثیت سے ہے۔ ورنہ کہا جائے گا کہ امت کے ایک ایک فرد کی توجہ مبذول کرانے کے لئے تخاطب کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (نحل: ۱۲۶-۱۲۸)

اور اگر تم بدلہ لو تو اسی کے بقدر بدلہ لو جتنی کہ تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اور اگر تم صبر سے کام لو تو صبر کرنے والوں کے لئے یہ بہت بہتر ہے۔ اور تم صبر سے کام لو اور تمہارا صبر کرنا تو اللہ ہی کی مدد سے ہو سکتا ہے۔ اور تم ان پر آزردہ نہ ہو۔ اور ذرا تنگی میں نہ ہو اس سے جو یہ چالیں کرتے ہیں ضرور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو (اس سے) ڈرتے رہیں۔ اور جو خوب کاری پر عمل پیرا ہوں۔

---

[1] الکشاف للزمخشری: ۱/۷۵۶۔ [2] تفسیر الجلالین/۳۶۳۔ طبع جدید

Marfat.com

جس کا مطلب ہے کہ مکہ کی زندگی ہی میں دعوت اسلامی کے راستے میں مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلہ کی اجازت دے دی گئی تھی۔ جس کے اندر نظام باطل سے مسلح ٹکر کی بھی اسی طرح گنجائش تھی۔ جیسا کہ مکہ کے آخری دور میں اس کا آغاز بھی ہو گیا تھا[1] اگرچہ اس کی تکمیل بعد میں مدینہ کے اندر ہوئی۔ جبکہ نظام باطل کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا۔ اور عرب کی سرزمین سے شیطان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو گیا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسی دعوت الی اللہ کا دوسرا نام 'امر بالمعروف ونہی عن المنکر' ہے یعنی کہ دنیا کے اندر سے ہر طرح کی بدیوں اور برائیوں کو مٹایا جائے اور زندگی کے تمام دائروں میں نیکیوں اور بھلائیوں کے چلن کو عام کیا جائے۔ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ یہ کام فرد و معاشرہ کی اصلاح و تربیت سے لے کر اسلامی اصولوں کے مطابق ریاست کی تنظیم تک وسیع ہے۔ مکہ کے اندر حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کو نصیحت کے پرتو میں عرب کے لوگوں کو یہ حکم بھی سنا دیا گیا تھا۔ ساتھ ہی 'دعوت الی اللہ' کی طرح اسلام کے اس حکم عظیم سے عہدہ برآ ہونے کے لازمی تقاضے، صبر و استقامت، سے بھی انہیں آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس کے بغیر اس راہ میں دو قدم چلنا بھی مشکل اور اس فریضے سے عہدہ برآ ہونا بالکل ناممکن ہے۔ جس کا بہترین ذریعہ 'نماز' ہے کہ اس کی بدولت ہی مومن کو وہ باطنی قوت نصیب ہوتی ہے، جو

---

[1] غالباً اسی مضمون کی وجہ سے بعض لوگوں نے سورہ نحل کی ان آخری آیتوں کو مدنی لکھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر الجلالین / ۳۴۵ - وغیرہ۔ لیکن جیسا کہ گذر چکا ہے یہ پوری سورہ مفسرین کی بڑی جماعت کے نزدیک مکی ہے۔ روح المعانی: ۸۹/۱۴ جس میں لازماً یہ آیتیں بھی شامل ہیں۔ جن روایتوں کی بنیاد پر اس سورہ کی آخری ان تین آیتوں کو مدنی کہا گیا ہے وہ مرسل ہیں اور اس کے بعض راوی مبہم اور مجہول الحال ہیں۔ اس کی متصل روایتیں بھی ضعف سے خالی نہیں۔ یہاں تک کہ اس کے بعض راوی 'منکر الحدیث' ہیں۔ تفسیر ابن کثیر: ۵۹۲/۲۔ تفسیری روایتوں کے سلسلے میں یوں بھی حضرت امام احمد کا الہامی قول پیش نظر رہنا چاہیئے کہ تین چیزیں جو اکثر و بیشتر بے اصل ہیں ان میں ایک یہ (تفسیری روایات) ہیں۔ فتاوی ابن تیمیہ: ۳۴۶/۱۳ - طبع جدید۔ جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے رتبہ کے آدمی کا کہنا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جن کی روایتوں سے تفسیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان سے بھی سو سے زیادہ روایتیں ثابت نہیں۔ الاتقان: ۱۸۹/۲

دنیا کی بڑی سے بڑی مشکل اور مزاحمت کے مقابلہ میں اسے پہاڑ کی طرح جمنے والا بنا دیتی ہے۔ نماز میں خدا کے حضور سر فگندہ اور اپنے کو اس کے قدموں پر ڈال کر بندہ مومن کے اوپر سکون و طمانیت کا ایسا فیضان ہوتا ہے کہ وہ اس کے دین کے راستے کی بڑی سے بڑی تکلیف کو پوری خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلتا اور موج حوادث سے ہنستے کھیلتے گزر جانا اس کے لئے زندگی کا عام معمول بن جاتا ہے:

يَابُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ	اے بیٹے نماز قائم کرو اور بھلائی کا حکم دو
بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ	اور برائی سے منع کرو اور (اس راستہ میں)
وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ	تم کو جو مشکل بھی پیش آئے اس پر صبر کرو۔
مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (لقمان: ۱۷)	ضروریہ بڑی اولوالعزمی کا کام ہے۔

مکہ کے اندر آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خصوصیات بیان کی گئی تھیں اور جس کے حوالہ سے اس وقت کے مخاطبین سے اس معرکۂ حق و باطل میں آپ کی ہر طرح سے مدد اور نصرت کا وعدہ لیا گیا تھا، اس کے اندر بھی اس کی صراحت کر دی گئی تھی:

اَلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ	وہ جو پیروی کرتے ہیں (آخری) رسول امی نبیؐ کی
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ	جسے وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا
فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ	پاتے ہیں جو انہیں بھلائی کا حکم دیتا ہے اور
وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ... الآية (اعراف: ۱۵۷)	برائی سے منع کرتا ہے۔ الخ...

تواصی بالحق

دین کی تبلیغ و اشاعت اور دنیا کے اندر اس کے قیام کی جدّ و جہد، یہی فریضہ ہے جسے دوسرے دوسرے موقع پر ایک دوسرے کو حق و صبر کی تلقین و نصیحت 'تواصی بالحق والصبر' سے تعبیر کیا گیا ہے یہ سورۃ 'العصر' کی آخری آیت ہے جس کے اندر اس سے پہلے دنیا کے دوسرے تمام انسانوں کو گھاٹے خسران کا شکار بتا کر، مستثنیٰ صرف ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو ایمان اور عمل صالح کی روش اپنائیں جس کا اہم ترین جزء ہے کہ ان کی زندگی اس فریضے کی ادائیگی سے خالی نہ ہو۔ ایک دوسرے

Marfat.com

کو حق وصبر کی تلقین اور اسے اپنانے اور اختیار کرنے کی ترغیب اور تشویق۔ تفصیل گزر چکی ہے کہ قرآن کے نقطۂ نظر سے 'حق اور صبر' کی اس تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ گھر، خاندان اور محلہ کی سطح سے اس کام کو انجام دینے کے ساتھ نظام وقت کی تبدیلی تک کی بات اس میں شامل ہے امت پر عائد ہونے والا یہ وہ 'فرض کفایہ' ہے جس کا بیڑہ کچھ لوگ اٹھالیں تو پوری امت کی طرف سے اس کی ادائیگی ہو جائے گی۔ بصورت دیگر دنیا میں ذلت ورسوائی سے دوچار ہونے کے ساتھ خدا کے حضور ملت کے ہر فرد کو اس کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ اس کے علاوہ فرض کفایہ کی یہ حیثیت معلوم ومعروف ہے کہ وہ خاص افراد کی نسبت سے فرض عین بن جاتا ہے۔ جو لوگ اپنے اندر اس کی اہلیت ولیاقت کے نمایاں آثار پائیں، ان کے لئے اس سے پہلوتہی کی کوئی گنجائش نہیں۔ چنانچہ اس کی پوری تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے۔ تواصی بالحق کے لئے صبر وثبات لازم ہے اس لئے حق کے ساتھ ہی صبر کی بھی تلقین کا حکم ہوا:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (عصر:۱-۳)

زمانہ شاہد ہے۔ انسان بڑے گھاٹے میں ہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں۔

واضح رہے کہ یہ وہ مکی سورہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جب تک آپس میں سنا نہیں لیتے تھے ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے[1]

ہجرت، جہاد وقتال

جیسا کہ اشارہ کیا گیا، دعوت واشاعت کے ساتھ ہمہ جہتی غلبہ ونفاذ اسلام کے عین خمیر میں شامل

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۵۴۷۔ صاحب جلالین نے اس سورہ کو مکی یا مدنی دونوں لکھ دیا ہے۔ تفسیر الجلالین/۸۲۰۔ کچھ دوسرے لوگ بھی اس کے مدنی ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورہ مکی ہے۔ روح المعانی: تفسیر جزء عم/۲۲۷۔ اس کے مضمون اور محکم انداز بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

Marfat.com

ہے۔ پس لازم تھا کہ اس سفرِ شوق میں ہجرت اور جہاد و قتال کے مراحل پیش آئیں۔ سورۂ نحل کے بارے میں معلوم ہو چکا کہ یہ پوری سورہ مکی ہے۔ اس کے اندر راہ خدا میں گھر بار چھوڑ کر نکلنے والوں کو، دنیا و آخرت کے اچھے انجام کی بشارت سنائی گئی۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ	اور وہ جنہوں نے اللہ (کے راستے) میں گھر بار
مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ	چھوڑے اس کے پیچھے کہ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ
فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ	توڑے گئے ضرور ہم انھیں دنیا میں اچھی جگہ
اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝	پر جمائیں گے۔ اور آخرت کا بدلہ اس سے بہت
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى	بڑا ہے۔ اگر لوگ سمجھیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝[1]	نے صبر کی راہ اپنائی اور یہ اپنے رب پر بھروسہ
(آیات: ۴۱-۴۲)	کرتے ہیں۔

مکّہ کے اندر اللہ کا نام لینے والے معصوم انسانوں پر شرک و کفر کی علمبردار طاقتوں کی طرف سے ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے گئے، وہ انسانی تاریخ میں آپ اپنی مثال ہیں۔ جیسا کہ آیت بالا میں صاف اشارہ ہے۔ مسلمان عرصۂ دراز تک ان مظالم کو سہتے رہے۔ یہاں تک کہ جب معاملہ بالکل ہی برداشت سے باہر ہو گیا تو انہیں مجبور ہو کر اپنے گھر بار کو چھوڑنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ حالانکہ ہر صحیح الفطرت انسان کی طرح انہیں بھی اپنا وطن بے حد عزیز تھا۔ جب تک ان کے اندر رہنے کا یارا رہا وہ اسے سینے سے لگائے رہے۔ اسے خیرآباد کہنے کا فیصلہ انہوں نے اسی وقت کیا جبکہ جسم و جان کے رشتے کو بحال رکھنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ لیکن ظاہر ہے ظلم و تشدد کے اس سلسلے کو مشیت زیادہ دنوں انگیز نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ ہجرت کے بعد اس کے مقابلے میں اسلام کے نام لیواؤں کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت

---

[1] کچھ لوگوں نے اس سورہ کی بعض دوسری آیتوں کی طرح اسے مدنی کہا ہے لیکن علامہ آلوسی نے ان کی رائیوں پر محاکمہ کرنے کے بعد صراحت کی ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔ والّذی ینبغی أن یعوّل علیہ ان السورۃ مکیۃ الا آیات لیست ھذہ منھا بل ھی مکیۃ نزلت بین الھجرتین فیمن ذکرہ الجمھور

روح المعانی: ۱۴/۱۴۶۔

Marfat.com

دے دی گئی کہ اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے کا موقع نہیں۔ بغاوت و سرکشی اپنی انتہا کو پہنچ چکی۔ اس لئے حسب ضرورت اب تلوار کو نیام سے نکال لینے کی اجازت ہے:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ	پھر تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے
هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا	ہجرت اختیار کی اس کے پیچھے کہ وہ ستائے
ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْا اِنَّ	گئے پھر انہوں نے جہاد کیا اور ثابت قدم رہے
رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[1]	ضرور تیرا رب اس کے پیچھے بڑا بخشنے والا،
(نحل: ۱۱۰)	رحم کرنے والا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ کے نزدیک اس آیت کا مصداق مکہ کے وہ کمزور مسلمان ہیں جو کفار کے مصائب و مظالم کی تاب نہ لاکر بسا اوقات عزیمت کی راہ سے کچھ ڈگمگا گئے۔ اگرچہ بعد میں ہجرت اختیار کر کے انھوں نے کفار کے ساتھ جنگ کر کے اس کمی کی تلافی کی اور رحمت ایزدی کے مستحق قرار پائے۔ اس مقام پر موصوف نے 'جہاد' سے مراد صاف طور پر کفار سے قتال اور جنگ کے لئے ہیں۔ ان کے الفاظ ہیں:

هٰؤلاء صنف آخر كانوا	یہ ایک دوسری قسم کے لوگ ہیں جو مکہ میں
مستضعفين بمكة مهانين	کچلے ہوئے اور اپنی قوم میں بالکل بے حیثیت
فی قومهم فوافقوهم علی	تھے۔ چنانچہ ستائے جانے پر وہ انہیں کے ہم زبان
الفتنة ثم امكنهم الاخلاص	ہو گئے تھے۔ پھر اللہ نے انہیں ہجرت کے ذریعہ
بالهجرة فتركوا بلادهم	جان چھڑانے کا موقع دیا۔ چنانچہ انھوں نے
واهليهم ابتغاء رضوان الله	خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی بخشش و

---

[1] اس آیت کریمہ کے بارے میں ابن عطیہ کا کہنا ہے کہ: 'یہ آیت مدنی ہے اور اس کے بارے میں کسی اختلاف کا انہیں علم نہیں ہے'، روح المعانی: ۱۴/۲۴ لیکن اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں۔ مفسرین کی بڑی جماعت نے، جیسا کہ گزرا، علی الاطلاق اس پوری سورہ کو مکی کہا ہے۔ جس سے اس آیت کا بھی مکی ہونا لازم ہے۔ دوسرے لوگ جنہوں نے اس کے علاوہ دوسری مختلف آیتوں اور ٹکڑوں کو مدنی مانا ہے، ان کے درمیان اس سلسلے میں بڑا اختلاف ہے۔ اور کسی نے اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں دی ہے، ملاحظہ ہو: روح المعانی ۱۴/۸۹-۹۰۔

Marfat.com

وغفرانہ وانتظموا فی سلك المومنین وجاھدوا معھم الکافرین وصبروا فاخبر تعالیٰ انہ من بعد ھای تلك الفعلۃ وھی الاجابۃ الی الفتنۃ لغفور لھم رحیم بھم یوم معادھم[1]

مغفرت کی طلب میں اپنی سرزمین اور اپنے اہل وعیال کو خیرباد کہا اور مسلمانوں کے شیرازے میں پروا ٹھے اور ان کے ساتھ مل کر کافروں کے ساتھ جنگ کی اور پہاڑ کی طرح جمے رہے تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ اس کے پیچھے "من بعدھا" یعنی اس عمل کے پیچھے اور وہ ہے ستائے جانے پر ان کی ہاں میں ہاں ملا دینا، ان کے لئے بڑا بخشنے والا اور (قیامت میں) ان کی واپسی کے دن ان پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔

آیت کریمہ کی یہی ایک تفسیر علامہ آلوسیؒ نے بھی بیان کی ہے:۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا (ثُمَّ جَاهَدُوْا) لِلْكُفَّارِ (وَصَبَرُوْا) عَلٰى مَشَاقِّ الْجِهَادِ[2]

پھر تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ہجرت اختیار کی اس کے پیچھے کہ وہ ستائے گئے (پھر انہوں نے جہاد کیا (جنگ کی) یعنی کافروں سے (اور صبر کیا (جمے رہے) یعنی جہاد (جنگ) کی پریشانیوں اور مشقتوں پر۔

جس سے پتہ چلتا ہے کہ آگے کی مدنی زندگی میں کفار سے جہاد وقتال کا جو معاملہ بڑے پیمانے پر پیش آنے والا تھا، مکہ کے اندر ہی مسلمانوں کو اصولی طور پر اس سے آگاہ اور اس کا فیصلہ سنا دیا گیا تھا۔ جہاد وقتال کا یہ حکم ہمیں قرآن کی دوسری مکی سورتوں میں بھی ملتا ہے۔ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا:

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (آیت: ۶)

اور جو کوئی جہاد کرے تو بس اپنے فائدے کے لئے جہاد کرتا ہے۔ اللہ دنیا والوں سے بالکل بے نیاز ہے۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/۵۸۸ [2] روح المعانی: ۱۴/۲۳۹۔

Marfat.com

اس آیت کریمہ میں 'جہاد' سے مراد مجاہدۂ نفس کے ساتھ قتال اور جنگ کو بھی لیا گیا ہے۔ صاحب جلالین فرماتے ہیں:

(ومن جاهد) جهاد — (اور جو کوئی جہاد کرتا ہے) یعنی جنگ کی صورت
حرب او نفس (فانما یجاهد — میں یا نفس کا جہاد (تو بس اپنے لیے جہاد
لنفسه) فان منفعة جهاده — کرتا ہے) اس لئے کہ اس کے جہاد کا فائدہ اسی
له لاالله. [1] — کو ملے گا اللہ کو نہیں پہنچے گا۔

اسی طرح اسی سورہ کی آخری آیت میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا — اور جو لوگ ہمارے سلسلے میں جہاد کریں گے تو
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ — ہم ضرور انہیں اپنے راستے بتادیں گے۔ اور
لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (عنکبوت: ۶۹) — اللہ ایسے خوب کاروں کے ساتھ ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی جہاد کی بات کسی قید کے بغیر علی الاطلاق کہی گئی ہے جس کے اندر نفس و شیطان کے خلاف جہاد کرنے کے ساتھ دین کے دشمنوں کے ساتھ جہاد و قتال بھی اسی طرح شامل ہے۔ زمخشری نے اسے اسی عموم پر رکھا ہے۔ آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اطلق المجاهدة ولم يقيدها — مجاہد کا لفظ مطلق استعمال کیا ہے۔ اسے کسی
بمفعول ليتناول كل ما يجب — مفعول کے ساتھ نہیں باندھا ہے۔ تاکہ اس میں
مجاهدته من النفس — مجاہدہ کی تمام صورتیں شامل ہو جائیں جو واجب
الامارة بالسوء والشيطان — ہیں۔ یہ جہاد نفس امارہ سے بھی ہو سکتا ہے
واعداء الدين الخ [2] — شیطان سے بھی ہو سکتا ہے اور دین کے
دشمنوں سے بھی۔ الخ

آیت کی یہی ایک تفسیر صاحب روح المعانی نے بھی کی ہے:

وقيل المعنى الذين — اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جن لوگوں

---

[1] تفسیر الجلالین / ۵۲۱ [2] الکشاف عن حقائق التنزیل: ۲/۱۰۸۶

Marfat.com

جاھدوا فی الغزو لنھدینھم سبل الشھادۃ والمغفرۃ [1]

نے جنگ میں جہاد کیا ہم انھیں ضرور شہادت اور بخشش و مغفرت کے راستے دکھلائیں گے۔

سورۂ حج کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ لیکن صاحب جلالین چند آیتوں کے سوا، جن میں یہ آیت نہیں ہے جس سے ہمارا استدلال ہے، اس پوری سورہ کو مکی مانتے ہیں[2] چنانچہ اس کی پہلی آیت کریمہ:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ (حج: ۱)

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو۔ ضرور قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔

ایہاالناس کا مخاطب وہ اہل مکہ کو قرار دیتے ہیں۔ (یاایہاالناس) ای اہل مکۃ وغیرہم[3] اس سورہ کا خاتمہ بھی اسی جہاد کے مضمون پر ہوتا ہے۔

وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا ..... (حج: ۷۸)

اور اللہ (کے راستہ) میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تم کو منتخب کیا ہے اور دین کے معاملہ میں تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا طریقہ ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا جو اس سے پہلے (صحیفوں میں) بھی ہے اور اس (کتاب) میں بھی۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی خواہشات نفس وغیرہ سے جہاد کیساتھ قتال اور جنگ کو بھی اسی طرح مراد لیا گیا ہے:۔

(وَجَاھِدُوْا) امر بالغزو وبمجاھدۃ النفس والھوٰی وھو الجھاد الاکبر

(اور جہاد کرو) کہکر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جنگ کا، نیز نفس اور خواہش کے خلاف جہاد کا اور یہی سب

---

[1] روح المعانی: ۱۴/۲۱۔ [2] تفسیر الجلالین/۲۳۲۔ اس صدی کے عظیم مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی بھی چند آیتوں کے سوا اس پوری سورۃ کو مکی مانتے ہیں جس میں یہ آیت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو تدبر قرآن: ۴/۳۴۱۔ [3] تفسیر الجلالین، حوالہ سابق۔

Marfat.com

سے بڑا جہاد ہے[1]

حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اسے اسی وسعت پر قائم رکھا ہے

(وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ) ای باموالکم والسنتکم وانفسکم کما قال تعالیٰ (اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ)[2]

(اور اللہ (کے راستہ) میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے جہاد کا حق ہے) یعنی اپنے مالوں اپنی زبانوں اور اپنی جانوں سے جیسا کہ فرمایا: (اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے)۔

صاحب جلالین کے الفاظ کا عموم بھی جہاد و قتال ہر ایک کو حاوی معلوم ہوتا ہے جس کے لئے موصوف نے خاص طور پر 'اقامت دین' کا لفظ استعمال کیا ہے:

(وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ) لاقامة دینہ (حَقَّ جِهَادِهٖ) باستفراغ الطاقة فیہ[3]

(اور اللہ کے راستہ) میں جنگ کرو) یعنی اس کے دین کے قائم کرنے کے لئے (جیسا کہ اس کے جہاد کا حق ہے) یعنی اس طور پر کہ اس کام میں اپنی پوری طاقت جھونک دی جائے۔

یہی نہیں بلکہ ایک موقع پر قرآن نے اس کے لئے صاف طور 'قتال اور جنگ' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ سورۂ مزمل کا مکی ہونا معلوم و معروف ہے۔ اس کا مضمون صاف بتاتا ہے کہ اس کا نزول صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم پر کار نبوت کے عین آغاز میں ہوا۔ اس کی ابتداء ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا بار گراں اٹھانے کے قابل بنانے کے لئے رات کے طویل وقفوں میں نماز کے اہتمام کا حکم دیا گیا۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا ذوق اتباع نبوت معلوم ہے چنانچہ بظاہر آپؐ کے لئے خاص اس حکم میں وہ بھی اس نماز میں ساتھ رہنے لگے۔ اور کیفیت یہ تھی کہ دیر تک کھڑے رہنے کے باعث بہت سے لوگوں کے پاؤں میں ورم آجاتا تھا[4] مشقت کی اس تربیت کا سلسلہ پورے

---

[1] الکشاف للزمخشری: ۲/ ۹۱۶ [2] تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۲۳۶۔ [3] تفسیر الجلالین / ۴۴۵۔
[4] تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۴۳۶-۴۳۷۔ نیز ملاحظہ ہو، لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بالخازن: ۷/ ۱۴۲۔

Marfat.com

ایک سال تک جاری رہا۔ آگے اس حکم میں تخفیف کا اعلان ہوا۔ اور بارگاہ رحمت سے اس کا سبب بیان کیا گیا کہ:

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ..... (مزمل: ۲۰)

اللہ کو معلوم تھا کہ تم میں سے کچھ مریض ہوں گے، دوسرے ہوں گے جو زمین میں چل پھر رہے ہوں گے اللہ کے فضل کی تلاش میں اور دوسرے وہ ہوں گے جو اللہ کے راستہ میں جنگ کر رہے ہوں گے سو اب تم قرآن اتنا ہی پڑھو جتنا کہ آسانی سے کر سکو۔

بہت سے لوگوں نے آیت کے اس مضمون کو دیکھ کر ہی اسے مدنی قرار دے دیا ہے لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے صراحت کی ہے کہ:

وهذه الآية بل السورة كلها مكية ولم يكن القتال شرع بعد فهي من اكبر دلائل النبوة لانه من باب الاخبار بالمغيبات المستقبلة [1]

اور یہ آیت بلکہ یہ پوری سورہ مکی ہے۔ اگرچہ قتال (جنگ) اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔ تو یہ چیز (آپ کی) نبوت کے بڑے دلائل سے ہے۔ اس لئے کہ یہ گویا مستقبل میں پیش آنے والی ان باتوں کے پتہ دینے کی قبیل سے ہے جو ہنوز پردہ غیب میں ہوں۔

---

[1] حوالہ سابق/۴۳۹۔ اس سورہ کے ابتدائی حکم اور اس تخفیف کی مدت کا وقفہ کثیر اور مستفیض روایات کی رو سے ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال کا ہے۔ صرف ابن جریرؒ کی ایک روایت ہے جس کی رو سے یہ وقفہ دس سال کی طویل مدت پر ممتد ہے۔ تفسیر ابن کثیر، حوالہ سابق۔ نہ معلوم کیوں صاحب تفہیم القرآن نے اسی منفرد روایت کو ترجیح دی ہے۔ تفہیم القرآن: ۶/۱۳۲۔ اور آیت کو مدنی مانا ہے۔ جبکہ صاحب تدبر نے روایات سے تعرض کئے بغیر ہی صرف مضمون کی بنیاد پر آیت کو مدنی قرار دے دیا ہے۔ تدبر قرآن: ۸/۱۸ ۳ حالانکہ ان کے عام قاعدہ کی رو سے اس کا مکی ہونا اظہر تھا۔ عقل عام کی رو سے بھی اس آیت کا مکی ہونا اغلب ہے اس لئے کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دوسری بات یہ ہے کہ جب بیماری اور روزی کی تلاش مدینہ کے ساتھ خاص نہیں تو حکم قتال ہی کو اس کے ساتھ خاص کیوں مانا جائے آیت کے اگلے ٹکڑے میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۔ (مزمل:۲۰) جبکہ نماز کے مدنی زندگی کے ساتھ خاص ہونے کا کوئی قائل نہیں۔ اسی طرح جو لوگ مکہ میں زکوٰۃ کی فرضیت کے قائل ہیں ان کا ایک استدلال اس آیت سے بھی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ) ای اقیموا صلاتکم الواجبۃ علیکم واتوا الزکوٰۃ المفروضۃ، وھذا یدل لمن قال بان فرض الزکوٰۃ نزل بمکۃ لکن مقادیر النصب والمخرج لم یتبین الا بالمدینۃ۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۴۳۹) (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو) اس کا مطلب ہے کہ تمہارے اوپر جو واجب ہے اسے قائم کرو۔ اور تم پر جو فرض زکوٰۃ ہے اس کو ادا کرو۔ اور یہ ان لوگوں کے حق میں دلیل ہے جو اس کے قائل ہیں کہ زکوٰۃ فرض تو مکہ ہی میں ہو گئی تھی۔ البتہ اس کے نصاب اور اس کی مقدار وغیرہ کی تفصیلات بعد میں مدینہ میں بتلائی گئیں)۔

شورائیت کی تعلیم

مکہ کی سیزدہ (۱۳) سالہ زندگی میں مسلمانوں کو جہاد و قتال کے احکام دیئے جانے کا لازمی تقاضا

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) قیام لیل کا یہ پر مشقت کورس اگر دس یا اس سے اوپر مدت کے لئے لاگو رہا ہوتا تو اس کا ذکر بے شمار روایات اور مختلف طریقوں سے ہوتا۔ جبکہ جیسا کہ آپ نے دیکھا، کثیر اور مستفیض روایات اس کے برعکس ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ صاحب موضح القرآن بھی سورہ مزمل کی زیر بحث آخری آیت کریمہ کے وقفہ نزول کو ایک برس ہی مانتے ہیں "رات جاگنے کا حکم ایک برس رہ کر موقوف ہوا۔ اگلی آیت اتری" تفسیر موضح القرآن/۹۶۱۔ تاج کمپنی، لاہور۔ دور حاضر کے مفسرین میں سید قطب شہیدؒ بھی راجح ترین قول کی حیثیت سے ابتدار سورہ کے حکم قیام لیل کے بعد اس آخری آیت کے نزول کو ایک سال بعد ہی مانتے ہیں۔ ظلال القرآن: ۸/۱۷۷۔ طبع خامس۔

Marfat.com

تھا کہ انہیں اس کے دوسرے لوازمات سے بھی آگاہ کیا جائے۔ باطل کے خلاف جنگ چھیڑ کر دین کے دشمنوں سے ہر طرح سے لڑائی مول لے لینے کے بعد اس کے تقاضوں سے انفرادی طور پر عہدہ برآ نہیں ہوا جا سکتا تھا۔ یہ کام اجتماعیت کی پوری قوت اور اس کے بھرپور تعاون سے ہی ممکن ہو سکتا تھا۔ جس کے لئے ضروری تھا کہ لوگوں کے اندر 'شورائیت' کا ذوق پیدا ہو۔ اور وہ اپنے دوسرے معاملات کی طرح اہم قومی اور جماعتی مسائل کو بھی 'شوریٰ' کی قوت سے نمٹانے کے قابل بنیں۔ مکہ کی زندگی اسلامی اجتماعیت کے اس رکن رکین سے بھی مسلمانوں کو اچھی طرح باخبر کیا یا گیا تھا۔ اپنے جملہ معاملات زندگی میں باہمی مشاورت کو اہل ایمان کے مطلوبہ نقشہ زندگی کا لازمی جزء قرار دیا گیا:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ..... (شوریٰ: ۳۸)

اور وہ جو اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ان کا معاملہ باہم شورائیت کا ہوتا ہے۔

شوریٰ کی اس تعلیم کا مقصد صرف انفرادی معاملات و مسائل کی تربیت نہ تھا۔ صلح و جنگ کے اہم ترین قومی اور اجتماعی معاملات بھی اس کے اندر اسی طرح شامل تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے:

(وامرهم شورىٰ بينهم) ای لایبرمون امرا حتی یتشاوروا فیه لیساعدوا بآرائهم فی مثل الحروب وما جریٰ مجراها کما قال تبارك وتعالیٰ (وشاورهم فی الامر) الآیة۔ ولهذا کان صلی اللہ علیه وسلم یشاورهم فی الحروب ونحوها لیطیب بذلك قلوبهم

(اور ان کا معاملہ باہم شورائیت کا ہوتا ہے) یعنی کہ وہ کسی معاملہ میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتے جب تک کہ اس کے سلسلے میں باہم مشورہ نہ کرلیں۔ تاکہ وہ مثال کے طور پر جنگ یا اسی طرح کی دوسری چیزوں کے سلسلے میں ایک دوسرے کی رائے سے فائدہ اٹھا سکیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (دوسرے موقع پر) فرمایا ہے: اور (اے نبیؐ) تم ان سے (اپنے اصحابؓ سے) (جنگ

Marfat.com

وهكذا لما حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الوفاۃ حین طعن جعل الامر بعدہ شوریٰ فی ستۃ نفر وھم عثمان وعلی وطلحۃ والزبیر وسعد وعبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنھم فاجتمع رای الصحابۃ کلھم رضی اللہ عنھم علی تقدیم عثمان رضی اللہ عنہ [1]

کے معاملہ میں مشورہ کرو) الخ۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات سے جنگوں اور اسی طرح دوسرے تمام معاملات کے سلسلے میں مشورہ کرتے تھے۔ تاکہ ان کے دلوں میں پوری طرح خوشگواری رہے۔ اسی طرح جب حضرت عمرؓ کو نیزہ لگا اور انہیں اپنی وفات قریب آنے لگی تو آپ نے (خلافت کے) معاملہ کو چھ افراد پر مشتمل شوریٰ کے حوالہ کر دیا۔ یہ حضرات تھے عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد ابن وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں تمام صحابۂ کرام کی رائے اپنے اوپر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھانے پر متفق ہو گئی۔ (جس کے بعد وہ خلیفہ مقرر کر لئے گئے)

ہم نہیں سمجھتے کہ مکی زندگی کی ان وسیع و ہمہ جہت قرآنی تعلیمات کو دیکھنے کے بعد بھی کسی شخص کا یہ اصرار حق بجانب ہوگا کہ مسلمانوں کو صرف بعض خاص حالات کے اندر ہی اپنی اجتماعیات کا علم بلند اور ان کے غلبہ و نفاذ کی سعی میں ہاتھ دینا چاہیئے۔ حکومت و اقتدار کی قوت جہاں انہیں حاصل نہ ہو اپنے تصور مذہب کو وہاں محدود سے محدود تر رکھنا ضروری ہے؟

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۴/۱۱۸۔

Marfat.com

اسلام کے مقاصد

وقت آگیا ہے کہ اسلام کے مقاصد پر ایک نظر ڈالی جائے کہ دنیا میں اس دین کا مطلوب و مقصود کیا ہے۔ وہ کیا اغراض و مقاصد ہیں جن کی تکمیل پر ہی صحیح معنوں میں اس کی پیروی کا حق ادا کیا جا سکتا ہے۔ پچھلے مباحث میں مختلف پہلوؤں سے اسلام سے متعلق جو تفصیل ہم پیش کر چکے ہیں اس سے بخوبی واضح ہے کہ اسلام عام اور معروف معنوں میں "مذہب" نہیں جس کا دائرہ خدا اور بندوں تک محدود ہو۔ یہ پوری زندگی کا دین ہے اور اس کے جملہ امور و مسائل اس کا موضوع بحث ہیں اور ان سب کے متعلق وہ مکمل اور تفصیلی ہدایات فراہم کرتا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے ماننے والوں کو ان پر عمل پیرا ہونے اور اپنی پوری زندگی کو ان کے سانچے میں ڈھالنے کی تاکید کرتا ہے، بلکہ دنیائے انسانیت کی نسبت سے یہ ایک ہی نسخۂ شفا ہے جسے اپنانے کی وہ بلا لحاظ نسل و رنگ اور بلا قید زمان و مکان ہر ایک کو تلقین کرتا ہے۔ اسلام کے نام لیواؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قیامت تک کے لئے پوری دنیا کو اس نسخۂ شفا سے روشناس کرائیں اور جو کج مزاج اور بد طینت، حق کے پوری طرح واضح ہو جانے کے بعد، محض اپنی شیطنیت اور خبث باطنی کے نتیجے میں سرکشی و عناد کا راستہ اختیار کریں، اللہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں اور اسلام کی صورت میں دنیا کی اصلاح اور اس کے سنوار کے کام کو روکنے کے ساتھ زمین کو ظلم و بے انصافی اور شر و فساد سے بھر دینے ہی پر تلے ہوں۔ انھیں راستے سے ہٹا دیں ورنہ کم از کم انھیں اس حد تک بے دست و پا کر دیں کہ خود شرک و گمرہی اور انکار خدا کی لعنت میں وہ جس طرح چاہیں گرفتار رہیں، لیکن دوسرے بندگان خدا کی نسبت سے ان کے لئے اس کا کوئی موقع نہ رہے۔

مختلف اسباب و عوامل کے تحت 'مذہب' کے محدود تصور نے ذہنوں پر جو پہرہ

Marfat.com

بٹھا رکھا ہے، اس کے نتیجے میں اسلام کے مقاصد کے بیان میں بھی اسے عام طور پر انفرادی زندگی کے دائرے میں محصور کر دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دین کا سب سے اعلیٰ وارفع درجہ 'احسان' ہے جس کی حقیقت حدیث جبرئیل میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ:

ان تعبد اللہ کانک تراہ	یہ کہ تم اللہ کی بندگی (عبادت) کرو گویا کہ تم
فان لم تکن تراہ	اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم اسے نہیں
فانہ یراک [1]	دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔

اسلام کے مطلوبہ طرز زندگی کی یہ آخری منزل اور اس کے مقاصد کا یہی مغز اور خلاصہ ہے۔ جس کے اندر خدا کے حضور عبادت کی بجا آوری میں کمال درجہ یکسوئی اور انہماک کا حکم دیا گیا ہے۔ 'عبادت' سے مراد اصطلاحی عبادات میں بھی یہاں خاص طور پر 'نماز' ہے۔ جس کے اندر بندہ حضور کی یہ کیفیت پیدا کر کے مقام 'احسان' پر فائز ہو جاتا ہے۔ اسی سے ملتے جلتے کچھ دوسرے اعمال تھے جن کی خاطر صدر اول سے لے کر آج تک امت کے ایک بڑے طبقے نے اپنی تمام ترقوتیں صرف کر دیں اور دنیا و آخرت میں امت کی، صلاح و فلاح کو اس میں محصور قرار دیا۔ چنانچہ تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کے فن کو جس کا اصطلاحی نام 'تصوف' ہے، اس کا ایک نام یہی 'احسان' دیا گیا۔ یہاں تک کہ آج بہت سے لوگوں کو اصرار ہے کہ حدیث بالا میں دین کے جس مقصود و مطلوب کو (احسان) کے نام سے یاد کیا گیا ہے امت میں مروجہ 'تصوف و سلوک' اسی سے عبارت ہے اور امت میں چودہ سو سال کے عرصہ سے اس عنوان سے جو جد و جہد اور کوششیں کی جاتی رہی ہیں ان سب کا منتہائے مقصود یہی 'احسان' کی زندگی پیدا کرنا تھا جسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں دینی زندگی کا سب سے اونچا اور بلند مرتبہ قرار دیا۔

دین میں عقائد کے بعد اصطلاحی عبادات کا درجہ سب سے بلند ہے اس لئے اس ارشادِ پاک میں دین کے جس سب سے بلند اور اونچے درجے کو 'احسان' سے تعبیر فرمایا گیا ہے، ان عبادات میں یہ کیفیت سب سے زیادہ مطلوب و مقصود ہو گی۔ اصطلاحی عبادات کے سرنامے 'نماز'

---

[1] صحیح مسلم، جلد ۱۔ کتاب الایمان ص ۲۹۔ مطبعہ عامرہ، مصر

Marfat.com

میں اس کی مقصودیت اور مطلوبیت اور بھی نمایاں ہے۔ جو اس فہرست میں سب پر ممتاز اور خاص اہمیت اور انفرادیت کی حامل ہے۔ لیکن دین کے اس اعلیٰ ترین مقصود و مطلوب کو صرف اسی دائرے میں محصور کر دینا، اس طور پر کہ نگاہیں اس سے آگے کی طرف اٹھ ہی نہ سکیں اور اگر کبھی اٹھیں بھی تو وہ انھیں اتنی معمولی نظر آئیں کہ ان کے لئے چنداں قابل التفات نہ رہ جائیں اسے اسلام کے ساتھ کسی صورت انصاف نہیں کہا جا سکتا۔ جبکہ حدیث رسول کے اندر عبادت کی بات علی الاطلاق کہی گئی ہے اور اس کے سلسلے میں کسی قسم کی تحدید و تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے حضرت امام شاطبیؒ کا جنہوں نے 'احسان' کو پوری انسانی زندگی اور اس کے امور و مسائل تک وسیع قرار دے کر دین میں مطلوب احسان اور اس کی صحیح پوزیشن کو بحال کر دیا۔ حدیث بالا میں مذکورہ 'عبادت' کی تشریح انہوں نے ان لفظوں میں کی ہے:

وکل تصرف للعبد تحت	بندے کا ہر تصرف اور ہر عمل جو شریعت
قانون الشرع فهو عبادة [1]	کے قانون کے تحت ہو وہ 'عبادت' ہے

جس کا صاف مطلب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس 'احسان' کو دین کی سب سے آخری منزل اور اس کا اعلیٰ ترین مقصود و مطلوب قرار دیا ہے اور جسے حاصل کرنے کی ہر مسلمان کو ترغیب دی ہے، اس کا تعلق صرف 'نماز' یا مثلاً اصطلاحی عبادات ہی سے نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ ہی پوری انسانی زندگی اس کے دائرے میں شامل ہے اور اپنی پوری زندگی میں بندۂ مومن جو حرکت بھی کرتا ہے، اس کے سلسلے میں اس کے اندر کیفیت یہی ہونی چاہیئے کہ وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے ورنہ یہ تو ہے ہی کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ احسان کا یہی تصور ہے جو قرآن کے مطلوبہ 'احسان' سے ہم آہنگ ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے اس کی تفصیل پیش کی جا چکی ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اس کی روشنی میں قرآن کے مطلوبہ احسان کا تعلق انفرادی سے زیادہ زندگی کے اجتماعی معاملات و مسائل ہی سے ہے۔

اسلام کی صورت میں خدا بندوں سے کس چیز کا طالب ہے اور وہ کون سے مقاصد

---

[1] الموافقات فی اصول الشریعہ: ۱/۱۹۴۔

Marfat.com

ہیں جن کی تکمیل سے دنیا و آخرت میں انسان کی فلاح وابستہ ہے، اسلام کے دستور اساسی۔ قرآن۔ پر ایک ہلکی سی نظر ڈال کر بھی اس کا اندازہ آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جس کی تفصیل کا حق اس کے لانے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے ادا کیا ہے۔ قرآن پر نظر ڈالنے والے کے لئے اس سے بڑھ کر اجنبی اور ناقابل قبول دوسری چیز نہیں کہ اس کے مطلوبہ طرز زندگی کو 'پرائیویٹ زندگی' کے دائرے میں محصور کر دیا جائے۔ جبکہ وہ پوری زندگی کے لئے کتاب ہدایت ہے اور جیسا کہ تفصیل گزر چکی زندگی کے جملہ امور و مسائل کو وہ اپنا موضوع بحث بناتا اور ان کے سلسلے میں احکام و ہدایات فراہم کرتا ہے۔ صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ یہی اسلام کے مقاصد ہیں جو اس کتاب عزیز کے اندر بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب اللہ نے جس ترتیب اور جس تاکید سے جس بات کا حکم دیا ہے، اسی نسبت سے وہ اسلام کا مقصود و مطلوب ہے۔ اس سے ہٹ کر اسلام کے مقاصد کی جو تفصیل بھی بیان کی جائے گی وہ راہ صواب سے ہٹی اور افراط و تفریط اور بے اعتدالی کا شکار ہو گی۔

دین کے نظام میں عقائد کی وہی اہمیت ہے جو جسم کے لئے روح کی۔ اس لئے اسلام کے ترجمان اول نے اپنے صفحات میں ان کی توضیح و تفصیل کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ قرآن کا کوئی ورق خدا کی عظمت، موت کے بعد زندگی جنت و دوزخ کے مناظر، قرآن کی حقانیت، سلسلۂ رسالت کی صداقت وغیرہ اسلام کے بنیادی عقائد کی تفصیل سے خالی نہیں۔ وہ قدم قدم پر اپنے ماننے والوں کو دین کی ان اساسیات کی تلقین اور ان کے ذہن و دماغ میں انہیں جاگزیں کرتا نظر آتا ہے۔ اس کے بعد معاملہ اصطلاحی عبادات کا ہے جن کی حیثیت اسلامی نظام زندگی میں بعینہ وہ ہے جو نظام جسمانی میں مثال کے طور پر قلب و دماغ کو حاصل ہوتی ہے۔ اگر جسم کے یہ اعضاء رئیسہ توانا اور صحت مند نہ ہوں تو بظاہر ایک چلتا پھرتا انسان بھی حقیقت کے اعتبار سے لاشۂ بے جان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے جو عقائد کے بعد قرآن ان عبادات پر غیر معمولی زور اور تاکید صرف کرتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کی تلقین سے قرآن کے صفحات بھرے ہیں۔ بقیہ عبادات کی تفصیل کا حق اس کے لانے والے پیغمبرؐ نے اپنے قول و عمل سے ادا کر دیا ہے۔ لیکن خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اپنی تمام تر اہمیت اور عظمت کے باوجود اسلام صرف عقائد اور عبادات ہی کے مجموعہ کا نام نہیں ہے۔ اسی طرح فضائل اخلاق کی وہ تاکید ضرور کرتا اور رذائل سے بچنے کی تلقین کرتا ہے لیکن اس کا دامن اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

اس سے آگے وہ پوری انسانی زندگی کے لئے مکمل تفصیلی ہدایات فراہم کرتا ہے۔ جس کے نفاذ اور جس کے انطباق کا حق اس کے لانے والے پیغمبرؐ نے اپنی تئیس سالہ زندگی میں عملاً برت کر دکھایا اسی طرح معشیت ومعاشرت، حکومت، سیاست، تمدن، تہذیب، ملکی اور بین الاقوامی امور و مسائل یہ تمام ہی چیزیں اس کا موضوع بحث اور اس کے دائرۂ عمل میں داخل ہیں اور ان سب کے سلسلے میں افراط وتفریط سے ہٹ کر اس نے جادۂ اعتدال کو لوگوں کے سامنے بالکل کھول کر رکھ دیا ہے۔ دین کی انفرادی اہمیت کے اعمال کی طرح اسلام کا اجتماعیت کا یہ باب بھی اسی طرح اہمیت کا حامل ہے۔ عقائد اور اخلاق وعبادات کی طرح قرآن حکیم نے اپنے صفحات میں انہیں جگہ دے کر اس بات کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ انسان خدا کی راہ پر چلنے کا حق اسی وقت ادا کر سکتا ہے جبکہ اپنی انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی میں بھی وہ اللہ کی عطا کردہ ان احکام وتعلیمات پر اسی طرح کاربند ہو جائے۔ احکام شریعت میں فرق مراتب مسلّم اور ان کی مطلوبیت کے درجات کا تفاوت تسلیم لیکن اس حقیقت سے انکار کسی صورت ممکن نہیں کہ اسلام اور اس کے دستور اساسی قرآن کا موضوع پوری انسانی زندگی ہے اور جب تک اس کے جملہ امور ومعاملات میں خدائی مرضیات کا نفاذ عمل میں نہ آجائے اسلام کے مقاصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

اسلام میں اجتماعیات کے باب کی غیر معمولی اہمیت

اسلام میں اجتماعیات کے باب کی اس غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ان تاکیدی کلمات وہدایات سے ہوتا ہے جنھیں اس سلسلے کے احکام وقوانین کے بیان میں اس کے دستور اساسی قرآن۔ نے اکثر وبیشتر استعمال کیا ہے۔

نکاح وطلاق

نکاح وطلاق کے مسائل ہمیشہ کی طرح آج بھی 'سماجیات' کا اہم ترین مسئلہ ہیں۔ یہ انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ نہیں، جس کے دائرے میں عام طور پر مذہب کو محصور کیا جاتا ہے۔ اور دیگر ادیان ومذاہب کی طرح 'اسلام' کو بھی اس صف میں گھسیٹے بغیر نہیں رہا جاتا ہے۔ بلکہ یہ اجتماعی

Marfat.com

زندگی کے اہم ترین مسائل ہیں۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا بھی انہیں یہی حیثیت دیتی ہے۔ چنانچہ اس کے اہم ترین ادارے اس کے سلسلے میں پیدا ہونے والی پیچیدگیوں سے عہدہ برآ ہونے اور ملک کی پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں اس سے متعلق امور و مسائل زیر بحث آتے ہیں۔ یہاں تک کہ بسا اوقات ملک کی سب سے بڑی عدالت 'سپریم کورٹ' تک کو اس کے سلسلے میں خصوصی احکام و ہدایات جاری کرنی پڑتی ہیں۔ اسلام کے دستور اساسی، قرآن، نے اس سلسلے کے احکام و قوانین کو نسبتہً کافی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور اس کے تئیں قدم قدم پر سخت تاکیدی ہدایات دی ہیں جس سے اس کی نظر میں اجتماعیات کے اس باب کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سورہ بقرہ میں مطلقہ کے احکام اور طلاق کے صحیح طریقہ اور اس کی ایک دوسری صورت خلع کے مسئلہ کی وضاحت کے بعد ارشاد ہوا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا	یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں سو تم ان کی
تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ	خلاف ورزی نہ کرو اور جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ	حدوں کی خلاف ورزی کرے تو یہی لوگ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (آیت: ۲۲۹)	ظالم ہیں۔

آگے تیسری طلاق اور حلالہ کی صحیح صورت کے بیان کے بعد فرمایا:

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا	یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں جنہیں
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔	وہ کھول بیان کرتا ہے ان لوگوں کے
(آیت : ۲۳۰)	لئے جو جاننا چاہیں۔

مزید برآں اسی سلسلے کے دوسرے احکامات بیان کرتے ہوئے کہا گیا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ	اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کے احسان کو
عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ	اور اس چیز کو جو اس نے تم پر اتاری ہے
مِنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ	یعنی کتاب اور حکمت جس کے ذریعہ وہ تمہیں
يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ	نصیحت کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرکر رہو اور
اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ (بقرہ: ۲۳۱)	جان لو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

مطلقہ کی دوسری شادی کی بابت حکم کی وضاحت کرنے کے بعد ارشاد ہوا:

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (آیت: ۲۳۲)

یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ اور صفائی ستھرائی کا باعث ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

طلاق کی صورت میں بسا اوقات مسئلہ رضاعت، یعنی بچے کو دودھ پلانے کا پیدا ہوتا ہے اس سے متعلق حکم کی وضاحت کے بعد فرمایا:

وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (آیت: ۲۳۳)

اور اللہ سے ڈر کر رہو اور جان لو کہ اللہ خوب دیکھنے والا ہے اس کو جو تم کرتے ہو۔

جس عورت کا شوہر انتقال کر جائے، وہ دوبارہ شادی کرنا چاہے تو اسلام میں اس کے خاص آداب ہیں انہیں بیان کرنے کے بعد تاکید کی گئی کہ:

وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ (آیت: ۲۳۵)

اور جان لو کہ اللہ جانتا ہے وہ سب کچھ جو تمہارے دلوں میں ہے۔ سو اس سے بچ کر رہو اور معلوم ہو کہ اللہ بڑا بخشنے والا، بردباری رکھنے والا ہے۔

اسلام کے نزدیک 'سماجیات' کے اس اہم باب 'طلاق' کی یہ اہمیت ہے کہ اس سے متعلق احکام کی وضاحت کے لئے ان آیات کے علاوہ قرآن میں ایک مستقل سورہ اسی نام سے نازل کی گئی۔ 'سورۂ طلاق' جس کے اندر اس سے متعلق دوسرے احکام تفصیل سے بیان کئے گئے۔

طلاق کے صحیح طریقہ اور مطلقہ کے ساتھ مطلوبہ روش کی وضاحت کے بعد فرمایا:

وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ

اور یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدوں کی خلاف ورزی کرے تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا تمہیں کیا پتہ شاید اللہ اس کے بعد (ملاپ کی)

ذٰلِكَ اَمْرًا ۔ (آیت:۱) کوئی صورت نکال دے۔

آگے اسی سلسلے میں مزید ارشاد ہوا:

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۔ (آیت:۲) یہ ہے جس کی اللہ نصیحت کرتا ہے اسے جو ایمان رکھے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور جو کوئی اللہ سے ڈر کر رہے تو وہ اس کے لئے خلاصی کی راہ پیدا کرے گا۔

مختلف عمر اور مختلف حال کی عورتوں کی عدّت کے بیان کے بعد فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۔ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ۔ (طلاق: ۴-۵)

اور جو کوئی اللہ سے ڈر کر رہے گا وہ اس کے لئے اپنے حکم سے آسانی (کی صورت) پیدا کرے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جسے اس نے تم تک اتارا ہے۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈر کر رہے تو وہ اس سے اس کی کوتاہیوں کو زائل کرے گا اور اس کے لئے بدلہ بہت بڑا کر کے دے گا۔

دورانِ عدّت شوہروں کو اپنی مطلقہ بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور ان کے تئیں کسی قسم کی ظلم و زیادتی سے مجتنب رہنے کے لئے گذشتہ قوموں کا عبرتناک حال سنا کر ڈرایا گیا کہ اللہ کے ان احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کہیں اسی انجام سے دنیا میں دوچار نہ ہو جائیں:

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۔ فَذَاقَتْ وَبَالَ

اور کتنی ہی بستیاں رہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی دکھائی تو ہم نے ان کا حساب لیا بہت ہی سخت اور ان کو انتہائی عبرتناک سزا دی۔ تو انہوں نے اپنے معاملہ کے وبال کو چکھا اور ان کے معاملہ

Marfat.com

اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ، اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا۔ (طلاق: ۸-۱۰)

کا انجام گھاٹے کا رہا۔ (مزید براں) اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے تو اللہ سے ڈرتے رہو اے سمجھ والو جو کہ ایمان لائے ہو۔ ضرور اللہ تم تک یاددہانی اتار چکا ہے۔

آگے سورہ کے آخر میں آسمان و زمین کی تخلیق کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی قوت و عظمت کے بیان کے بعد یہ فرما کر کہ یہ احکامِ خداوندی کا خاص سلسلہ ہے جو اس وقت اتر رہا ہے، اس پوری سورہ کے مضامین کے متعلق تاکید فرمادی کہ یہ غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کے نازل کرنے والے کی نظروں میں ان کی اہمیت حد درجہ بڑھی ہوئی ہے۔ انسانی معاشرت سے تعلق رکھنے والے اجتماعیات کے اس اہم باب کو لوگ ہلکا نہ لیں اور اس کے سلسلے میں ذرا کوتاہی اور تساہلی کا شکار نہ ہوں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ اور دنیا کے اندر ہونے والے بڑے بڑے واقعات سے لے کر اس کے معمولی سے معمولی واقعے تک اس کی گہری نظر ہے اللہ کے اس قانون کے احترام میں اگر ذرہ برابر بھی کمی کی گئی تو اس کی نگاہوں میں یہ چیز آئے بغیر نہیں رہے گی۔ اور چونکہ اسے ہر چیز پر بھرپور قدرت حاصل ہے اس لئے اس طرح کے لوگ اس کی پکڑ سے کسی صورت بچ بھی نہیں سکیں گے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ (طلاق: ۱۲)

اللہ ہی ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور زمین میں سے بھی اسی قدر (اللہ کا) حکم ان کے بیچ اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور اس کا علم ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

حرمتِ سود

آج کا کوئی سمجھ دار انسانی معیشت (Economy) کو انسان کی پرائیویٹ زندگی کا

معاملہ قرار نہیں دے سکتا۔ سود (Intrest) دورِ حاضر کی اسی معشیت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اسلام سود رُبا، کو اس کی جملہ صورتوں کے ساتھ حرام قرار دیتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں، جو اسلام کی اجتماعی تعلیمات کی اہم سورتوں سے ایک ہے، خرید و فروخت 'بیع' کی حلّت اور سود رُبا، کی حرمت کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

(آیت : ۲۷۵)

سو جس کسی کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت آجائے اور وہ اپنا ہاتھ وہیں کا وہیں روک لے تو اس کے لئے وہ ہے جو گزر چکا (ہو چکنے والے معاملات کی کرید نہیں) اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے البتہ جو کوئی پھر یہ حرکت کرے تو یہ لوگ دوزخ والے ہیں جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام غیر منصفانہ نظام معشیت کے اس اہم ستون کو ڈھا کر انسانی معشیت کو کس طرح دوسرے متبادل خطوط پر ڈھالنا چاہتا ہے۔ آگے اس ظالمانہ نظام کے سلسلے میں قرآن کے تیور اور سخت ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔

(آیات : ۲۷۸-۲۷۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا رہ گیا ہے اس سے دستبردار ہو جاؤ اگر تم ایمان رکھنے والے ہو۔ سو اگر تم اس پر عملدرآمد نہیں کرتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سن لو۔ اور اگر تم (حکم کی تعمیل کر کے اللہ کی طرف) پلٹ آؤ تو تم کو تمہارا اصل سرمایہ (Capital) مل جائے گا۔ تم کسی پر زیادتی کرو نہ تمہارے ساتھ زیادتی کی جائے۔

Marfat.com

اسی سلسلے میں اپنے ماننے والوں کو ایک مزید ہدایت دینے کے بعد کہا گیا:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔ (آیت : ۲۸۱)

اور اس دن سے ڈرو جس میں کہ تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا پورا بدلہ مل جائے گا جس کی وہ (دنیا میں) کمائی کر چکا ہے۔ اور ان کے ساتھ ذرا کمی نہ کی جائے گی۔

دوسرے مقام پر بھی قرآن نے 'سود' کی حرمت کے ساتھ اسے سخت ترین تاکیدی احکامات کے ساتھ جوڑ رکھا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ، وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (آلعمران : ۱۳۰-۱۳۲)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو سود کو نہ کھاؤ دوگنا چوگنا کر کے اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیابی سے ہمکنار ہو۔ اور اس آگ (دوزخ) سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور اللہ اور رسول کی (پوری طرح) پیروی کرو تاکہ تم رحم کے سزاوار ہو۔

اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام تمدنی و اجتماعی کے مسائل کو کس اہمیت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو ان کے سلسلے میں کس قدر حساس دیکھنا چاہتا ہے۔

قرض کی لکھائی اور اس پر گواہی

انسان کی اجتماعی زندگی میں باہمی قرضوں (Loan) کی کیا اہمیت ہے اس کا اندازہ آج کی اس متمدن دنیا کے سیاق میں زیادہ بہتر طور پر کیا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے اجتماعی ادارے ہی نہیں حکومتوں کا کاروبار بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا اس کے علاوہ خرید و فروخت کے بہت سے معاملات اسی کی بنیاد پر طے پاتے ہیں۔ اسلام نے اسے یہ اہمیت دی کہ اس کے سلسلے میں قرآن کی سب سے طویل آیت نازل ہوئی۔ قرآن نے کہا کہ قرض کا یہ معاملہ بہت نازک ہے۔ صرف زبانی اور باہمی

Marfat.com

اعتماد کے بجائے اس کی باقاعدہ لکھا پڑھی اور اس پر گواہیاں ثبت ہونی چاہئیں۔ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کا اہتمام ہر صورت میں ہونا ضروری ہے۔ لکھائی اور گواہی کے احکام کو تفصیل سے بیان کرنے کے بعد فرمایا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اجتماعیات کے اس اہم حکم کی بجا آوری کو قرآن کس قدر اہمیت دیتا اور اس پر کماحقہٗ عملدرآمد کو اپنے ماننے والوں کے لئے کس قدر ضروری قرار دیتا ہے:

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

(بقرہ: ۲۸۲)

اور تم گواہ ٹھہرا لو جب خرید و فروخت کا کوئی کام کرو اور کسی لکھنے والے اور گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اور اگر تم ایسا کرو تو تمہارے ساتھ (لگی) یہ کھلی نافرمانی ہے۔ اور اللہ سے ڈرکر رہو۔ اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا خوب پتہ ہے۔

وراثت کے احکام

وراثت (Inheritance) کے سلسلے میں کسی سمجھ دار انسان کا ذہن اس طرف نہیں جا سکتا کہ یہ انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ ہے۔ ہمیشہ سے یہ انسان کی اجتماعی زندگی کا اہم ترین مسئلہ رہا ہے۔ بلکہ آج کی مادیت زدہ اور معاشی مقابلہ کی دوڑ کے زمانہ نے اس کی اہمیت کچھ اور ہی بڑھا دی ہے۔ اسلام نے اجتماعیات کے اس مسئلہ کو وہ اہمیت دی کہ اس کی بڑی حد تک تفصیل اس کے دستور اساسی۔ قرآن۔ میں کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی قرآن نے اس کے احکام کے آغاز و اختتام میں وہ تاکیدیں کیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وراثت کے اس قانون کو وہ کتنی غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ اور ادنیٰ درجہ میں اسلامی نظامِ زندگی کے اس اہم جزء کی کوئی خلاف ورزی اسے کس قدر ناگوار ہو سکتی ہے۔ وراثت میں حصّہ پانے والے مرد و عورتوں کو مختلف درجوں میں ملنے والے حصّوں کو قرآن نے خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض کردہ قرار دیا:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

مردوں کے لئے حصّہ ہے اس میں سے جو ان

الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا۔

(نساء : ۷)

کے ماں باپ اور رشتہ دار ترکے میں چھوڑیں اسی طرح عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو ان کے ماں باپ اور رشتہ دار ترکہ میں چھوڑیں، چاہے یہ کم ہو یا زیادہ یہ ایک متعین حصہ ہے (جو ہر حقدار کو ملنا ہے)

آگے ان حصّوں کی تفصیل بیان کر لینے کے بعد ارشاد ہوا:

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ، تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔

(نساء : ۱۲-۱۴)

یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے۔ اور اللہ بڑا علم والا اور بردبار ہے۔ یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی بات مانے تو وہ اسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی ٹھہرائی حدوں کو توڑے تو وہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا۔

جان و مال کی حُرمت

جان و مال کی حرمت کو بھی کوئی انسان کی پرائیویٹ زندگی کا معاملہ نہیں کہتا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں یہ ریاست (State) کے اہم ترین فرائض سے ہے۔ بلکہ صحیح تر لفظوں میں کسی فلاحی ریاست کی عمدہ کارکردگی کو جانچنے کا یہ سب سے بڑا پیمانہ ہے کہ وہ اپنے شہریوں کو زندگی کی ان اہم ترین قدروں سے کس قدر مالا مال کرتی ہے۔ ہر وہ حکومت دیوالیہ اور اپنے بقاء کے استحقاق

Marfat.com

کو بالکل کھو بیٹھتی ہے جو اپنے شہریوں کے ان بنیادی حقوق 'حرمت جان و مال' کے تحفظ کی ضمانت نہ فراہم کر سکے۔ قرآن اپنے تمام ماننے والوں سے فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر انسانیت کے ان بنیادی حقوق کو پامال نہ کرنے کا عہد لیتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا۔

(نساء : ۲۹)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کے مال کو نہ کھاؤ بیجا طریقہ سے سوائے اس کے کہ کوئی تجارت ہو جس میں اس کی باہمی رضامندی ہو۔ اور ایک دوسرے کی جان نہ مارو۔ ضرور اللہ تمہارے ساتھ بڑی مہربانی رکھنے والا ہے۔

اس کے فوراً بعد قرآن نے اس کے سلسلے میں ترغیب و ترہیب کا جو مضمون بیان کیا ہے اس نے اس حکم کی اہمیت کو غیر معمولی طور پر بڑھا دیا ہے۔ ارشاد ہوا:

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا، إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا۔

اور جو کوئی ایسا کرے سرکشی اور ظلم کی راہ اپناتے ہوئے تو ضرور جلد ہم اسے داخل کریں گے آگ (دوزخ) میں۔ اور اللہ کے لئے یہ چیز بہت آسان ہے۔ اگر تم دامن بچا کر رہو ان بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جا رہا ہے تو ہم تم سے تمہاری کوتاہیوں کو زائل کریں گے اور تم کو داخلہ دیں گے ایک بہت ہی عزت کی جگہ میں۔

(آیات : ۳۰-۳۱)

مال کی حرمت کو پامال کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کسی کا مال حرام اور ناجائز طریقے سے کھا جائے جس کی اوپر ممانعت کی گئی۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کسی کا مال چرا لے۔ اسلام ایسے بدطینت انسانوں کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ وہ بانس ہی نہ رہ جائے جس سے یہ بانسری بجائی جا سکے۔

Marfat.com

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ (مائدہ: ۳۸)

اور چوری کرنے والا مرد ہو یا چوری کرنے والی عورت ہو تو تم ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ اور اللہ بڑا غلبے والا، حکمت والا ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ کی صفت 'عزیز و حکیم' کا حوالہ دیا گیا، جس سے بتانا مقصود ہے کہ اسلام کے اس حکم اجتماعی کے نفاذ اور اس پر عملدرآمد میں کسی قسم کی کوتاہی اور تساہلی کو در آنے کا موقع نہ دیا جائے۔ یہ فوجداری قانون اس ذات کا وضع کردہ ہے جو سرتاپا حکمت اور سراپا غلبہ و قوت ہے۔ اس کے سلسلے میں کوئی مین میخ لگائی جائے، نہ کسی طرف کا دباؤ اور جھکاؤ اس کے نفاذ میں رکاوٹ ثابت ہو۔

جہاں تک جان کی حرمت کا سوال ہے اسلام کے نظام اجتماعی میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مرادف گردانتا ہے:

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا، وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (مائدہ: ۳۲)

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس کسی نے کسی جان کو قتل کیا بغیر کسی جان کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے عوض تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس کسی نے اس کو زندہ رکھا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھا۔

اسلامی معاشرے میں جو کوئی اس جرم کا ارتکاب کرے گا، جان کے بدلے اسے بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ قتل ہونے والے کا یہ حق ہے جو اللہ کا تفویض کردہ ہے، جسے دنیا کی کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے مقتولین کے سلسلے میں۔ آزاد

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

Marfat.com

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی۔ (بقرہ: ۱۷۸)

آزاد برابر ہیں۔ اور غلام غلام برابر ہیں اور عورت عورت برابر ہیں .....

جان کی حرمت کی طرح انسانی اعضاء کی بھی یہی قدر و قیمت ہے۔ تورات کے اس حکم کو اسلام نے اپنے ہاں جوں کا توں تسلیم کر لیا ہے۔ آخر میں اس حکم خداوندی کی مخالفت کرنے والوں کو قرآن صاف ظالم قرار دیتا ہے۔ جس سے اس کی نظر میں اس فوجداری قانون کی دفعہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ، فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (مائدہ: ۴۵)

اور ہم نے ان پر (اہل کتاب پر) لکھ دیا کہ جان کے بدلہ جان، آنکھ کے بدلہ آنکھ، ناک کے بدلہ ناک، کان کے بدلہ کان، دانت کے بدلہ دانت، اسی طرح تمام طرح کے زخموں کا برابر سرابر بدلہ ہے۔ سو جو کوئی (اپنے حق سے) کوئی چیز معاف کر دے تو وہ اس کے لئے (اپنے گناہوں کا) کفارہ ہے۔ اور جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا ہے تو یہی لوگ ظلم کی راہ چلنے والے ہیں۔

جبکہ کسی مسلمان کی جان لینے والے کو دنیوی سزا کے علاوہ قرآن جہنم کی ابدی لعنت کا مستحق گردانتا ہے

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ

اور جو کوئی کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لہ واضح رہے کہ یہ بعینہ وہی انداز بیان ہے جو عبادات چہارگانہ میں 'روزہ' کے لئے قرآن نے اختیار کیا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (بقرہ: ۱۸۳) جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے نزدیک عبادات کی طرح اجتماعی معاملات بھی ویسی ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ قصاص کا فوجداری قانون بھی مسلمان معاشرہ کے لئے ویسا ہی فرض ہے جیسے کہ مثال کے طور پر اس کے لئے 'روزہ' کی پابندی ضروری ہے جو دین اس طرح عبادات و معاملات کو یکساں نظر سے دیکھتا ہو۔ اس کے لئے دین و دنیا کی تقسیم کا سوال کیونکر قابل غور ہو سکتا ہے۔؟

جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔

تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ کے لئے رہے گا۔ اور اللہ کا اس پر غضب بھڑکا اور اس نے اس پر لعنت کی اور اس کے لئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (نساء: ۹۳)

جان و مال کی حرمت کو پامال کرنے کی سب سے بھیانک صورت یہ ہے کہ بڑے پیمانے پر طاقت کا استعمال کر کے لوٹ مار اور غارت گری کا راستہ اپنایا جائے۔ اسلام کی اصطلاح میں اس کا نام 'محاربت' (ڈاکہ زنی) ہے، جس کی سزا بھی اس نے اسی طرح سخت تجویز کی ہے۔ زمینی قزاقی کے ساتھ فضائی قزاقی سے گھبرائی ہوئی اس دنیا میں توقع نہیں ہے کہ لوگ ایسے بدترین اجتماعی مجرموں سے متعلق قرآن کی تجویز کردہ اس سزا کو لوگ انفرادی زندگی کا معاملہ قرار دیں گے۔ اسلام کی نظر میں اس کی اہمیت کا اندازہ صرف اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن اس حرکت کو براہِ راست خدا و رسول کے خلاف جنگ سے تعبیر کرتا ہے:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔

جو لوگ (لوٹ مار اور غارت گری کر کے) اللہ اور اس کے رسول کے خلاف برسرِ جنگ ہوں اور زمین میں فساد پھیلاتے پھریں ان کا بدلہ بس یہی ہے کہ انھیں بری طرح قتل کیا جائے یا انھیں سولی پر چڑھا دیا جائے یا ان کے ہاتھ اور دوسری طرف سے پاؤں بری طرح کاٹ دیئے جائیں یا انھیں زمین بدر کر دیا جائے۔ یہ ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (مائدہ: ۳۳)

Marfat.com

زنا کی سخت سزا

آج کے دور میں دوسرے بہت سے امور و مسائل کی طرح 'زنا' کے تصور کے سلسلے میں تو بہت سی بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں لیکن بہرحال عام اور معروف صورت میں اسے قابل دخل اندازی عدالت جرم (Congizable offence) تصور کیا جاتا ہے۔ اسے بھی محدود تصور مذہب کے دائرے میں فٹ نہیں کیا جا سکتا جسے بس افراد کے پرائیویٹ معاملہ سے سروکار ہوتا ہے۔ اسلام کا دستور اساسی اس کے سلسلے میں سخت ترین سزا تجویز کرنے کے ساتھ تاکید کرتا ہے کہ یہ اللہ کے اس دین کا ایک انتہائی لازمی اور ناگزیر جزء ہے جس کی بے چون وچرا اور کسی تجزیہ و تقسیم کے بغیر پیروی دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ضروری ہے :

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا	زنا کا ارتکاب کرنے والی عورت ہو یا زنا
كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ	کا ارتکاب کرنے والا مرد ہو ان میں سے
وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ	ہر ایک کو تم سو کوڑے لگاؤ اور ان کے
فِي دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ	سلسلے میں تمہیں کسی قسم کی مروت اور
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	نرمی دامن گیر نہ ہو۔ اگر تم ایمان رکھتے
وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ	ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔ اور چاہیے
مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔	کہ ان کو ملنے والی سزا کو مسلمانوں کی ایک
(نور : ۲)	جماعت ضرور دیکھے ۔

جب کہ اس سورہ کا آغاز ہی ان تاکیدی کلمات سے ہوتا ہے :

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا	یہ سورہ ہے جسے ہم نے (خاص اہتمام سے)
وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ	اتارا ہے اور (لوگوں کے لئے) اسے مؤکد
بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ	قرار دیا ہے۔ اور اس میں ہم نے بہت
تَذَكَّرُوْنَ ۔	ہی کھلی ہوئی آیتیں اتاری ہیں۔ تاکہ تم
(نور : ۱)	یاددہانی حاصل کرو۔

Marfat.com

اسلام میں زنا کی یہ سزا غیر شادی شدہ جوڑوں کے لئے ہے۔ اس جرم کا ارتکاب کرنے والے شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا 'رجم' ہے۔ یعنی کہ انھیں سنگسار کیا جائے یہاں تک کہ اسی سے ان کی موت واقع ہو جائے۔ اسلام کی اصطلاح میں اس طرح کی سزاؤں کو 'حد' کہا جاتا ہے، جس کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھوں لائے ہوئے دین کی نظر میں اجتماعیات کے اس دائرے کی کس قدر اہمیت ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حد یقام فی الارض خیر للناس من ان یمطروا اربعین صباحا۔ [1]

ایک حد جس کا روئے زمین پر نفاذ عمل میں آتا ہے لوگوں کے لئے اس سے زیادہ بہتر اور فائدہ مند ہے کہ ان پر چالیس دن تک بارش ہو۔

دوسرے موقع پر فرمایا:

حد یعمل بہ فی الارض خیر لاھل الارض من ان یمطروا اربعین صباحا۔ [2]

ایک حد جس پر روئے زمین پر عملدرآمد ہوتا ہے زمین والوں کے لئے اس سے بہت زیادہ بہتر اور فائدہ مند ہے کہ ان پر چالیس دن تک بارش ہو۔

اس کے علاوہ آپؐ کی تاکید ہے:

اقیموا حدود اللہ فی القریب والبعید

اللہ کی حدود کا نفاذ عمل میں لاؤ چاہے معاملہ اپنے کسی قریبی کا ہو یا دور کے

---

[1] مسند احمد: ۲/۳۶۲، ابن ماجہ: ابواب الحدود، باب اقامۃ الحدود۔

[2] ابن ماجہ: ابواب الحدود، باب اقامۃ الحدود، مسند احمد: ۲/۴۰۲، البتہ اس میں 'اربعین صباحا' چالیس دن کے بجائے 'ثلاثین صباحا' تیس دن کے الفاظ ہیں نیز نسائی عن ابن عمرؓ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲۔ کتاب الحدود، فصل ثالث۔

ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم۔ [1]

شخص کا اور اللہ کے معاملہ میں تمہیں کسی ملامت گر کی ملامت دامن گیر نہ ہو۔

اسلام میں اجتماعیات کے باب کی غیر معمولی اہمیت کو نمایاں کرنے والے ان تاکیدی کلمات و ہدایات کے علاوہ اس موقع پر قرآن کے اس اہم اور عمومی حکم کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ انسان کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے کسی قید اور کسی شرط کے بغیر جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی ضروری ہے۔ صرف عقائد و عبادات ہی کے معاملہ میں نہیں بلکہ زندگی کی تنظیم اور اپنے نظامِ اجتماعی کی تشکیل میں بھی کسی تحفظ اور کسی چون و چرا کے بغیر خدا اور رسولؐ کے احکام کی بے لاگ پیروی ہی وہ راستہ ہے جسے اپنا کر آدمی دنیا و آخرت میں اپنی فوز و فلاح کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے۔ سورۂ احزاب کی آیت کریمہ کسی قید اور کسی شرط کے بغیر دنیا و آخرت کی کامیابی کے لئے جملہ معاملاتِ زندگی میں اللہ اور اس کے رسول کی بے لاگ اطاعت کو لازم قرار دیتی ہے:

وَمَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔

(احزاب : ۷۱)

اور جو کوئی (اپنے تمام معاملات میں) اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرے تو وہ ضرور ہمکنار ہوا بڑی کامیابی سے۔

جب کہ یہی وہ روش ہے جسے اپنا کر اہلِ ایمان دنیا و آخرت میں اپنے کو رحمتِ ایزدی کا مستحق گردان سکتے ہیں:

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

(آل عمران : ۱۳۲)

اور (اپنے تمام معاملات میں) اللہ اور رسول کی پیروی اختیار کرو تاکہ تم رحمتِ (ایزدی) کے سزاوار ہو سکو۔

زندگی کے تمام معاملات میں خدا و رسولؐ کا فیصلہ دوسرے تمام فیصلوں پر مقدم ہے۔ حدود و تعزیرات معیشت و معاشرت، سیاست و تمدن وغیرہ جملہ امور میں ایک مسلمان کے لئے خدا و رسولؐ کے فیصلوں کی پیروی اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ مثال کے طور پر وہ عقائد و عبادات اور اخلاق و آداب کے دائرے میں ان کے فیصلوں کا پابند ہے۔ اس سے ہٹ کر زندگی میں جو راستہ بھی اپنایا جائے گا وہ گمراہی کا راستہ اور انجام کار انسان کو کھڈ میں گرانے والا ہوگا:

---

[1] ابن ماجہ، ابواب الحدود، باب اقامۃ الحدود۔

Marfat.com

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (احزاب : ۳۶)

اور کسی مسلمان مرد اور کسی مسلمان عورت کے لئے زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دیں تو انھیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ ضرور کھلی گمراہی میں جا پڑا

جب تک اپنے جملہ معاملاتِ زندگی میں آدمی آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ مانے اسے صحیح ایمان و یقین کی ضمانت نہیں مل سکتی:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (نساء : ۶۵)

تیرے رب کی قسم لوگ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ (اے نبیؐ) یہ تم کو ثالث نہ مان لیں ان تمام معاملات میں جو ان کے درمیان پیدا ہوں۔ پھر یہ اپنے جی میں کچھ تنگی نہ پائیں اس سے جو تم فیصلہ کر دو اور پوری طرح سر تسلیم خم نہ کر دیں۔

ان آیات کریمہ کے بعض خاص پس منظر بھی بیان کئے گئے ہیں، لیکن سچ یہ ہے کہ یہ کسی تحدید و تخصیص کے بغیر زندگی کے تمام معاملات کو حاوی ہیں۔ اور اس کے جملہ امور و مسائل میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی غیر مشروط پیروی کو لازم قرار دیتی ہیں۔ جیسا کہ ان آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے علماء نے اس کی صراحت کی ہے۔ [1]

---

[1] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو، تفسیر ابن کثیر: ۳/۴۹۰ اور: ۱/۲۵۰۔

Marfat.com

بعض دوسرے اہم اجتماعی مقاصد

اجتماعیات کے ان اہم ابواب کے علاوہ قرآن اپنے ماننے والوں کے لئے بعض دوسرے اہم مقاصد کی تکمیل کو لازم قرار دیتا ہے۔ زندگی میں خدا و رسولؐ کی صحیح پیروی کا حق ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل کا سامان کیا جائے۔ اور اس متوازن اور ہم آہنگ لائحہ عمل کو لازم پکڑا جائے جو زندگی کی انفرادی نوعیت کی اعمال کی بجاآوری کے ساتھ دوسرے اجتماعی مقاصد کو بھی کسی صورت نظر انداز نہ ہونے دے۔

حق وانصاف کی علم برداری

اس سلسلے کی اہم ترین چیز جو ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ قرآن اپنے ماننے والوں کو پورے روئے زمین پر حق وانصاف کا علم بردار بنا کر پیش کرتا ہے۔ مسلمان امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی تحدید و تخصیص کے بغیر زندگی کے تمام دائروں میں عدل وقسط کی آبیاری کا سامان کرے۔ ظاہر ہے کہ اس کے اندر نجی اور انفرادی معاملات کے ساتھ زندگی کے اہم ترین معاملات و مسائل بھی اسی طرح شامل ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کا یہ فرمان علی الاطلاق ہے۔ جس کے اندر انفرادی و اجتماعی کی کوئی تخصیص نہیں ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو حق وانصاف
قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ	کے لئے اٹھ کھڑے ہونے والے بنو۔
لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ	اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے۔ خواہ یہ
اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ۔	(گواہی) تمہارے اپنے اوپر یا ماں باپ
(نساء : ۱۳۵)	اور رشتہ داروں کے ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو۔

اس آیتِ کریمہ میں اہلِ ایمان کو صرف حق وانصاف پر عمل پیرا ہونے کی بات نہیں کہی گئی ہے بلکہ انھیں ان اعلیٰ قدروں کا علم بردار بننے کا حکم دیا گیا ہے۔ انھیں زندگی کے جملہ معاملات میں خدا واسطے گواہ بننا چاہئے اور اس سلسلے میں کسی قسم کے انحراف اور جانب داری کو

راہ نہ دینی چاہئے۔ اس صورت میں کسی شخص کے حق وانصاف کے لئے کھڑا ہونے کا مطلب ہے کہ وہ خدا واسطے اٹھ کھڑا ہو اور جملہ معاملاتِ زندگی میں اس کے بے لاگ حق کے گواہ ہونے کی حیثیت مسلم ہو جائے۔ جس کے نتیجے میں وہ صرف دوستوں ہی نہیں بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی اسی طرح حق وانصاف کے تقاضوں کی رعایت کے لئے مجبور ہو جائے۔ سورۃ مائدہ جو قرآن میں عہد و پیمان کی اہم ترین سورہ ہے، میں اہلِ ایمان کو تاکید کی گئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ (مائدہ: ۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لئے اٹھ کھڑے ہونے والے بنو حق وانصاف کی گواہی دیتے ہوئے۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس کا قصور وار نہ بننے دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ عدل وانصاف سے کام لو یہی خوفِ خدا سے زیادہ قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈر کر رہو۔ ضرور اللہ کو پورا پتہ ہے اس کا جو تم کرتے ہو۔

جب کہ دوسرے موقع پر امتِ مسلمہ کا مقصدِ وجود ہی یہ قرار دیا کہ:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ (بقرہ: ۱۴۳)

اسی طرح ہم نے تم کو بیچ کی امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر (حق وانصاف) کی گواہی دینے والے بنو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

جیسا کہ گزر چکا ہے اسلام کو انسانی زندگی میں حق وانصاف کی یہ آبیاری اس قدر عزیز ہے کہ وہ اسے بعثتِ انبیاء کے اہم مقاصد سے قرار دیتا ہے۔ اور محض وعظ وتلقین پر اکتفا نہ کر کے وہ اس کے لئے قوت کے استعمال کو لازم قرار دیتا ہے۔ رسولوں کے ساتھ مل کر جو لوگ اس راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں سے نبرد آزما ہوں۔ یہی لوگ خدا کے سچے اور وفادار ہیں:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا

ضرور ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا کھلی ہوئی نشانیاں دے کر اور ان کے ساتھ ہم نے

Marfat.com

مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ (حدید : ۲۵)

کتاب اور میزان (عدل) اتاری تاکہ لوگ حق وانصاف پر قائم رہیں اور (ساتھ ہی) ہم نے لوہا اتارا جس کے اندر سخت (جنگی) قوت اور لوگوں کے لئے طرح طرح کے فائدے کے سامان ہیں (اللہ نے ایسا اس لئے کیا ہے) تاکہ وہ (لوگوں کو آزمائے) اور دیکھے کہ کون ہیں جو اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں رہ کر مدد کرتے ہیں۔ ضرور اللہ بڑا قوت والا، غلبہ والا ہے۔

امانتوں کا لحاظ

اسی طرح کی ایک ذمہ داری قرآن اپنے ماننے والوں کی یہ قرار دیتا ہے کہ انھیں زندگی کے تمام معاملات میں امانتوں کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیئے۔ جس کا اہم ترین مظاہرہ ہے کہ اگر وہ عدالت کی کرسی پر ہوں یا معاملات ان کے اختیار میں ہوں تو وہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف سے کام لیں:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ (نساء : ۵۸)

ضرور اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ (عہدو منصب کی) امانتوں (Positions of Trust) کو حوالے کرو ان کے اہل لوگوں کو اور یہ کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ ضرور کیا ہی بہترین بات ہے جس کی اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے۔

روایتوں کے اندر اس آیت کریمہ کا ایک خاص پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا

Marfat.com

کہ عام اور معروف قاعدہ ہے اس طرح کی روایتیں آیت کے کسی ایک موقع ومحل کی نشاندہی کرتی ہیں، آیت کا کل مصداق اور اس کا کامل مدلول نہیں ہوتیں۔ شاید یہی وجہ ہے جو امام رازیؒ نے آیت پر گفتگو کرتے ہوئے تمہید ہی میں یہ بات واضح کردی ہے کہ:

امر المؤمنین فی هٰذه	اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں
الایه باداء الامانات فی جمیع	کو حکم دیا ہے کہ وہ جملہ معاملاتِ زندگی
الامور سواء کانت تلك الامور	کے سلسلے میں امانتوں کی حوالگی کا اہتمام
من باب المذاهب و	کریں، خواہ یہ معاملات دین و مذہب
الدیانات او من باب	کی باتوں سے تعلق رکھنے والے ہوں یا
الدنیا والمعاملات۔ [1]	دنیا اور اس کے امور و مسائل سے۔

آگے فتحِ مکہ کے وقت عثمان بن طلحہ متولیٔ کعبہ کو اس کی کنجی حوالے کیے جانے کے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اعلم ان نزول هٰذه الایة	جاننا چاہیے کہ اس آیت کا نزول اس
عند هذه القصة لا یوجب	واقعے کے وقت اس بات کو مستلزم نہیں
کونها مخصوصة بهٰذه	ہے کہ یہ چیز اسی واقعہ کے ساتھ خاص
القصه بل یدخل فیه جمیع	ہو۔ بلکہ اس کے اندر ہر نوع اور تمام طرح
انواع الامانة [2]	کی امانتیں شامل ہیں۔

اس آیت پر بحث کرتے ہوئے دوسرے مفسرین کرام نے بھی بعینہٖ یہی بات کہی ہے۔[3]

آیت میں مذکورہ امانت پر امام رازیؒ نے بڑی سیر حاصل گفتگو کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح اس کا مدلول زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام معاملات کو حاوی ہے۔ ہم یہ پوری بحث انہی کے لفظوں میں نقل کرتے ہیں:

---

[1] مفاتیح الغیب: ۳/۲۴۶۔ [2] حوالۂ سابق/ ۲۴۷۔

[3] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو، جامع البیان: ۵/۸۶، تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۱۶ اور تفسیر الجلالین/ ۱۱۱۔ طبع جدید۔

Marfat.com

واعلم ان معاملة
الانسان اما ان تكون مع
ربه او مع سائر العباد
او مع نفسه ولا بد من
رعاية الامانة فی جميع هذه
الاقسام الثلثة (اما رعاية
الامانة مع الرب) فهی فی فعل
المأمورات وترك المنهيات
وهذا بحر لا ساحل له۔ قال
ابن مسعودؓ الامانة فی کل
شئ لازمة فی الوضوء فی الجنابة
والصلوٰة والزکوٰة والصوم
وقال ابن عمر رضی اللہ
عنهما ان اللہ تعالیٰ
خلق فرج الانسان وقال
هذا امانة خبأتها عندك
فاحفظها الا بحقها واعلم
ان هذا باب واسع
فامانة اللسان ان لا يستعمله
فی الكذب والغيبة والنميمة
والكفر والبدعة والفحش
وغيرها وامانة العين ان لا
يستعملها فی النظر الی الحرام

جاننا چاہیئے کہ انسان کا معاملہ یا تو اپنے
رب سے ہوگا، یا بندگانِ خدا سے ہوگا
یا اپنی ذات سے ہوگا۔ اور ضروری ہے
کہ ان تینوں ہی دائروں میں امانت کا
پاس ولحاظ رکھا جائے۔ (جہاں تک رب
کے ساتھ امانت کے پاس ولحاظ رکھنے
کا سوال ہے) تو اس کا تعلق جملہ اوامر
کی انجام دہی اور نواہی سے اجتناب سے
ہے۔ اور یہ وہ سمندر ہے جو ساحل ناآشنا
ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں
کہ امانت کا لحاظ کرنا ہر چیز میں ضروری
ہے۔ وضو میں، جنابت میں، نماز میں،
زکوٰۃ میں، روزہ میں وغیرہ وغیرہ۔ اسی
طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے انسان کی شرمگاہ کو پیدا
کیا تو فرمایا کہ یہ امانت ہے جسے میں نے تمہارے
پاس چھپا کر رکھا ہے تو تم اس کی پوری پوری
نگہداشت رکھو۔ ناحق صورت میں اس کی
مہر کبھی نہ کھلے۔ اور جاننا چاہیئے کہ یہ ایک
بڑا وسیع باب ہے۔ پس زبان کی امانت یہ
ہے کہ آدمی اسے جھوٹ، غیبت، چغل خوری،
کفر و فسق، بدعت، فحش گوئی و فحش کلامی
وغیرہ کسی چیز میں استعمال نہ کرے۔ اسی

Marfat.com

وامانة السمع ان لا يستعمله فی سماع الملاهی والمناهی وسماع الفحش والاکاذیب وغیرها وکذا القول فی جمیع الاعضاء (وامّا القسم الثانی) وهو رعایة الامانة مع سائر الخلق فیدخل فیه رد الودائع ویدخل فیه ترک التطفیف فی الکیل والمیزان ویدخل فیه ان لا یفشی علی الناس عیوبهم ویدخل فیه عدل الامراء مع رعیتهم وعدل العلماء مع العوام بان لا یحملهم علی التعصبات الباطلة بل یرشدونهم الی اعتقادات واعمال تنفعهم فی دنیاهم

طرح آنکھ کی امانت ہے کہ اسے کسی حرام چیز کے دیکھنے میں استعمال نہ کرے۔ کان کی امانت یہ ہے کہ اسے لہو ولعب کی چیزوں، ممنوعات، فحش اور بے سروپا باتوں کے سننے میں استعمال نہ کرے۔ یہی بات دوسرے تمام اعضاء کے سلسلے میں بھی صادق آتی ہے۔ (رہا دوسرا دائرہ) یعنی خلق خدا کے ساتھ امانت کا پاس ولحاظ تو اس کے اندر امانت رکھی ہوئی چیزوں کی واپسی شامل ہے۔ اسی طرح اس کے اندر ناپ تول کی کمی کو چھوڑنا شامل ہے۔ نیز اسی میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ لوگوں کے سامنے ان کی عیوب کی پردہ دری نہ کرے۔ حکومت کے ذمہ دار رعایا کے ساتھ عدل وانصاف سے کام لیں، علماء عوام کے ساتھ عدل وانصاف کی روش پر عمل پیرا ہوں اس طور پر کہ انھیں غلط اور بے جا تعصبات پر آمادہ نہ کریں بلکہ ان کی ان عقائد واعمال کی طرف رہنمائی کریں جو دنیا وآخرت ہر جگہ انھیں فائدہ پہنچانے والے ہوں، یہ سب چیزیں بھی اسی کے اندر شامل ہیں۔ پھر اسی میں شامل ہے کہ یہود کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے (نبوت

و اخرا هم ويدخل فيه
نهى اليهود عن كتمان امر
محمد صلى الله عليه وسلم و
نهيهم عن قولهم للكفار ان
ما انتم عليه افضل من دين محمد
صلى الله عليه وسلم ويدخل
فيه امر الرسول عليه الصلوٰة
والسلام برد المفتاح الى عثمان
بن طلحة ويدخل فيه امانة
الزوجة للزوج فى حفظ فرجها
وان لا تلحق بالزوج ولدا
يولد من غيره وفى
اخبارها عن انقضاء
عدتها (واما القسم الثالث)
وهو امانة الانسان
مع نفسه فهو ان لا
يختار لنفسه الا ما هو
الانفع والاصلح له
فى الدين والدنيا
وان لا يقدم بسبب
الشهوة والغضب على
ما يضره فى الاخرة
ولهذا قال عليه

کے) معاملہ کو چھپانے سے منع کیا جائے
نیز انھیں کفار کی بابت یہ کہنے سے منع
کیا جائے کہ تم جس طریقے پر ہو وہ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے افضل ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خانۂ کعبہ
کی) کنجی کو عثمان بن طلحہؓ کو واپس کرنے کا
حکم دیا یہ بھی اسی میں شامل ہے۔ بیوی
کے پاس شوہر کی جو امانت ہے کہ وہ اپنی
شرمگاہ کی حفاظت کرے اور شوہر سے کسی ایسے
لڑکے کو منسوب نہ کرے جو کسی اور کے نطفہ
سے ہو۔ اسی طرح (طلاق کی صورت میں)
اپنی عدت کی مدت کے ختم ہو جانے کا ٹھیک
ٹھیک پتہ دے، یہ سب باتیں بھی اسی
کے اندر شامل ہیں۔ (رہا تیسرا دائرہ) اور
وہ ہے انسان کا اپنی ذات کے ساتھ
امانت کی روش پر عمل پیرا ہونا ہو تو اس
کا مطلب ہے کہ وہ اپنی ذات کے لئے
اسی چیز کا انتخاب کرے جو دین و دنیا ہر
ایک کے لحاظ سے اس کے لئے زیادہ
سے زیادہ نفع مند اور مناسب حال ہو۔
اور شہوت اور غصہ سے مغلوب ہو کر کوئی
ایسا اقدام نہ کرے جو اسے آخرت میں
نقصان پہنچانے والا ہو۔ اسی لئے رسولِ

الصلوٰۃ والسلام کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ فقولہ "یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلیٰ أَهْلِهَا" یدخل فیہ الکل وقد عظم اللہ امر الامانۃ فی مواضع کثیرۃ من کتابہ فقال "إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَیْنَ أَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ" وقال "وَالَّذِیْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ" وقال "لَا تَخُوْنُوْا أَمَانَاتِکُمْ" وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا ایمان لمن لا امانۃ لہ وقال میمون بن مہران ثلاثۃ یؤدین الی البر والفاجر الامانۃ

خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں ہر کوئی چرواہا ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے گلے کی بابت باز پرس ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کا قول کہ "اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کے سپرد کرو" اس کے اندر یہ تمام ہی باتیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں دوسرے بہت سے مواقع پر امانت کے معاملہ کو بہت بڑھا کر پیش کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ "ضرور ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈری رہیں۔ البتہ انسان نے اسے اٹھالیا" نیز فرمایا "اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس و لحاظ رکھنے والے ہیں" مزید ارشاد ہوا: "(اے لوگو جو ایمان لائے ہو) اپنی امانتوں میں خیانت کا ارتکاب مت کرو"۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس شخص کا کچھ ایمان نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں"۔ میمون بن مہران (صحابیؓ) کا کہنا ہے کہ تین چیزیں ہیں جو نیک اور بد ہر ایک کے حوالے کی جائیں گی

Marfat.com

والعهد وصلة الرحم ۔[1] امانت، عہد و پیمان اور رشتہ کا حق۔

امارت وخلافت کا قیام

زندگی میں امانتوں کے لحاظ کے اس وسیع تصور کا لازمی تقاضا ہے کہ اس کے علم برداروں کے ہاں امارت وخلافت کا نظام قائم ہو۔ اس لئے کہ اس کے بغیر بے لاگ طریقے پر امانتوں کی ادائیگی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ انفرادی دائرے کی امانتوں کی ادائیگی اگر اس کے بغیر ہو بھی جائے تو اجتماعی دائروں کی امانتوں کی ادائیگی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ معاشرے کے اندر ہر آدمی کو اس کا لازمی حق مل جائے یہ چیز ناگزیر طور پر اپنے لئے حکومت واقتدار کی قوت کا مطالبہ کرتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے جو آگلی آیت میں خدا و رسول کی اطاعت کے ساتھ اہلِ ایمان کو اپنے اصحاب امر (اولوالامر) کی اطاعت کا حکم فرمایا جس سے صاف طور پر اس امت کے لئے نصب امامت کا وجوب ثابت ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي	کی اور رسول کی اور اپنے میں سے اصحاب
الْأَمْرِ مِنكُمْ۔ (نساء: ۵۹)	امر کی۔

بہت سے اربابِ تفسیر نے آیت میں مذکور "اولوالامر" سے مراد اہلِ علم اور علماء وفقہاء لئے ہیں۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد امراء اور اربابِ اقتدار ہیں۔ علامہ ابن جریر طبریؒ نے اسی تاویل کو راجح قرار دیا ہے:

واولی الاقوال فی ذٰلك	اس سلسلے میں سب سے زیادہ باوزن
بالصواب قول من	اور درست بات انھیں لوگوں کی ہے جو
قال هم الامراء	کہتے ہیں کہ ان سے (اولوالامر سے) مراد
والولاة۔ [2]	امراء اور ولاۃ (ارباب اختیار واقتدار) ہیں۔

---

[1] مفاتیح الغیب: ۳/ ۲۴۷۔ [2] جامع البیان: ۵/ ۸۹۔ صاحب جلالین نے (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

Marfat.com

اس کی تائید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان بے شمار روایات سے ہوتی ہے جن میں آپؐ نے امیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی، اسی طرح امارت و خلافت کے نظام سے خالی شخص کی موت کو "جاہلیت کی موت" قرار دیا ہے۔[1]

قرآن و سنت کی ان تعلیمات کا تقاضا ہے کہ مسلمان امت کے اندر ہر زمانے اور تمام حالات میں امارت و خلافت کا نظام قائم ہو۔ اور کسی نہ کسی نوعیت کے حکومت و سیاست کے نظام سے وہ کسی حال میں خالی نہ رہے۔ چنانچہ فقہ ہو کہ کلام ہر جگہ علماء نے اس کی صراحت کی ہے۔ امت کے دنیا و آخرت کے بے شمار مصالح اور مفادات ہیں جن کا تحفظ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اس کے اندر امامت و خلافت کا نظام قائم ہو۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ بلکہ اسے اسلامی عقائد کی ایک اہم ترین دفعہ قرار دیا گیا ہے۔ عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے:

والمسلمون لابد لهم من	اور ناگزیر ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک امام
امام یقوم بتنفیذ احکامهم	اور والی ہو جو ان کے لیے احکام کا نفاذ عمل
واقامة حدودهم وسد	میں لائے، ان کے درمیان حدود اللہ کو
ثغورهم واخذ صدقاتهم	قائم کرے، ان کی سرحدوں کی حفاظت کرے
وقهر المتغلبة والمتلصصة	اور ان کے لشکروں کی روانگی کا اہتمام کرے۔
وقطاع الطریق واقامة	ان کے صدقات و زکوٰۃ کی وصولیابی کرے۔ اور
الجمع والاعیاد وقطع	سرکشوں، چوروں اور ڈاکوؤں کی سرکوبی کرے
المنازعات الواقعة بین	اور جمعوں اور عیدوں کو قائم کرے اور لوگوں کے
العباد وقبول الشهادات	درمیان جو جھگڑے کھڑے ہوں ان کا فیصلہ کرے
القائمة علی الحقوق وتزویج	اور گواہیوں کو قبول کرے جن سے کہ (لوگوں کے)
الصغار والصغائر الذین	حقوق ثابت ہوتے ہوں۔ نیز ان کمسن لڑکوں

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) بھی "اولوالامر" کی یہی تفسیر کی ہے۔ تفسیر الجلالین: ۱۱۱ -

[1] ان روایات کے لیے ملاحظہ کیجیے تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۱۷-۵۱۸ بحوالہ بخاری و مسلم

Marfat.com

لا اولیاء لہم وقسمۃ الغنائم[1]

اور لڑکیوں کی شادی کرے جن کا کوئی ولی نہ ہو اور اموال غنیمت کی منصفانہ تقسیم کا انتظام کرے۔

مسلمان اکثریت میں ہوں لیکن کسی وجہ سے ان پر کفار و مشرکین کا غلبہ ہو جائے یا وہ اقلیت میں ہو کر مستقل طور پر اغیار کی محکومی و ماتحتی میں زندگی بسر کر رہے ہوں، جیسا کہ آج دنیا کے بہت سے ملکوں کا معاملہ ہے، تو اس صورت میں بھی محدود مقاصد کے لیے سہی مسلمانوں کے لیے اپنے لیے امام اور والی کا تقرر کرنا لازم ہے جیسا کہ فقہ حنفی کے اہم ترین مرجع 'درمختار' میں صراحت ہے:

ولو فقد وال لغلبۃ الکفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعۃ[2]

اور اگر کفار کے غلبہ و تسلط کے باعث کوئی حاکم نہ رہ جائے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ (اپنے لیے) کوئی حاکم اور جمعہ کے لیے کسی امام کی تقرری عمل میں لائیں۔

جس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی کہتے ہیں:

واما بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیہم أن یلتمسوا والیا منہم[3]

رہے وہ علاقے جہاں کافر حکمرانوں کا قبضہ ہو تو وہاں مسلمانوں کے لیے (اپنے طور پر) جمعوں اور عیدوں کا قائم کرنا جائز ہوگا اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی قاضی قرار پا جائیگا۔ ایسے میں ان کے لیے واجب ہوگا کہ وہ اپنے میں سے کسی حاکم کی تلاش کریں۔

مزید فرماتے ہیں:

واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ہو فی بعض

البتہ جب کوئی بادشاہ یا خلیفہ (سلطان) یا کوئی دوسرا (ذمہ دار) نہ ہو جس کی طرف سے

---

[1] شرح العقائد النسفیہ / ۱۱۰ - کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔

[2] درالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۴/ ۴۲۷ - مطبعہ عثمانیہ، مصر ۱۳۲۷ھ

[3] ردالمحتار مع الدرالمختار، حوالہ سابق

Marfat.com

بلاد المسلمين كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على وامر منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا و يكون هو الذى يقضى بينهم وكذا ينصبوا اماما يصلى بهم الجمعة[1]

مناصب کا تفویض کیا جانا جائز ہو جیسا کہ مسلمانوں کے بعض علاقوں میں اس وقت ہے جیسے کہ قرطبہ تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں جسے وہ اپنا حاکم قرار دے لیں چنانچہ وہ ان کے لیے قاضی مقرر کرے اور یہی (قاضی) ہوگا جو ان کے درمیان تمام معاملات کا فیصلہ کرے گا۔ اسی طرح ان کے اوپر واجب ہوگا کہ وہ (اپنے لیے) ایک امام مقرر کریں جو انھیں جمعہ کی نماز پڑھائے

اور آخر میں اسی رائے کو سب سے زیادہ پسندیدہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

وهذا هو الذى تطمئن النفس اليه فيعتمد[2]

یہی بات ہے جس پر دل ٹکتا ہے چنانچہ اسی پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔

قرآن وسنت کے دوسرے بہت سے نصوص سے بھی علماء امت نے اس امت کے اندر ہر زمانے میں تمام حالات میں امامت وخلافت کے وجوب کو ثابت کیا ہے۔[3]

عُلماء امّت کی تصریحات در بابِ شریعت و مقاصدِ شریعت

دین میں، رجوع الی اللہ، ذکر و دعاء، توبہ و استغفار، استحضار آخرت، حسنِ سلوک اور خدمتِ خلق وغیرہ انفرادی نوعیت کی حامل دفعات کی مسلمہ اہمیت کے اعتراف کے ساتھ، اس کے اجتماعی ابواب کی اس جھلک کا صاف تقاضا ہے کہ اسلام کے مطلوب و مقصود کو یکساں طور پر دنیا و آخرت تک حاوی قرار دیا جائے۔ اور اسلام کے مقاصد کے بیان میں کسی افراط و تفریط و بے احتیاطی و بے اعتدالی کو روا نہ رکھتے ہوئے زندگی کے جملہ امور و مسائل اور معاش و معاد کے ہمہ جہتی فوائد و منافع کو اس کے اندر شامل رکھا جائے۔ موجودہ دور میں محدود تصور مذہب کے دھواں دھار پروپیگنڈے کے شور و غوغا میں ہو سکتا ہے آج کانوں کے لئے یہ چیز کچھ اجنبی اور نامانوس ہو ورنہ علمائے امت نے شریعتِ اسلامی کو ہمیشہ سے اسی وسعت اور عموم کا حامل قرار دیا ہے۔ شریعت کے مطلوب و مقصود کے بیان میں علامہ ابن قیمؒ کے یہ الفاظ سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

---

[1] حوالۂ مذکور [2] حوالہ سابق [3] اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ہمارے مقالے "مسلمان اقلیتوں کا مطلوبہ کردار" میں "اتحاد و اجتماعیت کی تعلیم اور 'نصب امامت کا وجوب' کی بحث"، مطبوعہ زندگی نو، نئی دہلی جون ۱۹۸۶ء تا جنوری ۱۹۸۷ء

Marfat.com

فان الشريعة منبعها واساسها على الحكم والمصالح فى المعاش والمعاد، وهى عدل كلها، ورحمة كلها، ومصالح كلها، وحكمة كلها۔ [1]

اس لئے کہ شریعت کا اصل الاصول اور اس کی بنیاد ہی حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے جن کا تعلق دنیا و آخرت (معاش و معاد) ہر ایک سے ہے۔ اور اس کے تمام قوانین سراپا عدل، یکسر رحمت، یکسر مصلحت اور یکسر حکمت ہیں۔

مزید فرماتے ہیں:

فالشريعة التى بعث الله بها رسوله هى عمود العالم وقطب الفلاح والسعادة فى الدنيا والاخرة۔ [2]

پس شریعت جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے (اپنے آخری) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے، اس عالم آب و گل کا مرکزی نقطہ ہے۔ اور دنیا و آخرت ہر ایک کی نسبت سے انسان کی فلاح و سعادت اور خوش بختی و کامرانی اسی ایک کھونٹے سے بندھی ہوئی ہے۔

علمائے اصول کے سرخیل امام شاطبی غرناطیؒ بھی شریعت کا مقصود علی الاطلاق بندوں کے مصالح کا تحفظ قرار دیتے ہیں۔ یہی وہ محور ہے جس کے گرد اس کے احکام کا تمام نظام گردش کرتا ہے:

وذلك ان المعلوم من الشريعة انها شرعت لمصالح العباد، فالتكليف كله اما لدرء مفسدة واما لجلب مصلحة او لهما معًا۔ [3]

یہ اس لئے ہے کہ شریعت کی نسبت سے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ بندوں کی ہمہ جہتی مصالح کے لئے وضع کی گئی ہے۔ پس اس کا جو کوئی حکم ہے یا تو وہ کسی مصلحت کے حصول کے لئے ہے یا کسی برائی (مفسدہ) کے دفع کرنے کے لئے ہے۔ ورنہ پھر دونوں ہی باتیں اس کے اندر شامل ہوتی ہیں۔

---

[1] اعلام الموقعین: ۳/۳۔ طبع دار الجیل بیروت، [2] حوالۂ سابق۔
[3] الموافقات فی اصول الشریعۃ: ۱/ ۱۹۹۔

Marfat.com

دوسرے مقام پر شریعت کے مختلف احکام کے حوالے سے علامہ موصوف نے یہی بات کہی ہے:

ان القاعدة المقررة	جو بات طے ہے وہ یہ کہ شریعت کے تمام
ان الشرائع انما	احکام بندوں کی ہمہ جہتی مصالح کے لئے
جیء بها لمصالح	آئے ہیں۔ پس اگر کسی بات کا حکم دیا گیا
العباد۔ فالامر	ہے، کسی بات سے منع کیا گیا ہے یا کسی
والنهی والتخییر	بات کا اختیار دیا گیا ہے تو یہ تمام ہی باتیں
جمیعا راجعة	انسان (مکلف) کی غرض اور اس کے
الی حظ المکلف	فائدے اور مصالح کے لئے ہیں۔ اس
ومصالحه، لان	لئے کہ اللہ تعالیٰ احتیاجات و مفادات
الله غنی عن الحظوظ	(حظوظ) سے بے نیاز اور اس کی ہستی
ومنزه عن الاغراض۔[1]	اغراض و منافع سے پاک اور منزہ ہے۔

عقائد میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی بتایا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے پاس ان کے لئے دین و دنیا کے جملہ امور کی وضاحت کے لئے آتے ہیں[2] جب کہ عام انسانوں کی عقل اپنے تئیں دنیا و آخرت کے مصالح کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے[3]۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جیسا کہ اشارہ کیا گیا شریعت کے ان ہمہ جہتی مقاصد کا صریح تقاضا ہے کہ اسے حکومت و اقتدار کی قوت حاصل ہو۔ اس لئے کہ اس کے بغیر وہ معاشرے میں اپنے مقاصد کی آبیاری اور انھیں روبکار لانے کا سامان نہیں کر سکتی۔ اگر یہ درست ہے کہ آخرت کے ساتھ

---

[1] الموافقات: ۱/۱۴۸۔ [2] شرح العقائد النسفیہ /۹۸۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی (بدون سنہ) [3] حوالۂ سابق /۹۷۔

Marfat.com

اس دنیا کے واقعی اور حقیقی مفادات کے حصول کی ایک ہی ضمانت ہے کہ زندگی کے تمام دائروں میں آخری اسلامی شریعت کو دانتوں سے پکڑا جائے، جس سے ہٹ کر اور جس سے بے نیاز ہو کر ان مصالح و مقاصد کے تحفظ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ تو اس کا لازمی اور صریحی تقاضا ہے کہ اس شریعت کو حکومت و اقتدار کی طاقت حاصل ہو۔ جس کی بدولت وہ انسانی معاشرہ میں اپنے فیصلوں کو روبہ عمل لائے اور اس سلسلے میں اسے کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہ رہے اگر سیاست دنیا میں عدل و انصاف کی حکمرانی کا چلن چاہتی ہے تو اس کے لئے اس دین کو اپنائے بغیر چارہ نہیں۔ جس طرح کہ یہ دین اپنے ہمہ جہت مقاصد کے حصول کے لئے سیاست کے ادارے کا حاجت مند ہے۔

دین و سیاست کے اس باہمی ناگزیر رشتے کو حافظ ابن قیمؒ نے بدیں الفاظ واضح کیا ہے:

ومن لہ ذوق فی	اور جو کوئی بھی شریعت کا ذوق آشنا
الشریعۃ واطلاع	ہے اور اسے اس کے امتیازات اور خوبیوں
علی کمالہا وتمامہا	کا پتہ ہے نیز وہ جانتا ہے کہ یہ دنیا و
انہا نہایۃ مصالح	آخرت (معاش و معاد) ہر ایک کی
العباد فی المعاش	نسبت سے بندوں کے ہمہ جہتی مصالح
والمعاد ومجیئہا	کی غرض سے آئی ہے اور وہ عدل و
بغایۃ العدل	انصاف کا نقطۂ کمال لے کر آئی ہے
الذی یفصل	جس کے ذریعہ وہ بے لاگ طریقے پر
بین الخلائق	خلق خدا کے درمیان اپنے فیصلے صادر
وانہ لا عدل	کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر عدل و
فوق عدلہا	انصاف کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ نہ جو
ولا مصلحۃ فوق	مصلحتیں اس کے احکام میں مضمر ہیں
ما تضمنہ من	اس سے بڑھ کر کوئی مصلحت ہو سکتی ہے
المصالح وعرف	جس شخص کو اس بات کا پتہ ہوگا وہ جان

Marfat.com

ان السياسة العادلة
جزء من اجزائها
و فرع من
فروعها و ان
من له معرفة
بمقاصدها و
مواضعها وحسن
فهمه فيها لم
يحتج معها الى
سياسة غيرها
البتة - [1]

لے گا کہ عدل وانصاف کی علَم بردار
سیاست (سیاستِ عادلہ) بھی اسی کا
ایک ناگزیر جزء اور اس کا ایک اہم ترین
حصہ ہے۔ اسی طرح جس کسی کو اس کے
مقاصد سے واقفیت ہو گی اور وہ انھیں
ٹھیک ان کی جگہوں پر رکھ کر دیکھ سکے گا
اور انھیں ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور ان کی
گہرائی تک اترنے کا حق ادا کر سکے گا۔ تو
اس کے بعد اسے کسی دوسری سیاست
کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہے گی۔
اور وہ ہرگز کسی دوسری سمت نظر اٹھا کر
نہیں دیکھے گا۔

جب کہ ان سے پہلے ان کے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ صاف آگاہی دے گئے ہیں کہ دین سیاست سے جدا ہوا نہیں کہ فتنہ و فساد کے دروازے کا کھل جانا یقینی ہے:

فاذا كان المقصود بالسلطان
والمال هو القرب الى
الله وانفاق ذلك فى سبيله
كان ذلك صلاح الدين
والدنيا، وان انفرد
السلطان عن الدين
او الدين عن السلطان

پس جب اقتدار اور مال کا مقصد اللہ کی
قربت اور اسے اس کے راستے میں لگانا ہو تو یہ دین
اور دنیا ہر ایک کی بہتری کا پیش خیمہ
ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ اقتدار دین سے جدا
ہو جائے یا دین کا اقتدار سے رشتہ باقی نہ
رہے تو پھر لوگوں کے معاملات خراب
ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔ (بلکہ دن بدن

---

[1] الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ / ۴، ۵۔

Marfat.com

فسدت احوال الناس [1] حالت بد سے بدتر ہوتی جائے گی)۔

دین کا غلبہ و نفاذ

شریعت اسلامی کے ان ہمہ جہت مقاصد کا دوسرا صریحی تقاضا ہے کہ کسی خاص گروہ یا طبقے تک محدود نہ ہو کر اس کا فیض پوری دنیائے انسانیت تک وسیع ہو۔ یہی وجہ ہے جو قرآن میں یہ خدائی اعلان ہمیں ایک سے زائد بار سننے کو ملتا ہے کہ دنیا کے تمام کافروں اور مشرکوں کی مرضی کے علی الرغم اس دین کو جملہ ادیان و مذاہب اور تمام نظامہائے زندگی پر بہمہ وجوہ غلبہ و استیلاء نصیب ہو کر رہے گا:

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ، هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔

(توبہ: ۳۲-۳۳)

اہل کتاب یہود و نصاریٰ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ (کے دین) کی روشنی کو بجھا دیں اپنے منہ کی پھونکوں سے۔ جب کہ اللہ کو اس کے سوا ہر بات سے انکار ہے کہ وہ اپنے (دین کی) روشنی کو پورا کر کے رہے گا۔ خواہ یہ چیز کافروں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ وہ اسے جملہ ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی پر غالب کر دے۔ خواہ یہ چیز مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ

اسلام کے دشمن چاہتے ہیں کہ اللہ کے (دین کی) روشنی کو بجھا دیں اپنے منہ کی

---

[1] السیاسۃ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیۃ/۱۶۶۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ، هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (صف: ٨-٩)

پھونکوں سے۔ حالانکہ اللہ اپنے (دین کی روشنی کو ضرور پورا کر کے رہے گا خواہ یہ چیز کافروں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ اسے جملہ ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی پر غالب کر دے۔ خواہ یہ چیز مشرکوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا (فتح: ٢٨)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ اسے جملہ ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی پر غالب کر دے۔ اور (یہ چیز ہو کر رہے گی اس پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔

آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر نے صراحت کی ہے کہ اس دین کا غلبہ واستیلاء دنیا کے دوسرے تمام ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی اور پورے خطۂ ارضی اور کافر و مسلم تمام طبقات کے لئے ہے:

(لیظهره علی الدین کله) ای علی جمیع اهل الادیان من سائر اهل الارض من عرب و عجم و مسلمین و مشرکین۔ [1]

(تاکہ اسے غالب کر دے پوری جنس دین پر) یعنی تمام ادیان و مذاہب اور نظامہائے زندگی کے پرستاروں پر خواہ ان کا تعلق زمین کے کسی خطہ سے ہو اور وہ کسی نسل اور طبقے سے تعلق رکھنے والے ہوں، عرب ہوں کہ عجم، مسلمان ہوں کہ مشرک ہوں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ٤/٢٠٣۔

جہاد و قتال

جس کے حصول کی بس ایک ہی صورت ہے کہ یہ امت اس دین اور اس کے جملہ تقاضوں پر کما حقہٗ عمل کرنے کے ساتھ پوری دنیا پر اس کے غلبہ و نفاذ کے لئے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دے۔ حق کی جویا اور سلیم الفطرت طبائع کے لئے وہ دعوت و تبلیغ اور وعظ و تلقین کے ذریعہ اس دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرے۔ اور شر پسند اور کج مزاج لوگوں کو بزور شمشیر راستے سے ہٹا دے تاکہ وہ اپنے طور پر جیسے چاہیں شرک و بت پرستی اور دہریت و الحاد کی آلودگی میں گرے رہیں لیکن دوسرے بندگان خدا کو انھیں اس کھڈ میں گرانے کا کوئی موقع نہ رہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ (بقرہ: ۱۹۳)

اور دین کے دشمنوں سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ دین سے ہٹانے اور اس کے سبب ظلم کرنے اور ستانے (فتنہ) کا کوئی موقع نہ رہے۔ اور اطاعت (خالص) اللہ کے لئے ہو جائے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ (انفال: ۳۹)

اور دین کے دشمنوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ دین سے ہٹانے اور اس کے سبب ظلم کرنے اور ستانے (فتنہ) کا کوئی موقع نہ رہے۔ اور اطاعت پوری کی پوری (صرف) اللہ کے لئے ہو جائے۔

آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام رازیؒ نے صراحت کی ہے کہ اس حکم کا تعلق صرف دورِ اول کے مسلمانوں اور جزیرہ عرب سے ہی نہیں ہے۔ بعد کے ادوار اور زمانوں کے لئے بھی اس کا اطلاق اسی طرح عام ہے۔ مسلمان اُمت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اقصائے عالم سے کفر و شرک کا خاتمہ عمل میں لائے۔ ورنہ کم از کم اس جدوجہد میں لگی رہے تا آنکہ بعد کے مراحل میں بحکمِ ایزدی اس کا سامان ہو سکے۔[1]

وَآخر دعوانا ان الحمد للّٰه ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله محمد وعلىٰ اٰله وصحبه اجمعين صلاة وسلاما دائما كثيرا الىٰ يوم الدين۔ اٰمين

---

[1] مفاتیح الغیب: ۴/۳۸۱۔

Marfat.com

مآخذ و مصادر

(عربی)

۱ــــ قرآن حکیم

۲ــــ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری م: ۳۱۰ھ جامع البیان فی تفسیر القرآن، مطبعہ میمنہ، مصر، مطبعہ کبریٰ امیریہ، بولاق، مصر ۱۳۲۹ھ۔

۳ــــ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری م: ۵۳۸ھ الکشاف عن حقائق التنزیل، مطبعہ عیسیٰ کلکتہ ۱۲۷۶ھ

۴ــــ محمد الرازی فخر الدین م: ۶۰۶ھ مفاتیح الغیب المشتہر بالتفسیر الکبیر، مطبعہ ازہریہ، مصر ۱۳۰۸ھ

۵ــــ عبداللہ بن عمر البیضاوی م: ۶۸۵ھ انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بالبیضاوی، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند،

۶ــــ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی المعروف بالخازن م ۷۴۱ھ: لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف بالخازن، مطبعہ التقدیم العلمیۃ، مصر

۷ــــ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشاپوری: متوفی آخر نویں صدی ہجری (صحیح سن وفات نامعلوم) غرائب القرآن ورغائب الفرقان علی ہامش ابن جریر، مطبعہ کبریٰ امیریہ، بولاق، مصر ۱۳۲۹ھ

۸ــــ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر الدمشقی م: ۷۷۴ھ تفسیر القرآن العظیم، مکتبہ تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۶ھ۔ ۱۹۳۷ء

۹ــــ جلال الدین محمد بن احمد المحلی م: ۸۶۴ھ اور جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی م: ۹۱۱ھ تفسیر الجلالین دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء، طبعہ اولیٰ

۱۰ــــ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی م: ۹۱۱ھ الدر المنثور فی التفسیر الماثور،

Marfat.com

المکتبۃ الاسلامیۃ، طہران

۱۱ــــ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الآلوسی م: ۱۲۷۰ھ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ ۔ (مصر) ۱۳۵۳ھ

۱۲ــــ قاضی ثناء اللہ پانی پتی م: ۱۲۲۵ھ تفسیر مظہری، ندوۃ المصنفین دہلی

۱۳ــــ سید محمد رشید (ضام ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) تفسیر المنار، مطبعہ المنار، مصر، طبع اولی ۱۳۴۶ھ

۱۴ــــ سید قطب م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۷ء فی ظلال القرآن ، طبع خامس ۱۹۶۷ء

۱۵ــــ عبدالحمید فراہی م: ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء تفسیر سورۃ العصر ۔ فیض عام علی گڑھ ۱۳۲۶ھ

۱۶ــــ ابوالقاسم حسین بن محمد الراغب الاصفہانی م: ۵۰۲ھ المفردات فی غریب القرآن ، مطبعہ میمنیہ، مصر۔

۱۷ــــ عبدالحمید فراہی م: ۱۳۴۹ھ مفردات القرآن، دائرہ حمیدیہ، مطبعہ الاصلاح سرائے میر الہند ۱۳۵۸ھ

۱۸ــــ السیوطی م: ۹۱۱ھ لباب النقول فی اسباب النزول علی ہامش الجلالین، طبع مذکور

۱۹ــــ عبدالحمید الفراہی م: ۱۳۴۹ھ حواشی الفراہی علی القرآن المجید ۔ غیر مطبوع

۲۰ــــ 〃 〃 الاتقان فی علوم القرآن، طبع ازہریہ، مصر ۱۹۲۵ء، طبعہ ثانیہ

۲۱ــــ محمد بن اسماعیل البخاری م: ۲۵۶ھ صحیح البخاری، اصح المطابع دہلی ۱۹۳۸ء

۲۲ــــ ابوالحسین مسلم بن الحجاج النیشاپوری م: ۲۶۱ھ، صحیح المسلم، اصح المطابع دہلی

۲۳ــــ سلیمان بن اشعث ابوداؤد السجستانی م: ۲۷۵ھ سنن ابوداؤد۔ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۵ھ

۲۴ــــ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی م: ۲۷۹ھ جامع الترمذی، کتب خانہ رشیدیہ دہلی

۲۵ــــ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن بحر النسائی م: ۳۰۳ھ سنن نسائی ۔ مطبع مجتبائی ۔ دہلی

۲۶ــــ ابوعبداللہ بن ماجہ القزوینی م: ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ ۔ اصح المطابع ۔ لکھنؤ

۲۷ــــ ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی م: ۲۵۵ھ سنن دارمی علی ہامش المنتقی لابن تیمیہ الحرانی ۔ دہلی

۲۸ــــ ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل م: ۲۴۱ھ مسند احمد بن حنبل و بہامشہ منتخب کنز العمال

Marfat.com

فی سنن الاقوال والافعال، المطبعۃ المیمنیہ، مصر ۱۳۱۳ھ

۲۹ــــ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی م: ۷۳۷ھ کے بعد (صحیح تاریخ وفات نامعلوم)
مشکوٰۃ المصابیح۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی مطبوعہ اصح المطابع

۳۰ــــ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی م: ۶۷۶ھ ریاض الصالحین، مطبوعہ بابی حلبی، مصر، ۱۹۳۸ء

۳۱ــــ شہاب الدین محمد بن حجر العسقلانی م: ۸۵۲ھ فتح الباری، مطبعہ خیریہ، مصر ۱۳۱۹ھ طبعہ اولیٰ

۳۲ــــ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی م ۶۷۶ھ شرح مسلم مع صحیح المسلم۔ اصح المطابع۔ دہلی

۳۳ــــ عبدالرحمٰن مبارکپوری م: ۱۳۵۳ھ تحفۃ الاحوذی مع جامع الترمذی۔ جید برقی پریس۔ دہلی

۳۴ــــ محمد بن علی ابن محمد الشوکانی م ۱۲۵۵ھ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار۔ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۴ھ طبع دوم

۳۵ــــ مجدالدین ابوالسعادات المعروف بابن الاثیر م: ۶۰۶ھ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر وبہامشہ الدر النثیر للسیوطی، مطبعہ عثمانیہ، مصر ۱۳۱۱ھ۔ تصحیح عبدالعزیز بن اسماعیل الطحطاوی

۳۶ــــ محمد ناصرالدین الالبانی: سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، المکتب الاسلامی (بیروت)

۳۷ــــ 〃 〃 سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، 〃 〃

۳۸ــــ اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ۱۱۶۲ھ کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنۃ الناس، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبعہ ثانیہ ۱۳۵۱ھ

۳۹ــــ شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم محدث الدہلوی م: ۱۱۷۶/۷۶ھ حجۃ اللہ البالغہ۔ کتب خانہ رشیدیہ۔ دہلی

۴۰ــــ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ م: ۷۲۸ھ مجموع فتاویٰ الشیخ الاسلام ابن تیمیہ ترتیب عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہ محمد الریاسۃ العامۃ لشئون الحرمین الشریفین السعودیۃ

۴۱ــــ شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ م: ۷۲۸ھ اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ اصحاب الجحیم تحقیق و تعلیق: دکتور ناصر بن عبدالکریم العقل۔ طبعہ اولیٰ ۱۴۰۴ھ۔ وقف للہ من الامیر سلطان بن عبدالعزیز۔

۴۲ــــ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن القیم الجوزیہ م: ۷۵۱ھ اعلام الموقعین عن ربّ العالمین۔ مراجعت وتعلیق: طٰہٰ عبدالرزاق سعد۔ دارالجیل۔ بیروت

۴۳ــــ ابن القیم الجوزیہ م: ۷۵۱ھ الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ، مطبعۃ الآداب، مصر ۱۳۱۷ھ

۴۴ــــ 〃 〃 الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، (بدون سنۃ)

۴۵ــــ تقی الدین ابن تیمیہ م: ۷۲۸ھ السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ، دارالکتاب العربی۔ مصر، طبعہ ثالثہ ۱۹۵۵ء

۴۶ــــ عبدالوہاب خلاف: علم اصول الفقہ، دارالقلم، کویت ۱۹۸۳ء

۴۷ــــ ابواسحاق الشاطبی م: ۷۹۰ھ ابراہیم بن موسیٰ اللخمی م: ۷۹۰ھ الموافقات فی اصول الشریعۃ، المکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، مصر

۴۸ــــ شیخ الاسلام بن تیمیہ م: ۷۲۸ھ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔ مطابع المجد التجاریۃ

۴۹ــــ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، مرتبہ: احمد شنتاوی اور ابراہیم زکی خورشید، مطبعۃ الاعتماد، مصر۔

۵۰ــــ محمد فواد عبدالباقی: مفتاح کنوز السنۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۰۳ھ

۵۱ــــ المعلم عبدالحمید الفراہی م: ۱۳۴۹ھ التکمیل فی اصول التاویل، الدائرۃ الحمیدیۃ ومکتبۃ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ ۱۳۸۸ھ

۵۲ــــ محمد علاء الدین الحصکفی م ۱۰۸۸ھ: الدر المختار علی ہامش رد المحتار، مطبوعہ عثمانیہ، مصر ۱۳۲۷ھ

۵۳ــــ محمد امین الشہیر بابن عابدین الشامی م ۱۲۵۲ھ: رد المحتار مع الدر المختار، محولہ بالا

۵۴ــــ جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی م: ۷۶۲ھ نصب الرایہ لاحادیث الہدایۃ، المجلس العلمی، والہیل، سورت (الہند) طبعہ ثانیہ ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء

۵۵ــــ سعدالدین التفتازانی م: ۷۹۲ھ شرح العقائد النسفیۃ، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی (بدون سنۃ)

Marfat.com

(اُردو)

۵۶ ــــ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی م سنہ ۱۲۳۰ھ : تفسیر موضح القرآن، تاج کمپنی لمٹیڈ لاہور

۵۷ ــــ سید ابوالاعلیٰ م: سنہ ۱۹۷۹ء : تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

۵۸ ــــ مولانا امین احسن اصلاحی : تدبّرِ قرآن، انجمن خدام القرآن لاہور، اور فاران فاؤنڈیشن لاہور

۵۹ ــــ حمیدالدین فراہی م: سنہ ۱۹۳۰ء تفسیر سورۂ ذاریات، ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی دائرۂ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ، طبع اوّل

۶۰ ــــ سید سلیمان ندوی م سنہ ۱۹۵۳ء : سیرۃ النبیؐ۔ دارالمصنفین، اعظم گڑھ

۶۱ ــــ سید ابوالاعلیٰ مودودی م: سنہ ۱۹۷۹ء : الجہاد فی الاسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

۶۲ ــــ محمد سلیمان سلمان منصور پوری م: سنہ ۱۳۴۹ / ۱۹۳۰ء : رحمۃ اللعالمین مکتبہ رحمت، دیوبند

۶۳ ــــ اے۔ ایچ۔ جانس، ایم۔ اے : یورپ سولہویں صدی میں، ترجمہ مولوی رحیم الدین صاحب ایم۔ اے۔ دارالطبع جامعہ عثمانیہ، سرکارِ عالی حیدرآباد۔ دکن

۶۴ ــــ الور تھیپجر : تاریخ یورپ حصّہ اوّل۔ ترجمہ مولوی عبدالماجد بی۔ اے، نواب صدر یار جنگ بہادر اور قاضی تلمذ حسین، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، سرکارِ عالی حیدرآباد، دکن

۶۵ ــــ ڈاکٹر جیمس ہاروی رابن سن : تاریخ مغربی یورپ۔ مترجمہ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا مکتبہ جامعہ اسلامیہ، دہلی

۶۶ ــــ منوسمرتی : ترجمہ لالہ سوامی دیال صاحب، مطبع نول کشور، کان پور، طبع دوم

۶۷ ــــ کتاب مقدس : عہدنامہ قدیم وجدید۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، انارکلی لاہور، سنہ ۱۹۴۳ء

۶۸ ــــ عبدالوحید خاں : عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

۶۹ ــــ صدرالدین اصلاحی : اسلام ایک نظر میں 〃

۷۰ ــــ سید جلال الدین عمری : معروف ومنکر 〃

۷۱ ــــ سلطان احمد اصلاحی : اسلام کا تصوّر مساوات 〃

۷۴ ـــ محمد ابو زہرہ م: ۱۹۷۴ء: انسانی معاشرہ اسلام کے سائے میں۔ ترجمہ: سلطان احمد اصلاحی
مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی

۷۳ ـــ مولانا محمد عبدالشکور فاروقی م: ۱۳۸۱ھ: علم الفقہ (کامل)، مکتبہ فاروقیہ، دریائی ٹولہ لکھنؤ

۷۴ ـــ مولانا عبدالماجد دریابادی م: ۱۹۷۷ء: مکتوبات سلیمانی، صدق جدید بک ایجنسی لکھنؤ ۱۹۶۳ء

۷۵ ـــ مولانا سید احمد عروج قادری م ۱۴۰۶ھ: تصوف کی تین اہم کتابیں، ہندوستان پبلیکیشنز نئی دہلی
۱۹۸۳ء اشاعت اول

۷۶ ـــ سلطان احمد اصلاحی: اسلام کا نظریۂ جنس (زیر طبع)

فارسی

۷۷ ـــ سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش م ۴۶۵/۶۹ھ: کشف المحجوب، مطبع پنجابی، لاہور
حسب فرمائش الٰہی بخش کتب فروش (بدون سن)

انگریزی

Dr. D.R. Bhandari : History of European Political Philosophy, Bangalore Publishing Co. 1948. —۷۸

Carl Stephenson : Mediaeval History, Europe from the second to the sixteenth century third Rev. edition 1951. —۷۹

Harpers and brothers : Publishers New york (U.S.A.)

G.R. Scott : The History of Torture Throughout The Ages, London, T. Werner Laurie Ltd. 194. —۸۰

E.S.P. Haynes : Religious Persecutions; a Study in Political Psychology. London, Walls & Co. 1906. —۸۱

Marfat.com

J.B. Bury : A History of Freedom of Thought, London, Oxford, University Press, 1957. —۸۲

C.T. Gorham : Religion as a Bar To Progress London, Walls & Co. 1930. —۸۳

A.G. Afanasyer : Marxit Philosonhy - A popular Outline, Progress Publishers, Moscore 1980. —۸۴

Bluntschli : The theory of the State Oxford, London, third Edition. —۸۵

J.S. Schapiro, Liberalism - Its Meaning andHistory D. Van - nost rand Com Praiceton Ets. —۸۶

Robert H. Thoules : An Inroduction to The Psychology of Religion Camb. University Press, 1961 —۸۷

(اخبارات ورسائل)

۸۸ — سہ ماہی تحقیقات اسلامی ، علی گڑھ

۸۹ — ماہنامہ زندگی نو، نئی دہلی

تمسیحا کا اسلامی تصور

سلطان احمد اصلاحی

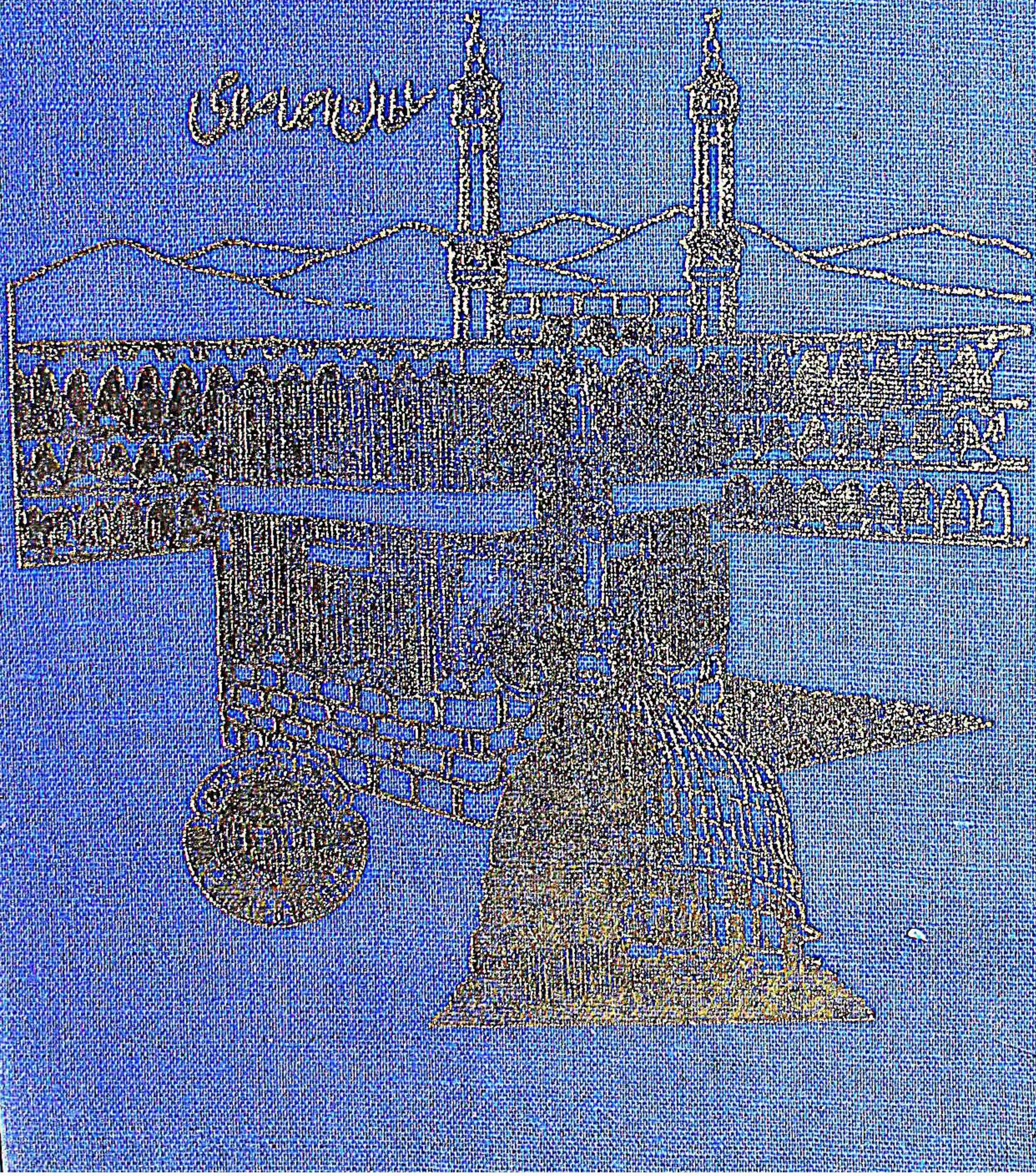

Marfat.com